www.idaraghufran.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد12

# علمی و تحقیقی رسائل

(1)...احادیث ختمِ نبوت

(2)...شَفَاعَةُ النَّبِیِّ لِأَبَوَیِ النَّبِیِّ

مصنّف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

نام کتاب: علمی وتحقیقی رسائل (جلد12)

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

طباعتِ اوّل: شوال المکرّم 1441ھ- جون 2020ء

صفحات: 732

---

## ملنے کے پتے

# رسائل کی اجمالی فہرست

# تفصیلی فہرست رسالہ اول

## (احادیثِ ختمِ نبوت)

| صفحہ نمبر | مضامین |
|---|---|

# تفصیلی فہرست رسالہ دوم

## (شَفَاعَةُ النَّبِيِّ لِأَبَوَيِ النَّبِيِّ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# پیشِ لفظ

## ’’مجلسِ فقہی‘‘ ادارہ غفران، راولپنڈی

مولانا مفتی محمد رضوان خان صاحب حفظہ اللہ (مدیر: ادارہ غفران، راولپنڈی) کے علمی وتحقیقی رسائل کی بارہویں جلد بحمد اللہ تعالیٰ، تیار ہوکر، تدوین، تحقیق، مراجعت اور کتابت وغیرہ کے جملہ متعلقہ مراحل سے گزر کر اشاعت کے مرحلہ میں داخل ہورہی ہے۔

علمی وتحقیقی رسائل کی اشاعت کا یہ سلسلہ پہلی جلد سے شروع ہوکر الحمد للہ تعالیٰ، بتوفیقِ الٰہی بارہویں جلد کی اشاعت تک پہنچ چکا ہے۔

بارہویں جلد میں مندرجہ ذیل دو تحقیقی رسائل شامل ہیں:

(1)...احادیث ختم نبوت

(2)...شَفَاعَةُ النَّبِيِّ لِأَبَوَيِ النَّبِيِّ

مزید کئی جلدوں کے رسائل پر بھی بحمد اللہ تعالیٰ مختلف جہات سے کام جاری ہے، اور بحمد اللہ تعالیٰ کئی رسائل پر بڑی حد تک کام ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بعافیت واستقامت اس سلسلہ کو حسبِ مراد انجام دینے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

ادارہ غفران کے اراکینِ مجلسِ فقہی نے حسبِ سابق اس جلد کے رسائل ومقالات کا بھی بالاستیعاب مطالعہ کیا، اور مفید مشورے اور قابلِ اصلاح امور کی نشاندہی کی ، اس طرح اراکینِ مجلس کی نظرِ ثانی اور جزوی اصلاح وترمیم کے بعد اس جلد کے رسائل ومقالات بھی الحمد للہ تعالیٰ حتمی شکل میں منقّح ہوئے۔

دعاء ہے کہ یہ مجموعہ، اللہ کی بارگاہ میں قبول ومنظور ہو، اور بطورِ خاص علمی وفقہی دنیا میں امتِ

مسلمہ کی دنیا وآخرت کی صلاح وفلاح اور افراط وتفریط سے حفاظت اور اعتدال کے قائم ہونے کا باعث ہو، اور جملہ اراکینِ مجلسِ فقہی کے لیے مغفرت اور ترقی درجات کا ذریعہ بنے۔ آمین۔

## اسمائے گرامی: اراکینِ مجلسِ فقہی، ادارہ غفران

(1)......مفتی محمد رضوان صاحب (صدرِ مجلس)

(2)......مفتی محمد یونس صاحب (نائب صدر)

(3)......مولانا طلحہ مدثر صاحب (ناظم)

(4)......مولانا محمد ناصر صاحب (رکن)

(5)......مولانا طارق محمود صاحب (رکن)

(6)......مولانا عبدالسلام صاحب (رکن)

(7)......مولانا غلام بلال صاحب (رکن)

(8)......مولانا محمد ریحان صاحب (رکن)

(9)......مولانا شعیب احمد صاحب (رکن)

03/ جمادی الاخریٰ/ 1441ھ 29/ جنوری/ 2020ء بروز بدھ

ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی و تحقیقی سلسلہ

# احادیثِ ختمِ نبوت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین اور آخری نبی ہونا

امتِ محمدیہ کا آخری امت ہونا

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا مبعوث نہ ہونا

دینِ محمدی کا تام اور نبوتِ محمدی کا عام ہونا

نبوت کا منقطع اور مبشرات کا باقی رہنا

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جھوٹے نبوت کے دعویداروں کا پیدا ہونا

احادیث وسنت کا حجت ہونا

مؤلف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

# فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تمہید

(از مؤلف)

موجودہ دور، مختلف جہات سے دینی اور دنیاوی فتنوں کا دور ہے، جس میں ایک عام مسلمان کو اپنے دین کی حفاظت بہت مشکل ہوگئی ہے، کیونکہ دین کے نام پر بے دینی، بے راہ روی اور گمراہی کے کئی فتنے رونما ہورہے ہیں۔

اسی قسم کے فتنوں میں ایک فتنہ ''ختمِ نبوت کا انکار'' بھی ہے، جو کبھی کسی رنگ میں اور کبھی کسی رنگ میں رونما ہوتا ہے، چنانچہ بعض اوقات جھوٹے نبوت کے دعویدار پیدا ہوتے ہیں، اور بعض اوقات نبوت ورسالت کی تقسیم وتخصیص کرکے اس کی بعض اقسام کے ختم ہونے اور بعض کے جاری رہنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، تاکہ نصوص میں تاویل کرکے عوام کو دجل وفریب میں مبتلا کیا جاسکے، جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے اس طرح کا دعویٰ کیا گیا۔

اسی لیے جب ختمِ نبوت کے سلسلے میں کوئی دلیل یا حدیث پیش کی جاتی ہے، تو اس میں طرح طرح کی تاویلیں کرکے اس کو رَد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، مثلاً بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں ''خاتم النبیین'' فلاں معنیٰ میں آیا ہے، یا یہ کہ ختمِ نبوت سے متعلق فلاں حدیث کا یہ مطلب ہے، یا یہ کہ فلاں حدیث سند کے اعتبار سے کمزور ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں بندہ نے قرآن وسنت پر مشتمل مختصر اور سہل دلائل جمع کرنے کی کوشش کی تھی، اس مضمون کو آئندہ اوراق میں نقل کیا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اتباعِ حق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فقط. وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ.

محمد رضوان خان 01/رجب المرجب/1440ھ 09/مارچ/2019ء بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

ختمِ نبوت کا عقیدہ قرآن وسنت کے کن دلائل سے ثابت ہے؟

ایک صاحب کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں صرف ایک جگہ ''خاتم النبیین'' کے الفاظ آئے ہیں، لیکن ان الفاظ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نبیوں کی ''مہر'' ہونا مراد ہے، یعنی ''ختم'' کے معنیٰ ''مہر'' کے بھی آتے ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ آپ کے آنے کی بہت سے نبیوں نے پیشین گوئی فرمائی تھی، لہٰذا آپ کی آمد کے بعد ان نبیوں کی بات سچ ثابت ہوگئی، اور اس کے مصدقہ ہونے کی ''مہر'' لگ گئی۔

اسی کے ساتھ وہ صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ ختمِ نبوت کا عقیدہ کوئی ایسا بنیادی عقیدہ نہیں ہے کہ جس کے انکار پر کسی کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے، کیونکہ ختمِ نبوت کے انکار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا انکار لازم نہیں آتا۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ ایسی نبوت و رسالت تو ختم ہوگئی، جس کو مستقل آسمانی کتاب اور تمام احکامِ شریعت دیے جائیں، لیکن جزوی رسالت ونبوت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا، اور اس دعوے کو اسلام کے منافی قرار نہیں دیا جاسکتا، اور جن احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے نہ ہونے کا ذکر آیا ہے، وہ قابلِ اعتبار نہیں، کیونکہ یہ حدیثیں بعد میں لکھی گئی ہیں، ان میں بہت سی حدیثیں غلط اور جھوٹی بھی شامل ہوگئیں، جبکہ قرآن کی آیتیں سب کی سب محفوظ ہیں، کیونکہ قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری، اللہ نے اٹھائی ہے۔

اس سلسلے میں رہنمائی درکار ہے۔

## جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام نبیوں میں آخری نبی ہونا، آپ کے بعد کسی نبی کا نہ ہونا اور آپ

کے ذریعے انبیائے کرام صلی اللہ علیہم وسلم کے سلسلے کا مکمل ہو جانا، اور آپ کے بعد نبوت کے جھوٹے دعویداروں کا پیدا ہونا، قرآن وسنت کے صحیح، صریح اور کثیر دلائل سے ثابت ہے، جس کی وجہ سے عقیدۂ ختمِ نبوت کے انکار کی گنجائش نہیں، اور اس کا انکار کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

عقیدۂ ختمِ نبوت کے دلائل مختلف طرح کے اور بہت زیادہ ہیں، اس لیے آگے ان دلائل کو الگ الگ فصلوں میں ذکر کیا جاتا ہے۔

اور کوشش کی گئی ہے کہ قرآن وسنت میں بیان کیے گئے دلائل کا ہی حتی الامکان تذکرہ کیا جائے، اور مسئلہ ہٰذا کی زیادہ عام ضرورت ہونے کی وجہ سے طوالت سے گریز کیا جائے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ قرآن وسنت کے ان دلائل کو ملاحظہ کرنے کے بعد عقیدۂ ختمِ نبوت کے مسئلہ کو سمجھنا اور اس کو قبول کرنا مشکل نہ رہے گا، البتہ اگر کوئی اپنی شامتِ اعمال کی نحوست کی بنا پر اللہ کی توفیق سے محروم ہو جائے، تو اس کا معاملہ الگ ہے۔

اللہ تعالیٰ عقلِ سلیم اور فہمِ صحیح عطاء فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ.

## (فصل نمبر 1)

# دینِ محمدی کے تام ونبوتِ محمدی کے عام ہونے کی نصوص

اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے کردہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کے ذریعہ سے بھیجی ہوئی شریعت دنیا کے تمام ملکوں، خطوں اور علاقوں کے لیے عام ہے، خواہ وہ خطہ عرب کا ہو یا عجم کا، ہندوستان کا ہو یا پاکستان کا، بنگلہ دیش کا ہو یا سری لنکا کا، امریکہ کا ہو یا افریقہ کا، یا کوئی اور خطہ، ہر ملک وعلاقہ کے باشندوں کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت ہی واجب الاتباع اور واجب القبول ہے۔

پہلے زمانوں میں جس طرح لوگوں کی معاشرت اور تمدنی زندگی میں تغیر آ جانے، اور پہلی شریعت پر عمل دشوار ہو جانے کے بعد نئی شریعت یا نئے نبی کو مبعوث کیا جاتا تھا، اور ایک وقت میں بھی مختلف علاقوں کی تمدنی ومعاشرتی زندگی ایک دوسرے سے، مختلف ہونے کی وجہ سے ہر علاقہ وقوم کا لحاظ کر کے الگ الگ نبیوں کو مبعوث فرمایا جاتا تھا۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جو نبی ورسول بھی مبعوث کیا جاتا تھا، وہ ایک مخصوص زمانہ ومدت کے لیے مبعوث کیا جاتا تھا، پھر جب تمدنی ومعاشرتی تبدیلی کی وجہ سے ضرورت محسوس کی جاتی تھی، تو کسی دوسرے نبی ورسول کو مبعوث کیا جاتا تھا۔

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا، اور آپ پر نازل کی ہوئی شریعت کو سب کے لئے عام ہونے کے ساتھ ساتھ تام فرمادیا۔

اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا خاتمہ فرمادیا، اور دینِ اسلام کو قیامت تک کے لیے آخری اور مکمل مذہب قرار دے دیا، اس کے بعد تا قیامت نہ تو کوئی نبی آئے گا، اور نہ ہی کوئی نئی شریعت آئے گی، اور ہر زمانہ میں یہی نبوت وشریعت قابلِ عمل

وقابلِ اتباع رہے گی، جس کی قرآن وسنت میں بڑی وضاحت وصراحت آئی ہے۔
ذیل میں اس کی کچھ تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

## سورہ آلِ عمران کا حوالہ

سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

**إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِآيَاتِ اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ**(سورة آل عمران، رقم الآية: ۱۹)

ترجمہ: بے شک دین، اللہ کے نزدیک ''اسلام'' ہے، اور نہیں اختلاف کیا، ان لوگوں نے، جن کو دی گئی کتاب، مگر اس کے بعد کہ آ گیا ان کے پاس علم، سرکشی کی وجہ سے، اپنے درمیان، اور جو کفر کرے گا، اللہ کی آیات کے ساتھ، تو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے (سورہ آلِ عمران)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی آمد کے بعد، اللہ کے نزدیک قابلِ قبول دین ''اسلام'' ہی ہے، اور اسی پر عمل پیرا ہونے سے آخرت میں نجات حاصل ہوگی، اور اس کی خلاف ورزی پر ناکامی کا سامنا کرنا ہوگا، اور ایسا کرنے والے پر کفر کا حکم عائد ہوگا، جس کی دلیل مذکورہ آیت میں ''وَمَنْ يَّكْفُرْ بِآيَاتِ اللّٰهِ'' کے الفاظ میں موجود ہے۔

اور جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی رسالت اس میں داخل ہے، اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری رسالت اور شریعتِ محمدی کے دوسرے احکام بھی داخل ہیں۔ [1]

---

[1] وقوله تعالى :إن الدين عند الله الإسلام إخبار منه تعالى بأنه لا دين عنده يقبله من أحد سوى الإسلام، وهو اتباع الرسل فيما بعثهم الله به فى كل حين حتى ختموا بمحمد صلى الله عليه وسلم الذى سد جميع الطرق إليه إلا من جهة محمد صلى الله عليه وسلم، فمن لقى الله بعد بعثة محمد صلى الله عليه وسلم بدين على غير شريعته فليس بمتقبل، كما قال تعالى :ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه ، وقال فى هذه الآية مخبرا بانحصار الدين المتقبل عنده فى الإسلام إن الدين عند الله الإسلام(تفسير ابن كثير، ج۲، ص ۲۱، سورة آل عمران)

## سورہ آلِ عمران کا ایک اور حوالہ

سورہ آلِ عمران ہی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ** (سورة آل عمران، رقم الآية : ۸۵)

ترجمہ: اور جو تلاش کرے گا، اسلام کے علاوہ کو دین کی حیثیت سے، تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اُس کی طرف سے، اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا (سورہ آلِ عمران)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کے علاوہ کسی بھی دوسرے دین کو اللہ کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا، اور اسلام کو چھوڑ کر کسی دین کو اختیار کرنے والا آخرت میں کفر کی وجہ سے خسارا پانے والوں میں شمار ہوگا، جس کی تائید گزشتہ آیت سے ہوتی ہے۔

اور ''وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا ''میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو کوئی بھی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کو دین تصور کرے گا، جس میں اس دین پر عمل کرنا بھی داخل ہے، وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ [1]

## سورہ مائدہ اور سورہ صف کا حوالہ

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

**اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ** (سورة المائدة، رقم الآية : ۳)

---

[1] قوله عز وجل :ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه يعنى أن الدين المقبول عند الله هو دين الإسلام وأن كل دين سواه غير مقبول عنده لأن الدين الصحيح ما يأمر الله به ويرضى عن فاعله ويثيبه عليه وهو فى الآخرة من الخاسرين يعنى الذين وقعوا فى الخسارة وهو حرمان الثواب وحصول العقاب(لباب التأويل فى معانى التنزيل، المعروف بالخازن، ج ا ،ص ۲٦٦ ،سورة آل عمران)

ترجمہ: آج کے دن مکمل کر دیا میں نے تمہارے لیے، تمہارے دین کو، اور تمام کر دیا میں نے تمہارے اوپر اپنی نعمت کو، اور راضی ہو گیا میں تمہارے لیے اسلام سے (سورہ مائدہ)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے جو دین نازل فرمایا، وہ نہایت مکمل ہے، اور اللہ، تا قیامت اپنے بندوں سے صرف دینِ اسلام ہی سے راضی ہے، یعنی اللہ کی رضامندی اسی دینِ اسلام میں منحصر ہے، اور اسی اسلام کے ذریعے سے اللہ نے اپنی نعمت کو اپنے بندوں پر تمام کیا ہے، لہٰذا اسلام کے علاوہ دوسرے دین کو اختیار کرنے پر اللہ راضی نہیں ہوگا، اسی کا ذکر گزشتہ آیت میں گزرا کہ اللہ اسلام کے علاوہ کسی دین کو ہرگز قبول نہیں فرمائے گا۔

اور دینِ اسلام چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے آیا ہے، پس ضروری ہوا کہ آپ کو بھی کامل اور آخری نبی مانا جائے۔ [1]

سورہ صف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰى إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ. يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ .هُوَ الَّذِىْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (سورة الصف، رقم الآيات : ٧ الىٰ ٩)

ترجمہ: اور کون ہوگا بڑا ظالم اُس سے، جس نے باندھا اللہ پر جھوٹ کو، حالانکہ اس کو دعوت دی جاتی ہے اسلام کی طرف، اور اللہ نہیں ہدایت دیتا، اس قوم کو جو ظالم ہو۔ چاہتے ہیں یہ لوگ کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو، اپنے مونہوں سے، اور اللہ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کو، اگرچہ ناپسند کریں کافر لوگ۔ وہی ہے جس نے بھیجا

[1] ثم قال تعالى: ورضيت لكم الإسلام دينا والمعنى أن هذا هو الدين المرضى عند الله تعالى ويؤكده قوله تعالى: ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه (التفسير الكبير للرازى، ج ١١ ص ٢٨٩، سورة المائدة)

اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ اور دینِ حق کے ساتھ، تا کہ غالب کردے وہ اس (دینِ حق) کو، ہر دین پر، اگرچہ ناپسند کریں مشرک لوگ (سورہ صف)

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو جس کو اسلام کی طرف دعوت دی جائے، اور وہ اس کو قبول نہ کرے، اور اس کے بجائے کسی دوسرے دین کو نجات کے لیے کافی سمجھے، اس کو بہت بڑا ظالم اور افترا پرداز اور غیر ہدایت یافتہ قرار دیا، اور اسی کے ساتھ نبی آخر الزمان کے ذریعے بھیجی ہوئی شریعت کو ہدایت اور دینِ حق قرار دیا، تا کہ اس دینِ حق کو دوسرے ہر دین اور تمام اَدیان پر غالب کردے، کیونکہ اس دینِ حق کے بعد کوئی بھی دوسرا دین، حق شمار نہیں ہوتا، بلکہ باطل شمار ہوتا ہے۔ [1]

## سورہ اعراف کا حوالہ

سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**قُلْ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا**(سورة الاعراف، رقم الآية ۱۵۸)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں رسول ہوں، اللہ کا، تم سب کی طرف (سورہ اعراف)

اس سے معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، سب لوگوں کے لیے رسول ہیں، یعنی آپ کی رسالت ونبوت سب انسانوں کے لیے عام ہے۔

---

[1] ومن أظلم ممن افترى على الله الكذب أى ومن أقبح ظلما ممن بلغ افتراؤه أن يكذب على الله وذلك أنهم علموا أن ما نالوه من نعمة فمن الله ثم كفروا به وهو يدعى إلى الإسلام معنى الآية أى الناس أشد ظلما ممن يدعوه ربه على لسان نبيه صلى الله عليه وسلم إلى الإسلام الذى له فيه سعادة الدارين فيجعل مكان إجابته افتراء الكذب على الله بقوله هذا سحر مبين والله لا يهدى القوم الظالمين أى لا يوفقهم للهداية علم من حالهم عقوبة لهم يريدون ليطفؤا نور الله بأفواههم يعنى إرادتهم إبطال الإسلام بقولهم فى القرآن هذا سحر والله متم نوره يعنى متم للحق ومظهره ومبلغه غايته وقال ابن عباس مظهر دينه ولو كره الكافرون هو الذى أرسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله أى ليعليه على الأديان المخالفة له ولقد فعل ذلك فلم يبق دين من الأديان إلا وهو مغلوب ومقهور بدين الإسلام(تفسير الخازن، ج۴ص۲۸۸، سورة الصف)

## سورہ فرقان کا حوالہ

سورہ فرقان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا (سورة الفرقان رقم الآية ۱)

ترجمہ: بابرکت ہے وہ ذات جس نے نازل کیا فرقان (یعنی قرآن) کو اپنے بندہ پر، تاکہ ہو جائے وہ تمام عالم والوں کے لیے ڈرانے والا (سورہ فرقان)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لوگوں کے لیے ڈرانے والے یعنی نبی و رسول ہیں۔

## سورہ سبا کا حوالہ

سورہ سبأ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا کَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَلٰکِنَّ أَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (سورة سبأ، رقم الآية ۲۸)

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو، مگر سب لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے اور ڈرانے والا بنا کر، اور لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں (سورہ سبا)

اس سے معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے لیے بشیر یعنی خوشخبری سنانے والے ہیں، اور نبی کی حیثیت جس طرح نذیر یعنی ڈرانے والا ہونے کی ہوتی ہے، اسی طرح بشیر یعنی خوشخبری سنانے والا ہونے کی بھی ہوتی ہے۔

بہرحال مذکورہ آیت سے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا سب کے لیے عام ہونا ثابت ہوا۔

کئی احادیث وروایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

چند احادیث وروایات ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

# ابنِ عباس اور چند دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی احادیث

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ أَحَدٍ يَسْمَعُ بِیْ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، وَلَا يَهُوْدِیٌّ وَلَا نَصْرَانِیٌّ، وَلَا يُؤْمِنُ بِیْ إِلَّا دَخَلَ النَّارَ، فَجَعَلْتُ أَقُوْلُ: أَيْنَ تَصْدِيْقُهَا فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ؟ حَتّٰى وَجَدْتُ هٰذِهِ الْـآيَةَ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْأَحْزَابِ، فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ قَالَ: الْأَحْزَابُ الْمِلَلُ كُلُّهَا** (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۳۳۰۹، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ ہود) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی بھی اس امت میں سے مجھے سن لے، اور جو کوئی یہودی اور نصرانی بھی مجھے سن لے، اور وہ مجھ پر ایمان نہ لائے، تو وہ جہنم میں داخل ہوگا (ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) پھر میں نے اس کی کتابُ اللہ سے تصدیق چاہی، تو میں نے سورہ ھود کی اس آیت کو پایا ''وَمَنْ يَكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ'' یعنی ''جو شخص بھی احزاب میں سے نبی کا انکار کرے، تو آگ اس کا ٹھکانا ہے'' اور ''احزاب'' تمام اقوام ہیں (حاکم)

مفسرین سے بھی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول کی تائید ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] قال الحاکم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه.
وقال الذهبی فی التلخيص: على شرط البخاری ومسلم.

[2] ومن يكفر به ای محمد صلى الله عليه وسلم او بالقران من الأحزاب من اهل الملل كلها فالنار موعده (التفسير المظهری، ج۵ص۷۷، سورة هود)

ومن يكفر به يعنی بمحمد صلى الله عليه وسلم من الأحزاب يعنی من جميع الكفار وأصحاب الأديان المختلفة فتدخل فيه اليهود والنصارى والمجوس وعبدة الأوثان وغيرهم والأحزاب الفرق الذين تحزبوا وتجمعوا على مخالفة الأنبياء فالنار موعده يعنی فی الآخرة (تفسير الخازن، ج۲ص۴۷۸، سورة هود)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر ہر ایک کو ایمان لانا ضروری ہے، جو بھی آپ کی ذات کا ذکر سنے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ، لَا يَسْمَعُ بِیْ أَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُوْدِیٌّ، وَلَا نَصْرَانِیٌّ، ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِیْ أُرْسِلْتُ بِهٖ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ**

(مسلم، رقم الحديث ١٥٣ "٢٤٠" كتاب الايمان ،باب وجوب إيمان أهل الكتاب برسالة الإسلام)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے، جو کوئی بھی اس امت میں سے میرے بارے میں سنے گا، خواہ یہودی ہو یا نصرانی ہو، پھر وہ اس چیز پر ایمان لانے سے پہلے مر جائے گا، جس کو دے کر مجھے بھیجا گیا ہے، تو وہ جہنم والوں میں سے ہوگا (مسلم)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ سَمِعَ بِی مِنْ أُمَّتِی أَوْ يَهُوْدِیٌّ أَوْ نَصْرَانِیٌّ فَلَمْ يُؤْمِنْ بِیْ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ** "(مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٩٥٣٦) [1]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:

صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف لانقطاعه، سعيد بن جبير لم يسمع أبا موسى الأشعرى، فقد وُلد سعيد سنة 46هـ، وتُوفى أبو موسى نحو الخمسين على أحد الأقوال، وقد أشار إلى إرسال رواية سعيد عن أبى موسى البزارُ، والحافظُ فى "التقريب ."وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين.

وأخرجه الطيالسى ( 509) ، والبزار فى "مسنده "(16)" زوائد"، والنسائى فى "الكبرى "(11241) - وهو فى "التفسير "(261) - والطبرىُ فى "تفسيره" (18079) ، وأبو نُعيم فى "الحلية 4/308 "من طرق عن شعبة، بهذا الإسناد.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری امت میں سے مجھے سنا، یا کسی یہودی (یعنی اسرائیلی) یا نصرانی (یعنی عیسائی) نے سنا، اور پھر وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا، تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا (مسند احمد)

اور مطلب مذکورہ احادیث کا یہ ہے کہ جس کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچ جائے، اور اس کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ثابت ہوجائے، تو اس پر واجب ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے، خواہ وہ کوئی بھی ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت قیامت تک سب لوگوں کے لیے عام ہے اور نبی کی رسالت پر ایمان میں

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾قال البزار :لا نعلم أحداً رواه عن النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إلا أبو موسى، بهذا الإسناد، ولا أحسب سمع سعيدٌ من أبی موسى .قال الهيثمی :هو فی الصحيح عن أبی هريرة .قلنا :سلف فی "المسند "من حديث أبی هريرة برقم (8203) ، وإسناده صحيح على شرط الشيخين.

وأخرجه ابن حبان (4880) من طريق أبی الوليد، عن شعبة، به، بلفظ" :من سمعَ يهودياً أو نصرانياً دخل النار ."وقد بوَّب عليه ابن حبان بقوله :إيجاب دخول النار لمن أَسْمَعَ أهل الكتاب ما يكرهونه .فتعقَّبه الحافظُ فی "إتحاف المهرة 25-10/24 "، فقال :وهذا فيه نظر كبير، وهو غلطٌ نشأ عن تصحيف، ...وكأنَ الرواية التی وقعت لابن حبان مختصرة" :من سَمِعَ بی فلم يُؤمن دخل النار يهودياً أو نصرانياً "فتحرف عليه، وبوَّب هو على ما تحرَف، فوقع فی خطأ كبير .قلنا :وقد فاتنا أن نُنبه على ذلک فی صحيح ابن حبان، فيُستدرک من هنا.

وأخرجه مطولاً سعيد بن منصور فی "سننه "(التفسير) (1084) عن أبی عوانة، عن أبی بشير، به .

وأخرجه مطولاً عبدُ الرزاق فی "تفسيره2/303 "، والطبری فی "تفسيره "(18073) و (18075) و (18076) من طريق أيوب، عن سعيد بن جبير، به.

وأورده الهيثمی فی "المجمع8/261 "، وقال :رواه الطبرانی واللفظ له، وأحمد بنحوه، ورجالُ أحمد رجالُ الصحيح، والبزارُ أيضاً باختصار.وسيرد برقم (19562).

قال السندی :قوله :من أمتی، أی :من غير أهل الكتاب من الأميين، ولكونه صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ من الأميين أضافهم إليه.

أو يهودی :بالجر عطف على أمتی، أی :أو من أهل الكتاب، والمرادُ أنَّ كل من بلغته دعوتُه صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وثبتت عنده رسالتُه، يجب عليه الإيمانُ به، أمياً كان، أو كتابياً، فإن لم يؤمن به لم يدخل الجنة، وعُلم منه عمومُ رسالته صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إلى الكُل، والله تعالى أعلم(حاشية مسند احمد)

''کُلُّ مَا جَاءَ بِہٖ النَبِیُّ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ'' پر ایمان لانا بھی داخل ہے، خواہ اجمالی طور پر، جب تک تفصیل معلوم نہ ہو، اور خواہ تفصیلی طور پر، جب تفصیل معلوم ہو جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کو سن کر آپ پر ایمان لانے کے واجب ہونے کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے، جن میں قبر میں دفن ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال ہونے اور مومن کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے اقرار کا ذکر ہے، اور کافر کے متعلق یہ مضمون ہے کہ:

''لَا أَدْرِیْ سَمِعْتُ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ شَیْئًا، فَیَقُوْلُ : لَا دَرَیْتَ، وَلَا تَلَیْتَ، وَلَا اهْتَدَیْتَ''

''میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں سے ان (نبی) کے متعلق کچھ کہتے ہوئے سنا تھا، تو فرشتہ (اس کافر سے) کہتا ہے کہ نہ تو نے سمجھا، اور نہ اتباع کی، اور نہ ہدایت پائی'' [1]

---

[1] عن أبی سعید الخدری، قال: شهدت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم جنازة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " أيها الناس إن هذه الأمة تبتلى في قبورها، فإذا الإنسان دفن فتفرق عنه أصحابه، جائه ملک فی يده مطراق فأقعده، قال: ما تقول فی هذا الرجل؟ فإن كان مؤمنا قال: أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله، فيقول: صدقت ثم يفتح له باب إلى النار، فيقول: هذا كان منزلک لو كفرت بربک، فأما إذ آمنت فهذا منزلک، فيفتح له باب إلى الجنة، فيريد أن ينهض إليه فيقول له: اسكن ويفسح له فی قبره، وإن كان كافرا أو منافقا يقول له: ما تقول فی هذا الرجل؟ فيقول: لا أدری سمعت الناس يقولون شيئا، فيقول: لا دريت، ولا تليت، ولا اهتديت، ثم يفتح له باب إلى الجنة فيقول: هذا منزلک لو آمنت بربک، فأما إذ كفرت به فإن الله عز وجل أبدلک به هذا، ويفتح له باب إلى النار، ثم يقمعه قمعة بالمطراق يسمعها خلق الله كلهم غير الثقلين "فقال بعض القوم: يا رسول الله، ما أحد يقوم عليه ملک فی يده مطراق إلا هيل عند ذلک، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت "(مسند احمد، رقم الحديث ١١٠٠٠، عن ابی سعيد)

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، ولهذا إسناد حسن، رجاله ثقات رجال الصحيح غير عباد بن راشد (حاشية مسند احمد)

بعض دوسری روایات میں اس سے ملتے جلتے الفاظ ہیں۔ [1]

بہرحال مذکورہ اور اس جیسی کئی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت عام ہے اور اس پر ہر ایک انسان کو ایمان لانا ضروری ہے۔

کئی احادیث میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے بھی اس صفت کا ذکر فرمایا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

# ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ (مسلم، رقم الحديث ٥٢٣ "٥" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دوسرے نبیوں پر چھ چیزوں میں فضیلت عطا کی گئی ہے، ایک تو مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے، دوسرے

---

[1] عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إذا قبر الميت – أو قال: أحدكم – أتاه ملكان أسودان أزرقان، يقال لأحدهما: المنكر، وللآخر: النكير، فيقولان: ما كنت تقول في هذا الرجل؟ فيقول: ما كان يقول: هو عبد الله ورسوله، أشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمدا عبده ورسوله، فيقولان: قد كنا نعلم أنك تقول هذا، ثم يفسح له في قبره سبعون ذراعا في سبعين، ثم ينور له فيه، ثم يقال له، نم، فيقول: أرجع إلى أهلي فأخبرهم، فيقولان: نم كنومة العروس الذي لا يوقظه إلا أحب أهله إليه، حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك، وإن كان منافقا قال: سمعت الناس يقولون، فقلت مثله، لا أدري، فيقولان: قد كنا نعلم أنك تقول ذلك، فيقال للأرض: التئمي عليه، فتلتئم عليه، فتختلف فيها أضلاعه، فلا يزال فيها معذبا حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك "(سنن الترمذي، رقم الحديث ١٠٧١)

رعب کے ذریعہ سے میری مدد کی گئی، تیسرے میرے لیے غنیمت کے مالوں کو حلال کردیا گیا، چوتھے میرے لیے زمین کو پاکی کا ذریعہ اور نماز کی جگہ بنادیا گیا، پانچویں مجھے تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا، چھٹے میرے ذریعہ سے نبیوں (کی آمد) کا خاتمہ کردیا گیا ہے (مسلم)

اس حدیث میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے مقابلے میں چھ چیزوں کی امتیازی اور خصوصی فضیلت کا ذکر ہے، جن میں ایک خصوصیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیے جانے کی ہے، اور دوسری خصوصیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم کیے جانے کی ہے اور تیسری خصوصیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع کلمات کے عطا کیے جانے کی ہے، اور چوتھی خصوصیت مخصوص رعب اور ہیبت عطا کیے جانے کی ہے، اور پانچویں خصوصیت اموالِ غنیمت کے حلال کیے جانے کی ہے، اور چھٹی خصوصیت، روئے زمین کو (تیمّم وغیرہ کے ذریعہ سے) پاکی حاصل کرنے اور ہر جگہ نماز ہوجانے کی ہے۔

البتہ بعض روایات میں چھ چیزوں کے بجائے پانچ چیزوں کا ذکر ہے۔

## جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَال: أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِيْ: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِيْ، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً (بخاری، رقم الحديث ۳۳۵، كتاب التيمم)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں، جو

مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں، ایک تو ایک مہینہ کی مسافت کے فاصلہ سے رعب (ودبدبہ) کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے، اور دوسرے میرے لئے زمین کو مسجد (یعنی نماز پڑھنے کی جگہ) اور پاکی (یعنی تیمّم) کا ذریعہ بنادیا گیا ہے، پس میری امت کے جس شخص کو بھی نماز پالے (یعنی جہاں بھی نماز کا وقت آجائے) اسے چاہئے کہ وہ نماز پڑھ لے، اور تیسرے میرے (اور میری امت کے) لئے (شرعی جہاد کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے) غنیمت کے مالوں کو حلال کردیا گیا ہے، جو کہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا تھا، اور چوتھے مجھے شفاعت کا اعزاز عطا کیا گیا، اور پانچویں نبی کو خاص اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا (اور بھیجا) جاتا تھا، اور مجھے تمام لوگوں کے لئے مبعوث کیا گیا (اور بھیجا گیا) ہے (بخاری)

اس روایت میں ''جامع کلمات'' عطا کیے جانے کا ذکر نہیں۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

**كَانَ كُلُّ نَبِيٍّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلٰى كُلِّ أَحْمَرَ وَأَسْوَدَ** (مسلم، رقم الحديث ۵۲۱ "۳" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جُعلت لي الأرض مسجدًا وطهورًا)

ترجمہ: ہر نبی کو خاص اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا (اور بھیجا) جاتا تھا، اور مجھے ہر گورے اور کالے کی طرف مبعوث کیا (اور بھیجا) گیا (مسلم)

اور مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

**بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ، وَكَانَ النَّبِيُّ إِنَّمَا يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً** (مسند احمد، رقم الحديث ۱۴۲۶۴) [1]

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: مجھے گورے اور کالے (ہر ایک) کی طرف مبعوث کیا (اور بھیجا) گیا ہے، اور نبی کو خاص اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا (اور بھیجا) جاتا تھا، اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا (اور بھیجا) گیا ہے (مسند احمد)

مذکورہ روایات سے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسرے نبیوں کے مقابلہ میں ایک امتیازی فضیلت وخصوصیت یہ معلوم ہوئی کہ آپ کی نبوت ورسالت کو تمام انسانوں کے لیے عام رکھا گیا ہے۔

## ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم: أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِيْ: بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمَ، وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِيْ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، فَيُرْعَبُ الْعَدُوُّ مِنْ مَسِيْرَةِ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُوْرًا وَمَسْجِدًا، وَقِيْلَ لِيْ: سَلْ تُعْطَهُ، وَاخْتَبَأْتُ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِأُمَّتِيْ فِي الْقِيَامَةِ، وَهِيَ نَائِلَةٌ -إِنْ شَاءَ اللّٰهُ -لِمَنْ لَمْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٦٤٦٢، كتاب التاريخ، باب الحوض والشفاعة) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں، ایک تو مجھے کالے گورے سب (طرح کے) لوگوں کی طرف (نبی ہونے کی حیثیت سے) مبعوث کیا گیا، دوسرے میرے (اور میری امت کے) لئے غنیمت کے مالوں کو حلال کر دیا گیا، جو مجھ سے

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية صحيح ابنِ حبان)

پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا تھا، تیسرے میری ایک مہینہ کی مسافت کے فاصلہ سے رعب (ودبدبہ) کے ساتھ مدد کی گئی، چوتھے میرے لئے زمین کو مسجد (یعنی نماز پڑھنے کی جگہ) اور پاکی (یعنی تیمّم) کا ذریعہ بنادیا گیا، پانچویں مجھے کہا گیا کہ سوال کرو، تمہیں عطاء کیا جائے گا، میں نے اپنی دعاء کو قیامت کے دن اپنے امت کی شفاعت کے لیے مؤخر کردیا، اور وہ ان شاء اللہ ہر اس شخص کو حاصل ہوگی، جو اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتا ہوگا (ابنِ حبان)

اس حدیث سے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت اور امتیازی فضیلت یہ معلوم ہوئی کہ آپ کی نبوت ورسالت کو تمام انسانوں کے لیے عام کیا گیا ہے۔

اس روایت میں ایک خصوصیت آخرت میں ہر مومن وموحد کے لیے شفاعت کا استحقاق بیان کی گئی ہے۔

## عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ غَزْوَةِ تَبُوكَ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يُصَلِّي، فَاجْتَمَعَ وَرَائَهُ رِجَالٌ مِنْ أَصْحَابِهٖ يَحْرُسُونَهُ، حَتّٰى إِذَا صَلّٰى وَانْصَرَفَ إِلَيْهِمْ، فَقَالَ لَهُمْ: لَقَدْ أُعْطِيْتُ اللَّيْلَةَ خَمْسًا، مَا أُعْطِيَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِيْ: أَمَّا أَنَا فَأُرْسِلْتُ إِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ عَامَّةً، وَكَانَ مَنْ قَبْلِيْ إِنَّمَا يُرْسَلُ إِلٰى قَوْمِهٖ، وَنُصِرْتُ عَلَى الْعَدُوِّ بِالرُّعْبِ، وَلَوْ كَانَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ مَسِيْرَةُ شَهْرٍ لَمُلِءَ مِنْهُ رُعْبًا، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ آكُلُهَا، وَكَانَ مَنْ قَبْلِيْ يُعَظِّمُوْنَ أَكْلَهَا، كَانُوْا يُحْرِقُوْنَهَا، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسَاجِدَ وَطَهُوْرًا، أَيْنَمَا أَدْرَكَتْنِي الصَّلَاةُ تَمَسَّحْتُ وَصَلَّيْتُ، وَكَانَ مَنْ قَبْلِيْ يُعَظِّمُوْنَ ذٰلِكَ، إِنَّمَا كَانُوْا يُصَلُّوْنَ فِيْ

**كَنَائِسِهِمْ وَبِيَعِهِمْ، وَالْخَامِسَةُ هِيَ مَا هِيَ، قِيلَ لِيْ: سَلْ فَإِنَّ كُلَّ نَبِيٍّ قَدْ سَأَلَ، فَأَخَّرْتُ مَسْأَلَتِيْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَهِيَ لَكُمْ وَلِمَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه** (مسند احمد، رقم الحديث ٧٠٦٨)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، غزوۂ تبوک والے سال رات کو نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے، تو آپ کے صحابۂ کرام میں سے بعض حضرات آپ کا پہرہ دینے لگے، یہاں تک کہ جب نماز پڑھ چکے، اوران کی طرف لوٹ کر آئے، تو ان سے فرمایا کہ مجھے آج رات پانچ چیزیں ایسی عطاء کی گئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی کو عطاء نہیں کی گئیں، ایک تو یہ کہ مجھے تمام انسانوں کی طرف عمومی انداز میں رسول بنا کر بھیجا گیا، اور مجھ سے پہلے صرف اپنی قوم کی طرف ہی رسول کو بھیجا جا تا تھا، دوسرے یہ کہ مجھے دشمن پر رعب کی نعمت عطاء کی گئی، اگر میرے اور دشمنوں کے درمیان ایک مہینہ کا فاصلہ بھی ہو، تو بھی دشمن میرے رعب سے پُر ہو جائے گا، تیسرے میرے لیے مالِ غنیمت کے کھانے (اور استعمال کرنے) کو حلال کر دیا گیا، اور میرے سے پہلے مالِ غنیمت کا کھانا (اور استعمال کرنا) حلال نہیں تھا، وہ اس کو جلا دیا کرتے تھے، چوتھے میرے لیے زمین کو نماز گاہ اور پاکی کا ذریعہ بنا دیا گیا، جہاں بھی مجھے نماز کا وقت آئے، تو میں (اگر پانی میسر نہ ہو، تو) تیمّم کر کے نماز پڑھ لوں، اور میرے سے پہلے لوگوں کے لیے یہ چیز جائز نہیں تھی، وہ صرف اپنے کنیسوں اور گرجوں (یعنی عبادت خانوں) میں نماز پڑھا کرتے تھے، پانچویں وہ تو جو ہے سو ہے (اس نعمت کے کیا کہنے) مجھ سے (رب تعالیٰ کی طرف سے) فرمایا گیا کہ آپ دعاء کیجیے، ہر نبی نے اللہ سے (مخصوص) دعاء کی (جو یقینی طور پر قبول کی گئی) پس میں نے اپنی (مخصوص) دعاء کو قیامت کے دن تک مؤخر کر دیا (جو کہ شفاعت کی شکل میں ہے) پس وہ تمہیں حاصل ہو گی، اور ہر اس شخص

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

کوجس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کی گواہی دی (مسند احمد)

مذکورہ حدیث سے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا عام ہونا معلوم ہوا۔

## ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث

اس طرح کی حدیث حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

## ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

اوراس طرح کی حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے، جس میں پانچ کے بجائے چار چیزوں کی فضیلت کا ذکر ہے۔ [2]

بعض محدثین نے فرمایا کہ جن روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کم تعداد میں امتیازی خصوصیات کا ذکر ہے، وہ اس وقت کی روایات ہیں، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی ہی خصوصیات سے آگاہی عطا فرمائی گئی تھی، بعد میں جب مزید خصوصیات سے آگاہی عطا کی گئی، تو اس وقت ان کا بھی ساتھ ذکر کیا گیا'' وفیہ اقوال اُخر'' [3]

---

[1] عن ابن عباس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " أعطيت خمسا لم يعطهن نبي قبلي، ولا أقولهن فخرا: بعثت إلى الناس كافة، الأحمر والأسود، ونصرت بالرعب مسيرة شهر، وأحلت لي الغنائم، ولم تحل لأحد قبلي، وجعلت لي الأرض مسجدا وطهورا، وأعطيت الشفاعة، فأخرتها لأمتي، فهي لمن لا يشرك بالله شيئا"(مسند احمد،رقم الحديث ٢٧٤٢)

قال شعيب الارنوؤط: حسن(حاشية مسند احمد)

[2] عن أبي أمامة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " فضلت بأربع: جعلت الأرض لأمتي مسجدا وطهورا، وأرسلت إلى الناس كافة، ونصرت بالرعب من مسيرة شهر يسير بين يدي، وأحلت لأمتي الغنائم "(مسند احمد،رقم الحديث ٢٢٢٠٩)

قال شعيب الارنوؤط:صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن من أجل سَيَّار(حاشية مسند احمد)

[3] (أعطيت) بضم الهمزة (خمسا) أي خمس خصال، وعند مسلم من حديث أبي هريرة "فضلت على الأنبياء بست "ولعله اطلع أولا على بعض ما اختص به ثم اطلع على الباقي، وإلا فخصوصياته عليه الصلاة والسلام كثيرة والتنصيص على عدد لا يدل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت جس طرح قیامت تک کے لئے آخری ہے، اورآپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے، اسی طرح آپ کی نبوت ورسالت سب انسانوں کے لئے عام ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کے آخری اور عام ہونے کی وجہ سے آپ کی لائی ہوئی شریعت اور تعلیمات بھی قیامت تک اورسب انسانوں کے لئے حجت اور قابلِ عمل ہیں، اوراس کالازمی تقاضا یہ ہے کہ آپ کی سنت وتعلیمات بھی قیامت تک کے لئے محفوظ ہوں۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ.

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

علی نفی ما عداہ، وقد استوفیت من الخصائص جملة کافیة مع مباحث وافیة فی کتابی المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة ولله الحمد (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری للقسطلانی، ج ا ص ۳۶۷، کتاب التیمم)

وإذا تأملت وجدت هذه الخصال اثنتی عشرة خصلة، ویمکن أن توجد أکثر من ذلک عند إمعان التتبع، وقد ذکر أبو سعید النیسابوری فی کتاب (شرف المصطفی) أن الذی اختص به نبینا من بین سائر الأنبیاء علیهم السلام ستون خصلة .فإن قلت :بین هذه الروایات تعارض، لأن المذکور فیها الخمس والست والثلاث؛ قلت :قال القرطبی :لا یظن أن هذا تعارض، وإنما هذا من توهم أن ذکر الأعداد یدل علی الحصر ولیس کذلک، فإن من قال :عندی خمسة دنانیر مثلا، لا یدل هذا اللفظ علی أنه لیس عنده غیرها، ویجوز له أن یقول مرة أخری :عندی عشرون، ومرة أخری ثلاثون، فإن من عنده ثلاثون صدق علیه أن عنده عشرین وعشرة .فلا تعارض ولا تناقض، ویجوز أن یکون الرب سبحانه وتعالی، أعلمه بثلاث ثم بخمس ثم بست .قلت :حاصل هذا أن التنصیص علی الشیء بعدد لا یدل علی نفی ما عداہ، وقد علم فی موضعه(عمدة القاری للعینی، ج۴ص۸، کتاب التیمم)

## (فصل نمبر 2)

# ’’أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ‘‘ کی نصوص

قرآن مجید میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ’’خاتم النبیین‘‘ بتلایا گیا ہے، جس کے معنیٰ ہیں نبیوں کا خاتمہ کرنے والے۔

اور بہت سی احادیث میں بھی اس کا ذکر آیا ہے، جس کی کئی احادیث میں یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

اور اگر خاتم النبیین کے کوئی یہ معنیٰ کرے کہ آپ کے ذریعہ سے نبیوں پر مہر لگائی گئی ہے، تو یہ معنیٰ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کے خلاف نہیں، بلکہ اس کے موافق ہیں، کیونکہ کسی خط، مضمون، یا فتوے وغیرہ پر مہر بالکل آخر میں لگائی جاتی ہے، جس کے بعد اس میں اضافہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔

آگے قرآن وسنت پر مشتمل اس طرح کی چند نصوص اور دلائل ملاحظہ فرمایئے۔

## سورہ احزاب کا حوالہ

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید کی سورہ احزاب میں ارشاد ہے کہ:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (سورة الاحزاب، رقم الآية ۴۰)

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم لوگوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں (سورہ احزاب)

اس آیت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ محمد صلی

اللہ علیہ وسلم پر تمام نبیوں کا خاتمہ ہوگیا ہے، اور آپ پر نبوت کے خاتمہ کی مہر لگادی گئی ہے، اس لئے آپ کی بعثت کے بعد قیامت تک کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا، اور کسی کے لئے نبوت کی بعثت کو کھولا نہیں جائے گا۔

امام طبری نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ:

**وَلٰكِنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ، اَلَّذِیْ خَتَمَ النُّبُوَّةَ فَطُبِعَ عَلَيْهَا، فَلاَ تُفْتَحُ لِأَحَدٍ بَعْدَهٗ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ** (تفسير الطبرى، تحت آيت ۴۰ من سورة الأحزاب)

ترجمہ: لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، جنہوں نے نبوت کو ختم کردیا، اور اس پر مہر لگادی، پس آپ کے بعد، تا قیامت، نبوت کو کسی کے لیے نہیں کھولا جائے گا (تفسیر طبری)

اور علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں فرمایا کہ:

''خاتم'' اسمِ آلہ ہے، جس کے ذریعے سے مہر لگائی جاتی ہے، پس ''خاتم النبیین'' کے معنیٰ ہیں، جس کی نبیوں نے مہر لگائی، اور اس کا مآل ''آخر النبیین'' ہونا ہی ہے۔ [1]

اور علامہ ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ:

''خاتم النبیین'' کے الفاظ اس بات میں صریح ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں، اور جب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، تو آپ کے بعد بدرجۂ اولیٰ کوئی رسول بھی نہیں، کیونکہ رسالت کا مقام، نبوت کے مقام سے خاص ہے کہ رسول تو نبی ہوتا ہے، لیکن ہر نبی، رسول نہیں ہوتا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] والخاتم اسم آلة لما يختم به كالطابع لما يطبع به فمعنى خاتم النبيين الذى ختم النبيون به ومآله آخر النبيين، وقال المبرد: خاتم فعل ماض على فاعل وهو فى معنى ختم النبيين(تفسير روح المعانى، ج ۱۱ ص ۲۱۳، سورة الاحزاب)

سے اس سلسلے میں احادیثِ متواترہ وارِد ہیں، جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہیں۔ [1]

نیز علامہ ابنِ کثیر نے یہ بھی فرمایا کہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتِ متواترہ میں اس بات کی خبر دے دی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں، تا کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ جو کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس منصب اور مقام کا دعویٰ کرے گا، تو وہ کذاب، دجال اور انتہائی افترا پرداز ہے، ضال اور مضل ہے۔ [2]

مفسرین، محدثین، شارحین اور فقہائے کرام کی اس طرح کی بے شمار صراحتیں اور عبارتیں اور حوالے ہیں، جن کو طوالت سے بچنے کے لیے نقل نہیں کیا جا رہا۔

اس کے علاوہ کئی احادیث میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دینے کے بعد یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، جن کا ذکر آگے آتا ہے، وہ احادیث اس آیت میں مذکور خاتم النبیین کے الفاظ کی مکمل وضاحت اور کسی بھی غلط تاویل کی تردید کے لئے کافی ہیں۔

---

[1] وقوله تعالى: ولكن رسول الله وخاتم النبيين وكان الله بكل شيء عليما كقوله عز وجل: الله أعلم حيث يجعل رسالته ،فهذه الآية نص فى أنه لا نبى بعده، وإذا كان لا نبى بعده فلا رسول بعده بالطريق الأولى والأحرى، لأن مقام الرسالة أخص من مقام النبوة، فإن كل رسول نبى ولا ينعكس، وبذلك وردت الأحاديث المتواترة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من حديث جماعة من الصحابة رضى الله عنهم(تفسير ابنِ كثير، ج٦ ص ٣٨١، سورة الاحزاب)

[2] والأحاديث فى هذا كثيرة، فمن رحمة الله تعالى بالعباد إرسال محمد صلى الله عليه وسلم إليهم، ثم من تشريفه لهم ختم الأنبياء والمرسلين به وإكمال الدين الحنيف له، وقد أخبر الله تبارك وتعالى فى كتابه ورسوله صلى الله عليه وسلم فى السنة المتواترة عنه أنه لا نبى بعده، ليعلموا أن كل من ادعى هذا المقام بعده فهو كذاب وأفاك دجال ضال مضل(تفسير ابنِ كثير، ج٦ ص ٣٨٤، سورة الاحزاب)

## ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

**كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيلَ تَسُوْسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ، وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُوْنَ قَالُوْا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: فُوْا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ، أَعْطُوْهُمْ حَقَّهُمْ، فَإِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ** (بخاری، رقم الحديث ۳۴۵۵، كتاب احاديث الانبياء، باب ما ذكر عن بنی إسرائيل)

ترجمہ: بنی اسرائیل میں انبیاء (اپنی امت کی) نگرانی وانتظامات کیا کرتے تھے، جب ایک نبی کا وصال ہوجاتا تو دوسرا اس کا جانشین ہوجاتا، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، البتہ خلفاء (نیک حکمران) ہوں گے، جو کہ کثرت سے ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا کہ پھر آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یکے بعد دیگرے ہر ایک (خلیفہ ونیک حکمران) کی بیعت پوری کرنا اور انہیں ان کا (وہ حق جو تم پر ہے) دیتے رہنا (یعنی ان کی شرعی اور جائز معاملات میں اطاعت وپیروی کرنا) اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جن (رعایا) پر حکمران بنایا ہے، وہی ان کے (معاملات کے) بارے میں ان سے باز پرس کرے گا (اگر انہوں نے رعایا پر ظلم کیا ہوگا، تو اللہ ان سے مؤاخذہ فرمائے گا، تم سے مؤاخذہ نہیں فرمائے گا) (بخاری)

مذکورہ حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔

## ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد

مروی ہے کہ:

**وَأَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّيْنَ** (بخاری، رقم الحدیث ۳۵۳۵، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: اور میں خاتم النبیین ہوں (بخاری)

مذکورہ حدیث سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا معلوم ہوا، جس کی توضیح اس سے پہلی حدیث میں یہ گزر چکی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، اور آگے بھی احادیث میں مزید توضیح وتصریح آتی ہے۔

## ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تیسری حدیث

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ:

**أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ، لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ** (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۳۲۷۴، ج۳ص۳۱۸، باب الباء، من اسمہٗ بکر)

ترجمہ: میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں (طبرانی)

مذکورہ روایت میں ''خاتم النبیین'' کے ساتھ ہی ''لا نبی بعدی'' کہ ''میرے بعد کوئی نبی نہیں'' کے الفاظ ہیں۔

اور ''خاتم النبیین'' کے معنیٰ کی خود ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی ہے، جس کے بعد ''خاتم النبیین'' کے کوئی دوسرے غلط معنیٰ کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔

## ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی چوتھی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے قیامت کے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعتِ کبریٰ والی لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

**اذْهَبُوْا إِلٰى غَيْرِي اذْهَبُوْا إِلٰى مُحَمَّدٍ، فَيَأْتُوْنَ مُحَمَّدًا فَيَقُوْلُوْنَ : يَا**

**مُحَمَّدُ أَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَخَاتِمُ الْأَنْبِيَاءِ** (بخاری، رقم الحدیث ۴۷۱۲، کتاب تفسیر القرآن، باب ذریة من حملنا مع نوح إنه کان عبدا شکورا)

ترجمہ: (عیسیٰ علیہ السلام لوگوں سے کہیں گے کہ) تم میرے علاوہ، کسی اور کے پاس جاؤ، تم محمد کے پاس جاؤ، لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے، اور کہیں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور خاتم الانبیاء ہیں (بخاری)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ''خاتم الانبیاء'' ہونا، اتنی واضح، مضبوط اور اٹل حقیقت ہے کہ قیامت کے دن بھی لوگ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کرتے وقت آپ کی اس اہم امتیازی خصوصیت وفضیلت کا ذکر کریں گے۔

## انس بن مالک اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قیامت کے روز شفاعتِ کبریٰ والی لمبی حدیث میں یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

**فَيَأْتُوْنَ عِيسٰى فَيَقُوْلُوْنَ: يَا عِيسٰى، اشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ فَلْيَقْضِ بَيْنَنَا، فَيَقُولُ: إِنِّي لَسْتُ هُنَاكُمْ، وَلٰكِنْ ائْتُوا مُحَمَّدًا فَإِنَّهُ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ، فَإِنَّهُ قَدْ حَضَرَ الْيَوْمَ وَقَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَأَخَّرَ، فَيَقُوْلُ عِيسٰى أَرَأَيْتُمْ لَوْ كَانَ مَتَاعٌ فِيْ وِعَاءٍ قَدْ خُتِمَ عَلَيْهِ، هَلْ كَانَ يُقْدَرُ عَلٰى مَا فِي الْوِعَاءِ حَتّٰى يُفَضَّ الْخَاتَمُ؟ فَيَقُوْلُوْن: لَا، قَالَ: فَإِنَّ مُحَمَّدًا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ** (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۳۵۹۰) [1]

ترجمہ: پھر وہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر کہیں گے کہ اے عیسیٰ آپ ہمارے لیے اپنے رب کے پاس شفاعت کیجیے، تا کہ وہ ہمارا فیصلہ کردے،

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشیة مسند احمد)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں، لیکن تم محمد کے پاس جاؤ، وہ خاتم النبیین ہیں، کیونکہ ایسا دن آ گیا ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے گئے ہیں، اور عیسیٰ علیہ السلام (لوگوں سے) کہیں گے کہ تمہارا کیا خیال ہے اگر کوئی چیز کسی ایسے برتن میں پڑی ہوئی ہو جس پر مہر لگی ہوئی ہو، کیا مہر توڑے بغیر اس برتن میں موجود چیز کو حاصل کیا جا سکتا ہے؟ لوگ کہیں گے نہیں، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ پس بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

حضرت انس اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ احادیث سے بھی معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ''خاتم الانبیاء'' ہونا، اتنا اہم مسئلہ ہے کہ قیامت کے دن شفاعتِ کبریٰ کی درخواست کرتے وقت بھی لوگ اس صفت کا ذکر کریں گے۔

## عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّيْ عِنْدَ اللّٰهِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ، وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِيْ طِيْنَتِهِ (دلائل النبوة، لابی نعیم الاصبهانی، رقم الحدیث ۱۰، الفصل الأول فی ذکر ما أنزل الله تعالى فی کتابه من فضله صلى الله علیه وسلم، ما

---

[1] فیأتون عیسى فیقولون: اشفع لنا إلى ربک، فلیقض بیننا .فیقول: إنی لست هناکم، إنی اتخذت إلها من دون الله، وإنه لا یهمنی الیوم إلا نفسی، ولکن أرأیتم لو کان متاع فی وعاء مختوم علیه، أکان یقدر على ما فی جوفه حتى یفض الخاتم؟ قال: فیقولون: لا، قال: فیقول إن محمدا صلى الله علیه وسلم خاتم النبیین، وقد حضر الیوم وقد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۵۴۶، عن ابن عباس)

قال شعیب الارنؤوط: حسن لغیره (حاشیة مسند احمد)

روی فی تقدم نبوته قبل تمام خلق آدم صلوات الله علیهما وسلامه، مسند احمد، رقم الحدیث ۱۷۱۶۳) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین تھا، جبکہ آدم اپنی مٹی کے درمیان گوندھے جارہے تھے (اوران کے مٹی کے پتلے میں روح بھی نہیں ڈالی گئی تھی) (دلائل النبوۃ، مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ محمد رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت سے طے شدہ ہے، جب تک حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی روح بھی ان کے جسم میں نہیں ڈالی گئی تھی۔

## سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ: أَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى، إِلَّا أَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِیْ (مسلم، رقم الحدیث ۲۴۰۴ ''۳۰'' کتاب فضائل الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم، باب من فضائل علی بن أبی طالب رضی الله عنه)

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ میرے نزدیک ایسے ہو، جیسے موسیٰ کے نزدیک ھارون تھے، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے (مسلم)

مطلب یہ ہے کہ حضرت علی اللہ رضی اللہ عنہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گہرے مراسم اور تعلقات تھے، لیکن یہ فرق پھر بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: صحیح لغیره (حاشیة مسند احمد)

لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے درجے پر رکھنا ضروری ہے۔

## ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث

اس طرح کی حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [۱]

## جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

نیز اس طرح کی حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [۲]

## اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث

اور اس طرح کی حدیث حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی سند سے بھی مروی ہے۔ [۳]
مذکورہ روایات سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ معلوم ہوا، لیکن اس کے باوجود ان کا درجہ نبوت کے بعد ہے، اور یہ حدیث حضرت ابو بکر صدیق وحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کے خلاف نہیں ہے، جیسا کہ بعض روافض واہلِ تشیع نے سمجھا، بلکہ اس سے حضرت علی

---

[۱] عن أبى سعيد الخدرى، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلى " :أنت منى بمنزلة هارون من موسى، إلا أنه لا نبى بعدى (مسند احمد،رقم الحديث ١١٢٧٢)

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

[۲] عن جابر بن عبد الله، قال: لما أراد رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يخلف عليا، قال: قال له على: ما يقول الناس فى إذا خلفتنى؟ قال: فقال: " أما ترضى أن تكون منى بمنزلة هارون من موسى؟ إلا أنه ليس بعدى نبى "أو "لا يكون بعدى نبى (مسند احمد، رقم الحديث ١٤٦٣٨)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

[۳] عن موسى الجهنى، قال :دخلت على فاطمة بنت على فقال لها رفيقى أبو مهل: كم لك؟ قالت :ستة وثمانون سنة، قال :ما سمعت من أبيك شيئا؟ قالت :حدثتنى أسماء بنت عميس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لعلى " :أنت منى بمنزلة هارون من موسى، إلا أنه ليس بعدى نبى (مسند احمد، رقم الحديث ٢٧٠٨١)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

رضی اللہ عنہ کے اپنے ساتھ تعلق ورشتہ اور محبت وفضیلت کو بیان کرنا ہے، جبکہ دیگر بہت سی احادیث میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عظیم فضائل ودرجات کا ذکر پایا جاتا ہے، اپنے مطلب کی کسی حدیث اور اس میں بھی اپنی مرضی ومنشاء کے مطلب کو لے کر باقی احادیث کا انکار کر دینا انصاف واعتدال پر مبنی طرزِ عمل نہیں۔ [1]

## عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] (عن سعد بن أبی وقاص) ، أحد العشرة المبشرة (قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم -لعلى " :أنت منى بمنزلة هارون من موسى ") ، يعنى فى الآخرة، وقرب المرتبة، والمظاهرة به فى أمر الدين كذا قاله شارح من علمائنا .وقال التوربشتى :كان هذا القول من النبى -صلى الله عليه وسلم -مخرجه إلى غزوة تبوک، وقد خلف عليا -رضى الله عنه -على أهله وأمره بالإقامة فيهم فأرجف به المنافقون وقالوا :ما خلفه إلا استثقالا له وتخففا منه، فلما سمع به على أخذ سلاحه ثم خرج حتى أتى رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وهو نازل بالجرف، فقال :يا رسول الله زعم المنافقون كذا فقال " :كذبوا إنما خلفتک لما ترکت ورائى فارجع فاخلفنى فى أهلى وأهلک، أما ترضى يا على أن تكون منى بمنزلة هارون من موسى "تأول قول الله سبحانه وتعالى: (وقال موسى لأخيه هارون اخلفنى فى قومى) والمستدل بهذا الحديث على أن الخلافة كانت له بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم زائغ عن منهج الصواب، فإن الخلافة فى الأهل فى حياته لا تقتضى الخلافة فى الأمة بعد مماته، والمقايسة التى تمسكوا بها تنتقض عليهم بموت هارون قبل موسى -عليهما السلام -وإنما يستدل بهذا الحديث على قرب منزلته واختصاصه بالمؤاخاة من قبل الرسول -صلى الله عليه وسلم -
وفى شرح مسلم قال القاضى عياض :هذا مما تعلقت به الروافض وسائر فرق الشيعة فى أن الخلافة كانت حقا لعلى -رضى الله عنه -وأنه لم يقم فى طلب حقه، وهؤلاء أسخف عقلا وأفسد مذهبا من أن يذكر قولهم، ولا شک فى تكفير هؤلاء لأن من كفر الأمة كلها والصدر الأول خصوصا، فقد أبطل الشريعة وهدم الإسلام، ولا حجة فى الحديث لأحد منهم، بل فيه إثبات فضيلة لعلى، ولا تعرض فيه لكونه أفضل من غيره، وليس فيه دلالة على استخلافه بعده ;لأن النبى -صلى الله عليه وسلم -إنما قال هذا حين استخلفه على المدينة فى غزوة تبوک، ويؤيد هذا أن هارون المشبه به لم يكن خليفة بعد موسى ;لأنه توفى قبل وفاة موسى بنحو أربعين سنة، وإنما استخلفه حين ذهب لميقات ربه للمناجاة (مرقاة المفاتيح، ج۹ ص ۳۹۳۱، ۳۹۳۲، کتاب المناقب والفضائل، باب مناقب على بن ابى طالب)

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَوْ كَانَ مِنْ بَعْدِىْ نَبِيٌّ، لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۴۰۵) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا، تو وہ عمر بن خطاب ہوتے (مسند احمد)

مذکورہ حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، اسی وجہ سے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا، تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوتے، اور جب وہ بھی نہ ہوئے، تو دوسرا کیسے ہوسکتا ہے۔

## ابنِ ابی اوفیٰ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما کی حدیث

اسماعیل سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ لِابْنِ أَبِىْ أَوْفٰى: رَأَيْتَ إِبْرَاهِيمَ ابْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: مَاتَ صَغِيْرًا، وَلَوْ قُضِىَ أَنْ يَكُوْنَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيٌّ عَاشَ ابْنُهُ، وَلٰكِنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ (بخارى، رقم الحديث ۶۱۹۴، كتاب الأدب، باب من سمى بأسماء الأنبياء)

ترجمہ: میں نے حضرت ابنِ ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ کیا آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ''ابراہیم'' کو دیکھا ہے؟ (جو بچپن میں فوت ہوگئے تھے) تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ وہ بچپن میں فوت ہوگئے تھے، اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے ہونے کا فیصلہ ہوتا، تو آپ کے بیٹے زندہ رہتے، لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية مسند احمد)

**لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِيمُ ابْنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا**

(مسند احمد، رقم الحدیث ۱۲۳۵۸) [1]

ترجمہ: اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ''ابراہیم'' زندہ رہتے، تو وہ سچے نبی شمار ہوتے (مسند احمد)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ سلم ''خاتم النبیین'' ہیں، من جملہ اور وجوہات کے اس وجہ سے بھی آپ کے بیٹے حضرت ابراہیم کو اللہ کی طرف سے زندہ رکھنا منظور نہ ہوا۔

## ابوامامہ اور ابوقتیلہ رضی اللہ عنہما کی حدیث

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

**إِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي** (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۷۵۳۵، ج۸ص۱۱۵) [2]

ترجمہ: میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے (طبرانی)

اس قسم کی حدیث ابوقتیلہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [3]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن من أجل السُدى: وهو إسماعيل بن عبد الرحمن (حاشية مسند احمد)

[2] قال الهيثمي: رواه الطبراني، ورجال أحد الطريقين ثقات وفي بعضهم ضعف(مجمع الزوائد ج۸ص۲۶۳، تحت رقم الحديث ۱۳۹۶۷ ،باب لا نبي بعده صلى الله عليه وسلم)

[3] عن أبي قتيلة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قام في الناس في حجة الوداع، فقال :لا نبي بعدي ولا أمة بعدكم فاعبدوا ربكم وأقيموا خمسكم وصوموا شهركم وأطيعوا ولاة أمركم تدخلوا جنة ربكم (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۷۹۷، معرفة الصحابة لابي نعيم رقم الحديث ۶۱۹۳)

قال الالباني:

قلت :وهذا إسناد رجاله ثقات، لكن بقية مدلس وقد عنعن .لكن له شاهد قوي من حديث أبي أمامة(سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۳۲۳۳)

مذکورہ احادیث سے بھی معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

## حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِيْ أُمَّتِيْ كَذَّابُوْنَ وَدَجَّالُوْنَ سَبْعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ: مِنْهُمْ أَرْبَعُ نِسْوَةٍ، وَإِنِّيْ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ**

(مسند احمد، رقم الحدیث ۲۳۳۵۸) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ستائیس کذّاب اور دجّال (دجل وفریب سے کام لے کر جھوٹی نبوت کے دعویدار) ہوں گے، جن میں سے چار عورتیں ہوں گی، اور میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے (مسند احمد)

مذکورہ حدیث سے بھی صاف طور پر معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ''خاتم النبیین'' ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا، البتہ آپ کی امت میں تیس کے لگ بھگ جھوٹی نبوت کے دعویدار ہوں گے، اور ان میں چار عورتیں بھی ہوں گی، کئی دوسری احادیث وروایات میں بھی اس کا ذکر آیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

## ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِيْ بِالْمُشْرِكِيْنَ، وَحَتّٰى يَعْبُدُوا الْأَوْثَانَ، وَإِنَّهُ سَيَكُوْنُ**

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الصحيح (حاشية مسند احمد)

فِیْ أُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ کَذَّابُوْنَ کُلُّهُمْ یَزْعُمُ أَنَّهٗ نَبِیٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۲۲۱۹، أبواب الفتن، باب ما جاء لا تقوم الساعة حتی یخرج کذابون) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی، جب تک کہ میری امت کے بعض قبیلے مشرکین سے نہ مل جائیں (یعنی مشرکین کے ساتھ نہ ہولیں) اور یہاں تک کہ وہ بتوں کی عبادت (وپوجا) نہ کرنے لگ جائیں، اور عنقریب میری امت میں تیس کذاب (یعنی جھوٹی نبوت کے دعویدار) ہوں گے، وہ سب کے سب یہ گمان (اور دعویٰ) کریں گے کہ وہ نبی ہیں، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے (ترمذی)

## ثوبان رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِیْ بِالْمُشْرِکِیْنَ، وَحَتّٰی تَعْبُدَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِیْ الْأَوْثَانَ، وَإِنَّهٗ سَیَکُوْنُ فِیْ أُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ، کُلُّهُمْ یَزْعُمُ أَنَّهٗ نَبِیٌّ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ، وَلَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِیْ عَلَی الْحَقِّ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۴۲۵۲، کتاب الفتن، ذکر الفتن ودلائلها، مسند احمد، رقم الحدیث ۲۲۳۹۵) [2]

ترجمہ: اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی، جب تک کہ میری امت کے

---

[1] قال الترمذی: هذا حدیث صحیح.

[2] قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح علی شرط مسلم (حاشیة مسند احمد)
وقال ایضاً: اسناده صحیح (حاشیة سنن ابی داؤد)

بعض قبیلے مشرکین سے نہ مل جائیں، اور یہاں تک کہ میری امت کے بعض قبیلے بتوں کی عبادت (وپوجا) نہ کرنے لگ جائیں، اور بے شک عنقریب میری امت میں تیس کذّاب (یعنی جھوٹی نبوت کے دعویدار) ہوں گے، وہ سب کے سب یہ گمان (ودعویٰ) کریں گے کہ وہ نبی ہیں، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، اور (قیامت تک) میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی (جو اس طرح کے جھوٹی نبوت کے دعویداروں کا ساتھ نہیں دے گی، بلکہ ان کی تردید کرے گی) (ابوداؤد)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے، لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کی طرف سے اپنے متعلق کسی قسم کی نبوت ورسالت کا دعویٰ کرنا صریح جھوٹ اور بہتان ہے، اور اس کی بات ماننا یا اس کی پیروی کرنا سراسر ضلالت وگمراہی ہے، اور ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

اور اسی وجہ سے مرزا غلام احمد قادیانی بھی ''کذاب ودجال'' ہونے کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

اگر کوئی مسلمان نعوذ باللہ تعالیٰ نبوت ورسالت کا دعویٰ کر بیٹھے، تو وہ مرتد ہوجاتا ہے، اور شرعی اصولوں کے مطابق ثبوت ہونے پر اور تائب نہ ہونے کی صورت میں اسلامی قانون کی رُو سے اس کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ [1]

اس قسم کی کئی احادیث مروی ہیں، جن میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی اور رسول کے نہ ہونے کا ذکر ہے، اور ان احادیث کو کئی محدثین نے معنیٰ کے اعتبار سے متواتر

---

[1] أقول: أخذت من هذا أن مدعی النبوة کافر إجماعاً وواجب القتل، وشأن الملعون القادیانی بعینه شأن مسلمة الکذاب بأنه ادعی النبوة، ولم ینکر رسالة النبی -صلی الله علیه وسلم- ونبوته (العرف الشذی شرح سنن الترمذی للکشمیری، ج۴، ص ۱۱۱، کتاب الرؤیا، باب ما جاء فی رؤیا النبی -صلّی الله علیه وسلّم)

قرار دیا ہے۔

اور یہ احادیث مختلف الفاظ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ہر طرح کے نبی ورسول کی بعثت و پیدائش کی نفی کرتی ہیں، جن میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ [1]

اللہ تعالیٰ امتِ محمدیہ کو اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ورسول اور ''خاتم النبیین'' ہونے پر ایمان لانے اور اس ایمان کو مضبوط و مستحکم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔
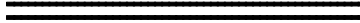
وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ.

---

[1] وإذا كان لا نبي بعده فلا رسول بعده بالطريق الأولى والأحرى، لأن مقام الرسالة أخص من مقام النبوة، فإن كل رسول نبي ولا ينعكس، وبذلك وردت الأحاديث المتواترة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من حديث جماعة من الصحابة رضي الله عنهم (تفسير ابن كثير، ج٦ص ٣٨١، سورة الأحزاب)

(حديث: لا نبي بعدى) صحيح متواتر . ورد من حديث جمع من الصحابة منهم (إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل، تحت رقم الحديث ٢٤٧٣)

(فصل نمبر 3)

# آخری نبی اور آخری امت ہونے کی نصوص

بعض احادیث وروایات میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی اور آپ کی امت کے آخری امت ہونے کا ذکر آیا ہے۔

اس طرح کی چند احادیث وروایات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

## ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: فَإِنِّیْ آخِرُ الْأَنْبِیَاءِ، وَإِنَّ مَسْجِدِیْ آخِرُ الْمَسَاجِدِ (مسلم، رقم الحدیث ۱۳۹۴ "۵۰۷" کتاب الحج، باب فضل الصلاۃ بمسجدی مکۃ والمدینۃ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میں تمام نبیوں میں آخری نبی ہوں، اور میری مسجد (یعنی مدینہ منورہ میں واقع مسجدِ نبوی) تمام مساجد میں آخری مسجد ہے (مسلم)

مسجدِ نبوی کے آخری مسجد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی طرف منسوب مساجد میں سب سے آخری مسجد "مسجدِ نبوی" ہے، اور اس کی وجہ اس حدیث میں ساتھ ہی مذکور ہے، وہ یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ [1]

---

[1] (فإنی آخر الأنبیاء، ومسجدی آخر المساجد) أی مساجد الأنبیاء وهذا تعلیل لمطوی کأنه قیل ما بال مسجده – صلی اللہ علیه وسلم – فضل سائر مساجد الأنبیاء؟ فقال لأنی آخرهم فقد علم أن خاتمهم أفضل من غیری فلا عدوان بفضل متعبده سائر المساجد (التنویر شرح الجامع الصغیر للصنعانی، ج۷، ص ۴۳، حرف الصاد)

مذکورہ حدیث سے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا معلوم ہوا، اسی طرح آپ کی بعثت کے بعد تمام انسانوں کا آخری امت ہونا اور ان سب پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آخری رسالت کا تسلیم وقبول کرنا بھی معلوم ہوا۔

## فاطمہ بنتِ قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث

حضرت فاطمہ بنتِ قیس رضی اللہ عنہا کی سند سے روایت ہے کہ:

**صَعِدَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمِنبَر، فَحَمِدَ اللّٰہَ وَأَثْنٰی عَلَیْہِ، ثُمَّ قَالَ: أُنْذِرُکُمُ الدَّجَّالَ، فَإِنَّہُ لَمْ یَکُنْ نَبِیٌّ قَبْلِیْ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَہُ أُمَّتَہُ، وَھُوَ کَائِنٌ فِیْکُمْ أَیَّتُھَا الْأُمَّۃُ، إِنَّہُ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا أُمَّۃَ بَعْدَکُمْ**

(صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ٦٧٨٨، کتاب التاریخ، باب إخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم عما یکون فی أمتہ من الفتن والحوادث) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے، پھر اللہ کی حمد وثناء بیان کی، پھر فرمایا کہ میں تمہیں دجال سے ڈرا رہا ہوں، میرے سے پہلے ہر نبی نے اپنی امت کو اس دجال سے ڈرایا، اور وہ تمہارے اندر آئے گا، اے امت کے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں (ابنِ حبان)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی اور آپ کی امت آخری امت ہے۔

## ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

اس طرح کی حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا، جس میں ہمیں دجال سے ڈرایا، اور اس خطبہ میں یہ

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح (حاشیۃ صحیح ابن حبان)

بھی فرمایا کہ:

وَإِنِّی آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنْتُمْ آخِرُ الْأُمَمِ (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۸۶۲۰، كتاب الفتن والملاحم، أما حديث أبي عوانة) [1]

ترجمہ: اور میں تمام نبیوں میں آخری نبی ہوں، اورتم تمام امتوں میں آخری امت ہو (حاکم)

اس حدیث کا مفہوم بھی گزشتہ حدیث کے مطابق ہے۔

## ابو قتيلة رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو قتيلة رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِي النَّاسِ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَقَالَ: لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَا أُمَّةَ بَعْدَكُمْ فَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَأَقِيمُوْا خَمْسَكُمْ وَصُومُوْا شَهْرَكُمْ وَأَطِيعُوْا وُلَاةَ أَمْرِكُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ

(المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۷۹۷، ج۲۲ص۳۱۶) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، اورتمہارے بعد کوئی امت نہیں، پس تم اپنے رب کی عبادت کرو، اور اپنی پانچ نمازوں کو قائم کرو، اور اپنے رمضان کے مہینے کے روزے رکھو، اوراپنے اولی الامر کی اطاعت کرو، جس کے نتیجے میں تم اپنے رب کی

---

[1] قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه بهذه السياقة.
و قال الذهبي في التلخيص: على شرط مسلم.

[2] قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير، وفيه بقية، وهو ثقة، ولكنه مدلس، وبقية رجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۶۴۷)

وقال الالباني: قلت: وهذا إسناد رجاله ثقات، لكن بقية مدلس وقد عنعن.لكن له شاهد قوى من حديث أبي أمامة(سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۳۲۳۳)

جنت میں داخل ہو جاؤ گے (طبرانی)

مذکورہ حدیث بھی گزشتہ احادیث کی تائید کرتی ہے۔

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں میں آخری نبی ہیں، اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بھی تمام امتوں میں آخری امت ہے، اور جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں، اسی طرح امتِ محمدیہ کے بعد بھی کوئی اور امت نہیں۔

اور اسی آخری نبی کی نبوت اور اسی نبی کی آخری امت پر قیامت بھی قائم ہوگی۔

وَاللهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ.

# (فصل نمبر 4)

## محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ''عاقب و مقفی'' ہونے کی نصوص

کئی احادیث میں نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مختلف صفاتی ناموں کا ذکر فرمایا ہے، جن میں سے ایک نام ''عاقب'' ہے، جس کے معنیٰ بعد کے ہیں، یعنی ایسا نبی، جو سب نبیوں کے بعد ہے، اور اس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام احادیث میں ''مقفی'' آیا ہے، اس کے معنیٰ بھی بعد والے کے ہیں۔

اور ان احادیث سے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ''خاتم النبیین'' ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

اس طرح کی چند احادیث ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

## جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم : لِيْ خَمْسَةُ أَسْمَاءٍ: أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِيْ الَّذِيْ يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِيْ، وَأَنَا الْعَاقِبُ (بخاری، رقم الحديث ٣٥٣٢، كتاب المناقب، باب ما جاء فی أسماء رسول الله صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں، میرا نام محمد ہے، اور میرا نام احمد ہے، اور میرا نام ماحی ہے، کہ اللہ میرے ذریعہ کفر کو مٹاتا ہے، اور میرا

نام حاشؔر ہے، لوگوں کو (بروزِ قیامت) میرے پیچھے جمع کیا جائے گا، اور میرا نام عاقؔب ہے (بخاری)

عاقب کے معنیٰ اگلی روایت میں آتے ہیں۔

## جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

**أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَال : أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِيْ يُمْحٰى بِيَ الْكُفْرُ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى عَقِبِيْ، وَأَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِيْ لَيْسَ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ** (مسلم، رقم الحديث ۲۳۵۴ ”۱۲۴“ كتاب الفضائل، باب فى أسمائه صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا نام محمؔد ہے، اور میرا نام احمؔد ہے، اور میرا نام ماحؔی ہے، کہ میرے ذریعہ کفر کو مٹایا جاتا ہے، اور میرا نام حاشؔر ہے، لوگوں کو میرے پیچھے جمع کیا جائے گا، اور میرا نام عاقؔب ہے، اور اور عاقب وہ ہے کہ جس کے بعد کوئی اور نبی نہیں (مسلم)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صفاتی نام ”عاقب“ ہے، جس کے معنیٰ آخری نبی کے ہیں۔

## عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

**فَقَالَ: أَبَيْتُمْ فَوَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَنَا الْحَاشِرُ، وَأَنَا الْعَاقِبُ، وَأَنَا النَّبِيُّ الْمُصْطَفٰى، آمَنْتُمْ أَوْ كَذَّبْتُمْ** (مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۹۸۴) [1]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ میرا انکار کرتے ہو، حالانکہ اللہ کی قسم! میں ہی حاشر ہوں میں ہی عاقب ہوں، میں ہی نبی مصطفیٰ ہوں، خواہ تم ایمان لاؤ یا تکذیب کرو (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ صفات حق و سچ ہیں، جن میں ایک صفت ’’عاقب‘‘ یعنی آخری نبی ہونے کی بھی ہے، خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔

یہ ایک ایسی اٹل حقیقت ہے کہ جو کسی کے ماننے پر موقوف نہیں۔

## ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَمِّي لَنَا نَفْسَهُ أَسْمَاءً، فَقَالَ: أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَحْمَدُ، وَالْمُقَفِّي، وَالْحَاشِرُ، وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ، وَنَبِيُّ الرَّحْمَةِ (مسلم، رقم الحديث ٢٣٥٥ "١٢٦" كتاب الفضائل، باب في أسمائه صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے اپنے کئی نام ذکر فرمائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا نام محمد ہے، اور احمد ہے، اور مقفّی ہے اور حاشر ہے، اور نبی التوبۃ ہے، اور نبی الرحمۃ ہے (مسلم)

اس روایت میں ایک نام ’’مقفی‘‘ ہونے کا ہے، جس کا اگلی روایت میں بھی ذکر ہے۔

## حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

بَيْنَمَا أَنَا أَمْشِيْ فِيْ طَرِيْقِ الْمَدِيْنَةِ، قَالَ: إِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِيْ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَحْمَدُ، وَنَبِيُّ

الـرَّحْـمَةِ، وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ، وَالْحَاشِرُ، وَالْمُقَفِّي، وَنَبِيُّ الْمَلَاحِمِ "(مسند احمد، رقم الحدیث ۲۳۴۴۵) [1]

ترجمہ: میں مدینہ کی گلیوں میں جارہا تھا، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چلتے ہوئے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں نبی الرحمۃ ہوں، میں نبی التوبۃ ہوں، میں حاشر ہوں، میں مقفی ہوں، میں نبی الملاحم ہوں (مسند احمد)

مذکورہ روایات میں جو ''مقفی'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اس کا راجح مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بعد کے اور آخری نبی ہیں۔

مذکورہ احادیث و روایات سے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ''خاتم النبیین'' ہونا معلوم ہوا۔ [2]

وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ.

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: صحیح لغیرہ (حاشیة مسند احمد)

[2] (وعن أبي موسى الأشعري، رضي الله عنه قال: كان رسول الله – صلى الله عليه وسلم – يسمي لنا نفسه أسماء، فقال: " أنا محمد أنا أحمد، والمقفي ") ، بكسر الفاء المشددة في جميع الأصول المصححة أي المتبع من قفا أثره إذا تبعه يعني أنه آخر الأنبياء الآتي على أثرهم، لا نبي بعده، وقيل: المتبع لآثارهم امتثالا لقوله تعالى: (فبهداهم اقتده) وفي معناه العاقب (مرقاة المفاتيح، ج۹ ص۳۶۹۷، كتاب الفضائل، باب أسماء النبي صلى الله عليه وسلم وصفاته)

## (فصل نمبر 5)

# محمد ﷺ کے نبوت کی آخری اینٹ ہونے کی نصوص

کئی احادیث وروایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری نبی ہونے کو ایک عمارت کی مثال سے بیان فرمایا ہے، جس میں اپنے آپ کو عمارت کی آخری اینٹ کی مثال سے تعبیر فرمایا۔

اس قسم کی احادیث وروایات سے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ''خاتم النبیین'' ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

اس طرح کی چند احادیث وروایات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

## ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،قَالَ:إِنَّ مَثَلِيْ وَمَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِيْ، كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى بَيْتًا فَأَحْسَنَهٗ وَأَجْمَلَهٗ، إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوْفُوْنَ بِهٖ، وَيَعْجَبُوْنَ لَهٗ، وَيَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ؟قَالَ:فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّيْنَ (بخاری، رقم الحدیث ۳۵۳۵، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال اور میرے سے پہلے سب نبیوں کی مثال، اس آدمی کی طرح ہے، جس نے ایک گھر بنایا، اور اس کو خوب حسین اور جمیل بنایا، سوائے ایک طرف سے ایک اینٹ کے ( کہ وہ باقی رہ

گئی) پھرلوگ وہاں آنے جانے لگےاوراس گھر کو دیکھ کرخوش ہونے لگے،اور یہ کہنے لگے کہ یہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی (تا کہ یہ گھر مکمل ہوجاتا) پس میں وہ اینٹ ہوں،اور میں خاتم النبیین ہوں (بخاری)

مذکورہ حدیث میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ''خاتم النبیین'' ہونے کی ایک عمدہ مثال کے ذریعہ سے وضاحت فرمادی ہے۔

## جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم : مَثَلِيْ، وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ كَرَجُلٍ بَنٰى دَارًا، فَأَكْمَلَهَا وَأَحْسَنَهَا إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَدْخُلُوْنَهَا وَيَتَعَجَّبُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ : لَوْلَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ** (صحيح البخاری، رقم الحديث ۳۵۳۴، كتاب المناقب، باب خاتم النبيين صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال اور میرے سے پہلے سب نبیوں کی مثال اس آدمی کی طرح ہے، جس نے ایک گھر بنایا، اوراس کومکمل اور خوب حسین بنایا،سوائے ایک طرف سے ایک اینٹ کے (کہ وہ باقی رہ گئی) پھر لوگ وہاں آنے جانے لگےاور تعجب کرنے لگے،اور یہ کہنے لگے کہ اگر یہ اینٹ والی جگہ نہ ہوتی (تو کتنا اچھا ہوتا،تا کہ یہ گھر مکمل ہوجاتا)(بخاری)

مذکورہ روایت کے آخر کا حصہ اگلی روایت کے ذیل میں آتا ہے۔

## جابر رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

**عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَثَلِيْ وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ، كَمَثَلِ**

رَجُلٍ بَنٰی دَارًا فَأَتَمَّهَا وَأَكْمَلَهَا إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَدْخُلُوْنَهَا وَيَتَعَجَّبُوْنَ مِنْهَا، وَيَقُوْلُوْن: لَوْلَا مَوْضِعُ اللَّبِنَة قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم: فَأَنَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ، جِئْتُ فَخَتَمْتُ الْأَنْبِيَاءَ (مسلم، رقم الحديث ۲۲۸۷ "۲۳" كتاب الفضائل، باب ذكر كونه صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال اور میرے سے پہلے سب نبیوں کی مثال اس آدمی کی طرح ہے، جس نے ایک گھر بنایا، اوراس کو پورا اور مکمل کیا، سوائے ایک طرف سے ایک اینٹ کے (کہ وہ باقی رہ گئی) پھر لوگ وہاں آنے جانے لگے اور تعجب کرنے لگے، اور یہ کہنے لگے کہ اگر یہ اینٹ والی جگہ نہ ہوتی (تو کتنا اچھا ہوتا، تاکہ یہ گھر مکمل ہو جاتا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پس میں وہ اینٹ ہوں، پس میں آیا اور میں نے انبیاء کے سلسلے کو ختم کیا (مسلم)

مذکورہ روایت سے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عمدہ مثال سے آخری نبی ہونا معلوم ہوا۔

## ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَثَلِیْ وَمَثَلُ النَّبِيِّيْنَ مِنْ قَبْلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی دَارًا فَأَتَمَّهَا إِلَّا لَبِنَةً وَاحِدَةً فَجِئْتُ أَنَا فَأَتْمَمْتُ تِلْكَ اللَّبِنَةَ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۱۰۶۷) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال اور میرے سے پہلے

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

نبیوں کی مثال اس آدمی کی طرح ہے، جس نے ایک گھر تعمیر کیا اور اس کو مکمل کر دیا، لیکن ایک اینٹ باقی رہ گئی، پھر میں آ گیا اور میں نے اس اینٹ کو مکمل کر دیا (مسلم)

اس روایت کا مضمون بھی گزشتہ روایت کے مطابق ہے۔

## ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَثَلِيْ فِي النَّبِيِّيْنَ كَمَثَلِ رَجُلٍ ابْتَنٰى دَارًا فَأَحْسَنَهَا وَأَجْمَلَهَا وَأَكْمَلَهَا، وَتَرَكَ مِنْهَا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ لَمْ يَضَعْهَا، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوْفُوْنَ بِالْبُنْيَانِ، وَيَعْجَبُوْنَ، وَيَقُوْلُوْنَ: لَوْ تَمَّ مَوْضِعُ هَذِهِ اللَّبِنَةِ** (مسند احمد، رقم الحديث ٢١٢٤٤) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبیوں میں میری شان اس آدمی کی طرح ہے، جس نے ایک گھر کو تعمیر کیا، اور اس کو خوب اچھا تعمیر کیا، اور اس کو مکمل کر دیا، لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ کو چھوڑ دیا، اس اینٹ کو نہیں رکھا، پس لوگ آ کر اس کی تعمیر کو دیکھنے لگے، اور اس پر حیران ہونے لگے، اور کہنے لگے کہ اگر اس اینٹ کی جگہ بھی پُر ہو جاتی، تو کیا ہی اچھا ہوتا (پس میں نبیوں میں اس آخری اینٹ کی طرح ہوں) (مسند احمد)

مذکورہ احادیث و روایات سے نہ صرف یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا معلوم ہوا، بلکہ ’’خاتم النبیین‘‘ ہونے کی پوری طرح وضاحت بھی ہو گئی، اور اس سلسلہ میں غلط تاویلات کا راستہ بھی بند ہو گیا۔

**وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ.**

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

## (فصل نمبر 6)

# انقطاعِ نبوت وبقاءِ مبشرات کی نصوص

کئی احادیث میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت تو ختم کردی گئی، لیکن مبشرات، یعنی اللہ کی طرف سے سچے اوراچھے خوابوں کا سلسلہ قائم وباقی رکھا گیا ہے۔

اس قسم کی احادیث سے بھی ”عقیدۂ ختمِ نبوت“ کی تائید ہوتی ہے۔

کیونکہ اللہ کے نبی پر جووحی نازل کی ہوتی ہے، وہ فرشتے کے ذریعہ سے نازل کی جاتی ہے، اور جب بحیثیتِ نبی کے فرشتے کے ذریعہ سے وحی کا نزول نہ ہوگا، تو نبوت کا سلسلہ بھی ختم شمار ہوگا۔

## ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ ارشاد سنا کہ:

لَـمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوْا: وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَال :الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ (بخاری، رقم الحديث ۶۹۹۰، كتاب التعبير، باب المبشرات)

ترجمہ: نبوت میں سے صرف مبشرات باقی رہ گئے ہیں، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ (اے اللہ کے رسول) مبشرات کیا ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (نیک مومن کے) اچھے خواب (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ نبوت کا سلسلہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا، لیکن اچھے خوابوں کے ذریعہ سے نبوت کے علم میں سے ایک خوشخبری کے درجہ کی چیز باقی ہے، جو نیک صالح مؤمن

کو حاصل ہے، اور نیک صالح مؤمن کے لئے نیک خواب کا بشارت ہونا کبھی اچھے کام پر حوصلہ دلا کر اور ہمت بڑھا کر ہوتا ہے، اور کبھی بُرے کام سے ڈرا کر یا غفلت سے یاددھیانی کرا کر ہوتا ہے۔ [1]

## انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا نَبِيَّ، قَالَ: فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: لٰكِنِ الْمُبَشِّرَاتُ. قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: رُؤْيَا الْمُسْلِمِ، وَهِيَ جُزْءٌ مِّنْ أَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ** (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۲۲۷۲، ابواب الرؤیا، باب ذهبت النبوة وبقيت المبشرات، مسند احمد، رقم الحديث ۱۳۸۲۴) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک رسالت اور نبوت کا

---

[1] (لم يبق من النبوة) أى :من أجزائها (إلا المبشرات) : بكسر الشين المشددة . قال السيوطی :أى :الوحى منقطع بموتى، ولا يبقى ما يعلم منه ما سيكون إلا الرؤيا، والتعبير بالمبشرات خرج مخرج الأغلب، فإن من الرؤيا ما تكون منذرة وهى صادقة يريها الله للمؤمن رفقا به، ليستعد لما يقع قبل وقوعها .(قالوا) أى :بعض الصحابة (وما المبشرات؟ قال :الرؤيا الصالحة)، أى :الحسنة أو الصادقة، وهى ما فيه بشارة أو تنبيه عن غفلة وأمثال ذلك .قال الطيبی :ومعنى الصالحة الحسنة، ويحتمل أن تجرى على ظاهرها، وأن تجرى على الصادقة، والمراد بها صحتها، وتفسير رسول الله -صلى الله عليه وسلم -المبشرات على الأول ظاهر ;لأن البشارة كل خبر صدق يتغير به بشرة الوجه واستعمالها فى الخير أكثر، وعلى الثانى مؤول إما على التغليب، أو يحمل على أصل اللغة(مرقاة المفاتيح، ج۷ص ۲۹۱۳، كتاب الرؤيا)

[2] قال الترمذی:وفی الباب عن أبی هريرة، وحذيفة بن أسيد، وابن عباس، وأم كرز هذا حديث صحيح غريب من هذا الوجه من حديث المختار بن فلفل.
وقال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم(حاشية مسند احمد)

سلسلہ ختم ہوگیا، پس میرے بعد کوئی رسول اور کوئی نبی نہیں، یہ بات صحابۂ کرام پر دشوار اور گراں گزری (کہ آپ کے بعد نبوت سے کس طرح تعلق ہوگا؟) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن مبشرات (میرے بعد باقی رہیں گے) صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مبشرات کیا ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (نیک، صالح) مسلم کا خواب، جو کہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے (ترمذی، مسند احمد)

## امِ کرز کعبیۃ رضی اللہ عنہا کی حدیث

حضرت امِ کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ، وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ (صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۶۰۴۷، کتاب الرؤیا، ذکر البیان بان الرؤیا المبشرۃ تنقی فی هذه الأمة عند انقطاع النبوة) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت ختم ہوگئی، اور خوشخبری سنانے والے (خواب) باقی رہ گئے (ابنِ حبان)

## ابو طفیل رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا نُبُوَّةَ بَعْدِىْ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ، قَالَ: قِيْلَ: وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اَلرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ أَوْ قَالَ: اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ (مسند أحمد، رقم الحدیث ۲۳۷۹۵) [2]

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح بشواهده (حاشیة صحیح ابن حبان)

[2] قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح (حاشیة مسند احمد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد نبوت نہیں ہے، سوائے مبشرات کے، عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! مبشرات کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اچھے خواب یا نیک خواب (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ نیک صالح مومن کے اچھے، نیک اور پاکیزہ خواب نبوت کے علم سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا سلسلہ باقی ہے، مگر نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اگر کوئی خواب میں اپنی نبوت ورسالت کو دیکھنے کا دعویٰ کرے، تو وہ خواب اچھا اور نیک نہیں ہے، کیونکہ علمِ نبوت سے اس کی نفی ہوتی ہے۔

## حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ، فَلَا نُبُوَّةَ بَعْدِيْ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قِيلَ: وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الرَّجُلُ أَوْ تُرٰى لَهُ** (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۳۰۵۱، ج۳ص ۱۷۹) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت ختم ہوگئی، پس میرے بعد نبوت نہیں، سوائے مبشرات کے، عرض کیا گیا کہ مبشرات کیا ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھے خواب، جو آدمی دیکھتا ہے، یا اس کے لیے (اللہ کی طرف سے کسی کو) دکھائے جاتے ہیں (طبرانی)

## ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني، والبزار، ورجال الطبراني ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۱۷۲۱)

كَشَفَ رَسُولُ اللّٰهِ – صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – السِّتَارَةَ فِي مَرَضِهِ، وَالنَّاسُ صُفُوفٌ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ، فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنْ مُبَشِّرَاتِ النُّبُوَّةِ إِلَّا الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ، يَرَاهَا الْمُسْلِمُ أَوْ تُرٰى لَهُ (مسند احمد، رقم الحديث ۳۸۹۹) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی (آخری) بیماری میں (دروازے سے) پردہ ہٹایا، اور اس وقت لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صف بنائے ہوئے تھے، پھر فرمایا کہ اے لوگو! نبوت کی خوشخبری دینے والی چیزوں میں سے سوائے اچھے خوابوں کے کچھ باقی نہیں رہا، جو ایک مسلمان دیکھتا ہے یا اس کے لئے (اللہ کی طرف سے) کسی کو دکھائے جاتے ہیں (مسند احمد)

## عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا يَبْقٰى بَعْدِيْ مِنَ النُّبُوَّةِ شَيْءٌ، إِلَّا الْمُبَشِّرَات ، قَالُوا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ، يَرَاهَا الرَّجُلُ، أَوْ تُرٰى لَهُ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۹۷۷) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد نبوت کا کچھ بھی باقی نہیں رہا، سوائے مبشرات کے، لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مبشرات کیا ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھے خواب، جو آدمی دیکھتا ہے، یا اس کے لیے (اللہ کی طرف سے کسی کو) دکھائے جاتے ہیں (مسند احمد)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

مذکورہ احادیث وروایات سے بھی معلوم ہوا کہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت تو مکمل ومنقطع ہوگئی، البتہ مبشرات کی شکل میں نیک صالح اور اچھے مؤمنوں کے لئے نیک صالح اور اچھے خواب باقی ہیں۔

اور اچھے خواب، کبھی شریعتِ محمدیہ کی تعلیمات وہدایات کے خلاف نہیں ہوتے، اگر کسی کو اس طرح کا کوئی خواب نظر آئے، جو شریعتِ محمدیہ کی تعلیمات وہدایات کے خلاف ہو، تو اس کو نبوت کا حصہ اور مبشرات میں سے سمجھ کر نبی صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت وسنت کا مقابلہ ومعارضہ کرنا جائز نہیں۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ.

(فصل نمبر 7)

# جھوٹی نبوت کے دعویداروں کے پیدا ہونے کی نصوص

اس سے پہلے تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، اور آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، لیکن کئی احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ آپ کی بعثت کے بعد جھوٹی نبوت کے دعویدار پیدا ہوتے رہیں گے، بعض احادیث میں ان کی تعداد تیس یا اس سے کم و بیش بتائی گئی ہے۔

اس طرح کی چند احادیث و روایات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

## جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ كَذَّابِيْنَ فَاحْذَرُوْهُمْ (مسلم، رقم الحديث ١٨٢٢ "١٠" كتاب الإمارة ، باب الناس تبع لقريش، والخلافة في قريش)

ترجمہ: قیامت سے پہلے کذاب ہوں گے، تم ان سے اپنے آپ کو بچانا (مسلم)

کذّاب کے معنیٰ ''بہت زیادہ جھوٹا'' ہونے کے ہیں، جس سے مراد، جھوٹی نبوت کے دعویدار ہونا ہے، جیسا کہ اگلی روایات میں وضاحت آتی ہے۔

## عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ

**السَّاعَةِ ثَلاثِيْنَ دَجَّالًا كَذَّابًا**(مسند احمد، رقم الحديث ۵۹۸۵) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت سے پہلے تیس (30) دجال، کذاب برآمد ہوں گے (مسند احمد)

# حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِيْ أُمَّتِيْ كَذَّابُوْنَ وَدَجَّالُوْنَ سَبْعَةٌ وَعِشْرُوْنَ: مِنْهُمْ أَرْبَعُ نِسْوَةٍ، وَإِنِّي خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ**

(مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۳۵۸) [2]

ترجمہ: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ستائیس (27) کذاب اور دجال ہوں گے، جن میں سے چار عورتیں ہوں گی، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں، لیکن آپ کے بعد جھوٹی نبوت کے کئی دعویدار آئیں گے، اور وہ سب کے سب جھوٹے ہوں گے۔

# ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

**وَإِنَّهُ سَيَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ كَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ، وَلَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ** (مسند احمد، رقم الحديث ۲۲۳۹۵) [3]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الصحيح (حاشية مسند احمد)

[3] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: اور عنقریب میری امت میں تیس (30) کذاب ہوں گے، جن میں سے ہر ایک یہ گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، جن کو ان کی مخالفت کرنے والے ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم (موت یا قیامت کی شکل میں) آ جائے (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو جھوٹے نبی آ کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں گے، لیکن دوسری طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایک جماعت حق پر قائم رہنے والی بھی قیامت تک باقی رہے گی، جو اس طرح کے کذّابوں کی دلائل و براہین سے تردید کرے گی۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ جن احادیث میں ستائیس کذابوں کا ذکر ہے، ان میں کسر کی رعایت کی گئی ہے، اور جن میں تیس کا ذکر ہے، ان میں کسر کے بغیر تعداد کو ذکر کیا گیا ہے، لہٰذا دونوں قسم کی احادیث ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں، اور جن احادیث میں تیس کے قریب دجالوں کا ذکر ہے، وہ بھی ان دونوں قسم کی احادیث کو شامل ہونے کی وجہ سے ان کے موافق ہیں۔ [1]

## جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ كَذَّابِيْنَ، مِنْهُمْ صَاحِبُ الْيَمَامَةِ، وَمِنْهُمْ صَاحِبُ صَنْعَاءَ الْعَنْسِيُّ، وَمِنْهُمْ صَاحِبُ حِمْيَرَ، وَمِنْهُمُ الدَّجَّالُ، وَهُوَ أَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً، قَالَ: وَقَالَ أَصْحَابِيْ: قَالَ: هُمْ قَرِيْبٌ مِّنْ ثَلَاثِيْنَ كَذَّابًا** (صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ٦٦٥٠، کتاب التاریخ، باب إخباره صلى الله عليه وسلم عما

---

[1] وهذا يدل على أن رواية الثلاثين بالجزم على طريق جبر الكسر ويؤيده قوله فى حديث الباب قريب من ثلاثين (فتح البارى لابن حجر، ج١٣ ص٨٧، كتاب الفتن، قوله باب كذا)

يكون في أمته من الفتن والحوادث) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے کذاب (یعنی جھوٹی نبوت کے دعویدار) ہوں گے، اُن میں صاحبِ یمامہ (یعنی مسیلمہ کذاب) اور اُن میں صاحبِ صنعاء (اسود) عنسی، اور اُن میں صاحبِ حمیر، اور اُن میں دجال ہے، اور وہ (دجّال) ان سب میں عظیم فتنے والا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے ساتھیوں نے فرمایا کہ کذاب (یعنی جھوٹی نبوت کے دعویدار تعداد میں) تیس کے قریب ہیں (ابنِ حبان)

بعض احادیث میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کے ساتھ ایک اور کذاب کا ذکر ہے، جس کا نام مختار ہے، اور وہ ثقفی قبیلے سے تعلق رکھتا ہے، اور اس قبیلے میں مزید کذابوں کے ہونے کا بھی احادیث میں ذکر پایا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده قوى (حاشية ابنِ حبان)
وقال الالباني: إسنادُه حسنٌ، وفي الحسنِ بن الصباحِ كلام يسير من قِبَلِ حِفْظِه، مع كونه مِن شيوخ البخاري. وله شاهدٌ عَنِ الحسن البصري .....مُرسلاً: أخرجه ابن أبي شيبة.
وإسناده حسنٌ؛ لولا عنعنة مبارك -وهو ابن فضالة-. والحديث له طريق أخرى من رواية ابن لهيعة، عن أبي الزبير، عن جابر: أخرجه أحمد (التعليقات الحسان على صحيح ابنِ حبان، تحت رقم الحديث ٦٦١٦)

عن الحسن، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن بين يدي الساعة كذابين منهم صاحب اليمامة ومنهم الأسود العنسي ومنهم صاحب حمير ومنهم الدجال وهو أعظمهم فتنة (مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ٣٨٦٨٨)

[2] عن عبد الله بن الزبير قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ": لا تقوم الساعة حتى يخرج ثلاثون كذابا: منهم مسيلمة، والعنسي، والمختار (مسند ابى يعلىٰ الموصلي، رقم الحديث ٦٨٢٠)

عن ابن عمر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ": إن في ثقيف كذابا ومبيرا (مسند احمد، رقم الحديث ٥٦٠٧)

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

وروى أبو يعلى بإسناد حسن عن عبد الله بن الزبير تسمية بعض الكذابين المذكورين بلفظ لا تقوم الساعة حتى يخرج ثلاثون كذابا منهم مسيلمة والعنسي والمختار قلت وقد ظهر مصداق ذلک في آخر زمن النبي صلى الله عليه وسلم فخرج ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان کی تفصیل آگے آتی ہے۔

# ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مروی ہے کہ:

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مسيلمة باليمامة والأسود العنسي باليمن ثم خرج في خلافة أبي بكر طليحة بن خويلد في بني أسد بن خزيمة وسجاح التميمية في بني تميم وفيها يقول شبيب بن ربعي وكان مؤدبها أضحت نبيتنا أنثى نطيف بها وأصبحت أنبياء الناس ذكرانا وقتل الأسود قبل أن يموت النبي صلى الله عليه وسلم وقتل مسيلمة في خلافة أبي بكر وتاب طليحة ومات على الإسلام على الصحيح في خلافة عمر ونقل أن سجاح أيضا تابت وأخبار هؤلاء مشهورة عند الإخباريين ثم كان أول من خرج منهم المختار بن أبي عبيد الثقفي غلب على الكوفة في أول خلافة ابن الزبير فأظهر محبة أهل البيت ودعا الناس إلى طلب قتلة الحسين فتبعهم فقتل كثيرا ممن باشر ذلك أو أعان عليه فأحبه الناس ثم إنه زين له الشيطان أن ادعى النبوة وزعم أن جبريل يأتيه فروى أبو داود الطيالسي بإسناد صحيح عن رفاعة بن شداد قال كنت أبطن شيء بالمختار فدخلت عليه يوما فقال دخلت وقد قام جبريل قبل من هذا الكرسي وروى يعقوب بن سفيان بإسناد حسن عن الشعبي أن الأحنف بن قيس أراه كتاب المختار إليه يذكر أنه نبي وروى أبو داود في السنن من طريق إبراهيم النخعي قال قلت لعبيدة بن عمرو أترى المختار منهم قال أما إنه من الرؤوس وقتل المختار سنة بضع وستين ومنهم الحارث الكذاب خرج في خلافة عبد الملك بن مروان فقتل وخرج في خلافة بني العباس جماعة وليس المراد بالحديث من ادعى النبوة مطلقا فإنهم لا يحصون كثرة لكون غالبهم ينشأ لهم ذلك عن جنون أو سوداء وإنما المراد من قامت له شوكة وبدت له شبهة كمن وصفنا وقد أهلك الله تعالى من وقع له ذلك منهم وبقي منهم من يلحقه بأصحابه وآخرهم الدجال الأكبر وسيأتي بسط كثير من ذلك في كتاب الفتن إن شاء الله تعالى (فتح الباري لابن حجر، ج٦ ص٦١٧، قوله باب علامات النبوة في الإسلام، الحديث التاسع والعشرون حديث حذيفة كان الناس يسألون عن الخير)

(إن في ثقيف) القبيلة المعروفة المشهورة (كذابا) هو المختار بن أبي عبيد بن مسعود الثقفي قام بعد وقعة الحسين ودعا الناس إلى الطلب بثأره وغرضه من ذلك أن يصرف إلى نفسه وجوه الناس ويتوصل به إلى تحصيل الإمارة وكان طالبا للدنيا ذكره شارحون (ومبيرا) أي مهلكا لجمع عظيم من سلف هذه الأمة من أبار غيره أهلكه أو المراد به الحجاج .قال المصنف :اتفقوا على أن المراد بالكذاب هنا المختار بن عبيد المدعي النبوة أن جبريل عليه السلام يأتيه قتله ابن الزبير وبالمبير الحجاج .وقال ابن العربي :الحجاج ظالم معتدى ملعون على لسان المصطفى صلى الله عليه وسلم من طرق خارج عن الإسلام عندى باستخفافه بالصحابة كابن عمر وأنس كذا ذكره في المعارضة .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ قَرِيْبٌ مِّنْ ثَلَاثِيْنَ دَجَّالِيْنَ كَذَّابِيْنَ، كُلُّهُمْ يَقُوْلُ: أَنَا نَبِيٌّ، أَنَا نَبِيٌّ (مسند احمد، رقم الحديث ۹۵۴۸) [1]

ترجمہ: قیامت کے قریب تیس کے قریب جھوٹے دجال (دجل وفریب سے کام لے کر جھوٹی نبوت کے دعویدار) ہوں گے، وہ سب کے سب یہ کہیں گے کہ میں نبی ہوں، میں نبی ہوں (مسند احمد)

## ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُبْعَثَ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ قَرِيْبٌ مِّنْ ثَلَاثِيْنَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ (مسلم، رقم الحديث ۱۵۷ "۸۴" كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل، فيتمنى أن يكون مكان الميت من البلاء)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی، جب تک کہ تیس کے قریب کذّاب، دجّال (بہت زیادہ دجل وفریب سے کام لے کر جھوٹی نبوت کے دعویدار) پیدا نہ ہوجائیں، ان میں سے ہر ایک یہ گمان (ودعویٰ) کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے (مسلم)

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں کئی لوگ جھوٹی نبوت کے دعویدار پیدا ہوں گے۔

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ (م عن أسماء بنت أبي بكر) الصديق أم ابن الزبير لما صلب الحجاج ابنها أرسل إليها فلم تأته فأتاها فقال كيف رأيت الله صنع بعدوه قالت رأيتك أفسدت عليه دنياه وأفسد عليك آخرتك سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول فذكرته (فيض القدير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحديث ۲۳۳۵)

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

# ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تیسری حدیث

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَكُوْنُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ، يَأْتُوْنَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ، وَلَا آبَاؤُكُمْ، فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ، لَا يُضِلُّوْنَكُمْ، وَلَا يُفْتِنُوْنَكُمْ (مسلم، رقم الحديث ۷ "۷" مقدمة الامام مسلم رحمه الله ، باب في الضعفاء والكذابين ومن يرغب عن حديثهم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں دجال، کذاب (یعنی بہت زیادہ دجل وفریب سے کام لے کر جھوٹی نبوت کے دعویدار) ہوں گے، جو تمہارے سامنے ایسی باتیں پیش کریں گے، جو نہ تم نے سنیں، اور نہ تمہارے آباء واجداد نے سنیں، تو تم اپنے آپ کو ان سے بچاؤ، اور ان کو اپنے سے دور رکھو، تاکہ وہ تمہیں گمراہ نہ کریں، اور تمہیں فتنہ میں نہ ڈالیں (مسلم)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جھوٹی نبوت کے دعویداروں کی باتیں سننا، ان کے مضامین پڑھنا، ان کی صحبت اختیار کرنا، غرضیکہ ان کے ساتھ قربت اختیار کرنا گمراہی وفتنہ کا باعث ہے، کیونکہ یہ لوگ دجل وفریب سے کام لیتے ہیں۔

''کذاب'' بہت زیادہ جھوٹے کو کہا جاتا ہے، اور ''دجّال'' بہت زیادہ دجل وفریب کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔

اولاً تو نبوت کا دعویٰ کرنا ہی بہت بڑا جھوٹ اور دجل وفریب ہے، اور پھر اوپر سے جھوٹی نبوت کا دعویدار جھوٹ اور دجل وفریب سے کام لے کر لوگوں کو اپنے جھانسے میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے، اس لئے احادیث میں ایسے لوگوں کو کذاب اور دجال قرار دیا گیا ہے۔ [1]

---

[1] (في أمتي) أي سيظهر في أمتي (كذابون) صيغة مبالغة من الكذب وهو الخبر الغير المطابق للواقع ولا يعارضه الإخبار بإفشاء الكذب من القرن الرابع لأن المراد الزيادة على الكذب كما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی چوتھی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِخَزَائِنِ الْأَرْضِ، فَوُضِعَ فِيْ كَفِّيْ سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ، فَكَبُرَا عَلَيَّ، فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيَّ أَنِ انْفُخْهُمَا، فَنَفَخْتُهُمَا فَذَهَبَا، فَأَوَّلْتُهُمَا الْكَذَّابَيْنِ اللَّذَيْنِ أَنَا بَيْنَهُمَا، صَاحِبَ صَنْعَاءَ، وَصَاحِبَ الْيَمَامَةِ (صحيح البخارى، رقم الحديث ۴۳۷۴، كتاب المغازى، باب وفد بنى حنيفة، وحديث ثمامة بن أثال، مسلم رقم الحديث ۲۲۷۴ "۲۲")

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سویا ہوا تھا کہ (خواب میں) میرے سامنے زمین کے خزانے پیش کئے گئے، پھر میری ہتھیلی میں دو سونے کے کنگن رکھے گئے، جو مجھ کو ناگوار گزرے، پھر اللہ نے میری طرف وحی بھیجی کہ آپ ان کو پھونک ماریں، میں نے ان پر پھونک ماری، تو وہ غائب ہو گئے، پھر میں نے ان کی تعبیر دو کذّاب (یعنی دو جھوٹی نبوت کے دعویداروں) سے نکالی کہ میں ان

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ دلت عليه صيغة المبالغة وفى رواية كلهم يكذب على الله ورسوله (ودجالون) أى مكارون منسوبون من الدجل وهو التلبيس مبالغون فى الكذب وأفردهم عن الأولين باعتبار ما قام بهم من المبالغة فى الزيادة فيه تنبيها على أنهم النهاية التى لا شىء بعدها فى هذا المبلغ وظاهر هذا أن الدجال إذا جمع أريد به علم الجنس وإذا أفرد فهو علم شخص (سبعة وعشرون منهم أربع نسوة وإنى خاتم النبيين لا نبى بعدى) وعيسى إذا نزل إنما يحكم بشرعه (فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج۴ص ۴۵۴، تحت رقم الحديث ۵۹۴۶)

( "دجالون ") أى :مبالغون فى فساد العباد والبلاد ( "كذابون ") أى :على الله ورسوله.

فى شرح السنة :كل كذاب دجال، يقال :دجل فلان الحق بباطله غطاه، ومنه أخذ الدجال، ودجله سحره وكذبه، وقيل :عن الدجال دجالا لتمويهه على الناس وتلبيسه، يقال :دجل إذا موه ولبس، ( "قريبا من ثلاثين ") ، وهذا لا ينافى جزمه فيما سبق بقوله ثلاثون، فإنه إما متأخر، وإما المراد منه التقريب، وكذا لا ينافى ما رواه الطبرانى عن ابن عمر :ولا تقوم الساعة حتى يخرج سبعون كذابا ، فإن المراد منه التكثير، أو الثلاثون مقيدون بدعوى النبوة، والباقون بغيرها على احتمال أن السبعين غير الثلاثين، فتكمل المائة، والله تعالى أعلم (مرقاة المفاتيح، ج۸ص ۳۴۰۵، كتاب الفتن ،باب الملاحم)

دونوں کے درمیان ہوں، ایک صنعاء (مقام) والا (یعنی اسود عنسی) اور دوسرے یمامہ (مقام) والا (یعنی مسیلمہ کذاب) (بخاری، مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹے نبوت کے دعویداروں کو سونے کے کنگن کی شکل میں دیکھا، اور پھونک مارنے کے بعد ان کو غائب وختم ہوتے ہوئے بھی دیکھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ ان کا نام ونشان ختم ہوجائے گا، چنانچہ یہی ہوا کہ وہ دونوں قتل کردیئے گئے، اور آج اکثر انسان ان دونوں کا نام بھی نہیں جانتے، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی پوری کائنات میں عزت واحترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

کئی دوسری احادیث میں ان دونوں جھوٹی نبوت کے دعویداروں کا ذکر آیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

## ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَدِمَ مُسَيْلِمَةُ الْكَذَّابُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَعَلَ يَقُوْلُ: إِنْ جَعَلَ لِيْ مُحَمَّدٌ الْأَمْرَ مِنْ بَعْدِهٖ تَبِعْتُهٗ، وَقَدِمَهَا فِيْ بَشَرٍ كَثِيْرٍ مِنْ قَوْمِهٖ، فَأَقْبَلَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهٗ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ وَفِيْ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِطْعَةُ جَرِيْدٍ، حَتّٰى وَقَفَ عَلٰى مُسَيْلِمَةَ فِيْ أَصْحَابِهٖ، فَقَالَ: لَوْ سَأَلْتَنِيْ هٰذِهِ الْقِطْعَةَ مَا أَعْطَيْتُكَهَا، وَلَنْ تَعْدُوَ أَمْرَ اللّٰهِ فِيْكَ، وَلَئِنْ أَدْبَرْتَ لَيَعْقِرَنَّكَ اللّٰهُ، وَإِنِّيْ لَأَرَاكَ الَّذِيْ أُرِيْتُ فِيْكَ مَا رَأَيْتُ** (صحيح البخارى، رقم الحديث ٣٦٢٠، كتاب المناقب، باب علامات النبوة فى الإسلام، مسلم رقم الحديث ٢٢٧٣ "٢١"، صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ٦٦٥٤)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں (نبوت کے جھوٹے دعویدار)

مسیلمہ کذاب نے آ کر کہا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے بعد مجھے خلافت عطا کر دیں تو میں ان کی اتباع کر لیتا ہوں، اور وہ اپنی قوم کے بہت لوگوں کو اپنے ساتھ لایا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف آئے، اور (اس وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت بن قیس بن شماس بھی تھے، اور (اس وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی کا ٹکڑا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسیلمہ کذاب کے پاس اس کے ساتھیوں میں جا کر کھڑے ہو گئے، اور فرمایا کہ اگر تو مجھ سے اس لکڑی کے ٹکڑے کو بھی مانگے گا، تو میں یہ تجھ کو نہیں دوں گا (کیونکہ نبوت کسی انسان کے اختیار میں اور انسان کی تقسیم نہیں) اور اللہ کا جو فیصلہ تیرے بارے میں ہو چکا ہے، تُو اس سے ہٹ نہیں سکتا، اور اگر تُو کچھ دن زندہ رہا تو اللہ تجھ کو ہلاک (وقتل) کر دے گا، اور یقیناً میں تجھ کو وہی شخص سمجھتا ہوں جس کو میں نے خواب میں دیکھا ہے (بخاری، مسلم، ابنِ حبان)

## ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

حضرت عبیداللہ بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

**سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ عَنْ رُؤْيَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِيْ ذَكَرَ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ذُكِرَ لِيْ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُرِيْتُ أَنَّهُ وُضِعَ فِيْ يَدَيَّ سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَفُظِعْتُهُمَا وَكَرِهْتُهُمَا، فَأُذِنَ لِيْ فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا، فَأَوَّلْتُهُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ فَقَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ: أَحَدُهُمَا الْعَنْسِيُّ، الَّذِيْ قَتَلَهُ فَيْرُوْزُ بِالْيَمَنِ، وَالْآخَرُ مُسَيْلَمَةُ الْكَذَّابُ** (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۴۳۷۹، کتاب المغازی، باب قصة الأسود العنسی)

ترجمہ: میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے اس خواب کے بارے میں سوال کیا، جو آپ نے (جھوٹی نبوت کے دعویداروں کے بارے میں) ذکر فرمایا تھا، تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سویا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے، میں ان کو دیکھ کر گھبرا گیا اور میں نے ان کو ناپسند کیا، تو میں نے ان پر پھونک ماری، تو وہ دونوں اُڑ گئے، میں نے اس خواب کی تعبیر دو کذابوں (یعنی جھوٹی نبوت کے دعویداروں) سے نکالی، جو برآمد ہوں گے، حضرت عبیداللہ (راوی) کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک عنسی تھا جسے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی) حضرت فیروز نے یمن میں قتل کیا، اور دوسرا مسیلمہ کذاب تھا (بخاری)

ان دو نبوت کے جھوٹے دعویداروں میں سے ایک تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی قتل ہو کر واصلِ جہنم ہو گیا تھا، جس کا نام اسود عنسی تھا، اور اس کو حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ [1]

---

[1] العنسی، بفتح العین المهملة وسکون النون وبالسین المهملة، وهو نسبة الأسود الصنعانی الذی ادعی النبوة، وقیل :اسمه عبلة، بفتح العین المهملة وسکون الباء الموحدة ابن کعب، وکان یقال له :ذو الخمار، لأنه زعم أن الذی یأتیه ذو الخمار، قتله فیروز الصحابی الدیلی بصنعاء، دخل علیه فحطم عنقه، وهذا کان فی حیاة رسول الله، صلی الله علیه وسلم فی مرضه الذی توفی فیه علی الأصح والمشهور، وبشر رسول الله، صلی الله علیه وسلم الصحابة بذلک، ثم بعده حمل رأسه إلیه، وقیل :کان ذلک فی زمن الصدیق، رضی الله تعالی عنه، والعنسی نسبة إلی عنس، قال الرشاطی :اسمه زید بن مالک بن أدد، ومالک هو جماع مذحج، قال ابن درید :العنس الناقة الصلبة(عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ج١٦،ص١٥٢، کتاب المناقب،باب علامات النبوة فی الإسلام)

فأما العنسی فقتله فیروز الصحابی بصنعاء فی حیاته -صلی الله علیه وسلم -فی مرض موته علی الصحیح، وأما مسیلمة فقتله وحشی قاتل حمزة فی خلافة الصدیق -رضی الله عنه(إرشاد الساری لشرح صحیح البخاری، للقسطلانی،ج٦،ص٦٦، کتاب المناقب،باب علامات النبوة فی الإسلام)

فوافی بذلک عند وفاة النبی صلی الله علیه وسلم قال أبو الأسود عن عروة أصیب الأسود قبل وفاة النبی صلی الله علیه وسلم بیوم ولیلة فأتاه الوحی فأخبر به أصحابه ثم جاء الخبر إلی أبی بکر رضی الله عنه وقیل وصل الخبر بذلک صبیحة دفن النبی صلی الله علیه وسلم(فتح الباری شرح صحیح البخاری لابنِ حجر العسقلانی،ج٨،ص٩٣،قوله باب وفد بنی حنیفة وحدیث ثمامة بن آثال)

# فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت ہے کہ:

**أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَأْسِ الْأَسْوَدِ الْعَنْسِيِّ الْكَذَّابِ**

(السنن الكبرىٰ للنسائي،رقم الحديث ٨٦١٩، كتاب السير، باب حمل الرء وس، مسند الشاميين للطبراني، رقم الحديث ٨٧٥، شرح مشكل الآثار، رقم الحديث ٢٩٦٠) [1]

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسود عنسی کذّاب کا سَر لے کر حاضر ہوا

(نسائی، طبرانی، مشکل الآ ثار)

اس سے معلوم ہوا کہ نبوت کے ایک جھوٹے دعویدار ''اسود عنسی'' کو حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

# وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کی حدیث

اور نبوت کے دوسرے جھوٹے دعویدار ''مسیلمہ کذاب'' کو حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں قتل کیا۔

چنانچہ حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ:

**فَخَرَجْتُ فَلَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ مُسَيْلِمَةُ الْكَذَّابُ، قُلْتُ: لَأَخْرُجَنَّ إِلٰى مُسَيْلِمَةَ، لَعَلِّيْ أَقْتُلُهُ فَأُكَافِءَ بِهٖ حَمْزَةَ، قَالَ: فَخَرَجْتُ مَعَ النَّاسِ، فَكَانَ مِنْ أَمْرِهٖ مَا كَانَ، قَالَ: فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِيْ ثَلْمَةِ جِدَارٍ، كَأَنَّهُ جَمَلٌ أَوْرَقُ ثَائِرُ الرَّأْسِ، قَالَ: فَرَمَيْتُهُ بِحَرْبَتِيْ، فَأَضَعُهَا بَيْنَ ثَدْيَيْهِ حَتّٰى خَرَجَتْ مِنْ بَيْنِ كَتِفَيْهِ،**

---

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني في الأوسط ورجاله ثقات(مجمع الزوائد، باب رأس القتيل يحمل، تحت رقم الحديث ٩٦٩٣)

قَالَ: وَوَثَبَ إِلَيْهِ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ فَضَرَبَهُ بِالسَّيْفِ عَلٰى هَامَتِهٖ

(صحيح البخاري، رقم الحديث ٤٠٧٢، كتاب المغازي، باب قتل حمزة بن عبد المطلب رضي الله عنه)

ترجمہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں) جب مسیلمہ کذّاب نے خروج کیا تو میں نے سوچا کہ میں مسلمانوں کے ساتھ مسیلمہ کو مارنے جاؤں گا، شاید اس کو مار کر (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا کفارہ ہو سکے (جن کو میں نے اپنے کفر کے زمانے میں قتل کیا تھا) میں مسلمانوں کے ساتھ مسیلمہ کے مقابلہ پر نکلا، مسیلمہ کے لوگوں نے جو کچھ کیا وہ میں دیکھ رہا تھا، اس کے بعد میں کیا دیکھتا ہوں کہ مسیلمہ ایک دیوار کی آڑ میں کھڑا ہے، اس کے سر پر نشان اور اس کا اونٹ کا سا رنگ ہے، میں نے وہی حربہ (چھوٹا نیزہ) جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لئے استعمال کیا تھا، نکالا اور اس کی دونوں چھاتیوں کے درمیان مارا، جو اس (مسیلمہ) کے دونوں مونڈھوں کے درمیان سے پار نکل گیا، اتنے میں ایک انصاری (مسلمان شخص) کُود کر اس کی طرف گیا، پھر اس نے مسیلمہ کی کھوپڑی پر ایک تلوار ماری (اور اس طرح مسیلمہ کا کام تمام ہو گیا) (بخاری)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کو پہلے ہی خواب میں دیکھ لیا تھا کہ وہ نبوت کے جھوٹے دعویدار ہیں، پھر اسود عنسی، حضرت فیروز رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے آخری دور میں اور مسیلمہ کذاب، حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں قتل کر دیا گیا، اور اس طرح یہ دونوں واصلِ جہنم ہوئے۔ [1]

---

[1] قوله حتى يبعث بضم أوله أى يخرج وليس المراد بالبعث معنى الإرسال المقارن للنبوة بل هو كقوله تعالى انا أرسلنا الشياطين على الكافرين قوله دجالون كذابون الدجل التغطية والتمويه ويطلق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : حِيْنَ قَرَأَ كِتَابَ مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابِ، قَالَ لِلرَّسُوْلَيْنِ : فَمَا تَقُوْلَانِ أَنْتُمَا؟ قَالَا : نَقُوْلُ : كَمَا قَالَ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَاللّٰهِ لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمَا** (مسنداحمد، رقم الحديث ۱۵۸۹، سنن أبی داود، رقم الحديث ۲۷۶۱) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کذاب کا خط پڑھا تو اس خط کو لانے والے دونوں قاصدوں (سفیروں) سے پوچھا کہ تم دونوں کس چیز کے قائل ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں، جو مسیلمہ کہتا ہے (یعنی ہم آپ کے مقابلہ میں اس کو نبی ورسول مانتے ہیں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر یہ بات نہ ہوتی

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ على الكذب أيضا فعلى هذا كذابون تأكيد وقوله قريبا من ثلاثين كذا وقع بالنصب وهو على الحال من النكرة الموصوفة ووقع فى رواية أحمد قريب بالرفع على الصفة وقد أخرج مسلم من حديث جابر بن سمرة الجزم بالعدد المذكور بلفظ إن بين يدى الساعة ثلاثين كذابا دجالا كلهم يزعم أنه نبى وروى أبو يعلى بإسناد حسن عن عبد الله بن الزبير تسمية بعض الكذابين المذكورين بلفظ لا تقوم الساعة حتى يخرج ثلاثون كذابا منهم مسيلمة والعنسى والمختار قلت وقد ظهر مصداق ذلك فى آخر زمن النبى صلى الله عليه وسلم فخرج مسيلمة باليمامة والأسود العنسى باليمن ثم خرج فى خلافة أبى بكر طليحة بن خويلد فى بنى أسد بن خزيمة وسجاح التميمية فى بنى تميم وفيها يقول شبيب بن ربعى وكان مؤدبها أضحت نبيتنا أنثى نطيف بها وأصبحت أنبياء الناس ذكرانا وقتل الأسود قبل أن يموت النبى صلى الله عليه وسلم وقتل مسيلمة فى خلافة أبى بكر وتاب طليحة ومات على الإسلام على الصحيح فى خلافة عمر ونقل أن سجاح أيضا تابت وأخبار هؤلاء مشهورة عند الإخباريين (فتح البارى لابنِ حجر، ج۶ص۶۱۷، قوله باب خاتم النبوة، الحديث التاسع والعشرون)

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح بطرقه وشاهده (حاشية مسند احمد)

کہ قاصدوں (اور سفیروں) کو قتل نہیں کیا جاتا (یعنی اگر اُن کو قتل کرنے کی اجازت ہوتی) تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا (مسند احمد)

## ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**جَاءَ ابْنُ النَّوَّاحَةِ وَابْنُ أُثَالٍ رَسُولًا مُسَيْلِمَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُمَا: أَتَشْهَدَانِ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟ قَالَ: نَشْهَدُ أَنَّ مُسَيْلِمَةَ رَسُولُ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم: آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ، لَوْ كُنْتُ قَاتِلًا رَسُولًا لَقَتَلْتُكُمَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: قَالَ فَمَضَتِ السُّنَّةُ أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ** (مسنداحمد، رقم الحديث ٣٧٦١) [1]

ترجمہ: ابنِ نواحہ اور ابنِ اثال (نامی دو شخص) مسیلمہ کذاب کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قاصد (وسفیر) بن کر آئے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے پوچھا کہ کیا تم دونوں اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ انہوں نے کہا کہ ہم تو مسیلمہ کے اللہ کا رسول ہونے کی گواہی دیتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں قاصدوں (وسفیروں) کو قتل کرتا ہوتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا، تو یہ سنت (وروایت) چلی آ رہی ہے کہ قاصد وسفیر کو قتل نہیں کیا جاتا (مسند احمد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں نبوت کا دعویٰ کرنا کفر ہے، اور ایسی نبوت پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا بھی کفر ہے، جس کی اسلام میں قانونی سزا قتل ہے، لیکن کیونکہ غیروں کے قاصد اور سفیر کو قتل نہ کرنے کا عالمی و بین الاقوامی قانون وعرف زمانۂ قدیم سے چلا آ رہا ہے تا کہ قوموں اور قبیلوں، ملکوں، علاقوں اور خطوں، ریاستوں وسلطنتوں اور مختلف متحارب

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

گروہوں کے درمیان مذاکرات، معاہدات، پیغامات رسانی کا نظام معطل نہ ہوجائے۔
نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اسی عالمی عرف کا احترام کیا اور اسے اعتبار بخشا، آج بھی ساری دنیا میں سفیروں کو سفارتی استثناء اصل ہے، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سفیروں کو قتل نہیں کیا۔ [1]

بہرحال مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے آخری نبی ورسول ہیں، اور آپ کے بعد تا قیامت کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا، اور آپ کے بعد جس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا، یا کرے گا، وہ ''کذّاب'' اور ''جھوٹا'' شمار ہوگا۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ.

---

[1] (وعن نعيم) بالتصغير (ابن مسعود) أى الأشجعى هاجر إلى النبى -صلى الله عليه وسلم - وأسلم بالخندق وهو الذى سعى بين بنى قريظة وأبى سفيان بن حرب، وأبو سفيان يومئذ رأس الأحزاب، وخذلهم عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وحكايته معروفة، سكن المدينة روى عنه ابنه سلمة مات فى خلافة عثمان وقيل بل قتل فى وقعة الجمل قبل قدوم على بن أبى طالب كرم الله وجهه (أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال لرجلين) أحدهما عبد الله بن النواحة والثانى ابن أثال كما سيأتى (جاء ا) بصيغة التثنية ;أى كلاهما (من عند مسيلمة) بضم الميم الأولى وفتح السين وكسر اللام وهو الكذاب المشهور بدعوى النبوة (أما) بتخفيف الميم للتنبيه (والله لولا أن الرسل لا تقتل) قال التوربشتى وذلك ;لأنهم كما حملوا تبليغ الرسالة حملوا تبليغ الجواب فلزمهم القيام بكلا الأمرين فيصيرونى برفض مآربهم موسومين بسمة الغدر، وكان نبى الله -صلى الله عليه وسلم -أبعد الناس عن ذلك، ثم إن فى تردد الرسل المصلحة الكلية ومهما جوز حبسهم، أو التعرض لهم بمكروه صار ذلك سببا ;لانقطاع السبل من الفئتين المختلفتين وفى ذلك من الفتنة والفساد ما لا يخفى على ذى اللب موقعه، وقوله (لضربت أعناقكم) إنما قال ذلك لهما ;لأنهما قالا بحضرته نشهد أن مسيلمة رسول الله اهـ، وقيل عدم جواز قتل الرسل مستفاد من قوله تعالى (وإن أحد من المشركين استجارك فأجره) والوافد فى حكم المستجير، قلت : وهو ما ينافى كلام الشيخ من الحكمة الجلية (مرقاة المفاتيح، ج٦ ص ٢٥٦٢، كتاب الجهاد،باب الأمان)

(فصل نمبر 8)

# علماء کا انبیاء کا وارث ہونا، ہر صدی میں مجددین کا آنا

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے، اور تا قیامت کسی بھی انسان کی بحیثیت نبی کے آمد ممکن نہیں، البتہ علمائے حق کو انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے، اور وارث قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس جو علم ہے، وہی علم علمائے حق کے پاس ہوگا، کوئی نئی چیز نہیں ہوگی۔

اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر صدی میں دین کی تجدید کرنے والے مجددین کی آمد کا بھی ذکر فرمایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اصل دین تو قیامت تک وہی باقی رہے گا، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے عطا کیا گیا ہے، البتہ کچھ وقت گزرنے کے بعد جب اس کے کچھ شعبوں میں لوگ گڑبڑ کریں گے، تو اس کی تجدید اصلاح کے لیے مجددین کی آمد ہوتی رہے گی، جن کے آخر میں حضرت مہدی علیہ الرحمۃ اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام، عظیم مجددین کی حیثیت سے تشریف لائیں گے۔

## ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت قیس بن کثیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

**قَدِمَ رَجُلٌ مِنَ الْمَدِيْنَةِ إِلٰى أَبِى الدَّرْدَاءِ ، وَهُوَ بِدِمَشْقَ، فَقَالَ:مَا أَقْدَمَکَ، أَىْ أَخِىْ ؟ قَالَ:حَدِيْثٌ بَلَغَنِىْ أَنَّکَ تُحَدِّثُ بِهٖ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ قَالَ:أَمَا قَدِمْتَ لِتِجَارَةٍ ؟ قَالَ:لَا .قَالَ: أَمَا قَدِمْتَ لِحَاجَةٍ ؟ قَالَ:لَا .قَالَ:مَا قَدِمْتَ إِلَّا فِىْ طَلَبِ هٰذَا**

الْحَدِيْثِ ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيْقًا إِلٰى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ، وَإِنَّهُ لَيَسْتَغْفِرُ لِلْعَالِمِ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، حَتّٰى الْحِيْتَانُ فِي الْمَاءِ، وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، إِنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ ، لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا، وَإِنَّمَا وَرِثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَ بِهٖ، أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ٢١٧١٥) [1]

ترجمہ: مدینہ منورہ سے ایک آدمی حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق میں آیا، انہوں نے آنے والے سے پوچھا کہ بھائی ! کیسے آنا ہوا؟ اس نے کہا کہ ایک حدیث معلوم کرنے کے لئے جس کے متعلق مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ کسی تجارت کے سلسلے میں نہیں آئے؟ اس نے کہا نہیں، پھر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کسی اور کام کے لئے تو نہیں آئے؟ اس نے کہا نہیں، انہوں نے پھر پوچھا کہ کیا آپ صرف اسی حدیث کے طلب میں آئے ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں، جس کے بعد حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص طلب علم کے لئے کسی راستے میں چلتا ہے، تو اللہ اسے جنت کے راستے پر چلا دیتا ہے اور فرشتے اس طالب علم کی خوشنودی کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لئے زمین وآسمان کی ساری مخلوقات بخشش کی دعائیں کرتی ہیں اور

[1] قال شعيب الارنؤوط: حسن لغيره (حاشية مسند احمد)

عالم کی عابد پر فضیلت ایسے ہی ہے، جیسے چاند کی دوسرے ستاروں پر، بیشک علماء انبیاءِ کرام کے وارث ہوتے ہیں، جو وراثت میں دینار ودرہم نہیں چھوڑتے، بلکہ وہ تو وراثت میں علم چھوڑ کر جاتے ہیں، سو جو اسے حاصل کر لیتا ہے وہ بہت سا حصہ حاصل کر لیتا ہے (مسند احمد)

مذکورہ حدیث سے علماء کا انبیاء کا وارث ہونا معلوم ہوا۔ [1]

# ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۴۲۹۱، كتاب الملاحم، باب ما يذكر في قرن المائة) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل اس امت

---

[1] (وأن العلماء ورثة الأنبياء) علماً وعملاً وكمالاً وتكميلاً، ولا يتم ذلك إلا لمن صفت مصادر علمه وعمله ومواردهما عن الهوى والحظوظ، حتى أمدته كلمات الله التي لا تفنى إلى أن صار من الراسخين في العلم، القائمين بصور الأعمال على ما ينبغي، فسلم من الإخلاد إلى أرض الشهوات الخافضة إلى أرذل الدركات (إن الأنبياء لم يورثوا ديناراً ولا درهماً) أي :مالاً وخصا بالذكر؛ لأنهما أغلب أنواعه، وفي نفيهما عنهم إيماء إلى رذالة الدنيا فأعرضوا عنها ولم يأخذوا منها إلا قدر الضرورة، فلم يورثوا شيئاً منها، لئلا يتوهم أنهم كانوا يطلبون شيئاً منها يورث عنهم (إنما ورثوا العلم) بأحوال الظاهر والباطن، على تباين أجناسه واختلاف أنواعه بتعليمهم لأممهم (فمن أخذه) أي :فبسبب ما ذكر من تلك الفضائل العلية من ورث العلم (أخذ بحظ) أي :نصيب من الكمال (وافر) لا نهاية له، ومن ثم قال الثوري :لا أعلم اليوم شيئاً أفضل من طلب العلم، قيل له: ليس لهم نية؟ قال :طلبهم له نية، وقال الحسن :من طلب العلم يريد ما عند الله، كان خيراً له مما طلعت عليه الشمس، وقال مالك :لمن أراد المبادرة إلى الصلاة، وترك ما هو فيه من العلم ليس ما تذهب إليه فوق ما أنت فيه إذا صحت النية .وقال الشافعي :طلب العلم أفضل من صلاة النافلة(دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج۷، ص ۱۸۲، كتاب العلم، باب فضل العلم تعلما وتعليما لله)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح(حاشية سنن ابی داؤد)

کے لیے ہر سو سال کے سر پر ایسے مجدد مبعوث فرمائے گا کہ جو اس امت کے دین کی تجدید کریں گے (ابوداؤد)

محدثین نے فرمایا کہ مذکورہ حدیث میں ہر صدی میں مجدد سے شخصِ واحد مراد نہیں، بلکہ ایک جماعت مراد ہے، جس کے افراد ہر علاقہ میں شرعی علوم کے مختلف فنون یا کسی مخصوص فن میں تحریری یا تقریری طور پر حسبِ موقع وضرورت دین کی تجدید کریں گے، اور علمی وعوامی دنیا میں وقت کے ساتھ داخل ہونے والی غیر متعلقہ چیزوں کی نشاندہی اور وقتی طور پر پیدا ہونے والے گرد وغبار اور جھاڑ جھنکار کا صفایا کر کے دین کو اصلی حالت میں ظاہر ونمایاں کریں گے، اور حالاتِ حاضرہ کے مطابق دینِ متین کے اصول وقواعد سے احکام کا استنباط واستخراج بھی کریں گے۔ [1]

---

[1] (إن الله عز وجل يبعث لهذه الأمة ") أى: أمة الإجابة، ويحتمل أمة الدعوة (على رأس كل مائة سنة) : أى: انتهائه أو ابتدائه إذا قل العلم والسنة وكثر الجهل والبدعة (من يجدد) : مفعول يبعث (لها) أى: لهذه الأمة (دينها) أى: يبين السنة من البدعة ويكثر العلم ويعز أهله ويقمع البدعة ويكسر أهلها .قال صاحب جامع الأصول: وقد تكلم العلماء فى تأويله، وكل واحد أشار إلى العالم الذى هو فى مذهبه، وحمل الحديث عليه، والأولى الحمل على العموم فإن لفظة "من "تقع على الواحد والجمع، ولا يختص أيضا بالفقهاء فإن انتفاع الأمة بهم، وإن كان كثيرا فانتفاعهم بأولى الأمر وأصحاب الحديث والقراء والوعاظ والزهاد أيضا كثير، إذ حفظ الدين وقوانين السياسة وبث العدل وظيفة أولى الأمر، وكذا القراء وأصحاب الحديث ينفعون بضبط التنزيل والأحاديث التى هى أصول الشرع وأدلته، والوعاظ ينفعون بالوعظ والحث على لزوم التقوى لكن المبعوث بشرط أن يكون مشارا إليه فى كل فن من هذه الفنون .نقله السيد، وأغرب ابن حجر وحمل المجددين محصورين على الفقهاء الشافعية، وختمهم بشيخه الشيخ زكريا مع أنه غير معروف بتجديد فن من العلوم الشرعية، وشيخ مشايخنا السيوطى هو الذى أحيا علم التفسير المأثور فى الدر المنثور، وجمع جميع الأحاديث المتفرقة فى جامعه المشهور، وما ترك فنا إلا وله فيه متن أو شرح مسطور، بل وله زيادات ومخترعات يستحق أن يكون هو المجدد فى القرآن المذكور كما ادعاه وهو فى دعواه مقبول ومشكور، هذا والأظهر عندى والله أعلم، المراد بمن يجدد ليس شخصا واحدا، بل المراد به جماعة يجدد كل أحد فى بلد فى فن أو فنون من العلوم الشرعية ما تيسر له من الأمور التقريرية أو التحريرية(مرقاة المفاتيح، ج ا ص ٣٢٢، كتاب العلم)

(إن الله تعالى يبعث لهذه الأمة) أى يقيض لها (على رأس كل مئة سنة) من الهجرة أو غيرها على ما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس کے نتیجے میں، دینِ متین کی ان غیر متعلقہ چیزوں سے صفائی ہوکر ایک طرح سے ''دین کی تجدید'' ہوگی، یعنی ظاہری صورت میں تو یہ ''تجدیدِ دین'' ہوگی، اور حقیقت میں ''دینِ محمدی ونبوی'' کو اپنی اصلی اور حقیقی حالت پر ظاہر کرنا ہوگا۔

گزشتہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہو چکا کہ کوئی صدی ''مجدد'' سے خالی نہیں ہوتی۔

آج سے پہلے بھی ہر صدی میں ''مجدد'' ہوئے، اب بھی ہیں، اور ان شاء اللہ، آئندہ بھی ہر صدی میں آتے رہیں گے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ.

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سبق تقريره والمراد الرأس تقريبا (من) أى رجلا أو أكثر (يجدد لها دينها) أى يبين السنة من البدعة ويكثر العلم وينصر أهله ويكسر أهل البدعة ويذلهم قالوا: ولا يكون إلا عالما بالعلوم الدينية الظاهرة والباطنة .قال ابن كثير: قد ادعى كل قوم فى إمامهم أنه المراد بهذا الحديث والظاهر أنه يعم جملة من العلماء من كل طائفة وكل صنف من مفسر ومحدث وفقيه ونحوى ولغوى وغيرهم (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۱۸۴۵)

الفائدة التاسعة والعشرون: [المفتون] الذين نصبوا أنفسهم للفتوى أربعة أقسام :

أحدهم : العالم بكتاب اللّٰه وسنة رسوله وأقوال الصحابة، فهو المجتهد فى أحكام النوازل، يقصد فيها موافقة الأدلة الشرعية حيث كانت، ولا ينافى اجتهاده تقليدُهُ لغيره أحيانًا، فلا تجد أحدًا من الأئمة إلا وهو مقلد من هو أعلم منه فى بعض الأحكام، وقد قال الشافعى [رحمه اللّٰه ورضى عنه]فى موضع] من الحج:" قلته تقليدًا لعطاء"، فهذا النوع هم الذين يسوغ لهم الإفتاء ويسوغ استفتاؤهم ويتأدى بهم فرض الاجتهاد، وهم الذين قال [فيهم] النبى –صلى اللّٰه عليه وسلم–:" إن اللّٰه يبعث لهذه الأمة على رأس كل مئة سنة من يجدد لها دينها "وهم غرس اللّٰه الذين لا يزال يغرسهم فى دينه وهم الذين قال فيهم على بن أبى طالب [كرم اللّٰه وجهه] : لن تخلو الأرض من قائم للّٰه بحُجّته (اعلام الموقعين، ج٦، ص ١٦٢، ١٦٣،فصل لا يفتى ولا يحكم إلا بما يكون عالما بالحق فيه، أقسام المفتين أربعة )

(خاتمہ)

# احادیث وسنت کا حجت ہونا

جہاں تک اس شبہ کا تعلق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں آیا، بلکہ احادیث میں آیا ہے۔

تو گزشتہ تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے کہ اولاً تو اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے، دوسرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث، قرآن مجید کی تشریح وتفصیل کو بیان کرتی ہیں، اور احادیث کا حجت ہونا بھی قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے۔

لہٰذا جو بات معتبر احادیث میں آ جائے، اس کو ماننا بھی ضروری ہے۔

## سورہ نجم کا حوالہ

قرآن مجید کی سورہ نجم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى. مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى. وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى (سورة النجم، رقم الآيات ۱ الیٰ ۴)

ترجمہ: ستارے کی قسم ہے جب وہ ڈوبنے لگے۔ تمہارا رفیق (وساتھی) نہ گمراہ ہوا ہے اور نہ بہکا ہے۔ اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے (سورہ نجم)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے، بلکہ ان کی بات وحی پر مبنی ہوتی ہے، لہٰذا قرآن مجید کی مذکورہ آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا حجت اور وحی ہونا معلوم ہوا۔

احادیث میں بھی اس مضمون کی وضاحت آئی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

## سورہ حشر کا حوالہ

قرآن مجید کی سورہ حشر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ** (سورة الحشر، رقم الآية ٧)

ترجمہ: اور جو چیز رسول تمہیں دے، تو تم اُس کو لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روکے، تو تم اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ شدید سزا والا ہے (سورہ حشر)

اس سے معلوم ہوا کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا و بیان کردہ احکام پر عمل ضروری ہے، اور اس کا قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے۔

احادیث میں بھی اس آیت کے یہی معنیٰ بیان کیے گئے ہیں، جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

## عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيْدُ حِفْظَهُ، فَنَهَتْنِيْ قُرَيْشٌ، فَقَالُوْا: إِنَّكَ تَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا، فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: اُكْتُبْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا خَرَجَ مِنِّيْ إِلَّا حَقٌّ** (مسند احمد، رقم الحديث ٦٥١٠) [1]

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو چیزیں سن لیتا، اسے لکھ لیتا، تاکہ یاد کرسکوں، مجھے قریش کے لوگوں نے اس سے منع کیا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ بھی سنتے ہو سب لکھ لیتے ہو، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک انسان ہیں، بعض اوقات غصہ میں بات کرتے ہیں اور بعض اوقات خوشی میں، ان لوگوں کے کہنے کے بعد میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ذکر کردی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لکھ لیا کرو اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میری زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا (مسند احمد)

## ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِنِّيْ لَا أَقُوْلُ إِلَّا حَقًّا، قَالَ بَعْضُ أَصْحَابِهِ: فَإِنَّكَ تُدَاعِبُنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَقَالَ: إِنِّيْ لَا أَقُوْلُ إِلَّا حَقًّا** (مسنداحمد، رقم الحديث ۸۴۸۱) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو ہمیشہ حق بات ہی کہتا ہوں، کسی صحابی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ تو ہمارے ساتھ مذاق بھی کرتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مذاق میں بھی ہمیشہ حق بات ہی کہتا ہوں (مسند احمد)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی حجت اور قابلِ عمل ہیں۔

---

[1] قال شعیب الارنؤوط:
إسناده قوی من أجل محمد (حاشية مسند احمد)

# عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ، وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ، لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ فَبَلَغَ ذٰلِکَ اِمْرَأَةً مِنْ بَنِيْ أَسَدٍ يُقَالُ لَهَا أُمُّ يَعْقُوْبَ، فَجَاءَ تْ فَقَالَتْ: إِنَّهُ بَلَغَنِيْ عَنْکَ أَنَّکَ لَعَنْتَ كَيْتَ وَكَيْتَ، فَقَالَ: وَمَا لِيْ أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ هُوَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ، فَقَالَتْ: لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ، فَمَا وَجَدْتُ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ، قَالَ: لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيْهِ لَقَدْ وَجَدْتِيْهِ، أَمَا قَرَأْتِ: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا؟ قَالَتْ: بَلٰى، قَالَ: فَإِنَّهُ قَدْ نَهٰى عَنْهُ، قَالَتْ: فَإِنِّيْ أَرٰى أَهْلَکَ يَفْعَلُوْنَهُ، قَالَ: فَاذْهَبِيْ فَانْظُرِيْ، فَذَهَبَتْ فَنَظَرَتْ، فَلَمْ تَرَ مِنْ حَاجَتِهَا شَيْئًا، فَقَالَ: لَوْ كَانَتْ كَذٰلِکَ مَا جَامَعْتُهَا** (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۴۸۸۶، کتاب تفسیر القرآن، باب وما آتاکم الرسول فخذوہ)

ترجمہ: اللہ ان عورتوں پر لعنت فرماتا ہے، جو بدن کو گودتی ہیں (یعنی جسم کی کھال میں رنگ بھروا کر لکھائی کرتی ہیں) اور جو عورتیں جسم گودواتی ہیں اور چہرے کے بال اکھڑواتی ہیں حسن کے لئے دانتوں کو کشادہ کراتی ہیں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنے والی ہیں، بنی اسد کی ایک عورت کو، جس کا نام امِ یعقوب تھا، یہ خبر ملی تو وہ (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس) آئی اور کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اس اس طرح لعنت کی ہے، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کیوں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور جس کا ذکر کتابُ اللہ (یعنی قرآن مجید)

میں بھی ہے، اس عورت نے کہا کہ میں نے قرآن کو پڑھ لیا ہے جو دولوحوں (دو طرف کے گتّوں) کے درمیان ہے (یعنی پورا قرآن پڑھا ہے) لیکن جو تم کہتے ہو (کہ فلاں فلاں عمل کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے) وہ میں نے اس (قرآن مجید) میں نہیں پایا، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو (صحیح معنیٰ میں قرآن کو) پڑھتی، تو ضرور اس میں (اس لعنت کا ذکر) پاتی، کیا تو نے (سورہ حشر کی) یہ آیت نہیں پڑھی کہ:

”مَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا“

”رسول جو کچھ تمہیں دے اس کو لے لو اور جس سے روکے باز آجاؤ“

اس نے کہا کہ جی ہاں! حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں سے منع فرمایا ہے، اس عورت نے کہا کہ تمہاری بیوی ایسا کرتی ہے انہوں نے کہا جا کر دیکھ آ، چنانچہ وہ گئی اور دیکھا تو کچھ نہ پایا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر وہ (یعنی میری بیوی) ایسا کرتی تو میں اس کے قریب نہ جاتا (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جس چیز کا حکم یا منع فرمانا، معتبر و مستند طریقہ پر ثابت ہو، وہ بھی اصولی طور پر اللہ، اور قرآن مجید کے حکم میں داخل ہے۔

نیز جس چیز کا حکم یا ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معتبر سند کے ساتھ ثابت ہو، اس کو نہ ماننے اور قرآن مجید سے دلیل کا متلاشی رہنے والے لوگوں کی حالت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں تنبیہ فرمادی تھی۔

## مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ خَیْبَرَ أَشْیَاءَ، ثُمَّ قَالَ: یُوْشِکُ أَحَدُکُمْ أَنْ یُکَذِّبَنِیْ وَھُوَ مُتَّکِءٌ عَلٰی أَرِیکَتِہٖ یُحَدَّثُ بِحَدِیْثِیْ، فَیَقُوْلُ: بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ کِتَابُ اللّٰہِ، فَمَا وَجَدْنَا فِیْہِ مِنْ حَلَالٍ اِسْتَحْلَلْنَاہُ، وَمَا وَجَدْنَا فِیْہِ مِنْ حَرَامٍ حَرَّمْنَاہُ، أَلَا وَإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِثْلُ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۷۱۹۴) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن مختلف چیزوں کو حرام فرمایا، اور پھر فرمایا کہ عنقریب (ایسا زمانہ آئے گا کہ) ایک شخص اپنے تخت (یا صوفہ وغیرہ) پر ٹیک لگائے ہوئے ہوگا، اس کے سامنے میری حدیث بیان کی جائے گی تو وہ کہے گا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ بزرگ و برتر کی کتاب (یعنی قرآن مجید موجود) ہے، جو ہم اس میں حلال پائیں گے، ہم اُسے حلال سمجھیں گے اور جو ہم اس میں حرام پائیں گے اُسے حرام سمجھیں گے (اور ہم احادیث میں بیان کردہ حلال اور حرام کے حکم کو نہیں مانیں گے) خبردار رہو! بلاشبہ جس چیز کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام ٹھہرایا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیز کی طرح ہے (مسند احمد)

## مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَنَّہٗ قَالَ: إِنِّیْ أُوْتِیْتُ الْکِتَابَ وَمَا یَعْدِلُہٗ یُوْشِکُ شِبْعَانِ عَلٰی أَرِیْکَتِہٖ أَنْ یَّقُوْلَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ ھٰذَا الْکِتَابُ فَمَا کَانَ فِیْہِ مِنْ حَلَالٍ أَحْلَلْنَاہُ وَمَا کَانَ فِیْہِ مِنْ حَرَامٍ

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح (حاشیۃ مسند احمد)

حَرَّمْنَاهُ أَلَا وَإِنَّهُ لَيْسَ كَذٰلِكَ (صحیح ابنِ حبان،رقم الحدیث ۱۲، المقدمة، باب الاعتصام بالسنة وما يتعلق بها نقلا وأمرا وزجرا) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے کتاب (یعنی قرآن) اور اس کی طرح (واجب الاتباع ایک اور) چیز (یعنی (سنت) دی گئی ہے، اور عنقریب کوئی پیٹ بھرا (یعنی مال و دولت والا شخص) اپنے تخت (یا صوفہ وغیرہ) پر ٹیک لگائے ہوئے (تکبر کے انداز میں) کہے گا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ کتاب (یعنی قرآن) ہے، پس جو کچھ اس میں حلال ہے، ہم اُسے حلال سمجھیں گے، اور جو کچھ اس میں حرام ہے، ہم اُسے حرام سمجھیں گے (اور اس کے علاوہ احادیث وغیرہ سے ثابت شدہ حرام یا حلال کے حکم کو نہیں مانیں گے) خبردار رہو! حقیقت میں ایسا نہیں ہے (بلکہ قرآن کے علاوہ سنت سے بھی بہت سی چیزیں حلال اور حرام ثابت ہوتی ہیں) (ابنِ حبان)

## ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُم مُتَّكِئاً عَلٰى أَرِيْكَتِهِ يَأْتِيهِ الْأَمْرُ مِنْ أَمْرِيْ مِمَّا أُمِرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ، فَيَقُوْلُ: لَا نَدْرِيْ، مَا وَجَدْنَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ اِتَّبَعْنَاهُ (سنن ابی داؤد،رقم الحديث ۴۶۰۵، كتاب السنة، باب فی لزوم السنة،سنن الترمذی، رقم الحديث ۲۶۶۳،سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۱۳، مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۸۷۶) [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده قوى (حاشية صحيح ابنِ حبان)

[2] قال الترمذى:

هذا حديث حسن وروى بعضهم هذا الحديث عن سفيان، عن ابن المنكدر، عن النبى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں پاؤں (یعنی اس کا یہ حال ہو) کہ وہ اپنی شاندار نشست پر ٹیک لگا کر (تکبر کے انداز میں) بیٹھا ہو اور اس کو میری کوئی حدیث پہنچے، جس میں میں نے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا ہو تو وہ کہے کہ ہم نہیں جانتے، ہم تو بس اسی حکم کو مانیں گے جو ہم کو قرآن میں ملے گا (ابوداؤد، ترمذی، ابنِ ماجہ، مسند احمد)

پس جب ''خاتم النبیین'' ہونے کا ذکر قرآن مجید میں آ گیا، اور صحیح وصریح اور کثیر احادیث میں اس عقیدۂ ختمِ نبوت کی پوری طرح سے اور مختلف طریقوں سے توضیح وتصریح اور تشریح کردی گئی، تو اس کو قبول نہ کرنا سراسر گمراہی اور ضلالت ہے۔

اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ.

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صلی الله عليه وسلم مرسلا .وعن سالم أبى النضر، عن عبيد الله بن أبى رافع، عن أبيه، عن النبى صلى الله عليه وسلم " .وكان ابن عيينة إذا روى هذا الحديث على الانفراد بين حديث محمد بن المنكدر من حديث سالم أبى النضر، وإذا جمعهما روى هكذا، وأبو رافع مولى النبى صلى الله عليه وسلم اسمه :أسلم"

وقال شعيب الارنؤوط:

إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين (حاشية مسند احمد)

# عقیدۂ ختمِ نبوت، امت کا اجماعی عقیدہ ہے

مذکورہ دلائل کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں رہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر ایمان لانے کو ''عقیدۂ ختمِ نبوت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو ایمان کا لازمی جزو ہے، اور اس کی نفی کرنا ایمان کو زائل کر دیتا ہے۔

اسی لیے اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تمام نبیوں میں آخری نبی ہیں۔ [1]

اور اس بات پر بھی امت کا اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص بھی اپنے لیے، یا کسی اور کے لیے نبوت کا دعویٰ کرے گا، تو وہ قطعاً جھوٹا اور دائرہ اسلام سے خارج شمار ہوگا، اور جو شخص اس کی تصدیق کرے گا، وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج شمار ہوگا۔ [2]

---

[1] آخر الأنبياء بعثة محمد صلى الله عليه وسلم وذلک أمر إجماعی(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۰ ،ص ۴۱، ماده "نبوة")

[2] من ادعى النبوة لنفسه أو غيره فهو كاذب قطعا؛ لأن الله تعالى نص فى القرآن الكريم على أن محمدا صلى الله عليه وسلم هو خاتم النبيين، أى آخرهم، فليس بعده نبى حتى تقوم الساعة .قال الله تعالى: ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين .وقال النبى صلى الله عليه وسلم: " أنا خاتم النبيين "وقال أيضا: " فضلت على الأنبياء بست " . . . .الحديث، وفيه: "وختم بى النبيون "، وقال صلى الله عليه وسلم: " سيكون فى أمتى كذابون ثلاثون كلهم يزعم أنه نبى، وأنا خاتم النبيين لا نبى بعدى "

وهذا أمر مجمع عليه معلوم من الدين بالضرورة.

ومن هنا ينص الفقهاء على أن من ادعى أنه شريک لمحمد صلى الله عليه وسلم فى الرسالة، أو قال بجواز اكتسابها بتصفية القلب وتهذيب النفس فهو كافر.

وكذا إن ادعى أنه يوحى إليه وإن لم يدع النبوة .قال القاضى عياض: لا خلاف فى تكفير مدعى الرسالة .قال: وتقبل توبته على المشهور .

وقال عبد القاهر البغدادى: قال أهل السنة بتكفير كل متنبء، سواء كان قبل الإسلام كزرادشت، ويوراسف، ومانى، وديصان، ومرقيون، ومزدک، أو بعده، كمسيلمة، وسجاح، والأسود بن يزيد العنسى، وسائر من كان بعدهم من المتنبئين .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ بھی ملحوظ رہے کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا آسمان سے زندہ نازل ہونا ختمِ نبوت کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ اولاً تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو ہی نافذ وعمل کرنے کے لئے نازل ہوں گے، نہ کہ مستقل نبی کی حیثیت سے، اور گویا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ''وارثِ اعظم'' اور دینِ محمدی کے ''مجددِ اعظم'' ہونے کی ہوگی۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نبی ہونا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مقدم ہے نہ کہ مؤخر۔

چنانچہ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا اپنی قوم کو یہ بشارت سنانے کا ذکر ہے کہ ان کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوگی۔

اور احادیث میں یہ بتلایا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت وبعثت کے بعد کوئی نبی پیدا ومبعوث نہ ہوگا۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومن صدق مدعی النبوة یکون مرتدا؛ لکفره، کذلک لإنکاره الأمر المجمع علیه.

ونقل القرافی عن أشهب أنه قال: إن کان المدعی للنبوة ذمیا استتیب إن أعلن ذلک، فإن تاب وإلا قتل، وقال ابن القاسم: یقتل المتنبء أسر ذلک أو أعلنه.

ومن ادعی النبوة لغیره من الناس فهو مرتد قال القرافی: ولا خلاف فی کفره.، وقال عبد القاهر: قال أهل السنة بتکفیر من ادعی للأئمة الإلهیة أو النبوة، کالسبئیة والبیانیة والخطابیة ومن جری مجراهم (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۴۰ ،ص۳۸ الیٰ ۴۰، ماده "نبوة")

[1] یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡکُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ (سورة الصف، رقم الآیة ۶)

قال العلماء وفی هذا الحدیث دلیل علی أن عیسی بن مریم صلی الله علیه وسلم إذا نزل فی آخر الزمان نزل حکما من حکام هذه الأمة یحکم بشریعة نبینا محمد صلی الله علیه وسلم ولا ینزل نبینا وقد سبقت الأحادیث المصرحة بما ذکرناه فی کتاب الإیمان(شرح النووی علیٰ مسلم، ج۱۵ ص۱۷۴، کتاب الفضائل،باب من فضائل علی بن أبی طالب رضی الله عنه)

قوله صلی الله علیه وسلم (فیبعث الله عیسی بن مریم) أی ینزله من السماء حاکما بشر عنا وقد سبق بیان هذا فی کتاب الإیمان قال القاضی رحمه الله تعالی نزول عیسی علیه السلام وقتله الدجال حق وصحیح عند أهل السنة للأحادیث الصحیحة فی ذلک ولیس فی العقل ولافی الشرع ما یبطله فوجب إثباته وأنکر ذلک بعض المعتزلة والجهیمة ومن وافقهم وزعموا أن هذه الأحادیث

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہم نے ماقبل میں قرآن وسنت پر مشتمل، مختصر، سہل اور جامع دلائل کو جمع کر دیا ہے، جن سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ''خاتم النبیین'' ہونے اور آپ کے بعد کسی نبی کے نہ ہونے اور بالفاظِ دیگر ختمِ نبوت کے عقیدے کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

لہٰذا ان دلائل کے ہوتے ہوئے ہر اُس انسان کو جو اپنی عاقبت وآخرت کی خیر وبھلائی چاہتا ہے، اور جہنم کے دائمی عذاب سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا ہے، تو اسے ختمِ نبوت کے عقیدے کو اپنے ایمان کا لازمی جزو سمجھنا چاہیے، اور اس سلسلے میں کسی کے بہکاوے اور پھسلاوے میں آ کر یا مال ودولت اور دنیائے فانی کے عارضی فوائد کے لالچ میں پھنس کر اپنی آخرت کی تباہی وبربادی سے بچنا چاہیے، اور سوچنا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مردودة بقوله تعالى وخاتم النبيين وبقوله صلى الله عليه وسلم لا نبى بعدى وباجماع المسلمين أنه لانبى بعد نبينا صلى الله عليه وسلم وأن شريعته مؤبدة إلى يوم القيامة لاتنسخ وهذا استدلال فاسد لأنه ليس المراد بنزول عيسى عليه السلام أنه ينزل نبيا بشرع ينسخ شرعنا ولا فى هذه الأحاديث ولافى غيرها شىء من هذا بل صحت هذه الأحاديث هنا وما سبق فى كتاب الإيمان وغيرها أنه ينزل حكما مقسطا بحكم شرعنا ويحيى من أمور شرعنا ما هجره الناس(شرح النووى علىٰ مسلم، ج۵ ا ص ۷۵،۷۶، كتاب الفتن وأشراط الساعة،باب ذكر الدجال)

لا نبى بعدى "دليل على أن عيسى ابن مريم إذا نزل حكما من حكام هذه الأمة يدعو بشريعة نبينا محمد -صلى الله عليه وسلم -ولا ينزل نبيا أقول :ولا منافاة بين أن يكون نبيا ويكون متابعا لنبينا -صلى الله عليه وسلم -فى بيان أحكام شريعته، وإتقان طريقته، ولو بالوحى إليه كما يشير إليه قوله -صلى الله عليه وسلم " :-لو كان موسى حيا لما وسعه إلا اتباعى "أى مع وصف النبوة والرسالة، وإلا فمع سلبهما لا يفيد زيادة المزية، فالمعنى أنه لا يحدث بعده نبى لأنه خاتم النبيين السابقين، وفيه إيماء إلى أنه لو كان بعده نبى لكان عليا، وهو لا ينافى ما ورد فى حق عمر صريحا ;لأن الحكم فرضى وتقديرى، فكأنه قال :لو تصور بعدى نبى لكان جماعة من أصحابى أنبياء ، ولكن لا نبى بعدى، وهذا معنى قوله -صلى الله عليه وسلم " :-لو عاش إبراهيم لكان نبيا "وأما حديث ": علماء أمتى كأنبياء بنى إسرائيل "فقد صرح الحفاظ كالزركشى والعسقلانى والدميرى والسيوطى أنه لا أصل له، ثم رأيت بعضهم ذكروا زيادة ولو كان لكنته، لكن قال الخطيب :هذه الزيادة لا نعلم من رواها إلا ابن الأزهر، وكان يضع .وقال ابن النجار :المتن صحيح والزيادة غير محفوظة والله أعلم بواضعها(مرقاة المفاتيح ،ج۹ ص ۳۳۲ ۹، كتاب المناقب والفضائل،باب مناقب على بن أبى طالب رضى الله عنه)

نبوت کے سلسلے کا خاتمہ کر دیا تھا، تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی یا کسی دوسرے کو نبی مان کر، اللہ کے حضور کس طرح حاضر ہوگا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کس منہ سے سامنا کرے گا؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کی ذلت ورسوائی سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

فقط.

وَاللہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان خان

01/ رجب المرجب/ 1440ھ  09/ مارچ/ 2019ء بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی و تحقیقی سلسلہ

# شَفَاعَةُ النَّبِیِّ
# لِأَبَوَیِ النَّبِیِّ

قرآن وسنت کی روشنی میں کافر کے لیے استغفار وشفاعت کا ممنوع ہونا

موت کے بعد ایمان وتوبہ کے لیے دنیا میں لوٹنے کی اجازت نہ ہونا

ایمان کے بغیر آخرت میں نسب کا نافع نہ ہونا

شانِ رسالت میں غلو اور مبالغہ سے بچنے کا حکم

انبیائے کرام کے آباء واجداد، بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین

اور اہلِ جاہلیت واصحابِ فترۃ کے لیے نجات واستغفار اور شفاعۃُ النبی کا حکم

اس سلسلہ میں مروی احادیث وروایات اور ان کی اسنادی حیثیت

اور اہلِ علم حضرات کے اقوال اور دلائل کی رو سے راجح قول کی تحقیق

مؤلف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

www.idaraghufran.org

# فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تمہید

## (من جانبِ مؤلف)

قرآن وسنت کے مضبوط دلائل اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے قول سے یہ بات ظاہر ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ''مقامِ محمود'' پر فائز کیا جائے گا، جس کی تعبیر بعض اہلِ علم حضرات نے ''شفاعتِ کبریٰ'' سے کی ہے، جس کی وجہ سے آخرت میں اہلِ حشر کا حساب وکتاب جلدی شروع ہوگا۔

اور آخرت کی وہ شفاعت جس کی وجہ سے آخرت میں دائمی عذاب سے نجات حاصل ہوگی، یہ مومنین کے ساتھ خاص ہے، اور مخصوص مومنین کے ساتھ ساتھ گناہ گار مومنین بھی اس شفاعت سے جلد یا بدیر اپنے اپنے ایمان واعمال اور حیثیت کے مطابق درجہ بدرجہ مستفید ہوں گے، اور کافر ومشرک اس شفاعت کا مستحق نہیں ہوگا، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت، آپ کے چچا ابوطالب وغیرہ کے حق میں، عذاب کی تخفیف کی صورت میں ہوگی، کافر کے لیے جو دائمی جہنم کا عذاب ہے، اس سے ان کو بھی نجات حاصل نہ ہوگی، اور دیگر انبیاء، ملائکہ اور بعض صلحاء اور مخصوص مومنوں کو بھی ان کے مخصوص قرابت یا تعلق دار مومنوں کے لیے شفاعت کا حق دیا جائے گا۔

اس مسئلہ کی تفصیل اور دلائل ہم نے اپنی ''شفاعت فی الآخرۃ '' سے متعلق دوسری تالیف میں ذکر کردیے ہیں۔

اس کے علاوہ قرآن وسنت کے واضح دلائل سے یہ بات بھی ثابت ومعلوم ہوتی ہے کہ دین کے اندر غلو کرنا اور انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام، بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو ومبالغہ آمیزی کرنا اور محبت وعقیدت کے عنوان سے کوئی خلافِ شرع بات، نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں، اور یہ بات بھی قرآن وسنت سے واضح ہے کہ اعتبار ''خاتمہ'' کا ہوتا ہے، جس کا خاتمہ، ایمان یا کفر، جس حالت میں بھی ہوا، اسی کا اعتبار ہوگا، اور موت کے بعد بلکہ موت کے آثار ظاہر ہونے یعنی نزع کی حالت میں اللہ کی طرف سے توبہ کرنے اور دنیا کی طرف لوٹنے اور ایمان اور توبہ قبول کیے جانے کی اجازت ومہلت نہیں دی جاتی، اور جس کا خاتمہ کفر وشرک پر ہوجائے، اس کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں ہوتا، اور آخرت میں انسان کا نسب اور رشتہ داری جہنم کے دائمی عذاب سے بچانے کے لیے، اس وقت تک نافع نہ ہوگی، جب تک کسی کا ایمان پر خاتمہ نہ ہوا ہو۔

اس کے علاوہ کئی معتبر ومستند احادیث وروایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کے ماں، باپ کے لیے شفاعت حاصل نہ ہونے اور اللہ کی طرف سے ان کے لیے استغفار کرنے کی اجازت نہ ملنے اور ان کے عذابِ جہنم میں مبتلا ہونے اور اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت غمگین ہونے اور رونے اور اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بھی غمگین ہونے اور رونے کا ذکر آیا ہے، جس کے پیشِ نظر جمہور متقدمین اہلُ السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے، بلکہ بعض حضرات کے بقول متقدمین کا اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، کفر وشرک کی حالت میں فوت ہوئے، اور ان کا ایمان کی حالت میں فوت ہونا، اور آخرت میں ان کو دائمی عذاب سے نجات کے لیے ''شفاعۃُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کا حاصل ہونا، معتبر احادیث ونصوص سے ثابت نہیں، البتہ بعض روایات میں ان کے لیے ''شفاعۃُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے حاصل ہونے اور ایک روایت میں ان کے فوت ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور پھر فوت کردیے جانے کا ذکر ملتا ہے، لیکن یہ احادیث وروایات سند کے اعتبار سے مضبوط ومعتبر اور اس قابل نہیں کہ قرآن وسنت کی مذکورہ نصوص اور احادیثِ صحیحہ کے مقابلہ میں ان کو اختیار اور ترجیح دی جاسکے، چہ جائیکہ ان کے مطابق کوئی عقیدہ بنایا جاسکے۔

اسی طرح بعض اہلِ تشیع واہلِ روافض کے نزدیک تمام انبیائے کرام کے آباواجداد حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام تک موحد وناجی ہیں، جن میں حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد آزر بھی داخل ہیں، اور وہ اس سلسلہ میں چند روایات سے استدلال کرتے ہیں، جبکہ جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک انبیائے کرام کے تمام آباواجداد کا موحد و ناجی ہونا ضروری نہیں، نہ ہی انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے آباواجداد کا غیر مومن وغیر موحد یا غیر ناجی ہونا ان کی اولاد اور انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی شانِ نبوت اور نسبِ نبی کی شرافت وطہارت میں کسی قسم کے نقص وعیب کا باعث ہے، اسی بناء پر جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے حقیقی والد آزر تھے، جو کہ موحد وناجی نہیں تھے۔ اور اس سلسلہ میں اہلِ تشیع کی طرف سے پیش کی جانے والی روایات یا تو سند کے اعتبار سے قابلِ استدلال نہیں، یا پھر ان کا محمل ومصداق وہ نہیں، جو اہلِ تشیع کی طرف سے بیان کیا جاتا ہے۔

متقدمین کے زمانہ میں اس مسئلہ میں اہل السنۃ والجماعۃ کے مابین کوئی قابلِ ذکر اختلاف نہ تھا بلکہ متعدد حضرات کی تصریح کے مطابق اجماع تھا، لیکن بعض روایات اور اس سلسلہ میں پیش کردہ اہلِ فترۃ وزمانۂ جاہلیت کے لوگوں کو دعوت نہ پہنچنے اور اس کی وجہ سے ان کے معذور اور غیر معذب ہونے کے مجمل ومبہم دلائل اور انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی شانِ نبوت میں فرطِ محبت وغلو اور بعض دوسری غلط فہمیوں کی وجہ سے متاخرین میں یہ مسئلہ غیر معمولی متنازع ہوگیا، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے اصل موقف کو اجنبی محسوس کیا جانے لگا، اور اس سے بڑھ کر اس موقف کے حامل کو اہل السنۃ والجماعۃ کے خلاف سمجھا جانے لگا۔

چنانچہ ایک عرصہ سے دیکھنے میں آرہا ہے کہ اس سلسلہ میں بعض اہلِ علم حضرات اور ان کے واسطہ سے عوامُ النّاس کی طرف سے بحث ومباحثہ سامنے آتا ہے، اور اس سلسلہ میں مروی

مختلف احادیث و روایات اور ان کی اسناد اور متقدمین جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے اصل موقف پر نظر یا پوری تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے افراط یا تفریط پیدا ہو جاتی ہے۔

پھر اس سلسلہ میں ایک دوسرے کے خلاف بالخصوص متقدمین اور جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے اصل موقف کے حامل پر شدت کے ساتھ نکیر کی جاتی ہے، یہاں تک کہ اگر اس سلسلہ میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی معتبر احادیث و روایات کو بیان کیا جائے، اور جمہور اہلِ علم حضرات کے مطابق موقف کو اختیار کیا جائے، اس پر بھی ناگواری کا اظہار کیا جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ اور بے ادب بھی قرار دے دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی صحیح اور معتبر احادیث کے پیشِ نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر وشرک کی حالت میں فوت ہونے اور اس کی وجہ سے غیر ناجی ہونے کا اعتقاد رکھے، اس کو ملعون قرار دیا جاتا ہے اور عوامی مجامع ومجالس میں اس کی بھرپور انداز میں تبلیغ وتشہیر کی جاتی ہے، تقریرات کے علاوہ عوامی تحریرات میں بھی اس کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے، جس کی زَد میں غیر شعوری طور پر امت کے بڑے بڑے اصحابِ علم اور مجتہدین ومحدثین بھی آ جاتے ہیں۔

حالانکہ اگر کوئی خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی آپ کے والدین کے متعلق صحیح ومعتبر احادیث وروایات پیش کرے، یا غیر صحیح وغیر مستند احادیث وروایات کی نشاندہی کرے، اور اس سلسلہ میں جمہور اہلِ علم، بلکہ متقدمین کے اجماع کی پیروی واتباع کرے، تو اس پر نکیر وملامت کرنے کے کوئی معنیٰ نہیں، چہ جائیکہ اس پر لعنت کی جائے، جس کا متعین طور پر مستحق ایک واضح کافر ہی ہوتا ہے۔

بالخصوص جبکہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی وارد ہے کہ:

**إِنَّ اللَّعَّانِيْنَ لَا يَكُوْنُوْنَ شُهَدَاءَ، وَلَا شُفَعَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ** (مسلم، رقم الحديث ٢٥٩٨ ”٨٦“ كتاب البر والصلة والآداب، باب النهي عن لعن الدواب وغيرها، عن ابي الدرداء)

یعنی'' قیامت کے دن لعنت کرنے کے والے، شفاعت کرنے والے اور شہید نہیں ہوں گے''

پھر کسی مسلمان پر ایسے عمل کی وجہ سے لعنت کرنے کے کیا معنیٰ ؟ جس کی زَد میں جمہور متقد مین اور جلیل القدر ائمہ ومحدثین بھی آ جاتے ہوں۔

البتہ اس کے مقابلہ میں محض عقیدت ومحبت اور ادب واحترام وغیرہ کے عنوان سے صحیح اور مستند ومعتبر احادیث وروایات کا انکار کرنا یا دور دراز کی تاویلات کرنا، اور غیر صحیح وغیر مستند وغیر معتبر احادیث وروایات کو ان کے مقابلہ میں پیش کرنا، یا قابلِ حجت قرار دینا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ ہدایات واحکامات کے مقابلہ میں محض اپنی عقل وقیاس سے ادب و احترام یا محبت وعقیدت کے عنوان سے کوئی حکم لگانا، خاص طور پر کوئی عقیدہ بنانا اور اس کی تبلیغ وتشہیر کرنا درست طرزِ عمل نہیں ہوا کرتا، کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ صحیح عقیدت و محبت اور ادب واحترام وہ ہوا کرتا ہے، جس کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تعلیم وہدایت دی گئی ہو۔

اس سلسلہ میں اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات و ہدایات کو نظر انداز کر کے، بلکہ ان کی مخالفت کر کے عقیدت ومحبت اور ادب واحترام کے پیمانے اپنی طرف سے مقرر کرنا اور اس میں بھی عقل سے زیادہ اپنے طبعی جذبات کو شامل کرنا مناسب طرزِ عمل نہیں ہوا کرتا، جس کے آج کے دور میں بہت سے کم علم اور جذباتی لوگ مرتکب نظر آتے ہیں، حالانکہ جو قومیں بھی شرک میں مبتلا ہوئیں، ان کی بنیاد یہی تھی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات وہدایات کو نظر انداز کر کے اپنے طبعی جذبات کی رو میں بہہ جایا کرتی تھیں، اور نبیوں اور ولیوں وغیرہ کو ان کے درجوں سے بڑھا دیا کرتی تھیں، ان کی نظر اس نبی یا ولی کی محض عقیدت ومحبت اور ادب واحترام کے پہلو پر ہوا کرتی تھی، جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ شرک یا اس کی حدود تک نوبت پہنچ جایا کرتی تھی۔

اسی بے اعتدالی اور غلو سے بچنے کے لیے قرآن وسنت میں جا بجا تنبیہ فرمائی گئی ہے۔

اور اگر چہ بعض اہلِ علم حضرات نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق سکوت کو احوَط واسلَم قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ اگر کسی مسلمان کے دل میں اس کے متعلق کھٹک پیدا نہ ہو، اور وہ اس سلسلہ میں نفیاً واثباتاً کوئی عقیدہ نہ رکھے، تو اس سے قیامت کے دن کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا۔

مذکورہ اہلِ علم حضرات کا یہ موقف اگر چہ اپنی جگہ اور فی نفسہٖ درست قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن جب اس مسئلہ میں پہلے سے نفیاً یا اثباتاً طرفین سے بحث ومباحثہ جاری ہو چکا ہو، اور افراط وتفریط پیدا کی جا چکی ہو، اور متعدد اہلِ علم کے واسطے سے عوام کے بڑے حلقے میں بھی اس مسئلہ پر بحث ومباحثہ کی گرم بازاری اور ایک دوسرے کے خلاف طعن وتشنیع کا سلسلہ جاری ہو، بلکہ ایک فریق کی جانب سے ایک غیر قابلِ استدلال اور انتہائی کمزور، بلکہ متہم بالکذب راویوں پر مشتمل روایت کی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو فوت ہونے کے بعد زندہ کیے جانے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی ایک مہم کے طور پر تبلیغ وتشہیر اور اس پر عقیدہ رکھنے کی تاکید اور اس کے خلاف پائی جانے والی صحیح ومعتبر احادیث کی تردید و بے جا تاویل اور ان سے ثابت شدہ مضمون پر سخت سے سخت نکیر، اور ایک عمل پر رنج وغم کے بجائے، فرحت وسُرور اور نعرے بازی تک کا سلسلہ جاری ہو، تو پھر سکوت کے بجائے، اس مسئلہ کی معتدل تحقیق اور افراط وتفریط کی نشاندہی ضروری ہو جاتی ہے۔

اور اس صورت میں سکوت اسلَم واحوَط نہیں ہوتا، کیونکہ ایسی صورت میں سکوت کی وجہ سے افراط وتفریط کی اصلاح ممکن نہیں ہوتی، تا آنکہ افراط یا تفریط جو بھی پائی جا رہی ہو، اس کی نشاندہی اور دلائل کے ساتھ اس کی توضیح وتشریح نہ کی جائے۔

اسی صورتِ حال کے پیشِ نظر بعض حضرات کی خواہش پر ایک سوال کے جواب میں اس مسئلہ کی بندہ نے تحقیق کی، اور بامرِ مجبوری اس مسئلہ کے متعلقہ پہلوؤں اور اس سلسلہ میں پائی جانے والی غلط فہمیوں، اور خاص طور پر ایک ایسی رائے پر بے جا اصرار وغلو کہ جس کا معتبر

نصوص سے ثبوت نہیں پایا جاتا، اوراس کے برعکس معتبر نصوص کے مطابق رائے پر جابجا نکیر والے طرزِ عمل کے پائے جانے کی وجہ سے جابجا کھل کر وضاحت اور صراحت کرنی پڑی، جس کو آئندہ اوراق وصفحات میں ذکر کیا جارہا ہے، اوراس مضمون کو'' **شَفَاعَةُ النَّبِيِّ لِأَبَوَيِ النَّبِيِّ** '' کے عنوان سے موسوم کیا گیا ہے۔

اس مضمون کی تحقیق سے پہلے اگرچہ بندہ کا اپنا موقف وہ نہیں تھا، جو زیرِ نظر تحقیق کے بعد قائم ہوا، اور بحمداللہ تعالیٰ، بندہ کسی مسئلہ کی تحقیق کے دوران اپنے آپ کو خالی الذہن کرلیتا ہے، اور بندہ کو خود بھی اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ تحقیق کے بعد کیا نتیجہ نکلے گا، پھر تحقیق کے نتیجہ میں جو رائے بھی دلائل کی رُو سے حق وصواب یا راجح معلوم ہوتی ہے، بندہ اس کو اختیار کرنے اور اپنی سابقہ کسی غیر تحقیقی یا تقلیدی یا سابق تحقیق پر مبنی رائے کو ترک کردینے میں الحمدللہ تعالیٰ کسی لیت ولعل سے کام نہیں لیتا، اللہ تعالیٰ بندہ کو اس طرزِ عمل پر قائم رہنے اور مزید ترقی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اس مسئلہ کی تحقیق کے دوران بندہ نے مختلف اہلِ علم حضرات کی تحریرات وتالیفات اور رسائل وجرائد میں مذکور مضامین کو ملاحظہ کیا، دورانِ تحقیق بندہ نے ان سے استفادہ کیا، لیکن دلائل کی رُو سے بعض اہلِ علم حضرات، بالخصوص جن کا تعلق متاخرین سے ہے، ان کے تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے آباواجداد اور بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد'' آزر'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اوراس سے بڑھ کر زمانۂ جاہلیت میں فوت شدہ تمام لوگوں کو مومن یا ناجی قرار دینے اور غیر مومن یا غیر ناجی ہونے کی نفی کے یک طرفہ جذباتی اور روایتی موقف سے اتفاق نہ ہوسکا، بلکہ نصوصِ کثیرہ اور احادیثِ صحیحہ کی رُو سے ان کے موقف میں جابجا کمزوری اور ان کی تاویلات وتوجیہات میں تسامح کا احساس ہوا، اور اس سلسلہ میں بندہ کو سب سے زیادہ محقق ومدلل تحقیق ایک تو'' **ملتقى الابحر** '' اور'' **شرح منية المصلي** '' کے مصنف، علامہ ابراہیم بن محمد حلبی حنفی (المتوفی: 945ہجری)

کے رسالہ ''رسالة فی حق ابوی الرسول ﷺ'' میں ذکر کردہ محسوس ہوئی، اوردوسرے ''مشکاۃُ المصابیح '' کی شرح ''مرقاۃُ المفاتیح '' کے مصنف اور حنفیہ کے اصحابِ علم میں امتیازی شان کے حامل اور ''مسند امام ابی حنیفة'' کے شارح ''ملا علی قاری حنفی'' رحمہ اللہ (المتوفی: 1014ہجری) کی محسوس ہوئی، جوانہوں نے اپنی بعض دوسری تالیفات کے ساتھ ساتھ اپنے رسالہ ''أدلة معتقد أبی حنیفة فی أبوی الرسول علیه الصلاة والسلام '' میں ذکر کی ہے، ان کا یہ رسالہ عربی زبان میں شائع شدہ شکل میں موجود ہے، اس رسالہ کے کئی اقتباسات وحوالہ جات بندہ نے اپنے آنے والے مضمون میں بھی ذکر ونقل کیے ہیں، لیکن اس رسالہ کی تمام تر تفصیلی عبارات ومباحث کو آنے والے مضمون میں شامل نہیں کیا جاسکا، مطالعہ کے خواہش منداصحابِ علم حضرات، اصل رسالہ کی طرف مراجعت فرماسکتے ہیں، جس میں کئی علمی مباحث اور اس سلسلہ میں عرصہ سے نقل درنقل اور روایت درروایت چلے آرہے مختلف دعووں اور شکوک وشبہات کا تحقیقی اور شافی جواب موجود ہے۔

اسی طرح ''الفقهُ الأکبر '' کی شروحات میں سب سے زیادہ مفصل ومدلل تحقیق ''البدر الأنور ، شرحُ الفقهِ الأکبر '' میں دستیاب ہوئی، جس کو مفصل ہونے کے باوجود بندہ نے اپنے مضمون کا حصہ بنایا اور اس کے متعلقہ مکمل مضمون کا اردو میں ترجمہ بھی کیا، اس مضمون میں مولف نے شرح وبسط کے ساتھ مالہا وماعلیہا کے ساتھ اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے، اور گویا کہ تحقیق کا حق ادا کیا ہے، اور اس مسئلہ پر بطور خاص علامہ جلالُ الدین سیوطی کی طرف سے بیان کیے گئے موقف اور زمانۂ جاہلیت کو لوگوں کے دعوت نہ پہنچنے کی وجہ سے معذور ہونے سے متعلق متعدد غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے، اس مفصَّل ومدلَّل تحقیق کے دستیاب ہونے سے پہلے، بندہ نے کئی دوسری عبارات اپنے مضمون میں شامل کی تھیں، پھر یہ تحقیق دستیاب ہوئی، اوراس میں بھی اس طرح کی کئی عبارات پر کلام دستیاب ہوا، جس کو قارئینِ کرام، مطالعہ کے

دوران ملاحظہ فرما سکیں گے۔

تاہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین سے متعلق وارِد ہونے والی احادیث وروایات اوران کی ایک حدتک اسنادی تحقیق، جو بندہ نے اپنے زیرِ نظر مضمون میں جمع کی ہے، وہ بندہ کوتا حال کسی دوسرے رسالہ یا کتاب میں یکجا شکل میں دستیاب نہیں ہوسکی۔

اورموجودہ دور میں جبکہ صحیح اور معتدل تحقیق، جس میں تعصّب اور تحزّب کو دخل نہ ہو، اس کی اہلِ علم حضرات کی ایک جماعت میں بھی بہت زیادہ کمی اور فقدان پایا جاتا ہے، اوراس کے مقابلہ میں اپنے سلسلہ کے مخصوص اکابر ومشائخ کی طرف سے بیان کردہ موقف کی روایتی انداز میں تقلید کا جذبہ اوراس پر اصرار وجمود کا عنصر بہت زیادہ پایا جاتا ہے، تواس صورتِ حال میں عین ممکن ہے کہ ابتدائی طور پر بندہ کی تحقیق بعض اس قسم کے حضرات وطبقات کے لیے ''توحّش'' یا ''عدمِ توافق'' کا باعث ہو، لیکن بندہ کے پیشِ نظر'' فیما بینی وبین اللہ'' دلائلِ شرعیہ کی رُو سے حق وصواب اورراجح موقف کی جستجو وتلاش کے بعد رضائے خالق کی خاطر، پہلے خود اتباع کرنا اور پھر دوسرے کواپنے موقف سے آگاہ کرنا ہے، کسی کا توحّش وعدمِ توحّش اورتوافق وعدمِ توافق مقصودِ اصلی نہیں، اس لیے بندہ اس قسم کا ذوق رکھنے والے حضرات سے پیشگی معذرت خواہ ہے، جن کے جذبات وخیالات کو بندہ کے موقف یا انداز سے ٹھیس پہنچے۔

لیکن ساتھ ہی ایک گزارش یہ ہے کہ وہ حضرات خواہ کوئی بھی موقف اختیار کریں، اور بندہ کے متعلق کچھ بھی گمان کریں، کم از کم ایک مرتبہ اس مضمون کو خالیُ الذہن ہوکر ضرور ملاحظہ فرمالیں، تاکہ بندہ کی طرف سے بیان کردہ اصل موقف کو سمجھنے میں کسی قسم کی غلط فہمی وابہام نہ رہے، اورآج کل کے روایتی پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر، ایک حدتک بدگمانی وبدزبانی کے گناہ سے محفوظ رہا جاسکے، جومعاندین ومتعصبین کی طرف سے بعض اوقات اس انداز میں زوروشور کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، جو صریح جھوٹ اور بہتان کی حدود کو چھونے لگتا

ہے ”العیاذ باللہ “ اور پھر اس کے نتیجہ میں کئی قسم کے دنیاوی واخروی فتنے وفسادات لازم آنے لگتے ہیں۔

خاص طور پر اہلِ علم حضرات کے ایک ایسے طبقہ کا، جو خود سے تحقیق کا مزاج نہیں رکھتا اور اوپر سے بے جا تحزب وتعصب میں بھی مبتلا ہے، یہ حال بن گیا ہے کہ وہ جب دوسرے کے موقف کو رَد کرنے اور مرجوح قرار دینے کی کوئی معقول دلیل نہیں پاتا، تو اس پر بلا دلیل فوراً تفرد کا الزام عائد کر دیتا ہے، اور یہ سوچنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ ممکن ہے کہ تفرد کا الزام، دوسرے پر عائد ہونے کے بجائے، خود معترض پر عائد ہوتا ہو، چنانچہ زیرِ بحث مسئلہ میں جمہور اہلِ علم حضرات کا جو موقف ہے، بلکہ جس موقف پر متعدد اہلِ علم حضرات کی تصریح کے مطابق متقدمین کا اجماع ہے، اور وہ موقف احادیثِ صحیحہ اور نصوصِ کثیرہ سے مؤید ہے، اس پر بھی بعض کم علم اور ناواقف یا متشدد ومتعصب لوگ تفرد وشذوذ کا الزام لگانے کی جسارت کرتے ہیں، اور اصل تفرد وشذوذ والے موقف کو اس کے برخلاف درجہ دیتے ہیں۔

اس طرح کے اور بھی کئی مسائل میں اسی صورتِ حال کا سامنا ہے، جس کی اصولی تحقیق، بندہ نے اپنی دوسری مستقل تالیف ”تفرد کی حقیقت“ میں ذکر کر دی ہے۔ حق کے متلاشی اور روایتی غلط فہمیوں سے بچنے کے خواہش مند حضرات اس کا مطالعہ فرما سکتے ہیں۔

ہم غالی اور متشدد لوگوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پوری امتِ مسلمہ کو اس قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھے، اور بالخصوص اہلِ علم حضرات کو اپنے طرزِ عمل میں سنجیدگی اور اعتدال پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ غلو ومبالغہ سے بچ کر اعتدال کو اختیار کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور اللہ اور اس کے رسول کی معتبر ومستند تعلیمات وہدایات کو بطیبِ خاطر تسلیم وقبول کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان خان

22 / ربیع الاول / 1440ھ    01 / دسمبر / 2018ء بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# شَفَاعَةُ النَّبِیِّ لِأَبَوَیِ النَّبِیِّ

## ایک استفتاء

محترم جناب مفتی محمد رضوان صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ سے ایک مسئلہ کی تحقیق کی گزارش ہے، وہ یہ ہے کہ میں نے آپ کی کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے متعلق اختلاف ہے، بعض کا قول ان کے ایمان کی حالت میں اور بعض کا کفر کی حالت میں فوت ہونے کا ہے، اور بعض نے اس میں خاموشی کو ترجیح دی ہے۔

لیکن ہمارے یہاں مسجد کے ایک مولوی صاحب فجر کی نماز کے بعد کئی دن سے یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مومن اور جنتی ہیں، اور ان کو کافر ومشرک سمجھنا درست نہیں، ایک مرتبہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ جو آدمی یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، مومن نہیں تھے، بلکہ کافر ومشرک تھے، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت گستاخ اور ملعون ہے، انہوں نے یہ بھی کہا کہ حدیثوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا مومن ہونا ثابت ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا انتقال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے سے پہلے ہو گیا۔

اور اس زمانے میں فوت ہونے والے لوگ ''اصحابِ فترۃ'' کہلاتے ہیں، جو سب کے سب جہنم کے عذاب سے بری ہیں، کیونکہ ان کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی تھی۔

ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر پر فوت ہونے کی

احادیث معتبر اور مستند نہیں، اور اگر اس قسم کی حدیثوں کو صحیح بھی مان لیں، تو وہ پہلے کی ہیں، لیکن اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کر کے ایمان کی نعمت حاصل ہو گئی تھی۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ بعض لوگوں نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں یہ لکھ دیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر پر فوت ہونے کے قائل تھے، اور یہ بات لکھنے والوں میں دیوبندیوں کا ایک بڑا عالم جس کا نام مولانا رشید احمد گنگوہی ہے، وہ بھی شامل ہے، جو ان مولوی صاحب نے اپنے فتوے میں لکھا ہے اور یہ فتویٰ، فتاویٰ رشیدیہ میں ہے، اور ان مولوی صاحب کو بعض دیوبندیوں نے ابوحنیفۂ وقت کہا ہے۔

یہ ان دیوبندیوں کے ابوحنیفۂ وقت کا حال ہے، دوسروں کا حال اس فتوے سے خود ہی پتہ چل جاتا ہے۔

پھر ان مولوی صاحب نے کہا کہ دیوبندی علماء بہت بڑے گستاخِ رسول ہیں اور وہ اس طرح کی گستاخیاں کرتے رہتے ہیں، اس طرح کی اور بھی کئی گستاخیاں دیوبندی مولویوں نے کی ہیں، جیسا کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے، اس لیے دیوبندی علماء کی کتابوں اور فتوؤں کو پڑھنے سے انسان، گستاخِ رسول بن جاتا ہے۔

آپ کی ماشاءاللہ، کئی مسئلوں پر بڑی اچھی تحقیق ہے، اگر آپ اس مسئلہ کی بھی تحقیق کر دیں گے، تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے، تو بہت اچھا ہو گا، اور امید ہے کہ اس سے جھگڑے کا خاتمہ ہو جائے گا۔

والسلام

غلام رسول

محلّہ امر پورہ، راولپنڈی

# استفتاء کا جواب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ہمیں افسوس ہے کہ آج کئی علمی و دینی مسئلوں کو، جن میں مسلکِ دیوبند اور مسلکِ بریلوی سے بہت پہلے سے اختلاف تھا، لیکن کسی قول کو دیوبندی مسلک کے بڑے علماء نے اور کسی قول کو بریلوی مسلک کے بڑے علماء نے بیان کر دیا، تو اس کے بعد کم علم لوگوں نے اس کو دیوبندی اور بریلوی مسلک کا اختلاف بنالیا اور پھر اس مسئلہ میں دونوں طرف کے لوگوں نے اپنے اپنے طرف کے علماء کے قول کو ثابت کرنے اور دوسری طرف کے علماء کے قول کو رد کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانا شروع کر دیا، بلکہ بعض غالی لوگوں نے تو ضد میں آ کر دوسری طرف کے علماء کو گستاخِ رسول قرار دینے کی بھی کوششیں شروع کر دیں، تاکہ کم علم اور سادہ لوح مسلمان ان سے نفرت کریں اور ان کی باتوں کو اہمیت نہ دیں۔

اس طرزِ عمل سے خاص طور پر ہندوستان، پاکستان کے مسلمانوں کو اور عام طور پر دنیا بھر کے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا اور اب بھی پہنچ رہا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ دونوں طرف کے علماء اور عوام اس طرزِ عمل کو چھوڑ کر خالص علمی و تحقیقی طریقہ کو اختیار کریں اور جو بات قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں مضبوط ثابت ہو، اس پر عمل کریں، اور اس کو باہم ایک دوسرے کے خلاف معرکہ آرائی کا ذریعہ بنانے سے اجتناب کریں۔

اس کے بعد سب سے پہلے ہم مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ رشیدیہ کے اس فتوے کا ذکر کرتے ہیں، جس کا سوال میں حوالہ دیا گیا ہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ کا وہ فتویٰ درجِ ذیل ہے:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان میں اختلاف ہے، حضرت امام صاحب (یعنی امام ابوحنیفہ) کا مذہب یہ ہے کہ ان کا انتقال حالتِ کفر میں ہوا ہے۔فقط (فتاویٰ رشیدیہ مبوب بطرزِ جدید، ص۲۴۵، کتاب العقائد، مطبوعہ: عالمی مجلس تحفظِ اسلام، کراچی)

اس فتوے میں مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ نے کوئی بات غلط نہیں فرمائی۔

اور واقعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان میں اہلِ علم کا اختلاف ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اصل مذہب یہ ہے کہ ان کا انتقال حالتِ کفر میں ہوا، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا جو قول ہے، وہی اکثر متقدمین اور جمہور کا قول ہے۔

اس سے پہلے بندہ کو زیرِ بحث مسئلہ پر غور وفکر کا موقعہ نہ ملا تھا، اس لیے پہلے اس کے متعلق اجمالی آراء کا ذکر کر دیا تھا۔

اب آپ کے سوال کرنے پر دوبارہ دلائل کے ساتھ اس مدعا پر تفصیلی غور وفکر اور تحقیق کا موقعہ ملا، جس کے بعد یہ فیصلہ کرنا مشکل نہ رہا کہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اصل مذہب وہی ہے، جو فتاویٰ رشیدیہ میں ذکر کیا گیا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس مذہب کے دلائل ہی قوی ہیں۔

اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ پر یا کسی اور شخص پر جو اس موقف کو اختیار کرے، گستاخِ رسول یا ملعون ہونے کا حکم لگانا درست نہیں، کیونکہ اس کی زَد میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بہت سے جلیلُ القدر ائمہ ومحدثین آجاتے ہیں۔

چونکہ اس مسئلہ پر آج کل مختلف جگہ بحث مباحثہ سامنے آتا ہے، اور اس موضوع پر ایک دوسرے کے خلاف مضامین لکھے جاتے ہیں، اور ایک دوسرے کے دلائل کو رد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اس لیے اس مسئلہ کو کچھ تفصیل کے ساتھ تحریر کیا جاتا ہے، اس مضمون کو افہام وتفہیم میں سہولت کی وجہ سے مختلف فصلوں میں منضبط کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اصل مذہب یہ ہے کہ عاقل بالغ انسان کو توحید و معرفتِ الٰہی کا مکلّف ہونے کے لیے کسی نبی کی دعوت پہنچنا ضروری نہیں، بلکہ عقل کا ہونا بھی کافی ہے، اور جو حضرات نبی کی دعوت کے پہنچنے کو ضروری قرار دیتے ہیں، وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے مشرکینِ مکہ اور کفارِ قریش کو حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل جبکہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام سب کی دعوت پہنچ چکی تھی، اور وہ توحید کے مکلّف تھے، اس مسئلہ کی تفصیل ہم نے اپنے دوسرے مضمون ''اہلِ فترت و اہلِ جاہلیت کا حکم'' میں بیان کردی ہے۔ [1]

آنے والے مضمون سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ جس چیز پر آج ایک مضبوط ترین عقیدے کی بنیاد رکھ لی گئی ہے، اور اس کی پرزور انداز میں تبلیغ و تشہیر جاری ہے، اور اس پر انتہائی سُرور و خوشی اور نعرے بازی کا اظہار کیا جاتا ہے، وہ کس قسم کی نصوص و احادیث سے ثابت ہے، اور اس عقیدے کا ثبوت کس قسم کی احادیث و روایات سے ہے۔

اگر بنظرِ انصاف و اعتدال، اس مضمون کو ملاحظہ و مطالعہ کیا جائے گا، اور بے جا تعصب و تشدد سے اجتناب کیا جائے گا، تو ان شاء اللہ تعالیٰ حقیقت کو سمجھنا زیادہ مشکل نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

**واللّٰہ اعلم بالصواب**

---

[1] اور یہ مضمون ''علمی و تحقیقی رسائل'' کا حصہ بن کر شائع ہو چکا ہے۔

(فصل نمبر 1)

# کافر کے لیے استغفار وشفاعت کا ممنوع ہونا

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ مشرک اور غیر مسلم کے لیے مغفرت کی دعاء کرنا جائز نہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بلکہ دوسرے انبیاء، ملائکہ اور صلحاء ومومنین آخرت میں وہ شفاعت، جس کی وجہ سے جہنم کے دائمی عذاب سے نجات حاصل ہوگی، وہ مومنوں کے ساتھ مختص ہے، کوئی کافر اور غیر مسلم اس شفاعت کا مستحق نہیں ہوگا، کیونکہ کافر و مشرک یعنی غیر موحد و غیر مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کے حرام ہونے اور دائمی عذابِ جہنم کا اٹل فیصلہ ہے۔

اس سلسلہ میں چند نصوص ملاحظہ فرمائیں۔

## سورہ بقرہ کا حوالہ

قرآن مجید کی سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ(سورة البقرة، رقم الآية ٢١٧)

ترجمہ: اور جو پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے، پھر وہ مرگیا اس حال میں کہ وہ کافر تھا، تو یہی لوگ ہیں کہ ضائع ہوگئے ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں، اور یہی لوگ جہنم والے ہیں، یہ اس (جہنم) میں ہمیشہ رہیں گے (سورہ بقرہ)

مذکورہ آیت میں کفر کی حالت میں مرنے پر دائمی جہنم کے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

## سورہ نساء کا حوالہ

قرآن مجید کی سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ** (سورة النسآء، رقم الآية ۴۸)

ترجمہ: بے شک اللہ نہیں مغفرت فرماتا، اس کی کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ، اور مغفرت فرما دیتا ہے، اس کے علاوہ کی، جس کے لیے چاہتا ہے (سورہ نساء)

اس سے معلوم ہوا کہ شرک کا گناہ، اللہ کے نزدیک نا قابلِ معافی و نا قابلِ تلافی جرم ہے، یعنی جب کوئی توبہ کیے بغیر اس دنیا سے فوت ورخصت ہو جائے۔ [1]

## سورہ ھود کا حوالہ

سورہ ھود میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**وَنَادٰى نُوحٌ رَبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِيْ مِنْ أَهْلِيْ وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ. قَالَ يَانُوْحُ إِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ إِنِّيْ أَعِظُكَ أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ. قَالَ رَبِّ إِنِّيْ أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْ أَكُنْ مِّنَ الْخَاسِرِيْنَ** (سورة هود، رقم الآيات ۴۵، الیٰ ۴۷)

ترجمہ: اور پکارا نوح نے اپنے رب کو، پس عرض کیا کہ اے میرے رب! بے

---

[1] تبین أنه سبحانه لا یشاء المغفرة للکافر المصر ویبقی التائب عند الموت من أی ذنب کان تحت المشیئة (روح المعانی للآلوسی، ج ۲، ص ۴۴۹، سورة النسآء)

شک میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے، اور بے شک آپ کا وعدہ حق ہے، اورآپ احکمُ الحاکمین ہیں۔فرمایا(اللہ نے)اے نوح! بے شک وہ نہیں ہے، آپ کے گھر والوں میں سے، بے شک یہ غیر صالح عمل ہے، پس نہ سوال کریں آپ، مجھ سے، اس چیز کا کہ نہیں ہے، آپ کو اس کے بارے میں کوئی علم، بے شک میں نصیحت کرتا ہوں آپ کو، کہیں ہو جائیں آپ جاہلوں میں سے۔ عرض کیا(نوح نے) کہ اے میرے رب! بے شک میں پناہ طلب کرتا ہوں آپ کے ذریعہ سے اس بات کی کہ سوال کروں میں، آپ سے اس چیز کا کہ نہیں ہے میرے لیے اس کے بارے میں کوئی علم، اور اگر آپ مغفرت نہیں فرمائیں گے میرے لیے، اور رحم نہیں فرمائیں گے مجھ پر، تو میں ہو جاؤں گا، خسارہ پانے والوں میں سے (سورہ ھود)

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ کافر کے لیے نجات کا سوال کرنا منع ہے، اگرچہ وہ کسی عظیم نبی کا عزیز وقریب اور شرفِ بنوت وابوت کا حامل کیوں نہ ہو، اور اس سلسلہ میں اللہ کا فیصلہ اٹل ہے، جس کے خلاف کسی نبی کی بھی شنوائی نہیں۔ [1]

## سورہ توبہ کا حوالہ

قرآن مجید کی سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا

---

[1] (قال) تعالى (يا نوح إنه ليس من أهلك) الناجين أو من أهل دينك (إنه) أى سؤالك إياى بنجاته (عمل غير صالح) فإنه كافر ولا نجاة للكافرين وفى قراء ة بكسر ميم عمل فعل ونصب غير فالضمير لابنه (فلا تسألن) بالتشديد والتخفيف (ما ليس لك به علم) من إنجاء ابنك (إنى أعظك أن تكون من الجاهلين) بسؤالك ما لم تعلم(تفسير الجلالين،ص ١ ٢٩،سورة هود)

قال :يا نوح إنه ليس من أهلك أى ليس منهم أصلا لأن مدار الأهلية هو القرابة الدينية وقد انقطعت بالكفر فلا علاقة بين مسلم وكافر ولذا لم يتوارثا، وقد ذكروا أن قرابة الدين أقرب من قرابة النسب(روح المعانى فى تفسير القرآن العظيم والسبع المثانى،ج٦،ص ٢٦٦،سورة هود)

أُولِي قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ .وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ (سورة التوبة، رقم الآيات، ۱۱۲، ۱۱۳)

ترجمہ: نہیں حق حاصل نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، یہ کہ وہ استغفار کریں مشرکین کے لیے، اگرچہ وہ ان کے انتہائی قریبی کیوں نہ ہوں، بعد اس کے کہ ظاہر ہو جائے ان کے لیے یہ بات کہ وہ جہنم والے ہیں۔

اور نہیں تھا، استغفار، ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے، مگر ایک وعدے کے طور پر، جس کا انہوں نے ان سے وعدہ کیا تھا، پھر جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن (یعنی کافر) ہے، تو برائت ظاہر کردی (ابراہیم نے) ان سے (سورہ توبہ)

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی بھی مومن کے لیے جائز نہیں کہ جن لوگوں کا مشرک ہونا اور شرک کی وجہ سے عذابِ جہنم کا مستحق ہونا ظاہر ہو جائے، ان کے لیے استغفار کریں، اگرچہ وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی مومن کے کتنے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، ان قریبی رشتہ داروں میں والدین اور اولاد سب داخل ہیں، بلکہ والدین، انسان کے لیے دوسرے رشتوں کے قائم ہونے کا ذریعہ ہیں، پھر اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کے واقعہ سے یہ مسئلہ مزید واضح کردیا گیا، چنانچہ اگلی آیت سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے والد کے لیے پہلے استغفار کا وعدہ کیا تھا، بعد میں جب ان کو اپنے والد کا مشرک وکافر ہونا اور مشرک وکافر کے لیے استغفار کا ممنوع ہونا ظاہر ہوگیا، تو حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اس سے برائت ظاہر کردی۔

اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں مزید توضیح آگے بھی آتی ہے۔ [1]

---

[1] ففيه النهى عن الاستغفار للمشركين ولو كانوا أولى قربى لأن النهى عن الاستغفار للمشركين عام فيستوى فيه القريب والبعيد ثم ذكر عز وجل سبب المنع فقال تعالى :مِنْ بَعْدِ ما تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

## سورہ مریم کا حوالہ

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے جو اپنے والد کے لیے استغفار کا وعدہ کیا تھا، بلکہ پہلے اپنے والد کے لیے مغفرت کی دعاء بھی کی تھی، اس کا ذکر قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بھی آیا ہے۔ [1]

چنانچہ سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ إِبْرَاهِیْمَ إِنَّهٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا .إِذْ قَالَ لِأَبِیْهِ یَاأَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْکَ شَیْئًا .یَاأَبَتِ إِنِّیْ قَدْ جَاءَ نِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَأْتِکَ فَاتَّبِعْنِیْ أَهْدِکَ صِرَاطًا سَوِیًّا .یَاأَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطَانَ إِنَّ الشَّیْطَانَ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا .یَاأَبَتِ إِنِّی أَخَافُ أَنْ یَمَسَّکَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ فَتَکُوْنَ لِلشَّیْطَانِ وَلِیًّا .قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِیْ یَاإِبْرَاهِیْمُ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّکَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا .قَالَ سَلَامٌ عَلَیْکَ سَأَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ إِنَّهٗ کَانَ بِیْ حَفِیًّا** (سورة مریم، رقم الآیات ۴۱ الیٰ ۴۷)

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أَصْحَابُ الْجَحِیْمِ یعنی تبین لهم أنهم ماتوا علی الشرک فهم من أصحاب الجحیم وأیضا فقد قال تبارک وتعالی إن الله لا یغفر أن یشرک به والله تعالی لا یخلف وعده(تفسیر الخازن، ج۲،ص ۴۱۲،سورة التوبة)

(وما کان استغفار إبراهیم لأبیه إلا عن موعدة وعدها إیاه) بقوله سأستغفر لک ربی رجاء أن یسلم (فلما تبین له أنه عدو لله) بموته علی الکفر (تبرأ منه) وترک الاستغفار له (إن إبراهیم لأواه) کثیر التضرع والدعاء (حلیم) صبور علی الأذی(تفسیر الجلالین،ص ۲۶۱،سورة التوبة)

[1] وقوله واغفر لأبی الآیة، کقوله ربنا اغفر لی ولوالدی . وهذا مما رجع عنه إبراهیم علیه السلام، کما قال تعالی :وما کان استغفار إبراهیم لأبیه إلا عن موعدة وعدها إیاه -إلی قوله -إن إبراهیم لأواه حلیم .وقد قطع تعالی الإلحاق فی استغفاره لأبیه فقال تعالی :قد کانت لکم أسوة حسنة فی إبراهیم والذین معه -إلی قوله -وما أملک لک من الله من شیء(تفسیر ابن کثیر، ج۶،ص ۱۳۳،سورة الشعراء)

ترجمہ: اور ذکر کیجیے کتاب میں ابراہیم کا، بے شک وہ تھے، نہایت سچے نبی۔ جب کہا انہوں نے اپنے باپ سے کہ اے میرے باپ! کیوں عبادت کرتے ہو تم، اُس کی، جو نہ سنتا ہے، اور نہ دیکھتا ہے، اور نہ ہی فائدہ دے سکتا تمہیں، کسی چیز کا۔ اے میرے باپ! بلاشبہ آ گئی میرے پاس علم کی وہ چیز، جو نہیں آئی تمہارے پاس، پس اتباع کرو تم میری، دکھاؤں گا میں تمہیں سیدھا راستہ۔ اے میرے باپ! نہ عبادت کرو تم شیطان کی، بے شک شیطان ہے، رحمٰن کا نافرمان۔ اے میرے باپ! بے شک مجھے خوف ہے اس بات کا کہ چھوئے تمہیں عذاب، رحمٰن کی طرف سے، پھر ہو جاؤ گے تم شیطان کے دوست۔ کہا اس (یعنی ابراہیم کے باپ) نے کہ کیا اعراض کرتے ہو، تم میرے معبودوں (یعنی بتوں) سے اے ابراہیم! اگر نہیں باز آئے تم، تو میں ضرور رَجم کر دوں گا تمہیں، اور چھوڑ دو تم مجھے ایک مدت تک۔ کہا ابراہیم نے کہ سلام ہو تم پر، عنقریب استغفار کروں گا میں، تمہارے لیے، اپنے رب سے بے شک وہ میرے ساتھ بڑا مہربان ہے (سورہ مریم)

مذکورہ آیات میں ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کا شرک میں مبتلا ہونا اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا ان کو شرک و بت پرستی سے بچنے کی دعوت دینا اور ان کے لیے استغفار کا وعدہ کرنا مذکور ہے۔

## سورہ شعراء کا حوالہ

سورہ شعراء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ .إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ .قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ .قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ .أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ .قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَ نَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُونَ .قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ .أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ .فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي

إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ .الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ .وَالَّذِیْ هُوَ يُطْعِمُنِیْ وَيَسْقِيْنِ .وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ .وَالَّذِیْ يُمِيْتُنِیْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ . وَالَّذِیْ أَطْمَعُ أَنْ يَّغْفِرَ لِیْ خَطِيْئَتِیْ يَوْمَ الدِّيْنِ.رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَأَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِيْنَ.وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْآخِرِيْنَ . وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ . وَاغْفِرْ لِأَبِیْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّيْنَ .وَلَا تُخْزِنِیْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ .يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ .إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ .(سورۃ الشعراء، رقم الآیات ۶۹ الیٰ ۸۹)

ترجمہ: اور تلاوت کیجیے ان پر ابراہیم کی خبر کی۔ جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو، کس چیز کی عبادت کرتے ہو تم؟ کہا انہوں نے کہ عبادت کرتے ہیں ہم بتوں کی، پس انہی کے آگے (عبادت کے لیے) جمے رہتے ہیں۔ کہا ابراہیم نے کہ کیا سنتے ہیں وہ تم کو، جب تم پکارتے ہو؟ یا نفع دیتے ہیں وہ تم کو، یا ضرر دیتے ہیں وہ؟ کہا انہوں نے بلکہ پایا ہم نے اپنے آباء واجداد کو، اسی طرح وہ کرتے تھے۔ کہا ابراہیم نے کہ کیا دیکھا تم نے ان کو کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو؟ تم اور تمہارے آباء واجداد، جو پہلے گزر چکے؟ پس بے شک وہ (بت) دشمن ہیں میرے، سوائے ربُّ العالمین کے۔ جس نے پیدا کیا مجھے، پس وہی ہدایت دیتا ہے مجھ کو۔ اور وہی ہے کہ جو کھلاتا ہے مجھ کو اور پلاتا ہے مجھ کو۔ اور جب مریض ہو جاتا ہوں میں، تو وہی شفاء دیتا ہے مجھ کو۔ اور وہی ہے جو موت دے گا مجھ کو، پھر زندہ کرے گا وہ مجھ کو۔ اور وہی ہے کہ امید رکھتا ہوں میں، یہ کہ مغفرت کرے گا، وہ میرے لیے میری خطاء کی، بدلہ کے دن۔ اے میرے رب! عطاء کر دیجیے میرے لیے حکم اور شامل کر دیجیے مجھے، صالح لوگوں کے ساتھ۔ اور کر دیجیے میرے لیے سچی زبان، بعد والوں میں۔ اور کر دیجیے مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے۔ اور مغفرت کر دیجیے میرے باپ کی، بے شک وہ گمراہ لوگوں

میں سے ہے۔ اور نہ رسوا کیجیے مجھ کو لوگوں کے اٹھائے جانے والے دن میں۔
جس دن نہ نفع دے گا مال اور نہ اولاد۔ سوائے اس کے جو آئے اللہ کے پاس
سلامتی والے دل کے ساتھ (سورہ شعراء)

مذکورہ آیات میں بھی حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد اور ان کی قوم کا بت پرستی میں مبتلا ہونا اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا ان کو توحید کی دعوت دینا مذکور ہے، اور ساتھ ہی حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور اپنے والد کے لیے دعائیں کرنا مذکور ہے، جن میں یہ دعاء بھی داخل ہے کہ آخرت میں اولاد بھی نفع نہ دے گی، سوائے اس کے کہ جو دل کی سلامتی، یعنی ایمان کی دولت کے ساتھ حاضر ہوگا۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر مفسرین سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے والد کے لیے اس وقت تک استغفار کیا تھا، جب تک ان کا کفر پر خاتمہ یقینی نہ ہوا تھا، لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو جب کفر پر خاتمہ کا یقین ہو گیا، تو پھر انہوں نے اپنے والد کے لیے استغفار کو ترک کر دیا۔ [1]

---

[1] چنانچہ طبری نے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل روایات بیان کی ہیں:

حدثنا محمد بن بشار قال، حدثنا عبد الرحمن قال، حدثنا سفیان، عن حبيب، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس، قال :ما زال إبراهيم يستغفر لأبيه حتى مات فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه."

حدثنا ابن وكيع قال، حدثنا أبي، عن سفيان، عن حبيب، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس، قال :ما زال إبراهيم يستغفر لأبيه حتى مات فلما مات تبين له أنه عدو لله.

حدثني الحارث قال، حدثنا عبد العزيز قال، حدثنا سفيان، عن حبيب بن أبي ثابت، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس، قال :لم يزل إبراهيم يستغفر لأبيه حتى مات، فلما مات لم يستغفر له.

حدثني المثنى قال، حدثنا عبد الله قال، حدثني معاوية، عن علي، عن ابن عباس " :وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه "، يعني :استغفر له ما كان حيا، فلما مات أمسك عن الاستغفار له.

حدثني مطر بن محمد الضبي قال، حدثنا أبو عاصم وأبو قتيبة مسلم بن قتيبة، قالا حدثنا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# سورہ ممتحنہ کا حوالہ

سورہ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ إِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا**

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

شعبة، عن الحكم، عن مجاهد، في قوله" :فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه"، قال :لما مات.

حدثنا محمد بن المثنى قال، حدثنا محمد بن جعفر قال، حدثنا شعبة، عن الحكم، عن مجاهد، مثله.

حدثني محمد بن عمرو قال، حدثنا أبو عاصم قال، حدثنا عيسى، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد" :فلما تبين له أنه عدو لله"، قال :موته وهو كافر.

حدثنا ابن وكيع قال، حدثني أبي، عن شعبة .عن الحكم، عن مجاهد، مثله.

قال، حدثنا ابن أبي غنية، عن أبيه، عن الحكم" :فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه"، قال: حين مات ولم يؤمن.

حدثني المثنى قال، حدثنا أبو حذيفة قال، حدثنا شبل، عن عمرو بن دينار" :فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه"، :موته وهو كافر.

قال، حدثنا عمرو بن عون قال، حدثنا هشيم، عن جويبر، عن الضحاك في قوله" :فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه"، قال :لما مات.

حدثنا بشر قال، حدثنا يزيد قال، حدثنا سعيد، عن قتادة" :فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه"، لما مات على شركه "تبرأ منه."

حدثت عن الحسين بن الفرج قال، سمعت أبا معاذ يقول، حدثنا عبيد بن سليمان قال، سمعت الضحاك يقول في قوله" :وما كان استغفار إبراهيم لأبيه"، كان إبراهيم صلوات الله عليه يرجو أن يؤمن أبوه ما دام حيا، فلما مات على شركه تبرأ منه.

حدثنا القاسم قال، حدثنا الحسين قال، حدثني حجاج، عن ابن جريج، عن مجاهد : "فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه"، قال :موته وهو كافر.

حدثنا أحمد بن إسحاق قال، حدثنا أبو أحمد قال، حدثنا سفيان، عن حبيب بن أبي ثابت، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس قال :ما زال إبراهيم يستغفر لأبيه حتى مات، فلما مات تبين له أنه عدو لله، فلم يستغفر له.

قال، حدثنا أبو أحمد قال، أبو إسرائيل، عن علي بن بذيمة، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس" :فلما تبين له أنه عدو لله"، قال :فلما مات(جامع البيان في تأويل القرآن،للطبري، ج١٤،ص ٥٢١،سورة التوبة،رقم الحديث : ١٧٣٤٣ تا١٧٣٥٨ )

وَبَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ

(سورۃ الممتحنۃ، رقم الآیۃ ۴)

ترجمہ: یقیناً ہے تمہارے لیے بہترین نمونہ ابراہیم میں، اوران لوگوں میں جو ان (ابراہیم) کے ساتھ تھے، جب کہا ان لوگوں نے اپنی قوم سے کہ بے شک ہم بریٔ ہیں تم سے، اوران چیزوں سے، جن کی عبادت کرتے ہو تم، اللہ کے علاوہ، انکار کردیا ہم نے تمہارا، اور ظاہر ہوگئی ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان عداوت اور بغض ہمیشہ کے لیے، یہاں تک کہ ایمان لے آؤ تم اللہ وحدہٗ پر، مگر ابراہیم کا قول اپنے باپ کے لیے کہ یقیناً ضرور استغفار کروں گا، میں آپ کے لیے، لیکن مالک نہیں ہوں میں، آپ کے لیے اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا (سورہ ممتحنہ)

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے پہلے اپنے والد کے لیے استغفار کا وعدہ کیا تھا، لیکن ساتھ ہی اپنے والد کو یہ بھی فرمادیا تھا کہ مجھے اللہ کے مقابلہ میں آپ کے لیے کسی چیز کا اختیار نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے طرزِ عمل کو اپنی زندگی کا نمونہ بنانا چاہیے، البتہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے مشرک باپ کے لیے جو استغفار کا وعدہ کیا تھا، اس کو نمونہ نہیں بنایا جاسکتا۔ [1]

اس کے علاوہ بھی قرآن مجید کی کئی آیات میں حضرت ابراہیم علیہ لصلاۃ والسلام کا اپنے والد کے ساتھ ان کے کفر وشرک پر مکالمے کا ذکر آیا ہے، اس طرح کی چند آیات ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

---

[1] (إلا قول إبراهيم لأبيه لأستغفرن لک) مستثنى من أسوة فليس لكم التأسى به فى ذلک بأن تستغفروا للكفار (تفسير الجلالين، سورة الممتحنة)

قوله تعالى: (قد كانت لكم أسوة حسنة فى إبراهيم) لما نهى عز وجل عن مولاة الكفار ذكر قصة إبراهيم عليه السلام، وأن من سيرته التبرؤ من الكفار، أى فاقتدوا به وأتموا، إلا فى استغفاره لأبيه (تفسير القرطبى، ج۱۸، ص۵۶، سورة الممتحنة)

## سورہ انعام کا حوالہ

سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ** (سورۃ الأنعام، رقم الآیۃ ۷۴)

ترجمہ: اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر کو، کیا بناتے ہو تم بتوں کو معبود، بے شک میں دیکھتا ہوں تم کو اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں (سورہ انعام)

مذکورہ آیت میں ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا اپنے والد ''آزر'' کو بت پرستی سے روکنے کی دعوت دینا مذکور ہے۔

اور مذکورہ آیت میں ''آزر'' کو حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا باپ بتلایا گیا ہے، جس سے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد مراد ہیں۔ جمہور متقدمین مفسرین کا یہی قول ہے، جس کی تفصیل آگے خاتمہ میں آتی ہے۔

## سورہ انبیاء کا حوالہ

سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ . إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ . قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ . قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ . قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ . قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ وَأَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ** (سورۃ الأنبیاء، رقم الآیات ۵۱ الیٰ ۵۶)

ترجمہ: اور بلاشبہ یقیناً عطاء کی ہم نے ابراہیم کو ان کی ہدایت اس سے پہلے، اور

تھے ہم ان کو جاننے والے۔ جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو، کیا ہیں یہ مجسمے، کہ تم ان کے لیے ٹھہرے ہوئے ہو۔ کہا انہوں نے کہ پایا ہم نے اپنے آباء واجداد کو ان کی عبادت کرتے ہوئے۔ کہا اس (ابراہیم) نے بلا شبہ یقیناً ہو تم اور تمہارے آباء واجداد کھلی گمراہی میں۔ کہا انہوں نے کہ کیا لائے ہو، تم ہمارے پاس حق کو، یا آپ کھیل کرنے والوں میں سے ہو۔ کہا اس نے، بلکہ تمہارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے، جس نے پیدا کیا اُن کو، اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں (سورہ انبیاء)

## سورہ زخرف کا حوالہ

سورہ زخرف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ لِأَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ إِنَّنِيْ بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ. إِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَإِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ (سورۃ الزخرف، رقم الآیات ۲۶، ۲۷)

ترجمہ: اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو کہ بے شک میں بریٔ ہوں، ان چیزوں سے، جن کی عبادت کرتے ہو تم۔ سوائے اس ذات کے جس نے پیدا کیا مجھ کو، پس بے شک وہی عنقریب دکھائے گا راستہ مجھ کو (سورہ زخرف)

## سورہ صافات کا حوالہ

سورہ صافات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

سَلَامٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعَالَمِيْنَ. إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ. إِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ. ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِيْنَ. وَإِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَإِبْرَاهِيْمَ. إِذْ جَاءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ. إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ. أَئِفْكًا آلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ (سورۃ الصافات، رقم الآیات ۷۹ الیٰ ۸۶)

ترجمہ: سلام ہو نوح پر، عالمین میں۔ بے شک ہم اسی طریقہ سے بدلہ دیتے ہیں ہم اچھا عمل کرنے والوں کو۔ بے شک وہ (یعنی نوح) ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں۔ پھر غرق کردیا، ہم نے دوسرے لوگوں کو۔ اور بے شک ان کے گروہ میں سے ابراہیم بھی ہیں۔ جب آئے وہ اپنے رب کے پاس سلامتی والے دل کے ساتھ۔ جب کہا انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو، کس چیز کی عبادت کرتے ہو تم؟ کیا من گھڑت معبودوں کا اللہ کے علاوہ، ارادہ کرتے ہو تم (سورہ صافات)

مذکورہ تمام آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے کفر وشرک کا ذکر ہے۔

اور احادیث میں بھی اس کا ذکر آیا ہے، جن میں سے چند احادیث ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

## علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ

حضرت ابو الخلیل سے روایت ہے کہ:

**عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَجُلًا يَسْتَغْفِرُ لِأَبَوَيْهِ وَهُمَا مُشْرِكَانِ، فَقُلْتُ لَهُ: أَتَسْتَغْفِرُ لِأَبَوَيْكَ وَهُمَا مُشْرِكَانِ؟ فَقَالَ: أَوَلَيْسَ اسْتَغْفَرَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَهُوَ مُشْرِكٌ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ: (مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ)** (سنن الترمذی، رقم الحديث ۳۱۰۱، أبواب تفسير القرآن، باب: ومن سورة التوبة) [1]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک ماں باپ کے لئے استغفار کرتے ہوئے سنا، تو میں نے اس سے کہا کہ تم اپنے ماں باپ کے لئے استغفار کر رہے ہو، حالانکہ وہ دونوں مشرک تھے؟ اس نے جواب دیا کہ کیا حضرت ابراہیم نے اپنے مشرک باپ کے لئے استغفار نہیں

[1] قال الترمذی: هذا حديث حسن .وفى الباب عن سعيد بن المسيب عن أبيه.

کیا تھا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا، تو (سورہ توبہ کی) یہ آیت نازل ہوئی:

”مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ“

”نہیں حق حاصل ہے نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، یہ کہ وہ استغفار کریں مشرکین کے لیے“ (ترمذی)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرک ماں، باپ کے لیے استغفار جائز نہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا اپنے باپ کے لیے استغفار کا پہلے ایک وعدہ تھا، بعد میں ان کا کفر ظاہر ہونے پر اللہ کی طرف سے حضرت ابراہیم کو باپ کے لیے استغفار کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ ایک آیت، ایک سے زیادہ واقعات کے لیے نازل ہو سکتی ہے، یعنی ایک آیت کے شانِ نزول ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں۔ اس لیے مذکورہ آیت کے کسی دوسرے واقعہ کے لیے نازل ہونے پر بھی کوئی شبہ نہ ہوگا، جیسا کہ آگے آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے والدین کے لیے استغفار کی ممانعت کے موقع پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور بعض احادیث میں ابو طالب کے لیے بھی اس آیت کے نازل ہونے کا ذکر ہے، اور بہت سے متقدمین مفسرین نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کے متعلق یہ سب امور ذکر فرمائے ہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

## ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: يَلْقَى إِبْرَاهِيْمُ أَبَاهُ آزَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَعَلٰى وَجْهِ آزَرَ قَتَرَةٌ وَغَبَرَةٌ، فَيَقُوْلُ لَهُ إِبْرَاهِيْمُ: أَلَمْ أَقُلْ

لَکَ لاَ تَعْصِنِیْ، فَیَقُوْلُ أَبُوْہ:فَالیَوْمَ لاَ أَعْصِیْکَ، فَیَقُوْلُ إِبْرَاھِیْم: یَا رَبِّ إِنَّکَ وَعَدْتَنِیْ أَنْ لاَ تُخْزِیَنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ، فَأَیُّ خِزْیٍ أَخْزٰی مِنْ أَبِیْ الْأَبْعَدِ؟ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی :إِنِّیْ حَرَّمْتُ الجَنَّۃَ عَلَی الکَافِرِیْنَ، ثُمَّ یُقَال :یَا إِبْرَاھِیْمُ، مَا تَحْتَ رِجْلَیْکَ؟ فَیَنْظُرُ، فَإِذَا ھُوَ بِذِیْخٍ مُلْتَطِخٍ، فَیُؤْخَذُ بِقَوَائِمِہٖ فَیُلْقٰی فِی النَّارِ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۳۳۵۰، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالی:واتخذ اللہ إبراھیم خلیلا)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم اپنے باپ آزر سے قیامت کے دن ملیں گے،اورآزر کے چہرے پر(اس وقت) سیاہی اورغبار چھایا ہوگا،تو ان سے حضرت ابراہیم فرمائیں گے کہ میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کرنا،ان کے باپ کہیں گے کہ اب میں تمہاری نافرمانی نہ کروں گا،تو حضرت ابراہیم کہیں گے کہ اے میرے رب! تونے مجھ سے حشر کے دن مجھے رسوا نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا،پس اپنے باپ کی رسوائی سے بڑھ کر،کون سی رسوائی ہوگی؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے کافروں پر جنت حرام کردی ہے(اور یہ میرا اٹل فیصلہ ہے) پھر حضرت ابراہیم سے کہا جائے گا کہ اے ابراہیم !تمہارے پاؤں کے نیچے کیا ہے؟ وہ دیکھیں گے تو وہ (اپنے باپ کو) ایک مذبوح خون میں لتھڑے ہوئے جانور کی شکل میں پائیں گے، پھر ان کے پیروں کو پکڑ کر جہنم میں ڈالا جائے گا(بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں بھی اس سے ملتا جلتا مضمون آیا ہے۔ [1]

---

[1] عن ابن سیرین، عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، قال :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " :یلقی رجل أباہ یوم القیامۃ فیقول لہ :یا أبت أی ابن کنت لک؟ فیقول :خیر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ حدیث میں بھی حضرت ابراہیم کے والد "آزر" کے کفر وشرک کا مرتکب ہونے کی وجہ سے بروز قیامت شدید عذاب میں مبتلا ہونے کا ذکر ہے، اور اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی شفاعت کی تردید بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان الفاظ میں مذکور ہے کہ:

"إِنِّي حَرَّمْتُ الجَنَّةَ عَلَى الكَافِرِيْنَ"

"میں نے کافروں پر جنت حرام کردی ہے"

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کا کفر وشرک کی حالت میں انتقال ہوا تھا، جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لیے جنت سے محروم اور جہنم کے مستحق ہوئے۔ جمہور اہلِ علم کا یہی قول ہے، جیسا کہ آگے خاتمہ میں مزید تفصیل وحوالہ جات کے ساتھ آتا ہے۔

## ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ابن، فيقول :هل أنت مطيعي اليوم؟ فيقول :نعم، فيقول :خذ بأزرتي، فيأخذ بأزرته، ثم ينطلق حتى يأتي الله تبارك وتعالى وهو يعرض الخلق، فيقول :يا عبدي ادخل من أي أبواب الجنة شئت، فيقول :أي رب وأبي معي، فإنك وعدتني أن لا تخزيني، قال: فيمسخ الله أباه ضبعا فيعرض عنه فيهوي في النار فيأخذ بأنفه، فيقول الله تبارك وتعالى :يا عبدي أبوك هو؟ فيقول :لا وعزتك(المستدرك على الصحيحين، رقم الحديث ٨٧٥٠)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه

وقال الذهبي في التلخيص:على شرط مسلم.

عن سعيد بن أبي سعيد المقبري، عن أبيه، عن أبي هريرة، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :إن إبراهيم رأى أباه يوم القيامة عليه الغبرة والقترة، فقال له :قد نهيتك عن هذا فعصيتني، قال :لكنني اليوم لا أعصيك واحدة، قال :أي رب، وعدتني ألا تخزني يوم يبعثون)فإن أخزيت أباه فقد أخزيت الأبعد، قال :يا إبراهيم إني حرمتها على الكافرين، فأخذ منه ,فقال :يا إبراهيم أين أبوك؟ ,قال :أنت أخذته مني، قال: انظر أسفل منه، فنظر فإذا ذيخ يتمرغ في نتنه، فأخذ بقوائمه ,فألقي في النار "(السنن الكبرى،للنسائي ، رقم الحديث ١١٣١١)

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَأْخُذُ رَجُلٌ بِيَدِ أَبِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرِيدُ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ فَيُنَادٰى أَلا إِنَّ الْجَنَّةَ لا يَدْخُلُهَا مُشْرِكٌ قَالَ فَيَقُولُ أَىْ رَبِّ أَبِىْ قَالَ فَيُحَوَّلُ فِىْ صُورَةٍ قَبِيحَةٍ وَرِيحٍ مُنْتِنَةٍ فَيَتْرُكُهُ.

قَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ كَانُوا يَقُوْلُوْنَ إِنَّهُ إِبْرَاهِيْمُ قَالَ وَلَمْ يَزِدْهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ذٰلِكَ (صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ٦۴٥، كتاب الرقائق، باب الخوف والتقوى) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک آدمی اپنے باپ کے ہاتھ کو پکڑے گا، اور اسے جنت میں داخل کرنا چاہے گا، پھر اعلان کیا جائے گا کہ خبردار! جنت میں کوئی مشرک داخل نہیں ہوگا (اللہ نے جنت کو ہر مشرک پر حرام قرار دے دیا ہے) وہ آدمی کہے گا کہ اے میرے رب! یہ میرا باپ ہے، اچانک وہ شخص (یعنی وہ باپ) نہایت قبیح اور بدبودار صورت میں تبدیل ہو جائے گا، پھر وہ آدمی اس (اپنے باپ) کو چھوڑ دے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام یہ کہا کرتے تھے کہ وہ آدمی ابراہیم علیہ السلام ہیں (اور ان کے والد ''آزر'' ہیں) لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مزید کوئی بات بیان نہیں فرمائی (صحیح ابنِ حبان)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده صحيح على شرط البخارى (حاشية صحيح ابنِ حبان)

[2] عن أبى سعيد الخدرى رضى الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال ": ليأخذن رجل بيد أبيه يوم القيامة فلتقطعنه النار يريد أن يدخله الجنة، قال :فينادى :إن الجنة لا يدخلها مشرك ألا إن الله قد حرم الجنة على كل مشرك، قال :فيقول :أى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کو اتنے شدید عذاب کی وجہ، بعض حضرات نے یہ بیان فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ ان کی دعوت پر سخت مزاحمت کی، اور بار بار دلائلِ توحید کو سماعت کرنے کے باوجود، شرک کو ترک کر کے توحید کو اختیار نہیں کیا، بلکہ وہ دوسرے لوگوں کے شرک و کفر پر جمے رہنے کا بھی ذریعہ بنے، نیز حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو نہ صرف جان سے مارنے کی دھمکی دی بلکہ گھر سے بھی نکال دیا۔ واللہ أعلم ۔ [1]

مذکورہ اور اس جیسی احادیث سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کو بحالتِ کفر فوت ہونے کی وجہ سے مبتلائے عذاب ہونا سمجھتے تھے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، بعد کے دور کے مسلمانوں کے مقابلہ میں انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا زیادہ احترام کرنے والے تھے، لیکن نہ تو انہوں نے اور نہ ہی خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کے شدید عذاب میں مبتلا ہونے کے حکمِ الٰہی کو بیان کرنے اور سمجھانے میں کسی لیت ولعل اور شک وشبہ کا اظہار کیا، اور نہ ہی اس کو انبیائے کرام کی شان میں گستاخی تصور کیا، اور نہ ہی کوئی دوسری تاویل کی، مثلاً یہ کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کے بجائے ان کے چچا کے متعلق ہے، وغیرہ وغیرہ۔

قرآن مجید کی مذکورہ آیات اور احادیثِ مبارکہ میں ''آزر'' کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رب أبي فيحول في صورة قبيحة وريح منتنة فيتركه "قال :فكان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم :يرون أنه إبراهيم عليه السلام ولم يزدهم رسول الله صلى الله عليه وسلم على ذلك (المستدرك على الصحيحين للحاكم، رقم الحديث ٨٧٤٦)

قال الحاكم:هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه "

وقال الذهبي في التلخيص:على شرط البخاري ومسلم.

[1] "لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا" (سورة مريم، رقم الآية : ٤٦)

باپ بتلایا گیا ہے، اور مذکورہ وعیدیں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے لیے وارِد ہوئی ہیں، اس لیے جمہور محققین، بالخصوص متقدمین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ''آزر'' جن کا ذکر مذکورہ آیات اور احادیثِ مبارکہ میں آیا ہے، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی باپ ہیں، اور جو بعض متاخرین حضرات نے باپ کے بجائے، چچا ہونے کی تاویل کی ہے، اس کی محققین نے تردید کی ہے، کیونکہ یہاں باپ کے الفاظ کو حقیقت سے پھیر کر چچا کے مجازی (یعنی غیر حقیقی) معنیٰ مراد ہونے کی کوئی معقول و مستند دلیل نہیں پائی جاتی، اور اگر بعض نے حضرت ابراہیم کے والد کا نام ''تارح'' قرار دیا ہو، تو یہ بھی والد ہونے کے منافی نہیں، کیونکہ یہ دوسرا نام بھی ہوسکتا ہے، اور لقب بھی ہوسکتا ہے، جیسے خود نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے قرآن مجید میں دو نام محمد اور احمد بتلائے گئے ہیں، اسی طرح یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کے دو نام یعقوب اور اسرائیل بتائے گئے ہیں۔ ''فلا منافاة بينهما''۔ [1]

---

[1] فإن قال قائل: فإن أهل الأنساب إنما ينسبون إبراهيم إلى "تارح"، فكيف يكون "آزر" اسما له، والمعروف به من الاسم "تارح"؟

قيل له: غير محال أن يكون له اسمان، كما لكثير من الناس فى دهرنا هذا، وكان ذلك فيما مضى لكثير منهم. وجائز أن يكون لقبا يلقب به (جامع البيان فى تأويل القرآن، للطبرى، ج ١١، ص٤٦٨، تفسير سورة الأنعام)

وقد ورد النص بأن أبا إبراهيم مات على الكفر لقوله تعالى: (فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه) والقول بأنه كان عمه عدول عن الظاهر (الفواكه الدوانى على رسالة ابن أبى زيد القيروانى، ج ١، ص ٨٠، باب ما تنطق به الألسنة، وتعتقده الأفئدة من واجب أمور الديانات)

ادعاؤهم أن آباء النبى صلى الله عليه وسلم إلى آدم كلهم مؤمنون. وفى (ج ١ ص ٥٣) ما نصه: وسألته رضى الله عنه هل فى أجداده عليه الصلاة والسلام من ليس بمؤمن كما يفهم من جهال أهل السير، فأجاب رضى الله عنه بقوله اعلم أن أجداده صلى الله عليه وسلم كلهم مؤمنون من أبيه عليه السلام إلى سيدنا آدم عليه السلام، فقال له السائل: ما معنى قوله تعالى: وإذا قال إبراهيم لأبيه آزر؟ فأجاب رضى الله عنه بقوله أن آزر هو عمه، ولو كان أباه أصليا ما ذكر آزر بعد أبيه، يكفيه الأب ويدل على هذا استغفاره لوالديه فى آخر عمره اهـ. قال محمد تقى الدين تقدم حديث مسلم أن أبى وأباك فى النار، وحديث استئذان النبى صلى الله عليه وسلم ربه فى زيارة قبر أمه فأذن له

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اپنے ایک رسالہ میں اس کی تفصیل بیان کی ہے، اور بغیر کسی معقول دلیل کے، محض نبی کی عقیدت ومحبت میں غلو کر کے اب کے حقیقی معنیٰ کو نظر انداز کر کے مجازی معنیٰ کی طرف پھیرنے والوں کی تردید فرمائی ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

واستئذانه فی الاستغفار لها فلم يأذن له فبكی.

أما ادعاؤهم أن آزر إنما هو عم إبراهيم فهی دعوی باطلة لا تقبل إلا بدليل عن المعصوم، وما استدلوا به من ذكر آزر بعد الأب ساقط لقوله تعالی فی سورة البقرة : (قالوا نعبد إلهک وإله آبائک إبراهيم وإسماعيل وإسحاق) فقد ذكر الله تعالی اسم إبراهيم بعد ذكر أبوته ليعقوب وقال تعالی فی سورة يوسف حكاية عنه عليه السلام: (واتبعت ملة آبائی إبراهيم وإسحاق ويعقوب) فذكر سبحانه يعقوب بعد ذكر أبوته ليوسف، والأصل فی دلالات الألفاظ أن تدل علی ما وضعت له ولا تصرف عنه إلا بقرينة، وفی تفسير الجلالين مع حاشيته ما نصه واذكر (وإذ قال إبراهيم لأبيه آزر) هو لقبه واسمه تارح (اتتخذأصناما آلهة) تعبدها استفهام توبيخ (انی أراک وقومک) باتخاذها (فی ضلال مبين) اختلف العلماء فی لفظة آزر فقال مجاهد آزر اسم أبی إبراهيم وهو تارح ضبطه بعضهم بالحاء المهملة وبعضهم بالحاء المعجمة وقال البخاری فی تاريخه الكبير إبراهيم بن آزر وهو فی التوراة تارخ فعلی هذا يكون لأبی إبراهيم اسمان آزر وتارخ مثل يعقوب وإسرائيل اسمان لرجل واحد فيحتمل أن يكون اسمه آزر، وتارخ لقبه له، أو بالعكس فالله سماه آزر، وإن كان عند النسابين والمؤرخين اسمه تارخ ليعرف بذلک وكان آزر أبو إبراهيم من كوثی، وهی قرية من سواد الكوفة اهـ.

وما رأيت أحدا من المفسرين ذكر ما ادعاه التجانيون من أن آزر عم إبراهيم فأهل الكتاب مجمعون علی أن اسمه تارح هو بالحاء المهملة، يقينا، لأنی قرأته كذلک فی التوراة، وأئمة التفسير فی أرجح الأقوال قالوا :يحتمل أن يكون له اسمان آزر وتارح. ويحتمل أن يكون أحدهما لقبا، ولا يجوز القول بأنه عمه، إلا إذا صح ذلک عن النبی صلی الله عليه وسلم، وإلا كان تكذيبا للقرآن، فبطل كل ما زعموه من أن أباء النبی صلی الله عليه وسلم إلی آدم كانوا مؤمنين، وزعمهم أن إبراهيم استغفر لأبيه منقوض بقوله تعالی فی سورة التوبة :(وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه)

والدعاوی ما لم يقيموا عليها ...بينات أبنائها أدعياء(الهدية الهادية إلی الطائفة التجانية،لأبی شكيب محمد تقی الدين بن عبد القادر الهلالی، ج ۱، ص ۱۳۴، ۱۳۵، الخاتمة.فی مسائل متفرقة،المسألة التاسعة: ادعاؤهم أن آباء النبی صلی الله عليه وسلم إلی آدم كلهم مؤمنون)

اور بعض دیگر محققین نے بھی اس پر روشنی ڈالی ہے، جس کی مزید تفصیل آگے خاتمہ میں آتی ہے۔ [1]

---

[1] ثم اعلم أن ما اختاره الفخر الرازی وتبعه السیوطی فی أن أبا ابراهیم علیه السلام لم یکن کافرا فساد عظیم فی الدین وتشکیک لعقیدة أرباب الیقین وإن کان کل واحد منهما یدعی أنه من المجددین بل یصح أن یقال إنهما من المحدثین لما ورد أنه من أحدث فی أمرنا ما لیس منه فهو رد من بین المجتهدین.

وبیانه أن المسلمین من أهل الشرق والغرب أجمعین یقرؤون القرآن العظیم ویتلون الفرقان الکریم فإذا رأوا فیه نصا علی انتساب الکفر إلی أبی إبراهیم علیه التحیة والتسلیم فهم یؤمنون ویعتقدون ذلک حیث لم یکن صارف عن حمله علی الحقیقة هنالک ولا یدرون أن إخباریا یهودیا أو نصرانیا ذکر أن المراد بأبیه عمه قاصدا بذلک الطعن فی دین النبی صلی الله علیه وسلم وکتاب ربه.

فهل یحکم ببطلان هذا القول الذی هو مخالف لظاهر الکتاب ومعارض لما قدمناه فی هذا الباب أو بحکم بفساد اعتقاد جمیع المسلمین من أهل البر والبحر أجمعین إلا من اعتقد اعتقاد الرازی والسیوطی مع أنهما قبل وصول هذا القول الباطل إلیهما لم یکونا شاکین فی أن ابا إبراهیم علیه السلام ما کان علی الدین القویم والطریق المستقیم فلما حققا ذلک وصنفا بیان ما هنالک رجعا عن اعتقادهما الباطل علی زعمهما إلی الاعتقاد الحق عندهما .حتی قلدهما ابن حجر المکی وبالغ حتی قال وهذا هو الحق فماذا بعد الحق إلا الضلال.والله سبحانه یصلح الأحوال.

ثم انظر إلی ما قاله السیوطی من الاستدلال السقوطی وهو أنه قد وجه من حیث اللغة بأن العرب تطلق لفظ الأب علی العم إطلاقا شائعا وإن کان مجازا ففی التنزیل (أم کنتم شهداء إذ حضر یعقوب الموت إذ قال لبنیه ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد إلهک وإله آبائک إبراهیم وإسماعیل وإسحاق)صلی الله علیهم.فأطلق علی إسماعیل لفظ الأب وهو عم یعقوب علیه السلام کما أطلق علی إبراهیم علیه السلام وهو جده.أخرج أبن أبی حاتم عن ابن عباس رضی الله عنهما أنه کان یقول الجد أب ویتلو (نعبد إلهک وإله آبائک) الآیة.وأخرج عن أبی العالیة فی قوله تعالی (وإله آبائک إبراهیم) علیهما السلام قال سمی العم ابا . وأخرج عن محمد بن کعب القرظی قال الخال والد والعم والد وتلا هذه الآیة.

فهذه أقوال السلف من الصحابة والتابعین فی ذلک.

قلت هذه طنطنة مضریة لیس تحتها فائدة قویة إذ نفس الآیة الشریفة یستفاد منها عند کل عاقل للإنباء أنه لا یصح إطلاق جمع الآباء حقیقة بالنسبة إلی واحد من الأبناء لا شرعا ولا عرفا علی عموم الجزاء.بأن یقال المراد بالآباء الأسلاف کما قاله الأئمة الحنفیة أو علی استعمال اللفظ بالاشتراک بین الحقیقة والمجاز کما اختاره الشافعیة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت کا حوالہ

''زید بن عمرو بن نفیل'' کے بیٹے سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے والد ''زید بن عمرو بن نفیل'' کے بارے میں استغفار کرنے کی اجازت طلب کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی، اوراس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ:

**''فإنه يجيء يوم القيامة، أمة وحده''**

یعنی ''زید بن عمرو بن نفیل'' قیامت کے دن ایک مستقل امت ہوکر اٹھیں گے''۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإذا عرفت ذلك فهل ترى أن تكون هذه الآية نظير الآيات الدالة على أن المراد بأبى إبراهيم أبوه حقيقة ولا يصح أنه أراد عمه مجازا حيث لا دليل من جهة العقل الصريح ولا من طريقة النقل الصحيح ما يصلح أن يكون مانعا من إرادة الحقيقة وباعثا على قصد المجاز(أدلة معتقد أبى حنيفة فى أبوى الرسول عليه الصلاة والسلام، للملا على القارى، ص ۱۳۴ الیٰ، ص ۱۳۷، الرد على القائلين بأن ابا إبراهيم عليه السلام لم يكن كافرا)

[1] حدثنا محمد بن يحيى القطعى، ثنا أبو داود، ثنا المسعودى، عن نفيل بن هشام، عن أبيه، عن سعيد بن زيد: أنه سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إن أبى كان كما قد رأيت، وكما بلغك، ولو أدركك، لآمن بك، فأستغفر له؟ قال: نعم، فإنه يجيء يوم القيامة، أمة وحده.

قال البزار: لا نعلمه يروى عن سعيد بن زيد، إلا بهذا الإسناد (كشف الاستار، رقم الحديث ۲۷۵۳، مناقب زيد بن عمرو)

قال الهيثمى: رواه الطبرانى، والبزار باختصار عنه، وفيه المسعودى وقد اختلط، وبقية رجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۶۱۷۹، باب ما جاء فى زيد بن عمرو بن نفيل)

حدثنا على بن عبد العزيز، ثنا عبد الله بن رجاء، أنبأ المسعودى، عن نفيل بن هشام بن سعيد بن زيد، عن أبيه، عن جده، قال: خرج ورقة بن نوفل، وزيد بن عمرو يطلبان الدين، حتى مرا بالشام، فأما ورقة فتنصر، وأما زيد فقيل له: إن الذى تطلب أمامك، فانطلق حتى أتى الموصل، فإذا هو براهب، فقال: من أين أقبل صاحب المرحلة؟ قال:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

''زید بن عمرو بن نفیل'' کی وفات، زمانۂ جاہلیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے تقریباً پانچ سال قبل، جس سال قریش نے بیت اللہ کو تعمیر کیا، اس سال ہوگئی تھی، یہ زمانۂ جاہلیت میں بھی شرک و بت پرستی سے محفوظ اور دینِ ابراہیمی پر قائم تھے، اس لیے ان کے لیے استغفار کرنے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی۔

اور مستقل امت ہو کر اٹھنے سے مراد یہ ہے کہ اس زمانے میں ان کی توحید و عبادتِ الٰہی کے ہم مشرب دوسرے لوگ نہ ہوں گے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے بعض رسائل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو ''زید بن عمرو بن نفیل'' کے قبیل میں شمار کیا ہے، اور اس کی کوئی صریح دلیل پیش کرنے کے بجائے ''زید بن عمرو بن نفیل'' وغیرہ کی فضیلت کو ثابت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو محض اپنے اجتہاد سے اس حکم میں شامل کر دیا ہے۔

جبکہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا مذکورہ استدلال راجح نہیں، کیونکہ جس طرح نبی صلی

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

من بیت إبراهیم، قال: ما تطلب؟ قال: الدین، فعرض علیه النصرانیة فأبی أن یقبل، وقال: لا حاجة لی فیه، قال: أما إن الذی تطلب سیظهر بأرضک، فأقبل وهو یقول: لبیک حقا حقا، تعبدا ورقا، البر أبغي لا الحال، وهل مهاجر کمن قال، عذت بما عاذ به إبراهیم وهو قائم، وأنفی لک اللهم عان راغم مهما تجشمنی، فإنی جاشم، ثم یخر فیسجد للکعبة .قال: فمر زید بن عمرو بالنبی صلی الله علیه وسلم، وزید بن حارثة وهما یأکلان من سفرة لهما، فدعیاه، فقال: " یا ابن أخی، لا آکل مما ذبح علی النصب، قال: فما رؤی النبی صلی الله علیه وسلم یأکل مما ذبح علی النصب من یومه ذلک حتی بعث، قال: وجاء سعید بن زید إلی النبی صلی الله علیه وسلم فقال: یا رسول الله إن زیدا کان کما رأیت – أو کما بلغک – فاستغفر له قال: نعم، فاستغفر له، فإنه یبعث یوم القیامة أمة وحده (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۳۵۰، ج ۱ ص ۱۵۱)

قال أبو حذیفة، نبیل بن منصور بن یعقوب بن سلطان البصارة:

قلت: سماع عبد الله بن رجاء من المسعودی قبل اختلاطه، ونفیل بن هشام وأبوه ترجمهما البخاری وابن أبی حاتم فی کتابیهما ولم یذکرا فیهما جرحًا ولا تعدیلا، وذکرهما ابن حبان فی "الثقات " (انیس الساری تخریج احادیث فتح الباری، ج۵ص ۳۶۵۵، تحت رقم الحدیث ۲۴۸۳، حرف الغین)

اللہ علیہ وسلم نے ”زید بن عمرو بن نفیل “ کے ”ناجی“ ہونے کا حکم بیان فرمایا، تو ان کے مقابلے میں اپنے والدین کے ”غیر ناجی“ ہونے کا حکم بیان فرمایا، اور جب نبی صلی اللہ علیہ سلم نے خود دونوں قسم کے افراد کا حکم مختلف بیان کر دیا، اور دونوں قسم کے افراد کو الگ الگ قبیل شمار کیا، تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کسی کا ان دونوں قسم کے افراد کو ایک قبیل شمار کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

## ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا حوالہ

امام طبری نے ابنِ وکیع سے، انہوں نے اپنے والد وکیع سے، انہوں نے عصمہ بن زامل سے، انہوں نے اپنے والد زامل سے روایت کیا ہے کہ:

سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُوْلُ: رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا اِسْتَغْفَرَ لِأَبِيْ هُرَيْرَةَ وَلِأُمِّهٖ قُلْتُ: وَلِأَبِيْهِ؟ قَالَ: لَا إِنَّ أَبِيْ مَاتَ وَهُوَ مُشْرِكٌ (جامع البيان فی تأويل القرآن، للطبری، ج۱۴ ص۵۱۷، رقم الحديث ۱۷۳۳۹، سورة التوبة)

ترجمہ: میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ رحم کرے، اس آدمی پر جو ابو ہریرہ اور اس کی ماں کے لیے استغفار کرے، میں نے کہا کہ ابو ہریرہ کے باپ کے لیے بھی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ نے فرمایا کہ نہیں، بے شک میرا باپ مشرک ہونے کی حالت میں فوت ہوا (تفسیر طبری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں کے مومن ہونے اور باپ کے مشرک ہونے کی وجہ سے ان کے لیے استغفار کرنے نہ کرنے میں فرق بیان فرمادیا، جس کی تائید دوسری روایات سے بھی ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] أخبرني أحمد بن محمد بن سلمة العنزي، ثنا عثمان بن سعيد الدارمي، ثنا عبد الله بن صالح، ثنا موسى بن علي بن رباح، قال: سمعت أبي، يقول: خرجت حاجا، فقال لي سليمان بن عنز قاضي أهل مصر: أبلغ أبا هريرة مني السلام، وأعلمه أني قد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہر حال مذکورہ نصوص سے معلوم ہوا کہ کفر و شرک کی حالت میں فوت ہونے والے کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں، خواہ وہ کسی کا کتنا ہی قریبی عزیز کیوں نہ ہو، بشرطیکہ کفر و شرک پر فوت ہونے کا یقین ہو، اس حکم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے نبیوں کے اقرباء بھی داخل ہیں، جس کی قرآن مجید اور صحیح احادیث میں تصریح آئی ہے۔

## سورہ غافر اور سورہ مدثر کا حوالہ

قرآن وسنت کے دلائل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفر و شرک کی حالت میں فوت ہونے والا آخرت میں نبی یا غیر نبی کی شفاعت کا مستحق نہ ہوگا، جس کی وجہ سے وہ جہنم کے دائمی عذاب سے نجات پانے کا اہل ہو۔

چنانچہ سورہ غافر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ** (سورة غافر، رقم الآية ١٨)

ترجمہ: نہیں ہوگا ظالموں کے لیے کوئی (گرم جوش) حمایتی اور نہ ہی کوئی شفاعت کرنے والا، جس کی مانی جائے (سورہ غافر)

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

استغفرت الغداة له ولأمه، فلقيته فأبلغته، قال :وأنا قد استغفرت له (المستدرك على الصحيحين، للحاكم، رقم الحديث ٨٥٥٨)

قال الذهبي في التلخيص: على شرط البخاري ومسلم.

أخبرنا المقرء ، نا موسى بن على ، عن أبيه ، قال :خرجت حاجا فأوصاني سليم بن عتر، وكان قاضيا لأهل مصر في ولاية عمرو بن العاص ومن بعده إلى أبي هريرة رضي الله عنه السلام ، وقال :إني استغفرت الغداة لأبيه ولأمه ، فلقيت أبا هريرة بالمدينة فأبلغته ، فقال :وأنا استغفرت الغداة له ولأهله ، ثم قال :كيف تركت أم خنور ؟ تريد مصر ، فدنوت من رفاعيتها وحالها ، فقال :أما إنها من أول الأرضين خرابا ، ثم على إثرها أرمينية قال :فقلت له :سمعت ذلك من رسول الله صلى الله عليه وسلم ؟ قال : أو من كعب ذو الكتابين (مسند إسحاق بن راهويه، ج ١ ص ٣٤٧، ما يروى، عن أبي إدريس وغيره، عن أبي هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم)

مذکورہ آیت میں ''ظالموں'' سے کفار مراد ہیں۔ [1]

اور سورہ مدثر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ . حَتّٰى أَتَانَا الْيَقِيْنُ . فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ (سورة المدثر، رقم الآيات ۴۶ الىٰ ۴۸)

ترجمہ: اور (کفار یہ بھی کہیں گے کہ) تھے ہم جھٹلاتے بدلے کے دن کو۔ یہاں تک کہ آ گیا ہمارے پاس یقین۔ پس نہیں نفع پہنچائے گی، ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت (سورہ مدثر)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آخرت میں کفار کو کسی کی شفاعت فائدہ نہیں پہنچا سکے گی۔ [2]

اس قسم کی نصوص سے ظاہر ہوتا ہے کہ آخرت میں کافروں کے لیے ایسی کوئی شفاعت نہیں ہوگی، جس کی وجہ سے کسی کافر کو دائمی جہنم کے عذاب سے نجات حاصل ہو جائے۔

---

[1] قلنا ليست هذه الآيات عامة فى كل ظالم والعموم لا صيغة له فلا تعم هذه الآيات كل من يعمل سوئا وكل نفس وإنما المراد بها الكافرون دون المؤمنين بدليل الأخبار الواردة فى ذلك وأيضا فإن الله تعالى أثبت شفاعة لأقوام ونفاها عن أقوام فقال فى صفة الكافرين "فما تنفعهم شفاعة الشافعين" وقال "ولا يشفعون إلا لمن ارتضى "وقال "ولا تنفع الشفاعة عنده إلا لمن أذن له" فعلمنا بهذه الجملة أن الشفاعة إنما تنفع المؤمنين دون الكافرين وقد أجمع المفسرون على أن المراد بقوله تعالى "واتقوا يوما لا تجزى نفس عن نفس شيئا ولا يقبل منها شفاعة "النفس الكافرة لا كل نفس .ونحن وإن قلنا بعموم العذاب لكل ظالم عاص فلا نقول إنهم مخلدون فيها بدليل الأخبار التى رويناها وبدليل قوله "ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء "(تفسير القرطبى، ج ا ص ۳۷۹، سورة البقرة)

[2] قال بن بطال أنكرت المعتزلة والخوارج الشفاعة فى إخراج من أدخل النار من المذنبين وتمسكوا بقوله تعالى فما تنفعهم شفاعة الشافعين وغير ذلك من الآيات وأجاب أهل السنة بأنها فى الكفار وجائت الأحاديث فى إثبات الشفاعة المحمدية متواترة ودل عليها قوله تعالى عسى أن يبعثك ربك مقاما محمودا والجمهور على أن المراد به الشفاعة وبالغ الواحدى فنقل فيه الإجماع ولكنه أشار إلى ما جاء عن مجاهد وزيفه وقال الطبرى قال أكثر أهل التأويل المقام المحمود هو الذى يقومه النبى صلى الله عليه وسلم ليريحهم من كرب الموقف ثم أخرج عدة أحاديث فى بعضها التصريح بذلك وفى بعضها مطلق الشفاعة(فتح البارى لابنِ حجر، ج ١١ ص ۴۲۶، قوله باب صفة الجنة والنار)

اور یہ حکم نبی اور غیر نبی سب کی شفاعت کے لیے مطلق ہے۔
اس کی تفصیل اور دلائل ہم نے ''شفاعۃٌ فی الاٰخرۃ'' سے متعلق اپنی دوسری تالیف میں ذکر کردیے ہیں۔ [1]

# اس فصل کا خلاصہ

اس فصل کا خلاصہ یہ نکلا کہ کفر وشرک کی حالت میں فوت ہونے والے کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں، اور کافر ومشرک آخرت میں بھی کسی کی ایسی شفاعت کا حق دار نہ ہوگا، جس کی وجہ سے وہ جہنم کے دائمی عذاب سے نجات پاجائے۔
اور قرآن وسنت کی ان نصوص میں یہ حکم مطلق اور عام ہے، جو نبی اور غیر نبی سب کی شفاعت کو شامل ہے، بلکہ بعض نصوص میں نبی کی تصریح بھی پائی جاتی ہے، اور ان نصوص کی خلاف ورزی اور ان پر زیادتی بعض فقہاء کے نزدیک ''خبرِ آحاد'' سے بھی جائز نہیں، چہ جائیکہ ایسی روایت یا روایات سے ان کی خلاف ورزی اور ان پر زیادتی کی جائے کہ جن کی اسناد بھی معتبر نہ ہوں، بلکہ ان کا ''ضعیف'' اسناد میں داخل ہونا بھی مشکل ہو، اور ان کو ''شدید ضعیف'' یا ''موضوع'' ہونے کی حیثیت حاصل ہو، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

**واللہ تعالیٰ اعلم.**

---

[1] اور یہ مضمون ''علمی وتحقیقی رسائل'' کا حصہ بن کر شائع ہوچکا ہے۔

(فصل نمبر 2)

## موت کے بعد توبہ اور دنیا میں لوٹنے کی اجازت نہ ملنا

اس کے بعد دوسری بات یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن وسنت کی رُو سے اصل اعتبار، انسان کے خاتمہ کی حالت کا ہوتا ہے، اور جو انسان اسلام یا کفر کی، جس حالت میں بھی فوت ہو، اللہ کے نزدیک اسی کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور دنیا سے وفات پا جانے پر توبہ کے دروازے بند ہوجاتے ہیں، اوراس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں ایمان یا اعمالِ صالحہ کو اختیار کرنے کی غرض سے دوبارہ لوٹنے کی اجازت اور مہلت نہیں ملتی، کیونکہ موت کے بعد بلکہ موت کے وقت عالمِ برزخ و عالمِ آخرت کا ہر شخص کو عینی مشاہدہ ہو جاتا ہے، اوراس کی حقیقت کو ہر مرنے والا تسلیم وقبول کر لیتا ہے، اوراس وقت کا ماننا، ایمان بالغیب نہیں کہلاتا، جو عنداللہ قابلِ قبول ہے۔

پس اسی وجہ سے حالتِ نزع میں اوراس کے بعد عینی مشاہدہ کی وجہ سے ایمان لانا عنداللہ قابلِ قبول نہیں۔

اس سلسلہ میں چند نصوص ملاحظہ فرمائیں۔

### سورہ بقرہ، سورہ آلِ عمران اور سورہ فاطر کا حوالہ

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ . خَالِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (سورة البقرة، رقم الآيات ١٦١، ١٦٢)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، اور مر گئے، اس حال میں کہ وہ کافر

تھے، یہی لوگ ہیں کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے، اور فرشتوں کی، اور تمام لوگوں کی۔
ہمیشہ رہیں گے یہ لوگ اس (لعنت اور اس کی وجہ سے عذاب) میں، نہیں ہلکا کیا
جائے گا، ان سے عذاب کو، اور نہ ہی ان کو مہلت دی جائے گی (سورہ بقرہ)

مذکورہ آیات میں لعنت اور دائمی عذاب میں مبتلا ہونے اور اس عذاب میں تخفیف نہ ہونے اور مہلت نہ ملنے کی وعید اُن لوگوں کے لیے وارِد ہوئی ہے، جو کفر کی حالت میں فوت ہوجائیں۔ [1]

سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدٰى بِهٖ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِيْنَ**(سورة آل عمران، رقم الآية، ۹۱)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، اور مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے، تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، ان میں سے کسی کی طرف سے زمین بھر کر سونے کو، اگرچہ وہ فدیہ دیں اس کا، یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے، اور نہیں ہوگا ان کے لیے کوئی مدد کرنے والا (سورہ آلِ عمران)

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ کفر کی حالت میں مرنے والوں کی طرف سے کفر کی وجہ سے ہونے والے عذاب کے بدلہ میں کوئی عوض معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، جس سے نجات و چھٹکارے کے لیے کوئی مددگار بھی نہ ہوگا۔ [2]

---

[1] (إن الذين كفروا وماتوا وهم كفار) حال (أولئك عليهم لعنة الله والملائكة والناس أجمعين) أى هم مستحقون ذلك فى الدنيا والآخرة والناس قيل عام وقيل المؤمنون (خالدين فيها) أى اللعنة والنار المدلول بها عليها (لا يخفف عنهم العذاب) طرفة عين (ولا هم ينظرون) يمهلون لتوبة أو لمعذرة (تفسير الجلالين، ص ۳۳، سورة البقرة)

[2] (إن الذين كفروا وماتوا وهم كفار فلن يقبل من أحدهم ملء الأرض) مقدار ما يملؤها (ذهبا ولو افتدى به) أدخل الفاء فى خبر إن لشبه الذين بالشرط وإيذانا بتسبب عدم القبول عن الموت على الكفر (أولئك لهم عذاب أليم) مؤلم (وما لهم من ناصرين) مانعين منه (تفسير الجلالين، ص ۷۹، سورة آل عمران)

سورہ فاطر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا کَذٰلِکَ نَجْزِیْ کُلَّ کَفُوْرٍ .وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ کُنَّا نَعْمَلُ أَوَلَمْ نُعَمِّرْکُمْ مَا یَتَذَکَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَکَّرَ وَجَائَکُمُ النَّذِیْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَصِیْرٍ**

(سورة فاطر، رقم الآيات ٣٦، ٣٧)

ترجمہ: اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ان کے لیے جہنم کی آگ ہے، نہیں قضاء آئے گی ان پر کہ وہ مر جائیں، اور نہیں ہلکا کیا جائے گا، ان سے اس (نارِ جہنم) کے عذاب کو، اسی طرح سے بدلہ دیتے ہیں ہم ہر کافر کو، اور وہ چلاّئیں گے اس (جہنم) میں، اے ہمارے رب! نکال دیجیے ہم کو، عمل کریں گے ہم نیک، اس کے علاوہ جو عمل کرتے تھے ہم (اللہ کی طرف سے جواب دیا جائے گا کہ) کیا نہیں عمر دی تھی، ہم نے تم کو اتنی کہ نصیحت حاصل کر لیتا، اس میں وہ، جو نصیحت حاصل کرتا، اور آیا تمہارے پاس ڈرانے والا، پس چکھو تم، پس نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار (سورہ فاطر)

مذکورہ آیات سے بھی معلوم ہوا کہ کافروں کو جہنم کا سخت عذاب دیا جائے گا، اور اس عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی اور ہر کافر کی سزا اسی نوعیت کی ہے اور کفار جہنم سے نکلنے کے لیے چیخ و پکار کریں گے اور اس سے نکل کر ایمان اور اعمالِ صالحہ کی تمنا کریں گے، لیکن ان کی اس بات کی شنوائی نہ ہوگی، اور نہ ہی ان کے لیے اس سلسلہ میں کوئی مددگار ہوگا۔ [1]

---

[1] (وهم يصطرخون فيها) يستغيثون بشدة وعويل يقولون (ربنا أخرجنا) منها (نعمل صالحا غير الذى كنا نعمل) فيقال لهم (أو لم نعمركم ما) وقتا (يتذكر فيه من تذكر وجاء كم النذير) الرسول فما أجبتم (فذوقوا فما للظالمين) الكافرين (من نصير) يدفع العذاب عنهم(تفسير الجلالين،ص ٥٧٦،سورة فاطر)

قرآن مجید کی اور بھی کئی آیات میں کفار سے عذاب کی تخفیف نہ ہونے اور ان کی مدد نہ کیے جانے اور مہلت حاصل نہ ہونے کا ذکر آیا ہے۔ [1]

## سورہ نساء، سورہ یونس اور سورہ مومنون کا حوالہ

سورہ نسآء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا . وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّيْ تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولٰٓئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا** (سورة النسآء، رقم الآيات ١٧، ١٨)

ترجمہ: بس توبہ (قبول کرنا) تو اللہ پر ان لوگوں کے لیے ہے، جنہوں نے عمل کیا برا، جہالت کی وجہ سے، پھر توبہ کر لیتے ہیں وہ قریب میں (یعنی موت کے حاضر ہونے سے پہلے) پس یہی لوگ ہیں کہ متوجہ ہوتا ہے، اللہ ان پر، اور ہے اللہ جاننے والا، حکمت والا۔ اور نہیں ہے توبہ ان لوگوں کے لیے، جنہوں نے برے اعمال کیے، یہاں تک کہ جب حاضر ہوگئی ان میں سے کسی کے پاس موت، تو کہا

---

[1] أُولٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ (سورة البقرة، رقم الآية ٨٦)

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ . وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَائَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ . وَأَلْقَوْا إِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ . الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ (سورة النحل، رقم الآيات ٨٥ الىٰ ٨٨)

وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِنَ الْعَذَابِ . قَالُوا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا بَلَى قَالُوا فَادْعُوا وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ (سورة غافر، رقم الآيات ٤٩، ٥٠)

اس نے کہ بے شک میں توبہ کرتا ہوں اب، اور نہ (ہی توبہ) ان لوگوں کے لیے ہے، جو مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے، یہی لوگ ہیں کہ تیار کر رکھا ہے، ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب کو (سورہ نساء)

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ نہ تو موت حاضر ہونے یعنی نزع کے وقت توبہ قبول کی جاتی اور نہ ہی کفر کی حالت میں فوت ہو جانے والوں کی توبہ قبول کی جاتی، بلکہ ان کے لیے عذابِ الیم، یعنی دردناک عذاب تیار ہے۔ [1]

سورہ یونس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَجَاوَزْنَا بِبَنِیْ إِسْرَائِیْلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَعَدْوًا حَتّٰی إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهٗ لَا إِلٰهَ إِلَّا الَّذِیْ آمَنَتْ بِهٖ بَنُوْ إِسْرَائِیْلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ. آلْآنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ (سورة یونس، رقم الآیات ۹۰، ۹۱)

ترجمہ: اور پار کر دیا ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے، پس پیچھا کیا ان کا فرعون اور اس کے لشکر نے، سرکشی اور زیادتی سے، یہاں تک کہ جب پالیا اس (فرعون) کو ڈوبنے نے، کہا اس (فرعون) نے کہ ایمان لایا میں، بلاشبہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے کہ ایمان لائے جس پر بنی اسرائیل، اور میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں (اللہ کی طرف سے جواب ملا کہ) اب (ایمان لایا) اور بلاشبہ نافرمانی کی تو نے اس سے پہلے، اور تھا تو فساد کرنے والوں میں سے (سورہ یونس)

---

[1] (إنما التوبة على الله) أى التى كتب على نفسه قبولها بفضله (للذين يعملون السوء) المعصية (بجهالة) حال أى جاهلين إذا عصوا ربهم (ثم يتوبون من) زمن (قريب) قبل أن يغرغروا (فأولئك يتوب الله عليهم) يقبل توبتهم (وكان الله عليما) بخلقه (حكيما) فى صنعه بهم (وليست التوبة للذين يعملون السيئات) الذنوب (حتى إذا حضر أحدهم الموت) وأخذ فى النزع (قال) عند مشاهدة ما هو فيه (إنى تبت الآن) فلا ينفعه ذلك ولا يقبل منه (ولا الذين يموتون وهم كفار) إذا تابوا فى الآخرة عند معاينة العذاب لا تقبل منهم (أولئك أعتدنا) أعددنا (لهم عذابا أليما) مؤلما (تفسير الجلالين، ص ۱۰۲، سورہ نساء)

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ ڈوبتے وقت جب نزع کا عالم تھا، فرعون نے توبہ کی تھی، لیکن اس وقت کی توبہ قبول نہیں کی گئی، جس کی وجہ دوسری آیات اور احادیث میں مذکور ہے کہ ''نزع'' کے وقت توبہ قبول نہیں کی جاتی۔ [1]

سورہ مومنون میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**حَتّٰی إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ .لَعَلِّیْ أَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا إِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ** (سورة المومنون، رقم الآیات ۹۹، ۱۰۰)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب آتی ہے ان میں سے کسی کے پاس موت، تو کہتا ہے کہ اے میرے رب! لوٹا دیجیے مجھے (دنیا کی طرف) تاکہ میں عمل کروں نیک، ان چیزوں میں، جن کو چھوڑ کر آیا میں (دنیا میں، اللہ کی طرف سے جواب ملتا ہے) ہرگز نہیں! بے شک یہ ایسا کلمہ ہے کہ یہ اس کا کہنے والا ہے، اور ان کے آگے برزخ ہے، اس دن تک کہ ان کو اٹھایا جائے گا (سورہ مومنون)

یعنی کافر کی طرف سے موت کے بعد دنیا میں واپس لوٹ کر برے اعمال کی جگہ نیک اعمال کرنے اور کفر کی جگہ ایمان لانے کی تمنا صرف ایک زبانی کلامی بات ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں، اور موت کے بعد برزخ ہے، جو ان کے لیے دنیا میں لوٹنے کے لیے آڑ ہے، ان کو اسی آڑ کے ورے رکھا جائے گا، اور واپس لوٹنے کی اجازت نہ ہوگی، یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔

بس جب تک کسی کے متعلق مذکورہ آیت سے استثناء کی معتبر نص نہ ہو، اس وقت تک اس حکم کو

---

[1] (وجاوزنا ببنی إسرائیل البحر فأتبعهم) لحقهم (فرعون وجنوده بغیا وعدوا) مفعول له (حتی إذا أدرکه الغرق قال آمنت أنه) أی بأنه وفی قراء ة بالکسر استئنافا (لا إله إلا الذی آمنت به بنوا إسرائیل وأنا من المسلمین) کرره لیقبل منه فلم یقبل ودس جبریل فی فیه من حمأة البحر مخافة أن تناله الرحمة وقال له(آلآن) تؤمن (وقد عصیت قبل وکنت من المفسدین) بضلالک وإضلالک عن الإیمان(تفسیر الجلالین، ص ۲۸۰، سورة یونس)

سب کافروں کے لیے عام رکھا جائے گا، خواہ کسی نبی کے عزیز وقریب کیوں نہ ہوں۔ [1]

سورہ مومنون میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُوْنَ .قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ** (سورة المومنون، رقم الآيات ١٠٧، ١٠٨)

ترجمہ: (کفار جہنم میں جانے کے بعد کہیں گے کہ) اے ہمارے رب! نکال دیجیے ہمیں اس (جہنم) سے، پس اگر ہم نے دوبارہ (یہی کفر) کیا، تو بے شک ہم ظالم ہوں گے۔ فرمائے گا (اللہ) کہ ذلیل ہوکر رہو تم اسی میں، اور نہ کلام کرو تم مجھ سے (سورہ مومنون)

---

[1] (لعلی أعمل صالحا) بأن أشهد أن لا إله إلا الله يكون (فيما تركت) ضيعت من عمرى أى فى مقابلته قال تعالى (كلا) أى لا رجوع (إنها) أى رب ارجعون (كلمة هو قائلها) ولا فائدة له فيها (ومن ورائهم) أمامهم (برزخ)حاجز يصدهم عن الرجوع (إلى يوم يبعثون) ولا رجوع بعده(تفسير الجلالين، سورة المومنون)

قوله: رب ارجعون إلخ كلمة هو قائلها لا محالة لا يخليها ولا يسكت عنها لاستيلاء الحسرة وتسلط الندم عليه فتقديم المسند إليه للتقوى أو هو قائلها وحده فالتقديم للاختصاص، ومعنى ذلك أنه لا يجاب إليها ولا تسمع منه بتنزيل الإجابة والاعتداد منزلة قولها حتى كأن المعتد بها شريك لقائلها، ومثل هذا متداول فيقول من كلمه صاحبه بما لا جدوى تحته: اشتغل أنت وحدك بهذه الكلمة فتكلم واستمع يعنى أنها مما لا تسمع منك ولا تستحق الجواب ، والكلمة هنا بمعنى الكلام كما فى قولهم: كلمة الشهادة وهى فى هذا المعنى مجاز عند النحاة، وأما عند اللغويين فقيل حقيقة، وقيل مجاز مشهور.

والظاهر أن كلا وما بعدها من كلامه تعالى، وأبعد جدا من زعم أن كلا من قول من عاين الموت وأنه يقول ذلك لنفسه على سبيل التحسر والندم ومن ورائهم أى أمامهم وقد مر تحقيقه، والضمير لأحدهم والجمع باعتبار المعنى لأنه فى حكم كلهم كما أن الافراد فى الضمائر الأول باعتبار اللفظ برزخ حاجز بينهم وبين الرجعة إلى يوم يبعثون من قبورهم وهو يوم القيامة، وهذا تعليق لرجعتهم إلى الدنيا بالمحال كتعليق دخولهم الجنة بقوله سبحانه: حتى يلج الجمل فى سم الخياط .وعن ابن زيد أن المراد من ورائهم حاجز بين الموت والبعث فى القيامة من القبور باق إلى يوم يبعثون، وقيل: حاجز بينهم وبين الجزاء التام باق إلى يوم القيامة فإذا جاء ذلك اليوم جوزوا على أتم وجه فإذا نفخ فى الصور لقيام الساعة وهى النفخة الثانية التى يقع عندها البعث والنشور(تفسير روح المعانى للآلوسى، ج٩ ص ٢٦٣، سورة المومنون)

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ کفار، عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد اس سے نکلنے اور دوبارہ کفر نہ کرنے کی خواہش کریں گے، لیکن اللہ کی طرف سے اس کی شنوائی نہ ہوگی اور اللہ، ان سے اس سلسلہ میں کلام بھی نہ کرے گا، چہ جائیکہ ان کو عذابِ جہنم سے نکلنے کی مہلت دی جائے۔

## سورہ اعراف کا حوالہ

سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِن قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَل لَّنَا مِن شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ قَدْ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (سورة الاعراف، رقم الآية ۵۳)

ترجمہ: نہیں انتظار کر رہے وہ، مگر نتیجہ کا، جس دن آئے گا، اس کا نتیجہ، کہیں گے، وہ لوگ جنہوں نے بھلا دیا تھا، اس (دن) کو، اس سے پہلے، کہ یقیناً لائے تھے ہمارے رب کے رسول، حق کو، تو کیا ہیں ہمارے لیے شفاعت کرنے والوں میں سے، جو شفاعت کریں، ہمارے لیے، یا لوٹا دیا جائے ہمیں، پھر عمل کریں ہم، اس کے علاوہ جو عمل (پہلے) کیا کرتے تھے ہم۔ یقیناً نقصان کیا انہوں نے اپنی ذات کا، اور بھٹک گیا ان سے وہ کہ جو یہ جھوٹ باندھتے تھے (سورہ اعراف)

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ کفار، اپنے لیے سفارشی طلب کریں گے، بصورتِ دیگر دنیا میں واپس لوٹ کر ایمان اور اعمالِ صالحہ کرنے کی تمنا کریں گے، لیکن ان کی اس طلب اور تمنا کو پورا نہیں کیا جائے گا۔

اور اس کی وجہ یہی ہے کہ دنیا دار العمل ہے، اس سے نکلنے اور چلے جانے کے بعد جب انسان قبر و برزخ اور آخرت کے حالات، کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ و معائنہ کر لیتا ہے، تو پھر ایمان

بالغیب نہیں رہتا، اس وقت تو ہر کافر ہی حقیقت کا اعتراف کرلے گا، لیکن یہ ایمان، عنداللہ قابلِ قبول نہیں۔ [1]

سورہ اعراف ہی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**إِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ. وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ** (سورة الأعراف، رقم الآية ۴۰)

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے تکذیب کی ہماری آیات کی، اور تکبر اختیار کیا، اُن (ہماری آیات) سے، نہیں کھولا جائے گا، ان کے لیے آسمان کے دروازوں کو، اور نہیں داخل ہوں گے وہ جنت میں، یہاں تک کہ داخل ہوجائے اونٹ، سوئی کے ناکے میں، اور اسی طریقہ سے بدلہ دیتے ہیں ہم مجرموں کو (سورہ اعراف)

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کا جنت میں داخل ہونا اسی طرح ممکن نہیں، جس طرح سوئی کے چھوٹے سے سوراخ میں اونٹ کا داخل ہونا ممکن نہیں، اور دوسری نصوص سے معلوم ہو چکا کہ اس سے وہ کافر مراد ہے، جس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہو۔ [2]

---

[1] (هل ينظرون) ما ينتظرون (إلا تأويله) عاقبة ما فيه (يوم يأتي تأويله) هو يوم القيامة (يقول الذين نسوه من قبل) تركوا الإيمان به (قد جاء ت رسل ربنا بالحق فهل لنا من شفعاء فيشفعوا لنا أو) هل (نرد) إلى الدنيا (فنعمل غير الذى كنا نعمل) نوحد الله ونترك الشرك فيقال لهم لا قال تعالى (قد خسروا أنفسهم) إذ صاروا إلى الهلاك (وضل) ذهب (عنهم ما كانوا يفترون) من دعوى الشريك (تفسير الجلالين، ص ۲۰۱، سوره اعراف)

[2] (إن الذين كذبوا بآياتنا واستكبروا) تكبروا (عنها) فلم يؤمنوا بها (لا تفتح لهم أبواب السماء) إذا عرج بأرواحهم إليها بعد الموت فيهبط بها إلى سجين بخلاف المؤمن فتفتح له ويصعد بروحه إلى السماء السابعة كما ورد فى حديث (ولا يدخلون الجنة حتى يلج) يدخل (الجمل فى سم الخياط) ثقب الإبرة وهو غير ممكن فكذا دخولهم (وكذلك) الجزاء (نجزى المجرمين) بالكفر (تفسير الجلالين، ص ۱۹۸، سوره يونس)

## سورہ انعام اور سورہ سجدہ کا حوالہ

سورہ انعام میں کافروں کے جہنم پر مطلع ہونے کے بعد دنیا میں لوٹائے جانے کی تمنا کرنے کا ذکر ہے، جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اجازت نہیں دی جائے گی۔ [1]

اسی طرح سورہ سجدہ میں مجرموں وکافروں کا رب تعالیٰ کے سامنے شرمسار ہوکر دنیا میں لوٹائے جانے اور نیک عمل کی تمنا کرنے کا ذکر ہے، جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ ملنے اور دائمی عذاب کا مزہ چکھنے کا ذکر ہے۔ [2]

## سورہ غافر، سورہ شوریٰ اور سورہ منافقون کا حوالہ

سورہ غافر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ . فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُوْنَ** (سورۃ غافر، رقم الآیات ۸۴، ۸۵)

ترجمہ: پھر جب دیکھا انہوں نے ہماری پکڑ کو، تو کہا انہوں نے کہ ایمان لائے ہم اللہ وحدہٗ پر، اور کفر کیا ہم نے ان چیزوں کا، جن کے ساتھ ہم شرک کیا کرتے تھے۔ پس نہیں نفع دیا اُن کو اُن کے ایمان نے، جب دیکھ لیا انہوں نے ہماری پکڑ کو، اللہ کی سنت وہی ہے، جو گزر چکی ہے اس کے بندوں میں، اور خسارہ پایا وہاں

---

[1] وَلَوْ تَرَى إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَالَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ. بَلْ بَدَا لَهُمْ مَا كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ (سورۃ الانعام، رقم الآیات ۲۷، ۲۸)

[2] وَلَوْ تَرَى إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُو رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ. وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ. فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا إِنَّا نَسِينَاكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (سورۃ السجدۃ، رقم الآیات ۱۲ الیٰ ۱۴)

کافروں نے (سورہ غافر)

اس سے معلوم ہوا کہ نزع کے وقت کافر کا ایمان لانا، اس لیے معتبر نہیں کہ اس وقت اللہ کی پکڑ کا عینی مشاہدہ ہو جاتا ہے اور ایمان بالغیب، جو عنداللہ قابلِ قبول ہے، وہ باقی نہیں رہتا۔ اللہ کی سنت یہی ہے۔

سورہ غافر ہی میں ایک مقام پر کافروں کا مرنے کے بعد وہاں سے نکلنے کے راستے کی تمنا کرنے کا بھی ذکر ہے۔ [1]

سورہ شوریٰ میں بھی کافروں کو عذاب دیکھنے کے وقت دنیا میں لوٹنے کے راستے کی تمنا کرنے کا ذکر ہے۔ [2]

اور سورہ منافقون میں موت کے وقت مہلت دیے جانے کی تمنا کرنے اور اللہ کی طرف سے موت کا وقت آ پہنچنے کے بعد مہلت نہ دیے جانے کا ذکر ہے۔ [3]

مذکورہ اور اس جیسی قرآنی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ مجرموں اور بالخصوص کافروں کا نزع کے وقت ایمان لانا اور توبہ کرنا معتبر وقبول نہیں ہوتا، مرجانے کے بعد تو کیا حیثیت؟

اور مرنے کے بعد کافروں کی طرف سے نہ تو دنیا میں لوٹ کر ایمان لانے کی خواہش وتمنا کو پورا کیا جاتا اور نہ کافروں کے عذاب میں تخفیف کی جاتی، اور نہ ہی ان کا کوئی حامی وناصر اور شفاعت کار ہوتا، اللہ کی سنت یہی ہے، اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مذکورہ صورتوں میں، وہ ایمان بالغیب نہیں ہوتا، جو عنداللہ قابلِ قبول ہے۔

---

[1] إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ مَقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ. قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ (سورة غافر، رقم الآيات ١٠، ١١)

[2] وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَلِيٍّ مِنْ بَعْدِهِ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَى مَرَدٍّ مِنْ سَبِيلٍ (سورة الشورىٰ، رقم الآية ٤٤)

[3] وَأَنْفِقُوا مِنْ مَا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ. وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (سورة المنافقون، رقم الآيات ١٠، ١١)

احادیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔

چند احادیث ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

## ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ٦١٦٠) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ، بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا ہے، جب تک نزع کی کیفیت طاری نہ ہو (مسند احمد)

یعنی جب روح حلق میں پہنچ جاتی ہے، اور موت کے آثار مرنے والے پر ظاہر ہو جاتے ہیں، مثلاً وہ ملک الموت کو دیکھ لیتا ہے، تو پھر توبہ قبول نہیں کی جاتی، پھر اس کے بعد جب فوت ہو جائے، تو توبہ قبول کیے جانے کا تو کوئی مطلب ہی نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اب توبہ، ایمان بالغیب کی بنیاد پر نہیں ہوتی۔ [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده حسن من أجل ابن ثوبان، وهو عبد الرحمن بن ثابت بن ثوبان العنسى الدمشقى، وبقية رجاله ثقات (حاشية مسند احمد)

[2] (إن الله يقبل توبة العبد) أى رجوعه إليه (ما لم يغرغر) أى تصل روحه حلقومه فيكون بمنزلة الشىء الذى يتغرغر به لأنه لم يعاين ملك الموت ولم ييأس من الحياة فتصح توبته بشروطها فإن وصل لذلك لم يعتد بها لقوله تعالى }وليست التوبة للذين يعملون السيئات {الآية ولأن من شرط التوبة العزم على ترك الذنب المكتوب عنه وعدم المعاودة عليه وذلك إنما يتحقق مع تمكن التائب منه وبقاء الأوان الاختيارى ذكره القاضى وكما أن من وصل لتلك الحالة لا تقبل توبته لا ينفذ نصرته وجزم الطيبى كالمظهر بصحة إيصائه ووصيته وتحليله ممنوع منهما كيف وقد عاين ملك الموت وليس من الحياة ومعاينته اليأس مثل الغرغرة ولذلك لم ينفع فرعون إيمانه حينئذ (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ١٩٢١)

## سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

**إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ** (بخاری، رقم الحديث ٦٦٠٧، كتاب القدر، باب: العمل بالخواتيم)

ترجمہ: بے شک بندہ جہنم والوں کا عمل کرتا ہے، حالانکہ وہ جنت والوں میں سے ہوتا ہے، اور بندہ جنت والوں کا عمل کرتا ہے، حالانکہ وہ جہنم والوں میں سے ہوتا ہے، اور بس اعمال کا دارومدار تو خاتموں پر ہوتا ہے (بخاری)

## انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَعْجَبُوا بِأَحَدٍ، حَتّٰى تَنْظُرُوا بِمَ يُخْتَمُ لَهُ** (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ١٢٢١٤)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کسی کی حالت سے تعجب نہ کرو، یہاں تک کہ تم یہ نہ دیکھ لو کہ اس کا کس چیز (یعنی ایمان یا کفر) پر خاتمہ ہوتا ہے (مسند احمد)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت حالتِ نزع کی توبہ قبول نہیں کی جاتی، اور جس حالت پر انسان کا خاتمہ ہوتا ہے، اور اس کو موت آتی ہے، خواہ ایمان پر ہو یا کفر پر، اللہ

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

کے نزدیک اسی کا اعتبار ہوتا ہے، اور اسی کے مطابق اس بندے کے ساتھ سلوک ہوتا ہے۔

## اس فصل کا خلاصہ

اس فصل کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ کی عادت وسنت یہ ہے کہ فوت ہونے کے بعد توبہ قبول نہیں کی جاتی، اور جس کی کفر پر موت آجائے، اس کو دوبارہ ایمان کی مہلت نہیں دی جاتی کیونکہ اس صورت میں ایمان بالغیب باقی نہیں رہتا، جس کا اللہ کی طرف سے مطالبہ ہے، اور کافر کو کفر کے باعث دائمی عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور اس کا کوئی حامی و ناصر اور مددگار اور شفاعت کار نہیں ہوتا۔

اور نصوص کا یہ حکم عام ہے، جس میں کسی نبی کے عزیز وقریب کا کوئی استثناء مذکور نہیں، لہٰذا جب تک ان نصوص کے مقابلہ میں کوئی معتبر نص کسی کے استثناء وتخصیص کی نہ پائی جائے، اس وقت تک اس میں کسی کا استثناء وتخصیص کرنا جائز نہ ہوگا۔

اور اس صورت میں ان نصوص کے مطابق ہی عقیدہ رکھنے کا حکم ہوگا، اور محض عقل وقیاس سے ان کی خلاف ورزی جائز نہ ہوگی، نہ ہی ضعیف اور اس سے بڑھ کر شدید ضعیف اور موضوع احادیث کو ان کے مقابلہ میں پیش کر کے حجت پکڑنا جائز ہوگا، جیسا کہ ان نصوص کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کیے جانے کی غیر مستند وغیر معتبر روایت سے حجت پکڑی جاتی ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

**واللہ تعالٰی اعلم.**

(فصل نمبر 3)

# ایمان کے بغیر آخرت میں نسب کا نافع نہ ہونا

اس کے بعد تیسری بات یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن وسنت کی بہت سی نصوص سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے بغیر محض نسب ورشتہ داری آخرت میں جہنم کے عذاب سے نجات کے لیے کام نہ آئے گی، البتہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کی برکت سے بعض رشتے آخرت میں فائدہ کا ذریعہ ہوں گے۔

اس سلسلہ میں چند نصوص ملاحظہ فرمائیں، جبکہ عزیز وقریب کافر ومشرک کے لیے استغفار و شفاعت کی اجازت نہ ہونے کی نصوص پہلے گزر چکی ہیں، ان سے بھی مذکورہ دعوے کی تصدیق ہوتی ہے۔

## سورہ مومنون، سورہ معارج اور سورہ عبس کا حوالہ

سورہ مومنون میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ (سورة المؤمنون، رقم الآية ١٠١)

ترجمہ: پھر جب پھونکا جائے گا صور میں، تو نہیں رہیں گے انساب ان (انسانوں) کے درمیان اس دن (سورہ مومنون)

قرآن مجید ہی میں دوسرے مقامات پر قیامت کے دن انسان کا اپنی اولاد، اپنے بھائی، اپنی ماں اور اپنے باپ وغیرہ سے راہِ فرار اختیار کرنے اور اعراض کرنے کا ذکر ہے۔

چنانچہ سورہ معارج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَا يَسْـأَلُ حَـمِيْـمٌ حَـمِيْـمًـا. يُبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَـذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ. وَصَاحِبَتِهٖ وَأَخِيْهِ. وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْوِيْهِ. وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ (سورة المعارج، رقم الآيات ١٠ الیٰ ١٤)

ترجمہ: اور (قیامت کے دن) نہیں پوچھے گا کوئی دوست کسی دوست کو (حالانکہ یہ سب) ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے، چاہے گا مجرم کہ وہ فدیہ میں دے، اس دن کے عذاب کے بدلہ اپنے بیٹے، اور اپنی صاحبہ اور اپنے بھائی کو، اور اپنے خاندان کو بھی، جس سے وہ پناہ پکڑتا تھا، اور ان سب لوگوں کو بھی جو کہ روئے زمین میں موجود تھے، پھر یہ (ان سب کے بدلہ) خود کو بچالے (سورہ معارج)

اور سورہ عبس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيْهِ. وَأُمِّهٖ وَأَبِيْهِ. وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ (سورة عبس، رقم الآيات ٣٤ الى ٣٦)

ترجمہ: جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے، اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹے سے (سورہ عبس)

مذکورہ اور اس جیسی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں محض نسب اور رشتہ داری کام نہ آئے گی، جب تک ایمان کی دولت نہ ہو۔

## سورہ ممتحنہ کا حوالہ

قرآن مجید کی سورہ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَنْ تَـنْـفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَآ أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (سورة الممتحنة، رقم الآية ٣)

ترجمہ: ہرگز نفع نہ پہنچائیں گے تم کو تمہارے کنبے اور نہ تمہاری اولاد، قیامت کے

دن، وہ (یعنی اللہ) فیصلہ کرے گا، تمہارے درمیان (تم میں سے ہر ایک کے عمل کے مطابق) اور اللہ ان چیزوں کو جو تم عمل کرتے ہو، خوب دیکھنے والا ہے (سورہ ممتحنہ)

مذکورہ آیت میں رشتہ داروں اور بالخصوص اولاد کے نفع نہ پہنچانے کی صراحت ہے۔

اس عموم میں نبی یا نبیوں کا کسی کی اولاد ہونا بھی داخل ہے۔ **الا ان یشاء اللّٰہ رب العالمین ، ولن یشاء اللّٰہ للکافرین ، کما ھو معلوم من القرآن الکریم۔**

## ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: "وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ" قَالَ: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا اِشْتَرُوْا أَنْفُسَكُمْ، لَا أُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ لَا أُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِيْ عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا أُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِيْنِيْ مَا شِئْتِ مِنْ مَالِيْ لَا أُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا** (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۲۷۵۳، کتاب الوصایا، باب هل یدخل النساء والولد فی الأقارب)

ترجمہ: جب یہ آیت نازل ہوئی کہ:

**وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ**

یعنی "اے رسول! اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے"

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، پھر فرمایا کہ اے قریش کے گروہ! یا

اسی جیسا کوئی اور جملہ فرمایا، تم اللہ کی اطاعت کر کے خود کو خرید لو (یعنی جہنم سے آزاد کرالو) کیونکہ اللہ کے مقابلہ میں، میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اے بنی عبدِ مناف! اللہ کے مقابلہ میں، میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اے عباس بن عبدالمطلب! اللہ کے مقابلہ میں، میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اور اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی! اللہ کے مقابلہ میں، میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اے فاطمہ بنتِ محمد! تم میرے سے مال کے بارے میں جو چاہو سوال کرو، مگر میں اللہ کے مقابلہ میں، تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

**لَمَّا أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ (وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ) دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشًا، فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَخَصَّ، فَقَالَ: يَا بَنِيْ كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ، أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِيْ مُرَّةَ بنِ كَعْبٍ، أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِيْ عَبْدِ شَمْسٍ، أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ، أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِيْ هَاشِمٍ، أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا فَاطِمَةُ، أَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّيْ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا** (مسلم، رقم الحديث ٢٠٤ "٣٤٨"، كتاب الايمان، باب فى قوله تعالى: وأنذر عشيرتك الأقربين)

ترجمہ: جب یہ آیت نازل ہوئی کہ:

**"وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ"**

یعنی "اے رسول! اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے"

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بلایا عام وخاص سب کو جمع کر کے فرمایا

کہ اے کعب بن لؤی کے قبیلہ والو! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ، اے عبدِ شمس کے قبیلہ والو! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ، اے عبدِ مناف کے قبیلہ والو! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ! اے ہاشم کے قبیلے والو! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ، اے بنی عبدالمطلب! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ، اے فاطمہ اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ، کیونکہ میں تمہارے لئے اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا مالک نہیں، سوائے اس کے کہ میں تمہارا رشتہ دار ہوں اور بحیثیتِ رشتہ داری کے میں تم سے صلہ رحمی کرتا رہوں گا (مسلم)

مذکورہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عام وخاص اعزہ واقربا کو خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ رشتہ داری کے صلہ رحمی والے تقاضے تو میں دنیا میں پورے کرتا رہوں گا۔ لیکن تمہیں جہنم سے اس وقت تک بچانے کے لیے کوئی کردار ادا نہیں کرسکتا، جب تک اللہ کی طرف سے حکم نہ ہو۔

اور یہ بات دوسری نصوص سے واضح ہے کہ اللہ کا حکم مومنوں کے حق میں شفاعت کی اجازت حاصل ہونے کا ہے، البتہ ابوطالب وغیرہ کے حق میں عذاب کی تخفیف کی شفاعت کا حق دیا جائے گا، لیکن کفروشرک کی وجہ سے جہنم کے دائمی عذاب سے اللہ کے فیصلے کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہیں ہوسکے گا۔ [1]

---

[1] سأبلها من بل الرحم من باب نصر إذا وصل أى سأصلها فى الدنيا ولا أغنى من الله شيئا كذا فى النهاية قلت أو بالشفاعة فى الآخرة أى ان آمنتم لكن الوصل المشهور هو وصل الدنيا لا وصل الآخرة واستعير البل لوصل الرحم لأن بعض الأشياء تتصل بالنداوة وتتفرق باليبس فاستعير البل للوصل واليبس القطيعة ببلالها فى القاموس بلال ككتاب الماء ويثلث وكل ما يبل به الحلق وفى المجمع البلال بكسر باء ويروى بفتحها قيل شبه القطيعة بالحرارة تطفأ بالماء وفى النهاية بالبلال جمع بلل وقيل هو كل ما بل الحلق من ماء أو لبن أو غيره والله تعالى أعلم قوله اشتروا أنفسكم أى خلصوها بطريقة من ربكم من عذابه (حاشية السندى على سنن النسائى، ج٦،ص ٢٤٩، كتاب الأحباس)

# ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: تَزْعُمُوْنَ أَنَّ قَرَابَتِیْ لَا تَنْفَعُ قَوْمِیْ، وَاللّٰهِ إِنَّ رَحِمِیْ مَوْصُوْلَةٌ فِی الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يُرْفَعُ لِیْ قَوْمٌ يُؤْمَرُ بِهِمْ ذَاتَ الْيَسَارِ، فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ: يَا مُحَمَّدُ، أَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ، وَيَقُوْلُ الْآخَرُ: أَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ، فَأَقُوْلُ: أَمَّا النَّسَبُ فَقَدْ عَرَفْتُ، وَلٰكِنَّكُمْ أَحْدَثْتُمْ بَعْدِیْ، وَارْتَدَدْتُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمُ الْقَهْقَرٰى** (مسند الإمام أحمد ،رقم الحديث۱۱۳۴۵) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ میری قرابت داری میری قوم کو فائدہ نہ پہنچا سکے گی، اللہ کی قسم! میری قرابت داری دنیا اور آخرت دونوں میں (ایمان کی بدولت) جڑی رہے گی اور قیامت کے دن میرے سامنے کچھ لوگوں کو پیش کیا جائے گا، جن کو بائیں طرف کے (یعنی ناکام) لوگوں میں شامل ہونے کا حکم ہوگا، تو ایک آدمی کہے گا کہ اے اللہ کے رسول! میں فلاں بن فلاں ہوں، اور دوسرا کہے گا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں، میں انہیں جواب دوں گا کہ تمہارا نسب تو میں پہچان چکا، لیکن میرے بعد تم نے دین میں نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں، اور تم الٹے پاؤں واپس ہو گئے تھے (اور میرے طریقے پر نہیں رہے تھے)

(مسند احمد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ:

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف لضعف شريک :وهو ابن عبد الله النخعي ولاضطرابه، وقد بينا ذلک مفصلا في الرواية ( 11138) ، أبو النضر :هو هاشم بن القاسم(حاشية مسند أحمد )

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَلٰى هَذَا الْمِنبَر :مَا بَالُ رِجَالٍ يَقُوْلُوْن :إِنَّ رَحِمَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْفَعُ قَوْمَهُ، بَلٰى وَاللّٰهِ إِنَّ رَحِمِيْ مَوْصُوْلَةٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَإِنِّيْ أَيُّهَا النَّاسُ فَرَطٌ لَكُمْ عَلَى الْحَوْضِ، فَإِذَا جِئْتُمْ قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ، وَقَالَ آخَرُ:أَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ، قَالَ لَهُم :أَمَّا النَّسَبُ فَقَدْ عَرَفْتُهُ، وَلَكِنَّكُمْ أَحْدَثْتُم بَعْدِيْ وَارْتَدَدْتُمُ الْقَهْقَرَى

(مسند أحمد ، رقم الحديث ۱۱۱۳۸)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اُن لوگوں کا کیا حال ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری اپنی قوم کو نفع نہیں دے گی؟ ہاں! اللہ کی قسم میری رشتہ داری دنیا اور آخرت میں (ایمان کی برکت سے) حاصل ہوگی، اور بے شک میں اے لوگو! تم سے پہلے حوضِ کوثر پر موجود ہوں گا، پس جب تم وہاں آ ؤ گے، تو کوئی آدمی کہے گا کہ اللہ کے رسول! میں فلاں ابنِ فلاں ہوں، اور دوسرا کہے گا کہ میں فلاں ابنِ فلاں ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو فرمائیں گے، تمہارا نسب تو میں پہچان چکا، لیکن میرے بعد تم نے دین میں نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں، اور تم الٹے پاؤں واپس ہو گئے تھے (لہٰذا میں تمہاری مدد نہیں کرسکتا) (مسند احمد)

مذکورہ حدیث کی سند معتبر ہے۔ [1]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:

صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف، حمزة بن أبي سعيد الخدري، قال الحافظ في "التعجيل :"لم يذكر فيه ابن أبي حاتم جرحا، ولا ذكروا له راويا غير ابن عقيل، ثم إن في الإسناد اضطرابا، فقد روى عن عبد الله بن محمد -وهو ابن عقيل بن أبي طالب- هنا، وفي الرواية الآتية برقم (11139) عن حمزة بن أبي سعيد، وروى عنه في الرواية

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ دین سے پھرنے اور کفر اختیار کرنے والوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخرت میں نسبی رشتہ کام نہ آئے گا، اور ایمان کے ساتھ ہو، تو کام آئے گا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الآتية برقم (11345) عن سعيد بن المسيب، وروى عنه عند أبى يعلى (1238) عن عبد الرحمن بن أبى سعيد، وعبد الله بن محمد هذا قال أبو زرعة :يختلف عنه فى الأسانيد، وقال ابن خزيمة :لا أحتج به لسوء حفظه، وقال أحمد :منكر الحديث، وقال ابن معين :ضعيف الحديث، وقال مرة :ليس بذاك، وقال الفلاس :الناس يختلفون عليه، وقال سفيان بن عيينة :كان ابن عقيل فى حفظه شىء ، أبو عامر :هو عبد الملك بن عمرو القيسى البصرى، وزهير :هو ابن محمد التميمى.

وأخرجه أبو يعلى (1238) عن أبى خيثمة زهير بن حرب، عن أبى عامر، بهذا الإسناد، إلا أن فيه عبد الرحمن بن أبى سعيد بدل حمزة.

وأخرجه الحاكم فى "المستدرك 4/74-75 "من طريق زهير بن محمد، به، قال الحاكم :هذا حديث صحيح الإسناد، ولم يخرجاه، ووافقه الذهبى!

وأخرجه الطيالسى (2221) عن عمرو بن ثابت، عن عبد الله بن محمد بن عقيل، به.

وأورده الهيثمى فى "مجمع الزوائد 10/364 "، ونسبه إلى أبى يعلى، وفاته أن ينسبه لأحمد، وقال :ورجاله رجال الصحيح غير عبد الله بن محمد بن عقيل، وقد وثق.

وسيأتى بالأرقام (11139) و (11345) و (11591).

وقسمه الأول وهو قوله عليه الصلاة والسلام" :إن رحمى موصولة فى الدنيا والآخرة." له شاهد من حديث عمر بن الخطاب أخرجه ابن سعد 8/463 عن أنس بن عياض الليثى، عن جعفر بن محمد، عن أبيه، عن عمر، مرفوعا، بلفظ" :كل نسب وسبب منقطع يوم القيامة إلا نسبى وسببى "، وإسناده منقطع، وأخرجه الحاكم 3/142من طريق جعفر بن محمد أيضا عن أبيه، عن جده على بن الحسين، عن عمر، به، وصححه الحاكم، فتعقبه الذهبى بقوله :منقطع.

وأخرجه الطبرانى فى "الكبير "(2635) من طريق جعفر بن محمد، عن أبيه، عن جابر، عن عمر .وهذا إسناد مضطرب، فالأول :عن محمد الباقر، عن عمر، والإسناد الثانى : عن محمد الباقر، عن أبيه على، عن عمر، والثالث :عن محمد الباقر، عن جابر، عن عمر.

وأخرجه الطبرانى (2633) عن جعفر بن محمد بن سليمان النوفلى، عن إبراهيم بن حمزة الزبيرى، عن عبد العزيز الدراوردى، عن زيد بن أسلم، عن أبيه، عن على، عن عمر .وجعفر بن محمد بن سليمان النوفلى لم نجد من ترجم له، وباقى رجال الإسناد رجال الصحيح.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

## مسور رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ

حضرت مسور رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأخرجه الطبرانی (2634) عن عبد الله بن أحمد بن حنبل، عن عبادة بن زياد الأسدی، عن يونس بن أبی يعفور، عن أبيه، عن ابن عمر، عن عمر .وإسناده ضعيف لضعف يونس بن أبی يعفور، فإنه يخطیء كثيرا.

وأخرجه الخطيب فی "تاريخه 6/182 "من طريقين عن إبراهيم بن مهران بن رستم المروزی، عن الليث بن سعد القيسی مولى بنی رفاعة، عن موسى بن علی بن رباح، عن أبيه، عن عقبة بن عامر الجهنی، عن عمر.

وأخرجه البيهقی فی "السنن 7/114 "من طريق سفيان بن وكيع بن الجراح، عن روح بن عبادة، عن ابن جريج، أخبره ابن أبی مليكة، عن حسن بن حسن، عن أبيه، عن عمر . وهذا إسناد ضعيف لضعف سفيان بن وكيع .

وقد زاد ابن كثير نسبته فی "التفسير "تفسير قوله تعالى :(فإذا نفخ فی الصور فلا أنساب بينهم يومئذ ولا يتساء لون) إلى البزار والهيثم بن كليب والضياء فی "المختارة."

وشاهد آخر من حديث ابن عباس أخرجه الطبرانی فی "الكبير "(11621) عن عيسى بن القاسم الصيدلانی البغدادی، عن عبد الرحمن بن بشر بن الحكم المروزی، عن موسى بن عبد العزيز العدنی، عن الحكم بن أبان، عن عكرمة، عنه، مرفوعا بلفظ " :كل سبب ونسب منقطع يوم القيامة إلا سببی ونسبی "أورده الهيثمی فی "المجمع" 9/173، وقال :ورجاله ثقات.

وأخرجه مطولا البزار (2363) ، وفی إسناده إسماعيل بن يحيى بن سلمة بن كهيل، وهو متروك.

وثالث من حديث المسور بن مخرمة، سيرد 4/323و332، وقد أورده الهيثمی فی "المجمع9/203 "، ونسبه إلى الطبرانی (20/"30") وقال :وفيه أم بكر بنت المسور، ولم يجرحها أحد، ولم يوثقها، وبقية رجاله وثقوا .قلنا :فاته أن ينسبه لأحمد.

ورابع لا يفرح به من حديث ابن عمر عند ابن عساكر فيما ذكره ابن كثير فی "التفسير"، وفی إسناده إبراهيم بن يزيد الخوزی، وهو متروك .فيتقوى الحديث بمجموع هذه الشواهد.

وقوله" :وإنی أيها الناس فرط لكم على الحوض ...الخ:"

له شاهد بنحوه من حديث أبی هريرة عند البخاری (6585) و (6586) ، بلفظ" :يرد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وَإِنَّ الْأَنْسَابَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَنْقَطِعُ غَيْرَ نَسَبِي، وَسَبَبِي، وَصِهْرِي

(مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۱۸۹۰۷) ؂۱

ترجمہ: بے شک قیامت کے دن تمام نسب ختم ہوجائیں گے، سوائے میرے نسب اور میرے سبب اور میرے سسرال کے (مسند احمد)

حضرت مسور کی اس حدیث کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ ؂۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

على يوم القيامة رهط من أصحابی، فيجلون عن الحوض، فأقول :يارب أصحابی، فيقول :إنک لا علم لک بما أحدثوا بعدک، إنهم ارتدوا على أدبارهم القهقرى."

وآخر من حديث ابن عباس، سلف برقم (2327) ، بلفظ" :أنا فرطكم على الحوض، فمن ورد أفلح، ويؤتى بأقوام، فيؤخذ بهم ذات الشمال، فأقول :أی رب، فيقال :ما زالوا بعدک يرتدون على أعقابهم."

وثالث من حديث ابن مسعود، سلف برقم (3639) ، وذكرنا هناک أن حديث الحوض من الأحاديث المتواترة، روى من حديث (57) صحابيا، ذكرهم الكتانی فی "نظم المتناثر "ص.151

قال السندی :قوله" :وإنی أيها الناس فرط لكم"، أی :متقدم عليكم أهيیء لكم ما تحتاجون إليه، أی :فرط لكم عموما، فكيف لا ينتفع بی قرابتی.

وقوله" :فإذا جئتم :"لبيان أنه يشترط فی ذلک البقاء على الإسلام، ولا ينفع بدونه. (حاشية مسند أحمد)

؂۱ قال شعيب الارنؤوط:

حديث صحيح دون قوله" :وإن الأنساب يوم القيامة تنقطع غير نسبی وسببی وصهری "فهو حسن بشواهده، وهذا إسناد ضعيف(حاشية مسندا حمد)

؂۲ عن المسور، أنه بعث إليه حسن بن حسن يخطب ابنته، فقال له :قل له فليقانی فی العتمة، قال :فلقيه فحمد الله المسور وأثنى عليه ثم قال :أما بعد، وايم الله ما من نسب ولا سبب ولا صهر أحب إلی من نسبكم وسببكم وصهركم، ولكن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال :فاطمة بضعة منی يقبضنی ما يقبضها ويبسطنی ما يبسطها، وإن الأنساب يوم القيامة تنقطع غير نسبی وسببی وصهری وعندک ابنتها ولو زوجتک لقبضها ذلک فانطلق عاذرا له (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۴۷۴۷)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد، ولم يخرجاه.

و قال الذهبی فی التلخيص: صحيح (مستدرک حاکم)

## عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ

اس طرح کی حدیث حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

## ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ

نیز اس طرح کی حدیث حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] عن عمر بن الخطاب، رضی الله عنه قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :كل نسب وسبب ينقطع يوم القيامة إلا نسبي وسببي وهذا الحديث قد رواه غير واحد عن زيد بن أسلم، عن عمر مرسلا، ولا نعلم أحدا قال :عن زيد، عن أبيه إلا عبد الله بن زيد وحده(مسند البزار، رقم الحديث ۲۷۴)

قال المحقق سعد بن ناصر بن عبد العزيز الشّثری:

هذا الحديث روی عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه من سبع طرق............

وعليه فالحديث بالنظر إلى كل طريق على حدة ضعيف أو شديد الضعف وبالنظر فی الطريقين الأولى والثانية يرتقي إلى درجة الحسن لغيره.

وبالنظر إلى مجموع الطرق الأخرى يكون صحيحا لغيره، والله أعلم.

وللحديث شاهد من حديث ابن عباس رضی الله عنهما أن النبی -صلى الله عليه وسلم- قال" :كل سبب ونسب منقطع يوم القيامة إلا سببی ونسبی."

رواه الطبرانی فی الكبير .(11621 :243 /11)

قال الهيثمی فی المجمع (176 /9)، رجاله ثقات.

ورواه الخطيب فی تاريخ بغداد .(271 /10)

ويشهد له أيضا حديث المسور بن مخرمة المتقدم برقم 3951))، واللفظة التی تشهد لهذا الحديث من حديث المسور فی درجة الصحيح لغيره كما سبق، والله أعلم(حاشية المطَالبُ العَالِيَةُ بِزَوَائِدِ المسَانيد الثّمَانِيَةِ، ج۱۶، ص۲۵۳، الیٰ ص۲۵۸، ملخصا، كتاب المناقب،باب فضل الأصهار والأختان رضی الله عنهم)

[2] حدثنا عبد الرحمن بن بشر بن الحكم، ثنا موسى بن عبد العزيز أبو شعيب العدنی، عن الحكم بن أبان، عن عكرمة، عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :كل سبب ونسب ينقطع إلا نسبی وسببی(حديث السراج،لمحمد بن إسحاق النيسابوری، ج۳ص۲۳۲،رقم الحديث۲۶۰۳،الجزء الحادی عشر من حديث أبی العباس محمد بن إسحاق بن إبراهيم بن مهران السراج رحمه الله)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس طرح کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری آخرت میں مفید ہوگی، مؤمن رشتہ داروں کے لئے تو مفید ہونا ظاہر ہے، اور جو مؤمن نہیں ہوگا، اُس کو یہ رشتہ داری مفید نہ ہوگی، البتہ یہ بات ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے باعث آپ کے بعض غیر مومن رشتہ داروں کے عذاب میں تخفیف کردی جائے، جیسا کہ ابوطالب کے بارے میں صحیح احادیث میں آیا ہے، لیکن اس کے باوجود کسی کافر ومشرک کو جہنم کے دائمی عذاب سے نجات حاصل نہ ہوگی، کیونکہ اس کے لئے قرآن وسنت کی واضح نصوص کی رو سے ایمان شرط ہے، اور کافر پر جنت کے حرام ہونے کا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اٹل فیصلہ ہے۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الالبانی:

أما حديث ابن عباس فيرويه موسى بن عبد العزيز العدنى حدثنى الحكم بن أبان عن عكرمة عن ابن عباس مرفوعا .أخرجه المخلص فى "سبعة مجالس (١/١٥١) " والطبرانى فى "المعجم الكبير(١/١٢٩/٣) "والخطيب فى "التاريخ (٢٧١/١٠) والهروى فى "ذم الكلام(١٠٨/٢) "والضياء فى "المختارة ." قلت :وهذا إسناد حسن فى الشواهد، فإن الحكم بن أبان صدوق عابد له أوهام. وموسى العدنى صدوق سيء الحفظ(سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٢٠٣٦)

[1] (كل نسب وصهر ينقطع يوم القيامة إلا نسبى وصهرى) قال المصنف :قيل معناه أن أمته ينسبون إليه وأمم سائر الأنبياء لا ينسبون إليهم وقيل ينتفع يومئذ بالنسبة إليه ولا ينتفع بسائر الأنساب ورجح بما ذكر فى سبب الحديث الآتى بيانه قال الطيبى : والنسب ما رجع إلى ولادة قريبة من جهة الآباء والصهر ما كان من خلطة تشبه القرابة يحدثها المتزوج وعلم بهذا الحديث ونحوه عظيم نفع الانتساب إليه عليه السلام ولا يعارضه ما فى أخبار آخر من حثه لأهل بيته على خشية الله واتقائه وطاعته وأنه لا يغنى عنهم من الله شيئا لأنه لا يملك لأحد نفعا ولا ضرا لكن الله يملكه نفع أقاربه فقوله لا أغنى عنكم شيئا أى بمجرد نفسى من غير ما يكرمنى الله به من نحو شفاعة ومغفرة فخاطبهم بذلك رعاية لمقام التخويف(فيض القدير شرح الجامع الصغير،تحت رقم الحديث ٦٣٦١)

# اس فصل کا خلاصہ

اس فصل کا خلاصہ یہ نکلا کہ آخرت میں ایمان کے بغیر محض رشتہ داری اور نسب کام نہ آئے گا، خواہ وہ کتنا قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو، اور یہ عمومی حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر مومن رشتہ داروں کو بھی شامل ہے، البتہ جس غیر مومن کے لیے عذاب میں تخفیف معتبر طریقہ سے ثابت ہو، جیسا کہ ابو طالب کے حق میں تو اس کو تسلیم کیا جائے گا، لیکن کسی غیر مومن کے لیے تخفیف دائمی عذابِ جہنم سے نجات کی شکل میں حاصل نہ ہوگی، پھر جس کا نصوص سے کفر وشرک پر خاتمہ ثابت ہوگا، اس کو کافر تسلیم کیا جائے گا اور جس کا ایمان پر خاتمہ ثابت ہو، اس کو مومن تسلیم کیا جائے گا، اور اسی کے مطابق عقیدہ رکھا جائے گا، اور بغیر کسی معتبر دلیل کے اس کے خلاف کو اختیار نہ کیا جائے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

(فصل نمبر 4)

# شانِ رسالت میں غلو ومبالغہ سے بچنے کا حکم

اس سلسلہ میں چوتھی بات یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن وسنت کی نصوص میں دین اور بالخصوص انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی شان میں غلو ومبالغہ کرنے کی ممانعت ومذمت کا ذکر آیا ہے، اور اسی غلو ومبالغہ کو پہلی قوموں کی گمراہی کا بڑا سبب قرار دیا گیا ہے، اور اس عظیم امت کو اس خطرناک گمراہی سے بچنے کے لیے خاص طور پر نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اپنی شان میں غلو ومبالغہ اختیار کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، اور اعتدال کو اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے، کیونکہ نبی آخر الزمان کا درجہ ومقام اور فضیلت بہت زیادہ ہے، اس لیے آپ کی عظمت وفضیلت کے پیشِ نظر، اس چیز کے بہت زیادہ خطرات تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو ومبالغہ کو اختیار کیا جائے، جیسا کہ آج کے دور میں بہت سے امتیوں نے یہ طرزِ عمل اختیار کر لیا ہے اور اعتدال کو نظر انداز کر دیا ہے، حالانکہ اعتدال ہی کو اختیار کرنے کا نام اصل دین ہے، اور یہی چیز باعثِ ہدایت ہے، اور اس کی خلاف ورزی بددینی اور باعثِ ضلالت ہے۔

اس سلسلہ میں چند نصوص ملاحظہ فرمائیں۔

## سورہ نساء کا حوالہ

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

**یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗٓ اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ**

وَرُوْحٌ مِّنْهُ، فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ،وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ،اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ، لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا .لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا (سورة النسآء، رقم الآيات ۱۷۱،۱۷۲)

ترجمہ: اے اہلِ کتاب! نہ غلو کرو تم اپنے دین میں اور نہ کہو تم اللہ کے متعلق، سوائے سچ کے، بس مسیح عیسٰی بن مریم، اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے، جسے بھیجا اس نے مریم کی طرف اور روح ہے اس کی طرف سے۔ پس تم ایمان لاؤ، اللہ اور اس کے رسولوں پر اور مت کہو کہ (معبود) تین ہیں، رک جاؤ اس سے (یہی) بہتر ہے تمہارے لئے۔ بس اللہ ہی یکتا معبود ہے، پاک ہے وہ، اس سے کہ اس کے لئے اولاد ہو، اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور کافی ہے اللہ، کارساز ہونے کے اعتبار سے۔ ہرگز عار نہیں رکھتا مسیح اس سے کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ ہی مقرّب فرشتوں کو (اس سے کوئی عار ہے) اور جو کوئی اس (یعنی اللہ) کی بندگی سے عار محسوس کرے اور تکبر کرے تو وہ (یعنی اللہ) ایسے تمام لوگوں کو عنقریب اپنے پاس جمع فرمائے گا (اور پھر ان سے باز پرس و مؤاخذہ فرمائے گا) (سورہ نساء)

معلوم ہوا کہ دین اور نبی کی شان میں غلو کرنا اور نبی کو اپنے درجہ سے بڑھانا گناہ اور منع ہے۔

## سورہ مائدہ کا حوالہ

سورہ مائدہ میں اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ

قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (سورة المائدة، رقم الآية ۷۷)

ترجمہ: کہہ دیجئے آپ کہ اے اہلِ کتاب! غلو نہ کرو تم، اپنے دین میں، ناحق اور نہ پیروی کرو تم، ان لوگوں کی خواہشوں کی جو گمراہ ہوئے، اس سے پہلے اور گمراہ کیا انہوں نے بہت سوں کو، اور گمراہ ہو گئے وہ سیدھے راستے سے (سورہ مائدہ)

اس سے معلوم ہوا کہ دین میں غلو کرنا اور خواہش پرست گمراہ لوگوں کی پیروی کرنا منع ہے، اور دین میں غلو کرنے والے گمراہ لوگ ہی ہیں۔

## ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَإِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالْغُلُوِّ فِي الدِّيْنِ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۵۱) [1]

ترجمہ: اور تم دین میں غلو پیدا کرنے سے بچو، پس تم سے پہلے لوگ دین میں غلو کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ دین میں غلو کرنا منع ہے، اور پہلے لوگ، دین میں غلو کرنے کی وجہ سے گمراہ اور ہلاک ہوئے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ نبی کا تعلق بھی دین سے ہوتا ہے، اس لیے نبی کی شان میں غلو کرنا بھی اس میں داخل ہے۔

## سورہ مائدہ کا ایک اور حوالہ

قرآن مجید کی سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

اِلٰهَيۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ط قَالَ سُبۡحٰنَکَ مَايَکُوۡنُ لِیۡٓ اَنۡ اَقُوۡلَ مَالَيۡسَ لِیۡ بِحَقٍّ ط اِنۡ کُنۡتُ قُلۡتُهٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَهٗ ط تَعۡلَمُ مَافِیۡ نَفۡسِیۡ وَلَآ اَعۡلَمُ مَافِیۡ نَفۡسِکَ ط اِنَّکَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ (سورة المائدة، رقم الآية ١١٦)

ترجمہ: اور جب فرمائے گا اللہ، اے عیسٰی ابنِ مریم! کیا تم نے کہا تھا لوگوں کو کہ تم بنالو مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود اللہ کے سوا، وہ کہیں گے پاک ہے تیری ذات، نہیں جائز تھا، میرے لئے یہ کہ میں کہوں، وہ بات جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے کہی ہو یہ بات تو یقیناً تو جانتا ہے، تو تُو جانتا ہے ہر اس بات کو جو میرے دل میں ہے اور میں ان باتوں کو نہیں جانتا، جو تیرے علم میں ہیں، بے شک تو ہی غیب کی سب باتوں کو خوب جاننے والا ہے (سورہ مائدہ)

معلوم ہوا کہ آخرت میں حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں غلو کرنے والوں سے خود حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی بیزاری کا اظہار فرما دیں گے، اسی طرح نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی شان میں غلو کرنے والوں سے یقیناً بیزاری کا اظہار فرما دیں گے۔

## سورہ اعراف کا حوالہ

سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلۡ لَا أَمۡلِکُ لِنَفۡسِیۡ نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَلَوۡ کُنۡتُ أَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ لَاسۡتَکۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَيۡرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوۡءُ إِنۡ أَنَا إِلَّا نَذِيۡرٌ وَّبَشِيۡرٌ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ (سورة الاعراف، رقم الآية ١٨٨)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں مالک نہیں ہوں، اپنی ذات کے لیے کسی نفع کا اور نہ نقصان کا، مگر جو چاہے اللہ، اور اگر میں غیب کا علم رکھتا، تو میں بہت سے فائدے حاصل کر لیتا اور نہ پہنچتی مجھے کوئی تکلیف، نہیں ہوں میں، مگر ڈرانے والا، اور

خوشخبری سنانے والا، ان لوگوں کے لئے جو مومن ہیں (سورہ اعراف)

معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنی ذات کے لیے بھی اللہ کے حکم کے بغیر نفع ونقصان کا اختیار نہیں ہوتا، پھر کسی دوسرے کے لئے کیونکر اختیار ہوگا، وہ دوسرا خواہ قریبی ہو یا دور کا۔

## انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا مُحَمَّدُ يَا سَيِّدَنَا وَابْنَ سَيِّدِنَا، وَخَيْرَنَا وَابْنَ خَيْرِنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِتَقْوَاكُمْ، لَا يَسْتَهْوِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ، وَاللّٰهِ مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي الَّتِي أَنْزَلَنِيَ اللّٰهُ

(مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٢٥٥١) [1]

ترجمہ: ایک مرتبہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا کہ اے محمد! اے ہمارے سردار ابنِ سردار! اے ہمارے خیر ابنِ خیر! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا کہ لوگو! تقویٰ کو اپنے اوپر لازم کرلو، شیطان تمہیں بہکا نہ دے، میں صرف محمد بن عبداللہ ہوں، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، اللہ کی قسم مجھے یہ چیز پسند نہیں ہے کہ تم مجھے اس مرتبہ سے بڑھا دو'' جو اللہ کے یہاں میرا مرتبہ ہے'' (مسند احمد)

معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شان میں غلو کرنا پسند نہ تھا، اور اللہ تعالیٰ نے جو مقام و مرتبہ اور جو شان آپ کو عطا فرمائی، اسی پر رکھنا پسند تھا۔

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

## طفیل بن سخبرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ

حضرت طفیل بن سخبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**أَنَّـهُ رَأٰی فِیْمَا یَرَی النَّائِمُ، کَأَنَّهُ مَرَّ بِرَهْطٍ مِّنَ الْیَهُوْدِ، فَقَالَ: مَنْ أَنْتُمْ؟ قَالُوْا: نَحْنُ الْیَهُوْدُ، قَالَ: إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الْقَوْمُ، لَوْلَا أَنَّكُمْ تَزْعُمُوْنَ أَنَّ عُزَیْرًا ابْنُ اللّٰهِ، فَقَالَتِ الْیَهُوْدُ: وَأَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْلَا أَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ مَاشَاءَ اللّٰهُ، وَشَاءَ مُحَمَّدٌ، ثُمَّ مَرَّ بِرَهْطٍ مِّنَ النَّصَارٰی، فَقَالَ: مَنْ أَنْتُمْ؟ قَالُوْا: نَحْنُ النَّصَارٰی، فَقَالَ: إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الْقَوْمُ، لَوْلَا أَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ، قَالُوْا: وَأَنْتُمُ الْقَوْمُ، لَوْلَا أَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ مَاشَاءَ اللّٰهُ، وَمَاشَاءَ مُحَمَّدٌ، فَلَمَّا أَصْبَحَ أَخْبَرَ بِهَا مَنْ أَخْبَرَ، ثُمَّ أَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْبَرَهُ، فَقَالَ: هَلْ أَخْبَرْتَ بِهَا أَحَدًا؟ قَالَ عَفَّانُ: قَالَ: نَعَمْ، فَلَمَّا صَلُّوْا، خَطَبَهُمْ فَحَمِدَ اللّٰهَ، وَأَثْنٰی عَلَیْهِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ طُفَیْلًا رَأٰی رُؤْیَا فَأَخْبَرَ بِهَا مَنْ أَخْبَرَ مِنْكُمْ، وَإِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ كَلِمَةً كَانَ یَمْنَعُنِی الْحَیَاءُ مِنْكُمْ، أَنْ أَنْهَاكُمْ عَنْهَا، قَالَ: لَا تَقُوْلُوْا: مَاشَاءَ اللّٰهُ، وَمَاشَاءَ مُحَمَّدٌ** (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۰۶۹۴) [1]

ترجمہ: حضرت طفیل بن سخبرہ نے خواب میں دیکھا کہ گویا کہ وہ کچھ یہودی لوگوں کے پاس سے گزرے، تو طفیل بن سخبرہ نے کہا کہ تم کون ہو؟ تو ان لوگوں نے جواب میں کہا کہ ہم یہودی ہیں، تو طفیل بن سخبرہ نے کہا کہ بے شک تم ایک قوم ہو، کاش کہ تم یہ عقیدہ نہ رکھو کہ عزیر، اللہ کے بیٹے ہیں؛ تو یہودیوں نے کہا کہ تم

[1] قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح، وهذا إسناد رجاله ثقات رجال الصحیح غیر صحابیه، فلم یرو له غیر ابن ماجه (حاشیة مسند احمد)

ایک قوم ہو، کاش کہ تم یہ نہ کہا کرو کہ **ماشاء اللہ وماشاء محمد** (یعنی جو اللہ چاہے، اور جو محمد چاہے) پھر طفیل بن سخبرہ کچھ نصاریٰ (یعنی عیسائی) لوگوں کے پاس سے گزرے، تو طفیل بن سخبرہ نے کہا کہ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ (یعنی عیسائی) ہیں؛ طفیل بن سخبرہ نے کہا کہ تم ایک قوم ہو، کاش کہ تم یہ نہ کہو کہ مسیح، اللہ کے بیٹے ہیں، انہوں نے جواب میں کہا کہ تم بھی ایک قوم ہو، کاش کہ تم یہ نہ کہا کرو کہ **ماشاء اللہ وماشاء محمد** (یعنی جو اللہ چاہے، اور جو محمد چاہے) پھر طفیل بن سخبرہ نے صبح ہونے پر بعض لوگوں کو اس خواب کی خبر دی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر، اس کی خبر دی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ نے اس خواب کی کسی کو خبر دی؟ عفان (راوی) کہتے ہیں کہ انہوں (طفیل) نے جواب دیا کہ جی ہاں، پھر جب لوگ نماز پڑھ چکے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، جس میں اللہ کی حمد وثناء بیان کی، پھر فرمایا کہ طفیل نے ایک خواب دیکھا ہے، جس کا تم میں سے بعض لوگوں سے ذکر بھی کیا ہے، اور بے شک تم ایک کلمہ ایسا کہتے ہو، کہ تمہاری طرف سے مجھے حیاء اس چیز سے مانع ہے کہ میں تم کو اس سے منع کروں، پھر فرمایا کہ تم **ماشاء اللہ وماشاء محمد** (یعنی جو اللہ چاہے اور جو محمد چاہے) نہ کہا کرو (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند نہ تھی کہ آپ کی مشیت کو اللہ کی مشیت کے ساتھ جوڑا جائے، کیونکہ اللہ کی مشیت کو نبی کی مشیت کے برابر درجہ میں نہیں رکھا جاسکتا، جیسا کہ پیچھے سورہ اعراف کے حوالہ سے بھی گزرا۔

## جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ:

رَأٰی رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّوْمِ أَنَّهُ لَقِيَ قَوْمًا مِّنَ الْيَهُوْدِ، فَأَعْجَبَتْهُ هَيْئَتُهُمْ، فَقَالَ: إِنَّكُمْ لَقَوْمٌ لَوْلَا أَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ فَقَالُوْا وَأَنْتُمْ قَوْمٌ لَوْلَا أَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ: مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ قَالَ: وَلَقِيَ قَوْمًا مِّنَ النَّصَارٰی، فَأَعْجَبَتْهُ هَيْئَتُهُمْ، فَقَالَ: إِنَّكُمْ قَوْمٌ لَوْلَا أَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ: اَلْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ، فَقَالُوْا وَأَنْتُمْ قَوْمٌ لَوْلَا أَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ: مَا شَاءَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ مُحَمَّدٌ، فَلَمَّا أَصْبَحَ قَصَّ ذٰلِكَ عَلَی النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُنْتُ أَسْمَعُهَا مِنْكُمْ فَتُؤْذُوْنِيْ، فَلَا تَقُوْلُوْا: مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۵۷۲۵، كتاب الحظر والاباحة، باب ما يكره من الكلام وما لا يكره) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں سے ایک صحابی نے خواب میں دیکھا کہ انہوں نے کچھ یہودی لوگوں سے ملاقات کی، تو ان صحابی کو ان کی حالت اچھی معلوم ہوئی، تو ان صحابی نے کہا کہ اگر تم عزیر کو اللہ کا بیٹا نہ کہو، تو تم اچھے لوگ ہو، انہوں نے جواب میں کہا کہ کاش کہ تم بھی یہ نہ کہا کرو کہ ماشاء اللہ وماشاء محمد (یعنی جو اللہ چاہے، اور جو محمد چاہے) پھر کچھ نصاریٰ (یعنی عیسائی) لوگوں سے ملاقات ہوئی، ان کی حالت بھی اچھی معلوم ہوئی، تو ان صحابی نے کہا کہ کاش تم مسیح کو اللہ کا بیٹا نہ کہا کرو، انہوں نے جواب میں کہا کہ تم بھی یہ نہ کہا کرو کہ ماشاء اللہ وماشاء محمد (یعنی جو اللہ چاہے، اور جو محمد چاہے) پھر جب صبح ہوئی، تو ان صحابی نے یہ خواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سے یہ جملہ سنتا ہوں، تو تم مجھے تکلیف پہنچاتے ہو، پس

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية صحيح ابنِ حبان)

تم ماشاء اللہ وماشاء محمد (یعنی جواللہ چاہے اور جو محمد چاہے) نہ کہا کرو

(ابنِ حبان)

اور ایک روایت کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَا تَقُوْلُوْا: مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ، قُوْلُوْا: مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ (مسند ابی یعلیٰ الموصلی، رقم الحدیث ۴۶۵۵، ج۸ص ۱۸۸، مسند عائشة) [1]

ترجمہ: تم ماشاء اللہ وماشاء محمد نہ کہو، بلکہ صرف یہ کہو کہ ماشاء اللہ (یعنی جو اللہ چاہے) (مسند ابو یعلیٰ)

مذکورہ روایات سے گزشتہ روایت کی مزید توضیح ہوگئی۔

## ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث کا حوالہ

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَاشَاءَ اللّٰهُ، وَشِئْتَ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَجَعَلْتَنِيْ وَاللّٰهِ عَدْلًا بَلْ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۸۳۹) [2]

ترجمہ: ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں، تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے مجھے اور اللہ کو برابر کر دیا، بلکہ آپ یہ کہو کہ ماشاء اللہ وحدہٗ (یعنی جو صرف اللہ چاہے) (مسند احمد)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ، قَالَ:

---

[1] قال الهيثمي: رواه أبو يعلى، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۱۹۰۱، باب لا يقال ما شاء الله وشاء غيره)

وقال حسين سليم اسد الدارانی: اسناده صحيح (حاشية ابی يعلیٰ)

[2] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

جَعَلْتَ لِلّٰهِ نِدًّا، مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ (الأدب المفرد للبخاری، رقم الحديث ۷۸۳، ص ۲۷۴، باب قول الرجل: ما شاء الله وشئت) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جو اللہ چاہیں اور آپ چاہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ نے مجھے اللہ کا شریک ٹھہرادیا، آپ یہ کہو کہ ماشاء اللہ وحدہٗ (یعنی جو صرف اللہ چاہے) (ادب المفرد)

مذکورہ روایات سے گزشتہ روایات کی اور زیادہ توضیح ہوگئی۔

## ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم: لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ أَحَدٌ إِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ، قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَلَا أَنْتَ؟ قَالَ: وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهِ، وَقَالَ: بِيَدِهِ فَوْقَ رَأْسِهِ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۱۴۸۶) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز کوئی بھی جنت میں (اپنے عمل کی بنیاد پر) اللہ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہوگا، ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ بھی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی، مگر یہ کہ ڈھانپ لے مجھے اللہ اپنی رحمت سے، اور یہ کہتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں کوئی بھی داخل نہ ہوگا، اور نبی صلی اللہ علیہ

---

[1] قال الألبانی: صحیح (حاشية الادب المفرد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف لضعف عطية العوفی (حاشية مسند احمد)

وسلم بھی جنت میں داخل ہونے کے لیے اللہ کی رحمت کے محتاج ہوں گے، پھر کسی دوسرے کی کیا مجال؟

یہی وجہ ہے کہ کافر، اللہ کی رحمت کا مستحق نہیں، لہٰذا وہ جنت میں داخل ہونے کا بھی مستحق نہیں، خواہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور کا کتنا قریبی کیوں نہ ہو، کیونکہ اللہ نے کافر پر جنت کو حرام قرار دے دیا ہے، اور کفر پر خاتمہ ہونے والے کو یہی حکم حاصل ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [1]

## عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا تُطْرُوْنِيْ، كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهٗ، فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ، وَرَسُوْلُهٗ (بخاری، رقم الحديث ٣٤٤٥، كتاب احاديث الانبياء، باب قول الله واذكر في الكتاب مريم إذ انتبذت من أهلها)

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو، جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کے بارے میں کیا، بس میں تو (اللہ کا) بندہ ہوں، تو تم (مجھے) اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو (بخاری)

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ محبت وعقیدت کا دعویٰ کیا، لیکن

---

[1] (إلا أن يتغمدني الله) أي :يسترني (منه برحمته) والاستثناء منقطع أي :إلا أن يلبسني لباس رحمته فأدخل الجنة برحمته،والتغمد الستر أي: يسترني برحمته ويحفظني كما يحفظ السيف بالغمد بكسر الغين، وهو الغلاف، ويجعل رحمته محيطة بي إحاطة الغلاف للسيف، وحاصل الحديث أن العمل المجرد لا ينفع وإنما يفيد إذا كان مقرونا بالفضل والرحمة، وقال الطيبي: أي النجاة من العذاب والفوز بالثواب لفضل الله ورحمته، والعمل غير مؤثر فيهما على سبيل الإيجاب بل غايته أنه يعد العامل لأن يتفضل عليه ويقرب الرحمة إليه(مرقاة المفاتيح، ج٤ص ١٦٤٤، كتاب اسماء الله تعالىٰ، باب رحمة الله )

چونکہ یہ محبت وعقیدت درحقیقت ''شریعت واطاعت'' کے عنصر سے خالی تھی، اس لئے انہوں نے مبالغہ کر کے نعوذ باللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''اللہ کا بیٹا'' بنادیا اور نبی کی محبت وعقیدت، اس غلو اور مبالغہ کے نتیجے میں شرک کا ذریعہ بن گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس خطرناک انجام سے پہلے ہی قدم پر آگاہ فرمادیا، اور اپنی امت کو اس طرزِ عمل کے اختیار کرنے سے منع فرمادیا۔

## اس فصل کا خلاصہ

اس فصل کا خلاصہ یہ نکلا کہ قرآن مجید کی کئی آیات واحادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے اندر اور انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام، بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو ومبالغہ کرنا جائز نہیں، بلکہ سخت گمراہی کا باعث ہے، اور انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے درجہ سے بڑھانا درست نہیں۔

لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق اور اپنے اعزہ واقرباء کے متعلق جو حکم بیان فرمادیا، اس کو تسلیم کر لینا ہی اعتدال کو اختیار کرنا اور غلو ومبالغہ سے بچنا کہلائے گا، اور اس کو نظر انداز کر کے محض عقیدت ومحبت کی خاطر اس میں غلو ومبالغہ کرنا درست اور رَوانہ ہوگا، جیسا کہ بعض لوگوں نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

(فصل نمبر 5)

# استغفار و شفاعةُ النبی لأبوی النبی

## سے متعلق احادیث وروایات

اس کے بعد عرض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، شرک کی حالت میں فوت ہوئے، یا توحید کی حالت میں، یا پھر زمانۂ فترت میں فوت ہونے کی وجہ سے توحید کے مکلّف تھے یا نہیں، یا پھر ان کی وفات کے بعد ان کو دوبارہ دنیا میں زندہ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی سعادت عطاء فرمائی گئی یا نہیں؟

اس میں علمائے کرام کا اختلاف ہے، اور اس میں اہلِ علم حضرات کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، جن میں سے ایک قول کفر کی حالت میں فوت ہونے اور اس کی وجہ سے عذابِ جہنم کے مستحق ہونے کا ہے، جمہور متقدمین کا یہی قول ہے، بعض نے اس پر متقدمین کے اجماع کا بھی حکم لگایا ہے، معتبر احادیث ونصوص سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق دوسرا قول توحید یا پھر فترَت کی حالت میں فوت ہونے کی وجہ سے ناجی ہونے یا فوت ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر ایمان قبول کیے جانے اور اس کی وجہ سے کفر وشرک کے عذاب سے محفوظ ہونے کا ہے، اور تیسرا قول اس سلسلہ میں سکوت اختیار کرنے کا ہے، پھر ان اقوال میں سے بعض نے بعض کو اور بعض نے بعض کو اپنے اپنے طور پر راجح قرار دینے کی کوشش کی ہے، اور اس موضوع پر مختلف رسائل ومضامین تحریر وتصنیف کیے ہیں، لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ اس چیز کا تعلق عقیدے سے ہے، جس میں محض عقلی وقیاسی طولِ لاطائل بحث کافی نہیں، بلکہ اس کے لیے قرآن وسنت کی معتبر نصوص کی

ضرورت ہوتی ہے۔

اس لیے پہلے اس سلسلہ میں چند نصوص ملاحظہ فرمائیں، جس کے بعد اس سلسلہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ اہلِ علم حضرات کے اقوال اور راجح قول کا ذکر کیا جائے گا، اور جو قول نصوصِ صحیحہ سے مؤید اور اہلُ السنہ والجماعۃ کے مسلّمہ قواعدِ شرعیہ اور خود جمہور اہلُ السنۃ کے موقف کے موافق ہوگا، اس کی ان شاء اللہ تعالیٰ نشاندہی کی جائے گی۔ [1]

## بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت

امام احمد اپنی ''مسند'' میں روایت کرتے ہیں کہ:

حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ جَابِرٍ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِوَدَّانَ قَالَ: مَكَانَكُمْ حَتّٰى آتِيَكُمْ، فَانْطَلَقَ، ثُمَّ جَائَنَا وَهُوَ ثَقِيلٌ فَقَالَ: إِنِّي أَتَيْتُ قَبْرَ أُمِّ مُحَمَّدٍ،

---

[1] قد قال الإمام الأعظم والهمام الأقدم فی كتابه المعتبر المعبر ب الفقه الأكبر ما نصه:
"ووالدا رسول الله صلى الله عليه وسلم ماتا على الكفر"
فقال شارحه: هذا رد على من قال بأن والدى رسول الله صلى الله عليه وسلم ماتا على الإيمان. وعلى من قال ماتا على الكفر ثم رسول الله صلى الله عليه وسلم دعا الله لهما فأحياهما الله وأسلما ثم ماتا على الإيمان.
فأقول وبحوله أصول إن هذا الكلام من حضرة الإمام لا يتصور فی هذا المقام لتحصيل المرام إلا أن يكون قطعی الدراية لا ظنی الرواية لأنه فی باب الإعتقاد لا يعمل بالظنيات ولا يكتفی بالآحاد من الأحاديث الواهيات والروايات الوهميات إذ من المقرر والمحرر فی الأصل المعتبر أنه ليس لأحد من أفراد البشر أن يحكم على أحد بأنه من أهل الجنة ولا بأنه من أهل العقوبة إلا بنقل ثبت بنص من الكتاب أو تواتر من السنة أو إجماع علماء الأمة بالإيمان المقرون بالوفاة أو بالكفر المنضم إلى آخر الحياة.
فإذا عرفت ذلک فنستدل على مرام الإمام بحسب ما أطلعنا عليه فی هذا المقام بالكتاب والسنة واتفاق أئمة الأنام(أدلة معتقد أبی حنيفة فی أبوی الرسول عليه الصلاة والسلام، للملا العلی القاری، ص ٦٢ الیٰ ٦٤، عبارة الإمام أبی حنيفة والتعليق عليها)

فَسَأَلْتُ رَبِّي الشَّفَاعَةَ فَمَنَعَنِيهَا (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ٢٣٠١٧) [1]

ترجمہ: ہم سے حسین بن محمد نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ایوب بن جابر نے حدیث بیان کی، وہ سماک سے روایت کرتے ہیں، وہ قاسم بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں، وہ ابنِ بریدہ سے روایت کرتے ہیں، وہ اپنے والد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلا، جب ہم ودّان (نامی قریہ) کے قریب پہنچے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہیں ٹھہرے رہو، میں ابھی تمہارے پاس آ تا

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:

حديث صحيح، وهذا إسناد ضعيف من أجل أيوب بن جابر -وهو ابن سيار اليمامي الكوفي-، فهو ضعيف. حسين بن محمد: هو ابن بهرام المروذى، وسماك: هو ابن حرب، والقاسم بن عبد الرحمن، هو ابن عبد الله بن مسعود الهذلي، وابن بريدة: هو سليمان كما يدل عليه صنيع ابن حجر، فقد ذكر الحديث في ترجمته من "أطراف المسند609-1/608 "، و"إتحاف المهرة.2/545 "

وأخرجه البزار (96) من طريق عبد الله بن الوزير الطائفي، عن محمد بن جابر، عن سماك بن حرب، بهذا الإسناد. ولفظه: قال -يعني بريدة:- كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا كنا بودان -أو بالقبور-، سأل الشفاعة لأمه، أحسبه قال: فضرب جبريل صدره وقال: لا تستغفر لمن مات مشركا، فرجع وهو حزين.

ومحمد بن جابر -وهو ابن سيار الحنفي الكوفي أخو أيوب بن جابر- ضعيف أيضا (حاشية مسند احمد)

وقال الالباني:

وأيوب هذا ضعيف, لكن تابعه سفيان(إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل،للألباني،رقم الحديث ١٧٧،كتاب الجنائز)

معلوم ہوا کہ مذکورہ حدیث صحیح ہے، لیکن خاص اس روایت کی سند ضعیف ہے، ایوب بن جابر کی وجہ سے، اور بزّار کی روایت میں محمد بن جابر ضعیف راوی ہیں، لیکن بریدہ رضی اللہ عنہ کی آگے آنے والی تیسری روایت میں، جو "مسندِ امام ابی حنیفہ" میں ہے، یہ دونوں، راوی (یعنی ایوب بن جابر، اور محمد بن جابر) موجود نہیں، اس لیے مذکورہ روایت کے معتبر ہونے میں شبہ نہیں ہونا چاہیے، بالخصوص جبکہ اس کی تائید دیگر کئی احادیث و روایات سے ہوتی ہو، جیسا کہ آگے آتا ہے، اسی وجہ سے شعیب الارنؤوط صاحب نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ اوپر کی عبارت میں گزرا۔ محمد رضوان خان۔

ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، پھر ہمارے پاس واپس تشریف لائے، اور اس وقت آپ کی طبیعت پر بوجھ تھا (یعنی آپ غمگین تھے) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں محمد کی والدہ (آمنہ) کی قبر پر حاضر ہوا تھا، پھر میں نے اپنے رب سے (ان کے لیے) شفاعت کا سوال کیا، تو میرے رب نے مجھے شفاعت سے منع فرمادیا (مسند احمد)

''وَدّان'' دراصل مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے درمیان ایک قریہ وآبادی کا نام ہے، جو ''مقامِ ابواء'' میں ''جحفة'' کے قریب واقع ہے۔

اور جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی قبر کو ''حجون'' میں بتلایا، وہ درست نہیں، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک غیر معتبر روایت میں اس کا ذکر ہے، اور وہ روایت آگے آتی ہے۔ [1]

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے لیے شفاعت سے منع کر دیا گیا تھا، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعی طور پر رنج وغم ہوا تھا۔

---

[1] قوله(بالأبواء) بفتح الهمزة والمد -و (ودان) - بفتح الواو وتشديد الدال المهملة -مكانان بين مكة والمدينة،و ودان قرية جامعة قريبة من الجحفة(شرح الطيبي على مشكاة المصابيح، ج۶،ص ۲۰۳۲، كتاب المناسک،باب المحرم يجتنب الصيد،الفصل الأول)

(بالأبواء) بالفتح ثم السكون وواو وألف ممدودة، سميت بها لتبوأ السيول بها، وقيل :لأنهم تبوأوا بها منزلا، وهي قرية من أعمال الفرع من المدينة بينها وبين الجحفة مما يلي المدينة ثلاثة وعشرون ميلا، وقيل :الأبواء جبل على يمين آرة ويمين الطريق للمصعد إلى مكة من المدينة، وقد جاء ذكره في حديث الصعب بن جثامة وغيره.

وبالأبواء قبر آمنة بنت وهب أم النبي -صلى الله عليه وسلم .-وكان السبب في دفنها هناک أن عبد الله والد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -كان قد خرج إلى المدينة يمتار تمرا، فمات بالمدينة، فكانت زوجته آمنة بنت وهب بن عبد مناف بن زهرة تخرج في كل عام إلى المدينة تزور قبره، فلما أتى على رسول الله -صلى الله عليه وسلم -ست سنين خرجت زائرة لقبره، ومعها عبد المطلب وأم أيمن حاضنة رسول الله -صلى الله عليه وسلم .-فلما صارت بالأبواء منصرفة إلى مكة ماتت بها، ويقال :إن أبا طالب زار أخواله بني النجار بالمدينة، وحمل معه آمنة أم رسول الله -صلى الله عليه وسلم -، فلما رجع منصرفا إلى مكة ماتت آمنة بالأبواء(بذل المجهود في حل سنن أبي داود، ج۷،ص ۲۰۸،كتاب المناسک،باب المحرم يغتسل)

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، اللہ تعالیٰ کے اٹل فیصلے کو قبول فرمایا اور امت کو اس سے آگاہ فرمایا۔

لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیان کردہ اس حکم کو قبول وتسلیم کر لینے میں ہی عافیت ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں محبت وعقیدت وغیرہ کی بنیاد پر اس کے قبول کرنے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف سمجھنا، اور اس سے بڑھ کر بے ادبی وگستاخی قرار دینا درست ومعتدل طرزِ عمل کہلائے جانے کا مستحق نہیں۔

## بریدہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو امام بزار نے بھی اپنی مسند میں روایت کیا ہے، جس میں درج ذیل الفاظ ہیں:

**حَدَّثنا سَلَمَة بْنِ شَبِيْب، قَال: حَدَّثَنَا عَبدُ اللّٰهِ بْنُ الوَزِيْر الطائفی، قَال: حَدَّثنا مُحَمَّدِ بْنُ جَابِرٍ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبدِ الرَّحْمٰنِ، عَن ابْنِ بُرَيْدة، عَن أَبِيْهِ، رَضِي اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم، حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِوَدَّانَ، أَوْ بِالْقُبُوْرِ، سَأَلَ الشَّفَاعَةَ لِأُمِّهِ، أَحْسَبُهُ قَال: فَضَرَبَ جِبْرِيْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم صَدْرَهُ، وَقَالَ: لَا تَسْتَغْفِرْ لِمَنْ مَاتَ مُشْرِكًا، فَرَجَعَ، وهُوَ حَزِيْنٌ** (مسند البزار، رقم الحديث ۴۴۵۳)[1]

---

[1] قال الهيثمی:

رواه البزار، وقال: لم يروه بهذا الإسناد إلا محمد بن جابر عن سماک بن حرب.

قلت: ولم أر من ذكر محمد بن جابر هذا (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۵۸، باب فی اهل الجاهلية)

قلت:

و قد مرّ الكلام على هٰذا السند. محمد رضوان خان.

ترجمہ: ہم سے سلمہ بن شبیب نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ بن وزیر طائفی نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن جابر نے حدیث بیان کی، وہ سماک بن حرب سے روایت کرتے ہیں، وہ قاسم بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں، وہ ابنِ بریدہ سے روایت کرتے ہیں، وہ اپنے والد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، جب ہم ''ودان'' (نام کے مقام) یا قبروں کے قریب پہنچے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اللہ تعالیٰ سے) اپنی والدہ (آمنہ) کے لیے شفاعت کا سوال کیا، تو جبریلِ امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ جو مشرک ہونے کی حالت میں فوت ہو جائے، اس کے لیے آپ استغفار مت کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبریلِ امین کی یہ بات سن کر، غمگین ہونے کی حالت میں لوٹے'' (مسند بزار)

مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ، آمنہ کی قبر ''ودان'' نامی قریہ میں تھی، اور ان کا انتقال مشرک ہونے کی حالت میں ہوا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بواسطہ جبریلِ امین، ان کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت واستغفار کرنے سے منع فرما دیا گیا تھا، اور اس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج وغم ہوا تھا۔

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جذبات کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کو دل سے قبول ومنظور فرمایا، اور اس پر کسی بھی قسم کا اعتراض یا اس پر کسی طرح کے شبہ کا اظہار نہیں فرمایا۔

## بریدہ رضی اللہ عنہ کی تیسری روایت

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ''مسندِ امام ابی حنیفۃ'' میں بھی امام ابوحنیفہ رحمہ

اللہ کی سند سے مروی ہے، جس میں یہ مضمون آیا ہے کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ سے اپنی والدہ (آمنہ) کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی، جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت عطاء فرمادی گئی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، آپ کے ساتھ بعض مسلمان بھی گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی والدہ آمنہ کی) قبر کے قریب پہنچے، آپ کے ساتھ موجود مسلمان تو یہیں ٹھہر گئے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے، جہاں بہت دیر تک ٹھہرے رہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت کے ساتھ رونا شروع کیا، یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے ہیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، اور آپ (اس وقت بھی) رو رہے تھے، پس آپ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کس لیے رو رہے ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے (رب تعالیٰ سے) اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی، جس کی مجھے اجازت دے دی گئی، اور میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کی شفاعت کی اجازت طلب کی، تو مجھے اللہ نے اس سے انکار فرمادیا، پس مجھے اپنی والدہ پر رحم کی وجہ سے رونا آیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم کی وجہ سے مسلمانوں کو بھی رونا آیا'' [1]

---

[1] حدثنا محمد بن إبراهيم، ثنا إسحاق بن إبراهيم، ثنا إسماعيل بن محمد الفسوی، ثنا مکی بن إبراهيم، حدثنا أبو حنيفة، عن علقمة بن مرثد، عن ابن بريدة، عن أبيه، قال: استأذن النبی صلی الله عليه وسلم فی زيارة قبر أمه فأذن له، فانطلق معه المسلمون حتی انتهی إلی قريب من القبر، فمكث المسلمون ومضی النبی صلی الله عليه وسلم إلی قبرها فمكث طويلا، ثم اشتد بكاؤه حتی ظننا أنه سكت، فأقبل وهو يبكی، فقال له عمه: ما أبكاک يا نبی الله بأبی أنت وأمی؟ فقال: استأذنت فی زيارة قبر أمی فأذن لی، واستأذنته فی الشفاعة فأبی علی فبكيت رحمة لها "فبكی المسلمون رحمة للنبی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ’’شرح مسند ابی حنیفة‘‘ میں فرمایا کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے لیے شفاعت کی اجازت نہ ملنے کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ:

’’إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ‘‘

’’بے شک اللہ نہیں مغفرت فرماتا، اس کی کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ، اور مغفرت فرما دیتا ہے، اس کے علاوہ کی، جس کے لیے چاہتا ہے‘‘

اور اس حدیث میں صاف دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کفر کی حالت میں فوت ہوئیں، جس کی وجہ سے وہ جہنم میں داخل ہوں گی، یہی عقیدہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے، جس کا انہوں نے ’’الفقه الاکبر‘‘ میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر کی حالت میں فوت ہوئے۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صلی الله علیه وسلم(مسند الإمام أبی حنیفة ،بروایة أبی نعیم،ص ۱۴۹ ،باب العین، روایته، عن علقمة بن مرثد، کوفی تابعی، روی عن ابن عمر سمع عطاء، وسلیمان بن بریدة، روی عنه الثوری، وشعبة مات فی ولایة خالد الفسوی)

عن علقمة، عن ابن بریدة، عن أبیه، قال: خرجنا مع النبی صلی الله علیه وسلم فی جنازة، فأتی قبر أمه، وهو یبکی أشد البکاء، حتی کادت نفسه تخرج من بین جنبیه، قال: قلنا: یا رسول الله، ما یبکیک؟ قال: استأذنت ربی فی زیارة قبر أم محمد، فأذن لی، واستأذنته فی الشفاعة فأبی علی ، وفی روایة، قال: " استأذن النبی صلی الله علیه وسلم فی زیارة قبر أمه، فأذن له، فانطلق وانطلق معه المسلمون حتی انتهوا إلی قریب من القبر، فمکث المسلمون، ومضی النبی صلی الله علیه وسلم فمکث طویلا، ثم اشتد بکاؤه حتی ظننا أنه لا یسکن، فأقبل، وهو یبکی، فقال له عمر: ما أبکاک یا نبی الله بأبی أنت وأمی؟ قال: استأذنت ربی فی زیارة قبر أمی، فأذن لی، واستأذنته فی الشفاعة، فأبی، فبکیت رحمة لها، وبکی المسلمون رحمة للنبی صلی الله علیه وسلم "(مسند الإمام أبی حنیفة ،بروایة الحصکفی،رقم الحدیث ۱۱۵ ،کتاب الصلاة )

[1] اور غالب امکان یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت کی وجہ سے ہی اختیار فرمایا ہو، جس کو خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی سند سے بھی روایت کیا ہے۔ کما لا یخفیٰ علی صاحب العلم۔ محمد رضوان خان۔

لیکن علامہ سیوطی نے اس کے مقابلہ میں (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے موحد یا ناجی ہونے کے متعلق) بعض طولِ لا طائل دلائل ذکر کیے ہیں، اور میں نے اس مسئلہ کی تحقیق میں ایک مستقل رسالہ تالیف کیا ہے، جس میں اس مسئلہ سے متعلق دلائل ذکر کیے ہیں، اور ملا علی قاری نے یہ بھی فرمایا کہ مذکورہ حدیث اس قول کی تردید کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ کی والدہ زمانۂ فترت میں فوت ہوئیں، اور ان کو جہنم کا عذاب نہ ہوگا"۔

(ملا علی قاری رحمہ اللہ کے مذکورہ رسالہ کے چند اقتباسات وحوالہ جات اور ان کی مزید عبارات آگے آتی ہیں) [1]

---

[1] وبه (عن علقمة عن ابن بريدة، عن أبيه قال :خرجنا مع النبى صلى الله عليه وسلم فى جنازة) أى معها ولأجلها (فأتى قبر أمه فجاء ) أى فرجع (وهو يبكى أشد البكاء حتى كادت نفسه تخرج من بين جنبيه) أى من جميع أجزاء جسده، والمعنى أنه قرب أن يموت من شدة حزنه، (قال) :أى بريدة، (قلنا ) :أى نحن معشر الصحابة الحاضرين (يا رسول الله ما يبكيك) أى، أى شىء سبب بكائك؟(قال" :استأذنت ربى فى زيارة قبر أم محمد") .فيه وضع الظاهر موضع المضمر، أى قبر أمى (فأذن لى)، ولعل الحكمة فى إذنه ليكون سببا فى تخفيف عذاب أمه (واستأذنته فى الشفاعة) أى لرفع عذاب عنها من أجله (فأبى على) أى لم يأذن ولم يقبل منى لقوله سبحانه :(إن الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء ) وهذا دليل صريح فى أن أمه ماتت كافرة أنها فى النار داخلة مخلدة، وهو الذى اعتقده أبو حنيفة، وذكره فى فقهه الأكبر من أن والدى رسول الله صلى الله عليه وسلم ماتا على الكفر.

وعارضه السيوطى فى رسائل، وأتى ببعض الدلائل مما ليس تحتها شىء من الطائل، وقد جعلت رسالة مستقلة فى تحقيق هذه المسألة، وتدقيق ما يتعلق بها من الأدلة.

(وفى رواية لأبى حنيفة عن بريدة قال :استأذن النبى صلى الله عليه وسلم ربه) فى زيارة قبر أمه، (فأذن له، فانطلق، وانطلق) معه (المسلمون حتى انتهوا إلى قريب من القبر، فمكث المسلمون) بضم الكاف وفتحه أى فلبثوا (ومضى النبى صلى الله عليه وسلم) إلى زيارة قبر أمه، فمكث طويلا أى زمانا أو مكثا، (ثم اشتد بكاؤه حتى ظننا أنه لا يسكن) أى من البكاء ، (فأقبل وهو يبكى فقال له عمر :ما أبكاك يا نبى الله بأبى أنت وأمى) أى أفديك بهما (قال" :استأذنت ربى فى زيارة قبر أمى فأذن لى فاستأذنته فى الشفاعة فأبى فبكيت رحمة لها) أى بمقتضى الطبيعة، (وبكى المسلمون رحمة للنبى صلى الله عليه وسلم) أى بموجب الشريعة وهذا الحديث يبطل قول القائل :إنها من أهل الفترة وإنهم لا يعذبون فى النار(شرح مسند أبى حنيفة، ج ا ،ص ۳۳۴، ۳۳۵،ذكر إسناده عن علقمة بن مرثد، زيارة القبور)

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے حق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت واستغفار سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع فرما دیا گیا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا شرک کی حالت میں انتقال ہوا تھا، اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے اٹل فیصلے کی رُو سے شرک کا عذاب مقدر تھا، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو رنج ہوا۔

اگر آج بھی کوئی مسلمان خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ احادیث وروایات کے مطابق یہی عقیدہ رکھے، ساتھ ہی اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے مشرک اور ان کے عذاب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے رنج وغم ہو، تو یہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہونے کی نشانی ہوگی، اور کس مومن کو اس پر خوشی ہوسکتی ہے؟

## بریدہ رضی اللہ عنہ کی چوتھی روایت

مسند احمد میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَنَزَلَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَہٗ قَرِیْبٌ مِنْ أَلْفِ رَاکِبٍ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْھِہٖ وَعَیْنَاہُ تَذْرِفَانِ فَقَامَ إِلَیْہِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَفَدَاہُ بِالْأَبِ وَالْأُمِّ یَقُوْلُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا لَکَ؟ قَالَ: إِنِّیْ سَأَلْتُ رَبِّیْ فِیْ اسْتِغْفَارٍ لِأُمِّیْ، فَلَمْ یَأْذَنْ لِیْ، فَدَمَعَتْ عَیْنَایَ رَحْمَةً لَھَا مِنَ النَّارِ** (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ۲۳۰۰۳)

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (سفر میں) تھے، ہم ایک جگہ اترے، اور ہم ایک ہزار کے قریب سوار تھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعات پڑھیں، پھر ہماری طرف اپنے چہرے سے متوجہ ہوئے، اور اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کی طرف اٹھ کر گئے، اور عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اے اللہ کے رسول! آپ کو کیا ہوا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے، اپنی والدہ (آمنہ) کے استغفار کے لیے اجازت طلب کی، تو میرے رب نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی، پس میری آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے، والدہ کے لیے آگ سے رحم کی وجہ سے (مسند احمد)

فائدہ: مذکورہ حدیث کی سند صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی شرط پر ہے۔ [1]

مذکورہ صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ کے لیے استغفار سے منع کر دیا گیا تھا، جس کی وجہ ان کا شرک کی حالت میں فوت ہونا تھی اور مشرک کے لیے استغفار کرنے کی قرآن مجید میں صاف ممانعت آئی ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ کے شرک کی حالت میں فوت ہونے اور اس کی بناء پر جہنم کے عذاب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے رنج وغم بھی ہوا تھا اور یہ واقعہ صحابۂ کرام کے ہزاروں کے مجمع میں پیش آیا تھا۔

پس آج بھی کسی مومن کو اس بات پر رنج اور دکھ کا ہونا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی نشانی ہوگی۔

## بریدہ رضی اللہ عنہ کی پانچویں روایت

ابنِ حبان نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو درجِ ذیل الفاظ میں روایت کیا ہے:

**كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -فِيْ سَفَرٍ فَنَزَلَ بِنَا وَنَحْنُ**

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده صحيح على شرط الشيخين من جهة الحسن بن موسى -وهو الأشيب البغدادی-، وأما متابعه أحمد بن عبد الملك -وهو ابن واقد الحرَّانی-، فهو ثقة من رجال البخاری وحده .زهير :هو ابن معاوية بن حُديج الجعفی، وابن بريدة :هو عبد الله كما جاء مصرحاً باسمه فی الرواية السالفة(حاشية مسند الإمام أحمد بن حنبل، تحت رقم الحديث : ٢٣٠٠٣)

قَرِیْبٌ مِنْ أَلْفِ رَاکِبٍ -فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْهِهٖ، وَعَیْنَاهُ -صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ -تَذْرِفَانِ، فَقَامَ إِلَیْهِ عُمَرُ -رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ -فَفَدَاهُ بِالْأُمِّ وَالْأَبِ، وَقَالَ: مَالَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ -صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّیْ اسْتَأْذَنْتُ رَبِّیْ فِی الاستِغْفَارِ لِأُمِّیْ، فَلَمْ یَأْذَنْ لِیْ، فَدَمَّعَتْ عَیْنِیْ رَحْمَةً لَهَا مِنَ النَّارِ (موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان، رقم الحدیث ۷۹۱، کتاب الجنائز، باب منه بعد باب زیارة القبور، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۵۳۹۰) [1]

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، پھر ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، اور ہم ایک ہزار کے قریب سوار تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعات پڑھیں، پھر ہماری طرف اپنا چہرہ فرما کر متوجہ ہوئے، اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اٹھ کر گئے، اور عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اے اللہ کے رسول! آپ کو کیا ہوا؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے، اپنی والدہ کے استغفار کے لیے اجازت طلب کی، تو میرے رب نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی، پس میری آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے، والدہ پر آگ سے رحم کی وجہ سے (ابنِ حبان)

مذکورہ صحیح سند سے مروی روایت سے بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ کی

---

[1] قال حسین سلیم اسد الدارانی:
إسناده جید عبد الرحمن بن عمرو بن عبد الرحمن البجلی ما وجدت فیه جرحاً، ووثقه ابن حبان (حاشیة موارد الظمآن)
وقال شعیب الارنؤوط:
حدیث صحیح (حاشیة صحیح ابن حبان)

طرف سے اپنی ماں کے استغفار سے منع کر دیا گیا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ماں کے عذاب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے رنج وغم ہوا تھا، جس کی وجہ سے آپ کو رونا آیا تھا، اس روایت میں بھی ایک ہزار کے قریب مجمع کا ذکر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارے ماں باپ قربان، ہم بھی اس پر آپ کے رنج وغم کی وجہ سے رنجیدہ اور غم زدہ ہیں، لیکن اسی کے ساتھ الحمد للہ تعالیٰ، اللہ کے فیصلے پر دل میں کسی قسم کا شبہ نہیں پاتے اور اس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ نبوت اور نسب مبارک میں کسی قسم کے نقص وعیب کی رتی بھر گنجائش نہیں سمجھتے۔

## بریدہ رضی اللہ عنہ کی چھٹی روایت

امام حاکم اپنی مستدرک میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ:

كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرِيْبًا مِنْ أَلْفِ رَاكِبٍ، فَنَزَلَ بِنَا وَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ، فَقَامَ إِلَيْهِ عُمَرُ فَفَدَاهُ بِالْأُمِّ وَالْأَبِ، يَقُوْلُ: مَا لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: إِنِّي اسْتَأْذَنْتُ رَبِّيْ فِي الْاِسْتِغْفَارِ لِأُمِّيْ فَلَمْ يَأْذَنْ لِيْ، فَدَمَعَ عَيْنَايَ رَحْمَةً لَهَا، وَاسْتَأْذَنْتُ رَبِّيْ فِيْ زِيَارَتِهَا فَأَذِنَ لِيْ، وَإِنِّيْ كُنْتُ قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا، وَلْيَزِدْكُمْ زِيَارَتُهَا خَيْرًا (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۱۳۹۱، کتاب الجنائز) [1]

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تقریباً ایک ہزار سوار سفر میں تھے، پھر ہم ایک جگہ اترے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعات

[1] قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه.

پڑھائیں، پھر ہماری طرف اپنے چہرے سے متوجہ ہوئے، اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اٹھ کر گئے، اور عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اے اللہ کے رسول! آپ کو کیا ہوا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے، اپنی والدہ (''آمنة بنتِ وھب'') کے استغفار کے لیے اجازت طلب کی، تو میرے رب نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی، پس اپنی والدہ پر رحم (یعنی ترس آنے اور رنج ہونے) کی وجہ سے میری آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے، اور میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت طلب کی، جس کی مجھے میرے رب نے اجازت عطا فرمادی، اور میں پہلے تم کو زیارتِ قبور سے منع کیا کرتا تھا، پس اب (اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ) تم قبروں کی زیارت کیا کرو، قبروں کی زیارت سے تمہارے خیر میں اضافہ ہوتا ہے (حاکم)

اس روایت کا مضمون بھی گزشتہ روایت کے مطابق ہے، البتہ الفاظ کا تھوڑا بہت فرق ہے۔

## بریدہ رضی اللہ عنہ کی ساتویں روایت

''ابنِ ابی شیبة'' نے اپنے شیخ محمد بن عبداللہ اسدی سے، انہوں نے سفیان سے، انہوں نے علقمہ بن مرثد سے، انہوں نے سلیمان بن بریدہ سے، انہوں نے اپنے والد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

لَمَّا فَتَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ أَتٰى جِزْمَ قَبْرٍ فَجَلَسَ إِلَيْـهِ فَجَعَلَ كَهَيْئَةِ الْمُخَاطِبِ , وَجَلَسَ النَّاسُ حَوْلَهُ فَقَامَ وَهُوَ يَبْكِيْ فَتَلَقَّاهُ عُمَرُ وَكَانَ مِنْ أَجْرَأِ النَّاسِ عَلَيْهِ ، فَقَالَ: بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ يَا

رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا الَّذِیْ أَبْكَاكَ ، قَالَ: هٰذَا قَبْرُ أُمِّیْ سَأَلْتُ رَبِّی الزِّيَارَةَ فَأَذِنَ لِیْ وَسَأَلْتُهُ الاِسْتِغْفَارَ فَلَمْ يَأْذَنْ لِیْ فَذَكَرْتُهَا فَرَقَّتْ نَفْسِیْ فَبَكَيْتُ ، قَالَ فَلَمْ يُرَ وَمَا كَانَ أَكْثَرَ بَاكِيًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ (مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ١١٩٣٠ ، كتاب الجنائز، باب من رخص فی زيارة القبور) [1]

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح فرمایا تو آپ ایک قبر کے قریب جا کر بیٹھ گئے، جیسا کہ کسی سے مخاطب ہو کر بیٹھا جاتا ہے، اور اس وقت لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھ گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ رو رہے تھے، آپ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملاقات کی، کیونکہ وہ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بے تکلف تھے، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میری ماں کی قبر ہے، میں نے اپنے رب سے ان کی قبر کی زیارت کا سوال کیا، جس کی میرے رب نے مجھے اجازت دے دی، اور میں نے اپنے رب سے ان کے استغفار کا سوال کیا، جس کی میرے رب نے مجھے اجازت نہیں دی، اس پر میں نے اپنی ماں کو یاد کیا، جس سے مجھ پر رقت طاری ہوگئی، اور مجھے رونا آ گیا، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن سے زیادہ کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھا (ابنِ ابی شیبہ)

مذکورہ روایت میں صراحت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی والدہ کی قبر پر حاضر ہونے اور ان کے لیے استغفار کی اجازت نہ ملنے کا واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے، اور اس موقع پر نبی صلی

---

[1] قال الالبانی: قلت: وهذا سند صحيح على شرط مسلم أيضا إلا الأسدى هذا , هو ثقة كما قال ابن معين وأبو داود وغيرهما , ولم يتفرد به، فقد أخرجه أحمد (إرواء الغليل فی تخريج أحاديث منار السبيل، رقم الحديث ٧٧١، كتاب الجنائز)

اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کی بڑی تعداد بھی موجود تھی۔

''مسند احمد'' کی ایک روایت میں بھی یہ واقعہ ''فتح مکہ'' کے غزوہ کے موقع پر ذکر کیا گیا ہے۔ [1]

اور ابنِ شبہ نے بھی ''تاریخ المدینة'' میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ فتح مکہ کے موقع پر ہونا روایت کیا ہے۔ [2]

نیز ابنِ شاہین نے ''ناسخ الحديث ومنسوخه'' میں مذکورہ واقعہ کا فتح مکہ کے موقع پر ہونا روایت کیا ہے۔ [3]

---

[1] حدثنا حسين بن محمد، حدثنا خلف يعني ابن خليفة، عن أبي جناب ، عن سليمان بن بريدة، عن أبيه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم غزا غزوة الفتح، فخرج يمشي إلى القبور حتى إذا أتى أدناها جلس إليه كأنه يكلم إنسانا جالسا يبكي قال: فاستقبله عمر بن الخطاب فقال: ما يبكيك جعلني الله فداءك .قال: " سألت ربي أن يأذن لي في زيارة قبر أم محمد، فأذن لي فسألته أن يأذن لي فأستغفر لها فأبى(مسند احمد، رقم الحديث ٢٣٠٣٨)

قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح، وهذا إسناد ضعيف من أجل أبي جناب – وهو يحيى بن أبي حية الكلبي، فهو ضعيف، لكنه قد توبع، وباقي رجال الإسناد موثقون(حاشية مسند احمد)

[2] حدثنا قبيصة بن عقبة قال: حدثنا سفيان، عن علقمة بن مرثد، عن سليمان بن بريدة، عن أبيه قال: " لما فتح صلى الله عليه وسلم مكة أتى حرم قبر فجلس إليه، وجلس الناس حوله، فجعل كهيئة المخاطب، ثم قام وهو يبكي، فاستقبله عمر رضى الله عنه، وكان من أجرأ الناس عليه فقال: بأبي أنت وأمي يا رسول الله، ما الذي أبكاك؟ قال: قبر أمي، سألت الله الزيارة فأذن لي، وسألته الاستغفار فلم يأذن لي، فذكرتها فوقفت فبكيت .فلم أر يوما كان أكثر باكيا من يومئذ(تاريخ المدينة لابنِ شبة، ج ا ص١١٨ ، قبر آمنة أم رسول الله صلى الله عليه وسلم)

[3] حدثنا عبد الله بن محمد البغوي، قال: حدثنا جدي، وأبو خيثمة، وعثمان بن أبي شيبة، وهارون بن عبد الله، وأحمد بن محمد بن يحيى بن سعيد القطان، وحدثني الحسين بن أحمد بن بسطام بالأيلة، قال: حدثنا سعيد بن نوح، وحدثني عبد الله بن سليمان بن عيسى الوراق، قال: حدثنا أحمد بن منصور، قالوا: حدثنا قبيصة بن عقبة، قال: حدثنا سفيان، عن علقمة بن مرثد، عن سليمان بن بريدة، عن أبيه، قال: لما فتح رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة، أتى رسم قبر فجلس إليه فجاء الناس حوله فجعل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

معلوم ہوا کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مختلف اسناد سے مروی ہے، اور سند کے اعتبار سے معتبر ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے شرک کی حالت میں فوت ہونے اور شرک کے عذاب میں مبتلا ہونے کی دلیل ہے۔

جو کوئی ان احادیث وروایات کے مطابق عقیدہ رکھے، اور طرزِ عمل اختیار کرے، تو یہ عقیدہ اور طرزِ عمل صحیح احادیث اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مطابق ہوگا۔

کیونکہ مذکورہ احادیث وروایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی ماں کے لیے استغفار اور ان کے لیے شفاعت سے ممانعت اور ان کے عذاب میں مبتلا ہونے کا ذکر ہے، اور ساتھ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر غمگین اور اشک بار ہونے کا بھی ذکر ہے۔

اور بعض لوگوں کی طرف سے، جن کی مذکورہ احادیث پر نظر نہ پہنچ سکی، یہ تاویل کرنا درست نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے لیے استغفار یا شفاعت سے اس لیے منع کر دیا گیا تھا کہ وہ معصوم تھیں، اور ان کو نابالغ بچے کی طرح استغفار کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ اگر ایسا

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كهيئة المخاطب، ثم قام وهو يبكى فاستقبله عمر رضى الله عنه وكان من أجرأ الناس عليه، فقال: يا رسول الله، بأبى وأمى ما الذى أبكاك؟ فقال: هذا قبر أمى، سألت ربى عز وجل الزيارة فأذن لى، وسألته الاستغفار، فلم يأذن لى، فذكرتها فرقيت، وبكيت فلم ير يوما كان أكثر باكيا من يومئذ "لفظ عبد الله بن محمد(ناسخ الحديث ومنسوخه لابنِ شاهين، ص۴۸۷، رقم الحديث ۶۵۲ ،باب فى زيارة النبى صلى الله عليه وسلم قبر أمه)

حدثنا عبد الله بن محمد البغوى، قال: حدثنا عثمان بن أبى شيبة، وحدثنى الحسين بن إسماعيل، قال: حدثنا حميد بن الربيع الخزاز، قالا: حدثنا معاوية بن هشام، قال: حدثنا سفيان، عن علقمة، عن سليمان، عن أبيه، قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد الفتح حتى أتى رسم قبر، هذا أخر حديث عبد الله بن محمد وقال الحسين فى حديثه قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الجبانة فجلس عند قبر ينكث فى الأرض بقضيب فى يده وهو يبكى، فقلنا: يا رسول الله أتبكى وقد نهيت عن البكاء؟ فقال: إنى استأذنته فى زيارة قبر أمى فأذن لى، واستأذنته فى الاستغفار لها فلم يأذن لى فبكيت "(ناسخ الحديث ومنسوخه لابنِ شاهين، ص ۴۸۸، رقم الحديث ۶۵۳ ،باب فى زيارة النبى صلى الله عليه وسلم قبر أمه)

ہوتا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غمگین ہونے اور رونے کی کیا ضرورت تھی، علاوہ ازیں مذکورہ احادیث میں ان کے عذاب میں مبتلا ہونے اور شرک کی حالت میں فوت ہونے کی بھی تصریح پائی جاتی ہے، پھر مذکورہ تاویل جو احادیث کی تصریحات کے برخلاف ہے، وہ کیسے معتبر اور قابلِ قبول قرار دی جا سکتی ہے؟ [1]

---

[1] قال أبو حذيفة، نبيل بن منصور البصارة الكويتي:
وأما حديث بريدة فله عنه طريقان:
الأول: يرويه مُحارب بن دِثَار عن عبد الله بن بريدة عن أبيه قال: كنا مع النبى – صلى الله عليه وسلم – فنزل بنا ونحن معه قريب من ألف راكب، فصلّى ركعتين، ثم أقبل علينا بوجهه وعيناه تذرفان، فقام إليه عمر بن الخطاب ففداه بالأب والأم يقول: يا رسول الله ما لک؟ قال "إنى سألت ربى عَزَّ وَجَلَّ فى الاستغفار لأمى فلم يأذن لى فدمعت عيناى رحمة لها من النار، وإنى كنت نهيتكم عن ثلاث: عن زيارة القبور فزوروها لتذكركم زيارتها خيرا، ونهيتكم عن لحوم الأضاحى بعد ثلاث فكلوا وأمسكوا ما شئتم، ونهيتكم عن الأشربة فى الأوعية فاشربوا فى أىّ وعاء شئتم ولا تشربوا مسكرا."
أخرجه أحمد (5/ 355)والطحاوى فى "المشكل (4743) "وابن حبان (5390) والطبرانى فى "لأوسط (6394) "والحاكم (1/ 376)والبيهقى (4/ 76)وفى "شرح المعانى (4/ 228) "من طرق عن زهير بن معاوية الكوفى عن زبيد بن الحارث اليامى عن محارب بن دثار به.
ومن هذا الطريق أخرجه النسائى (7/ 206-207و8/ 279-278) وفى "الكبرى" 4518)و 5163) والطحاوى فى "شرح المعانى (4/ 185) "وأبو القاسم الأصبهانى فى "الترغيب (1540) "مختصرا فى ذكر الإذن بعد النهى.
وقال الحاكم: صحيح على شرط الشيخين"وهو كما قال.
والحديث أخرجه ابن أبى شيبة ( 3/ 342و 8/ 104أو 159) وأحمد (5/ 350)وفى "الأشربة (3) "ومسلم ( 977و 3/ 1584) والنسائى ( 4/ 73و 8/ 278) و"الكبرى "( 2159و 5162) وابن حبان ( 5391و 5400) وأبو القاسم البغوى فى "الجعديات(2077) "والمحاملى فى "أماليه (422) "والبيهقى (8/ 298)وأبو القاسم الأصبهانى فى "الترغيب (1536) "من طريق أبى سنان ضرار بن مرة عن محارب بن دثار عن عبد الله بن بريدة عن أبيه مختصرا فى ذكر الإذن بعد النهى.
وقوله "عبد الله بن بريدة "هكذا جاء مسمى عند أحمد والنسائى وأبى القاسم البغوى، ووقع عند الباقين "ابن بريدة "غير مسمى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں شفاعت واستغفار کا ذکر ہے، اور بعض میں استغفار کا ذکر ہے، جبکہ بعض میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ سے شفاعت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واختلف على محارب بن دثار فى اسم ابن بريدة:

فقال وكيع: ثنا مُعَرِّف بن واصل عن محارب بن دثار عن سليمان بن بريدة عن أبيه.

أخرجه أحمد فى "الأشربة (201) "وعنه أبو القاسم البغوى فى "الجعديات" (2076)ثنا وكيع به.

ورواه ابن أبى شيبة (8/ 104)عن وكيع فلم يسم ابن بريدة.

وأخرجه مسلم (3/ 1585)عن ابن أبى شيبة به.

وأخرجه أبو داود (3235و 3698) والطحاوى فى "شرح المعانى "(4/ 185و 228) والبيهقى (4/ 77)وفى "الصغرى (3379) "وابن عبد البر فى "التمهيد "(3/ 224)عن أحمد بن عبد الله بن يونس الكوفى والطحاوى فى "شرح المعانى "(4/ 185)عن أبى نُعيم الفضل بن دُكين وأبو القاسم البغوى فى "الجعديات "(2074و 2075و 2084)عن على بن الجَعْد الجوهرى ثلاثتهم عن معرف بن واصل عن محارب بن دثار عن ابن بريدة عن أبيه، ولم يسموا ابن بريدة.

لكن أخرجه أبو محمد البغوى فى "شرح السنة (1553) "ومن طريقه الحازمى فى "الاعتبار "(ص 131) من طريق أبى القاسم البغوى فسمى ابن بريدة سليمان، وهى زيادة إما من أبى محمد البغوى أو ممن فوقه، وقد نص أبو القاسم البغوى على أنّ على بن الجعد لم يسم ابن بريدة (الجعديات 2/ 781) وقال: ولهذا الحديث طرق عن ابن بريدة وأحسب الحديث عنهما جميعا"

أى عن عبد الله وسليمان ابنى بريدة، وهو كما قال، فقد رواه:

الثانى: يرويه علقمة بن مَرْثد عن سليمان بن بريدة عن أبيه قال: انتهى النبى – صلى الله عليه وسلم – إلى رسم قبر فجلس، وجلس الناس حوله كثير، فجعل يحرك رأسه كالمخاطب: قال: ثم بكى، فاستقبله عمر، فقال: ما يبكيك يا رسول الله؟ قال "هذا قبر آمنة بنت وهب، استأذنت ربى فى أن أزور قبرها فأذن لى، واستأذنته فى الاستغفار لها فأبى علىّ، وأدركتنى رقتها فبكيت "قال: فما رأيت ساعة أكثر باكيا من تلك الساعة.

أخرجه البيهقى فى "الدلائل (1/ 189) "واللفظ له وأبو نعيم فى "مسند أبى حنيفة " (ص 154) من طريق محمد بن يوسف الفِرْيابى ثنا سفيان عن علقمة بن مرثد به.

وأخرجه ابن شاهين فى "الناسخ (652) "وعمر بن شبة فى "تاريخ المدينة" (1/118) وابن سعد (1/ 117)والفاكهى (2377)عن قبيصة بن عقبة،وابن شاهين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کا سوال کرنے پر، اللہ کی طرف سے مشرک کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت کا ذکر ہے، ان میں باہم ٹکراؤ نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شفاعت کی اجازت طلب کی تھی، اس سے مغفرت مراد ہے۔

## ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**زَارَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبْرَ أُمِّہٖ، فَبَکٰی وَأَبْکٰی مَنْ حَوْلَہٗ، فَقَالَ:اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّیْ فِیْ أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَھَا فَلَمْ یُؤْذَنْ لِیْ، وَاسْتَأْذَنْتُہٗ فِیْ**

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(653) عن معاوية بن هشام،وابن أبى شيبة (3/ 343)عن أبى أحمد محمد بن عبد الله الأسدى الزبيرى،ثلاثتهم عن سفيان عن علقمة بن مرثد عن سليمان بن بريدة عن أبيه قال: فذكر نحوه.

وأخرجه ابن شاهين (654)والحاكم (1/ 375)وابن عبد البر فى "التمهيد "(3/ 230)من طريق يحيى بن يمان العجلى عن سفيان عن علقمة بن مرثد عن سليمان بن بريدة عن أبيه أنّ النبى – صلى الله عليه وسلم – زار قبر أمه فى ألف مقنع بالسيف، فما رأيت أكثر من باكٍ وباكية يومئذ.

ورواه أبو عاصم النبيل عن سفيان ولم يسم ابن بريدة.

أخرجه مسلم (3/ 1564)والطحاوى فى "المشكل (4745) "وفى "شرح المعانى" (4/ 186و 228)

ولم ينفرد سفيان به بل تابعه قيس بن الربيع عن علقمة بن مرثد عن سليمان بن بريدة عن أبيه أن النبى – صلى الله عليه وسلم – أتى رسما، قال: وأكثر ظنى أنّه قال: قبرا، فجلس إليه، فجعل يخاطب، ثم قام مستعبرا، فقلت: يا رسول الله، إنا رأينا ما صنعت، قال "إنى استأذنت ربى فى زيارة قبر أمى فأذن لى، واستأذنته فى الاستغفار لها فلم يأذن لى "فما رؤى باكيا أكثر من يومئذ.

أخرجه الطبرى فى "تفسيره(11/ 42) "

وتابعه أبو حنيفة عن علقمة بن مرثد عن ابن بريدة عن أبيه قال: فذكر نحوه.

أخرجه أبو نعيم فى "مسند أبى حنيفة "(ص 154)(انيس السارى، تحت رقم الحديث ١١٤١، ج٢، ص ١٥٤٨ الىٰ ١٥٥١، حرف الهمزة)

أَنْ أَزُوْرَ قَبْرَهَا فَأُذِنَ لِيُ، فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ (مسلم، رقم الحديث ٩٧٦ "١٠٨" كتاب الجنائز، باب استئذان النبى صلى الله عليه وسلم ربه عز وجل فى زيارة قبر أمه)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ماں (''آمنة بنتِ وهب'') کی قبر کی زیارت کی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رونا آ گیا، اور آپ کے قرب و جوار کے لوگوں کو بھی رونا آ گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے یہ اجازت طلب کی کہ میں اپنی ماں کے لیے استغفار کروں، تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی، اور میں نے اپنی ماں کی قبر کی زیارت طلب کی، تو اس کی میرے رب نے مجھے اجازت دے دی، پس تم قبروں کی زیارت کیا کرو، بے شک وہ موت کو یاد دلاتی ہے (مسلم)

مذکورہ صحیح سند پر مبنی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ ملنے اور اس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کا ذکر ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا مضمون حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی گزشتہ روایات کے موافق ہے۔

عظیم محدث امام نووی رحمہ اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوله صلى الله عليه وسلم (استأذنت ربى أن أستغفر لأمى فلم يأذن لى واستأذنته أن أزور قبرها فأذن لى) فيه جواز زيارة المشركين فى الحياة وقبورهم بعد الوفاة لأنه إذا جازت زيارتهم بعد الوفاة ففى الحياة أولى وقد قال الله تعالى وصاحبهما فى الدنيا معروفا.

**وفيه النهي عن الاستغفار للكفار قال القاضي عياض رحمه الله سبب زيارته صلى الله عليه وسلم قبرها أنه قصد قوة الموعظة والذكرى بمشاهدة قبرها ويؤيده قوله صلى الله عليه وسلم في آخر الحديث فزوروا القبور فإنها تذكركم الموت......**

**وهؤلاء كلهم ثقات فهو حديث صحيح بلا شك.**

**قوله (فبكى وأبكى من حوله) قال القاضي بكاؤه صلى الله عليه وسلم على ما فاتها من إدراك أيامه والإيمان به** (شرح النووى علىٰ صحيح مسلم، ج۷ص ۴۵،۴۶، کتاب الجنائز)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کے استغفار کی اجازت طلب کی، تو مجھے میرے رب نے اجازت نہیں دی، اور میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی، تو مجھے اس کی اجازت دے دی'' اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین کی زیارت کرنا جائز ہے، زندگی میں بھی اور وفات کے بعد ان کی قبروں کی بھی، کیونکہ جب وفات کے بعد ان کی زیارت جائز ہے، تو زندگی میں بدرجۂ اولیٰ جائز ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''والدین کے ساتھ دنیا میں اچھے طریقے سے رہو''

اور اس مذکورہ حدیث سے کافروں کے لیے استغفار کا ممنوع ہونا بھی معلوم ہوا، قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کرنے کا سبب یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ماں کی قبر کا مشاہدہ کرنے سے عبرت اور موت کو یاد کرنے کی قوت کا قصد کیا تھا، جس کی تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی حدیث کے آخر میں ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ ''تم قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ وہ موت کو یاد دلاتی ہے''......

اوراس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، پس یہ حدیث بغیر شک کے صحیح ہے۔ [1]

حدیث کے یہ الفاظ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رونا آ گیا اور آپ کے قرب و جوار کے لوگوں کو بھی رونا آ گیا، قاضی عیاض نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کی وجہ یہ تھی کہ ان کی والدہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کو نہیں پایا، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاسکیں (شرح النووی)

حسین بن محمود مظہری حنفی فرماتے ہیں:

**قوله " :فلم يؤذن لي "وإنما لم يأذن الله تعالى له في أن يستغفر لأمه؛ لأنها كانت كافرة، والاستغفار للكافر والكافرة لا يجوز؛ لأن الله تعالى لن يغفر لهم أبدا** (المفاتيح في شرح المصابيح، ج۲ص ۴۶۷، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''مجھے استغفار کی اجازت نہیں دی گئی'' اور بس اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی والدہ کے استغفار کی اجازت اس لیے نہیں دی کہ وہ کافر تھیں، اور کافر اور کافرہ کے لیے استغفار جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہرگز ان کی کبھی بھی مغفرت نہیں فرمائے گا (المفاتیح)

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ''مشکاۃ'' کی شرح میں فرماتے ہیں:

**(فقال :استأذنت ربي في أن أستغفر فلم يؤذن لي) قال ابن الملك :لأنها كافرة، والاستغفار للكافرين لا يجوز، لأن الله لن يغفر لهم أبدا......**

**وأغرب ابن حجر حيث قال: ولعل حكمة عدم الإذن في الاستغفار لها إتمام النعمة عليه بإحيائها له بعد ذلك حتى تصير**

---

[1] اورعلامہ سیوطی وغیرہ کا اس حدیث کی سند یا اس کے صریح مطلب میں بے جا تاویل کرنا راجح نہیں، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ محمد رضوان خان۔

من أكابر المؤمنين، أو الإمهال إلى إحيائها لتؤمن به فتستحق الاستغفار الكامل حينئذ اهـ.

وفيه أن قبل الإيمان لا تستحق الاستغفار مطلقا.

ثم الجمهور على أن والديه – صلى الله عليه وسلم – ماتا كافرين، وهذا الحديث أصح ما ورد في حقهما، وأما قول ابن حجر: وحديث إحيائهما حتى آمنا به ثم توفيا حديث صحيح، وممن صححه الإمام القرطبي، والحافظ ابن ناصر الدين، فعلى تقدير صحته لا يصلح أن يكون معارضا لحديث مسلم مع أن الحفاظ طعنوا فيه، ومنعوا جوازه أيضا بأن إيمان اليأس غير مقبول إجماعا كما يدل عليه الكتاب والسنة، وبأن الإيمان المطلوب من المكلف إنما هو الإيمان الغيبي، وقد قال تعالى(ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه)وهذا الحديث الصحيح صريح أيضا في رد ما تشبث به بعضهم بأنهما كانا من أهل الفترة، ولا عذاب عليهما مع اختلاف في المسألة(مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۵۶ ، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور)

ترجمہ: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی، جس کی میرے رب نے مجھے اجازت نہیں دی''
ابن الملک نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی والدہ کافر تھیں، اور کافروں کے لیے استغفار جائز نہیں، کیونکہ اللہ ہرگز کافروں کی کبھی بھی مغفرت نہیں فرمائے گا...... [1]

---

[1] "فقال: استأذنت ربي في أن أستغفر لها، فلم يأذن لي"؛ لأنها كانت كافرة، والاستغفار للكافرين لا يجوز؛ لأن الله تعالى لن يغفر لهم أبدا(شرح المصابيح لابن الملك، ج۲ص ۳۸۹، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور)

اور ابنِ حجر مکی (شافعی) نے اس موقع پر عجیب وغریب بات کہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ ملنے کی حکمت یہ تھی کہ اس کے بعد ان کو زندہ کر کے ان پر نعمت کو پورا کیا جانا تھا، یہاں تک کہ وہ بڑے مومنوں میں سے ہو جائیں، یا پھر استغفار سے اس وقت تک روکنا مقصود تھا، جب تک ان کو زندہ کر کے ایمان سے مشرف نہ کر دیا جائے، پھر وہ اس وقت میں کامل استغفار کی مستحق ہو جائیں، ابنِ حجر مکی کی بات ختم ہوئی۔

مگر ابنِ حجر مکی کی اس بات میں وزن نہیں، کیونکہ ایمان سے پہلے تو وہ بالکل ہی استغفار کی مستحق نہیں تھیں (اور ان کا بعد میں ایمان لانا قابلِ حجت طریقہ پر ثابت نہیں)

پھر جمہور اہلِ علم حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر کی حالت میں فوت ہوئے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے حق میں وارِد شدہ حدیثوں میں سب سے زیادہ صحیح ترین ہے، رہا ابنِ حجر مکی کا یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور بعد میں ان کو وفات دے دی جانے کی حدیث صحیح ہے، جس کو امام قرطبی اور حافظ ابنِ ناصر الدین نے صحیح قرار دیا ہے، تو اولاً تو اس کا صحیح ہونا مسلّم نہیں، بصورتِ دیگر یہ صحیح مسلم کی اس حدیث کے مقابلے میں آنے کی صلاحیت نہیں رکھتی، کیونکہ حفاظُ الحدیث نے اس (مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جا کر ایمان لانے کی) حدیث پر طعن کیا ہے، اور انہوں نے اس کے جواز وامکان کا بھی انکار کیا ہے، کیونکہ حالتِ نزع کا ایمان بالاجماع مقبول نہیں، جس پر کتاب وسنت دلالت کرتی ہے (پھر موت کے بعد کا ایمان کیونکر مقبول ہوگا) اور مکلّف سے جو ایمان مطلوب ہے، وہ صرف ایمانِ غیبی

ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اگر ان کفار کو دنیا میں لوٹا بھی دیا جائے، تو وہ منع کی ہوئی چیزوں کو ہی دوبارہ اختیار کریں گے'' (یعنی انہیں دوبارہ ایمان کی توفیق نہیں ہوگی) اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ صحیح حدیث صراحتاً اس تاویل کا بھی رد کرتی ہے، جو بعض نے کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ''اهلِ فترة'' میں سے تھے، اور ان کو عذاب نہیں ہوگا، جبکہ خود یہ (اہلِ فترۃ کے ناجی ہونے کا) مسئلہ اختلافی بھی ہے (مرقاۃ)

ابو الحسن عبیداللہ بن محمد عبدالسلام مبارک پوری فرماتے ہیں:

قلت: الحديث بظاهره يدل على أن أمه – صلى الله عليه وسلم – ماتت على غير الإسلام، وهو مذهب جمهور العلماء فی شأن أبويه – صلى الله عليه وسلم –، وقد ترجم النسائی وابن ماجه لهذا الحديث "باب زيارة قبر المشرك "(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۵ص ۲ ۱ ۵، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ غیر مسلم ہونے کی حالت میں فوت ہوئیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق جمہور علماء کا یہی مذہب ہے، اور نسائی اور ابنِ ماجہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے کہ ''باب زيارة قبر المشرك'' (یعنی یہ بات، مشرک کی قبر کی زیارت کرنے سے متعلق ہے، جس سے معلوم ہوا کہ امام نسائی اور ابنِ ماجہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مشرک ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں) (مرعاۃ المفاتیح)

مذکورہ تفصیل سے علامہ سیوطی اور ان کے متبعین کا بھی جواب ہوگیا، جو مذکورہ احادیث کی یہ کہہ کر تردید کرتے ہیں کہ مذکورہ احادیث کو اگر درست قرار دیا جائے، تو مشرک کی قبر پر حاضر

ہونا لازم آئے گا، جب کہ قرآن مجید کی سورہ توبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کافر کی قبر پر کھڑے ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ [1]

کیونکہ جمہور کے نزدیک کافر کی قبر کی زیارت جائز ہے، اور مذکورہ آیت میں اصل ممانعت نمازِ جنازہ پڑھنے اور دعا واستغفار کرنے کی ہے، جبکہ ان احادیث میں خود دعا واستغفار کی ممانعت کی تصریح ہے۔

لہٰذا یہ احادیث مذکورہ آیت کے مخالف نہیں، بلکہ اس کے موافق ہیں۔ [2]

بہرحال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کو بعض دیگر محدثین نے بھی روایت کیا

---

[1] جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ
وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ (سورة التوبة، رقم الآية ۸۴)

[2] ثم قال تعالى :ولا تقم على قبره وفيه وجهان :الأول:
قال الزجاج :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دفن الميت وقف على قبره ودعا له، فمنع هاهنا منه .الثانى :قال الكلبى لا تقم بإصلاح مهمات قبره، وهو من قولهم، قام فلان بأمر فلان إذا كفاه أمره وتولاه(التفسير الكبير،للرازى،ج۱۶،ص۱۱۶،تتمة سورة التوبة)

وفيه :جواز زيارة القبور مطلقا، سواء كان الزائر رجلا أو امرأة، وسواء كان المزور مسلما أو كافرا لعدم الفصل فى ذلک .وقال النووى :وبالجواز قطع الجمهور، وقال الماوردى :لا يجوز زيارة قبر الكافر، مستدلا بقوله تعالى :(ولا تقم على قبره) . وهذا غلط .وفى الاستدلال بالآية المذكورة نظر لا يخفى(عمدة القارى للعينى، ج۸،ص۶۸،۶۹، كتاب الجنائز،قوله باب زيارة القبور أى مشروعيتها)

واستدل به على جواز زيارة القبور سواء كان الزائر رجلا أو امرأة كما تقدم وسواء كان المزور مسلما أو كافرا لعدم الاستفصال فى ذلک قال النووى وبالجواز قطع الجمهور وقال صاحب الحاوى لا تجوز زيارة قبر الكافر وهو غلط انتهى وحجة الماوردى قوله تعالى ولا تقم على قبره وفى الاستدلال به نظر لا يخفى(فتح البارى شرح صحيح البخارى،لا بن حجرالعسقلانى، ج۳، ص۱۵۰، كتاب الجنائز،باب زيارة القبور)

(وتباح) زيارة المسلم (لقبر كافر) ، قاله المجد وغيره، وقال الشيخ تقى الدين :يجوز زيارة قبره للاعتبار، ولا يسلم عليه، ولا يدعو له، بل يقول :أبشر بالنار وقوله تعالى :(ولا تقم على قبره) المراد به عند أكثر المفسرين :الدعاء والاستغفار له(مطالب أولى النهى فى شرح غاية المنتهى، ج۱، ص۹۳۲،كتاب الجنائز،فصل زيارة القبور)

ہے، اور اس کی سند صحیح ہے، جس کا انکار کرنا درست نہیں۔ [1]

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ماں کے شرک کی حالت پر فوت ہونے اور اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہونے پر رنج و غم ہوا، اور صحابۂ کرام کو بھی رنج و غم ہوا۔

اب جس مومن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں کے شرک کی حالت میں فوت ہونے اور اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہونے پر رنج و غم ہو، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام کے طریقہ پر ہے، اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کا مرتکب قرار دینا درست نہیں۔

مذکورہ احادیث و روایات میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا ذکر ہے، جبکہ بعض احادیث و روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد یا والدین دونوں کا ذکر ہے، نیز والدہ کے متعلق بھی مزید احادیث و روایات وارِد ہوئی ہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

---

[1] قال أبو حذيفة، نبيل بن منصور البصارة الكويتي:

وأما حديث أبي هريرة فيرويه يزيد بن كيسان عن أبي حازم عن أبي هريرة قال: زار النبي – صلى الله عليه وسلم – قبر أمه فبكى وأبكى من حوله فقال "استأذنت ربي في أنْ استغفر لها فلم يأذن، واستأذنته في أنْ أزور قبرها فأذن لي، فزوروا القبور فإنها تذكر الموت."

أخرجه ابن أبي شيبة (3/ 343)وأحمد (2/ 441)ومسلم (976)وأبو داود (3234)وابن ماجه (1572)والفاكهي ( 2375و 2376) والنسائي (4/ 74)وفي "الكبرى(2161) "

والطحاوي في "المشكل (2489) "وابن حبان (3169)والحاكم - 1/ 375) (376والبيهقي (4/ 76)وفي "الدلائل (1/ 190) "والبغوي في "شرح السنة" (1554)وأبو القاسم الأصبهاني في "الترغيب (1541) "والحازمي في "الاعتبار" (ص 132)

وقال الحاكم: صحيح على شرط مسلم"

وقال البغوي والحازمي: هذا حديث صحيح "(انيس الساري، تحت رقم الحديث ١١٤١، ج٢، ص ١٥٥٢، ١٥٥٣، حرف الهمزة)

# ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت

ابوبکر محمد بن ابی اسحاق کلاباذی بخاری حنفی (المتوفیٰ 380 ہجری) نے ''بحرُ الفوائد'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ اپنے والدین کے لیے شفاعت کرنے والے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان کے لیے شفاعت کرنے والا ہوں (ہوسکتا ہے) مجھے عطا کر دیا جائے یا منع کر دیا جائے، اور میں ان کے لیے کسی چیز کی امید نہیں رکھتا (اس روایت کو نقل کرنے کے بعد) امام مصنف (علامہ کلاباذی) رحمہ اللہ نے کہا کہ ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے کہ ''میں ان کے لیے شفاعت کرنے والا ہوں'' دنیا میں شفاعت کا ارادہ فرمایا ہو، اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے استغفار کی ممانعت سے پہلے کی بات ہو، جو ممانعت سورہ توبہ کی اس آیت میں مذکور ہے کہ:

''مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِىْ قُرْبٰى''

آخر آیت تک۔ اور یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے استغفار کیا تھا، جس کا ذکر سورہ شعراء کی اس آیت میں ہے کہ:

''وَاغْفِرْ لِأَبِىْٓ إِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''میں ان دونوں کے لیے کوئی امید نہیں رکھتا'' یہ اس وجہ سے ہو کہ ان کے لیے استغفار ان کی موت کے بعد کرنا، اس امید کا باعث نہیں تھا، جبکہ وہ اسلام کے علاوہ پر فوت ہو گئے تھے، اور ان کے لیے

استغفار، ان پر رِقَّت کی وجہ سے کیا، اور بعض نسخوں میں ہے کہ رأفت کی وجہ سے اُن کے حق کی ادائیگی کی وجہ سے کیا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کو نہیں پایا، کہ اُن کے ساتھ حُسنِ معاملہ کر پاتے، اور دنیا میں اُن کے ساتھ اچھے طریقہ پر رہ پاتے، اور ابراہیم علیہ السلام کا استغفار اُن کے والد کے لئے اُن کی زندگی میں ایک وعدہ کے طور پر تھا، جس کا انہوں نے اپنے اس قول سے وعدہ کیا تھا کہ:

سَأَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ إِنَّہٗ کَانَ بِیْ حَفِیًّا (سورۃ مریم)

پھر جب ابراہیم علیہ السلام کے والد فوت ہوگئے، اور یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اللہ کے دشمن (یعنی کافر) ہیں، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن سے برأت ظاہر فرمادی، کیونکہ وہ شرک کی حالت میں فوت ہوگئے تھے، جس سے توبہ نہیں کی تھی، اس لئے اُن سے برأت ظاہر فرمائی، اور اُن کے لئے استغفار کو ترک کردیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدین کی حالت کا علم ہوگیا تھا، جیسا کہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے والد کی حالت کا علم ہوگیا تھا، لیکن آپ نے اپنے والدین کے حق کو (استغفار کرکے) ادا کرنا چاہا، جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا، پس آپ استغفار کرنے سے رُک گئے، واللہ الموفق۔ [1]

---

[1] حدثنا محمد بن إسحاق الخزاعی، قال :ح سعید بن مسعود المروی قال :ح إسحاق بن منصور السلوی، وعبد السلام بن حرب، عن یزید بن عبد الرحمن، عن المنهال، عن عبد الرحمن بن الحارث، عن أبی هریرة، إن شاء الله رضی الله عنه قال :قیل :یا رسول الله صلی الله علیه وسلم فهل أنت شافع لأبویک؟ قال :إنی لشافع لهما، أعطیت، أو منعت، وما أرجو لهما النجاة عن النار بالکلیة.

قال الشیخ الإمام المصنف رحمه الله :یجوز أن یکون أراد النبی صلی الله علیه وسلم بقوله إنی لشافع لهما فی الدنیا، وذلک قبل أن ینهاه الله تعالی عن الاستغفار لهما بقوله :(ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین ولو کانوا أولی قربی) الآیة .وهذا کما استغفر إبراهیم علیه السلام لأبیه بقوله :(واغفر لأبی إنه کان من الضالین)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ حدیث کے مطابق امام کلاباذی کی مندرجہ بالا توجیہ کی ضرورت اُس وقت پیش آئے گی، جبکہ مذکورہ حدیث کو سند کے اعتبار سے معتبر قرار دیا جائے۔

اور ہم نے جہاں تک غور کیا، مذکورہ حدیث کی سند میں بعض راوی مجہول ہیں، جس کی وجہ سے اس حدیث کی سند کی توثیق پر اطمینان حاصل نہیں ہوسکا۔

## انس رضی اللہ عنہ کی روایت

صحیح مسلم میں حضرت حماد سے اور وہ ثابت سے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَيْنَ أَبِيْ؟ قَالَ: فِي النَّارِ، فَلَمَّا قَفّٰى دَعَاهُ، فَقَالَ: إِنَّ أَبِيْ وَأَبَاكَ فِي النَّارِ (مسلم، رقم الحديث ٢٠٣ "٣٤٧" كتاب الإيمان، باب بيان أن من مات على الكفر فهو في النار، ولا تناله شفاعة، ولا تنفعه قرابة المقربين)

ترجمہ: ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے والد کہاں ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میں، پھر جب وہ آدمی پیٹھ پھرا کر جانے لگا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا کر فرمایا کہ میرے والد اور آپ کے والد جہنم میں ہیں (مسلم)

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقوله :وما أرجو لهما ؛ لأن استغفاره لهما كان بعد موتهما، فلم يرج لهما إذا ماتا على غير الإسلام، واستغفر لهما رقة عليهما، وفي بعض النسخ رأفة، وقضاء لحقهما ، إذ لم يدركهما، فيحسن معاملتهما، ويصاحبهما في الدنيا معروفا، وكان استغفار إبراهيم عليه السلام لأبيه في حياته لموعدة وعدها إياه بقوله :(سأستغفر لك ربي إنه كان بي حفيا) ، فلما مات تبين أنه عدو لله، تبرأ منه؛ لأنه مات على شركه لم يتب منه تبرأ منه، وترك الاستغفار له، والنبي عليه السلام علم من أبويه ما علم إبراهيم عليه الصلاة والسلام من أبيه، غير أنه أراد قضاء حقهما، فنهاه الله تعالى عنه، فانتهى، والله الموفق(بحر الفوائد المشهور بمعاني الأخبار للكلاباذي، ص ١٣٩ ، حديث آخر)

مذکورہ حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے جہنم میں ہونے کا حکم معلوم ہوا، اور اس کی وجہ دوسری احادیث وروایات میں مذکور ہے، یعنی ان کا شرک کی حالت میں فوت ہونا اور اس کی وجہ سے استغفار کی اجازت نہ ملنا۔

چنانچہ عظیم محدث اور احادیث کے مشہور شارح امام نووی نے مسلم کی شرح میں فرمایا کہ:

**(فقال إن أبی و أباک فی النار) فیه أن من مات علی الکفر فهو فی النار ولا تنفعه قرابة المقربین وفیه أن من مات فی الفترة علی ما کانت علیه العرب من عبادة الأوثان فهو من أهل النار ولیس هذا مؤاخذة قبل بلوغ الدعوة فإن هؤلاء کانت قد بلغتهم دعوة إبراهیم وغیره من الأنبیاء صلوات الله تعالی وسلامه علیهم**(شرح النووی علیٰ مسلم، ج۳ص ۷۹، کتاب الایمان،باب بیان أن من مات علی الکفر فهو فی النار ولا تناله شفاعة ولا تنفعه قرابة المقربین)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''بے شک میرے والد اور تیرے والد جہنم میں ہیں'' اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو شخص کفر کی حالت میں فوت ہوجائے، وہ جہنم کا مستحق ہوگا، جس کو اس کے مقربین کی قرابت اور رشتہ داری فائدہ نہیں دے گی، اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جو شخص زمانۂ فترت میں اس حالت پر فوت ہوگیا، جس پر عرب کے بت پرست تھے، تو وہ اہلِ جہنم میں سے ہوگا، اور یہ دعوت کے پہنچنے سے پہلے مؤاخذہ نہیں ہے، کیونکہ ان کو حضرت ابراہیم اور دوسرے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی (شرح النووی)

ابنِ عطیہ اندلسی (المتوفی: 542ھجری) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

**وأما صاحب الفترة فلیس ککافر قریش قبل النبی صلی الله علیه وسلم لأن کفار قریش وغیرهم ممن علم وسمع عن نبوة ورسالة**

**فی أقطار الأرض فليس بصاحب فترة والنبی صلى الله عليه وسلم قد قال أبی وأبوک فی النار ورأی عمرو بن لحی فی النار إلى غير هذا مما يطول ذكره.**

**وأما صاحب الفترة يفرض أنه آدمی لم يطرأ إليه أن الله تعالى بعث رسولا ولا دعا إلى دين وهذا قليل الوجود اللهم إلا أن يشذ فی أطراف الأرض والمواضع المنقطعة عن العمران** (المحرر الوجيز فی تفسير الكتاب العزيز-تفسير ابنِ عطية ، ج۴، ص ۲۷، سورة طٰه)

ترجمہ: جہاں تک صاحبِ فترۃ کا تعلق ہے، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قریش کے کافر کی طرح نہیں، کیونکہ کفارِ قریش وغیرہ ان لوگوں میں سے تھے، جنہوں نے زمین کے اقطار میں نبوت ورسالت کو جان لیا اور سن لیا تھا، پس وہ صاحبِ فترۃ نہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میرا اور تمہارا والد جہنم میں ہے'' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''عمرو بن لحی'' کو جہنم میں دیکھا، اس کے علاوہ بھی ایسی احادیث ہیں، جن کا ذکر طویل ہے (جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے بہت سے لوگ جہنمی ہیں، اگر اس زمانے کے تمام لوگ اصحابِ فترۃ میں داخل ہوتے، تو پھر مذکورہ لوگوں کے جہنمی ہونے کا کوئی مطلب نہ ہوتا)

اور اگر صاحبِ فترۃ کے بارے میں یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ وہ ایسا آدمی ہے کہ جس کی طرف اللہ نے کوئی رسول مبعوث نہیں کیا، اور نہ اس کو کسی دین کی دعوت دی، تو اس کا وجود بہت قلیل ہے، اِلَّا یہ کہ کوئی زمین کے کناروں میں اور آبادی سے الگ تھلگ مواقع میں ہو، تو الگ بات ہے (المحرر الوجیز )

امام نووی اور ابنِ عطیہ کی عبارت سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ فترۃ و جاہلیت کے زمانے میں

عرب کے بت پرستی والی حالت میں فوت ہونے والا اہلِ جہنم میں سے ہوگا، اور جو حضرات، دعوت سے قبل ایمان کا مکلّف نہ ہونے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک مذکورہ صورت میں یہ دعوت سے قبل مؤاخذہ اس لیے نہیں، کہ جاہلیت کے بت پرست اہلِ عرب کو حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما الصلاۃ والسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی۔

امام نووی اور ابنِ عطیہ کی مذکورہ تشریح اس سلسلہ کی معتبر احادیث وروایات اور جمہور متقدمین کے موقف کے مطابق ہے، اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور بہت زیادہ محبت کرنے والے کے جذبات اور خواہشات کے موافق نہ ہو، لیکن مومن اپنے جذبات اور خواہشات کے بجائے، اللہ اور اس کے رسول کی پیش فرمودہ ہدایات وتعلیمات اور فیصلوں کا مکلّف ہے، جس سے اعراض وروگردانی کرنے میں ناکامی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت میں بعض لوگوں نے یہ تاویل کی ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ نے صرف سائل کے باپ کا حکم بیان فرمایا ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے حکم سے سکوت اختیار کیا ہے۔

لیکن مذکورہ تاویل اس لیے درست نہیں کہ امام نووی نے اس سے پہلی حدیث میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی قبر کی زیارت سے متعلق ذکر کی گئی، اس میں اپنے موقف کی پوری وضاحت فرمادی ہے، جس سے مذکورہ تاویل کی تردید ہوتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد اور ابوعوانہ اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ [1]

لیکن علامہ سیوطی نے مذکورہ حدیث کی سند پر کلام کیا ہے، اور انہوں نے اس کے مقابلہ میں معمر کی ثابت سے مروی حدیث کو راجح کہا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں علامہ سیوطی

---

[1] حدثنا وكيع، عن حماد، عن ثابت، عن أنس قال: قال رجل للنبي صلى الله عليه وسلم: أين أبي؟ قال "في النار ."قال: فلما رأى ما في وجهه قال: " إن أبي، وأباك في النار "(مسند احمد، رقم الحديث ١٢١٩٢)

کی بات راجح نہیں، جس کی دوسری وجوہات کے ساتھ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سلسلہ میں معمر کی ثابت سے روایت کا کتبِ حدیث میں کوئی وجود نہیں، البتہ معمر کی روایت کا زہری سے مرسلاً وجود ہے، جس کا آگے ذکر آتا ہے۔

بہرحال حضرت حماد کی، ثابت سے مروی مذکورہ حدیث سند کے اعتبار سے معتبر ہے اور اس کی تائید کئی دوسری احادیث وروایات سے بھی ہوتی ہے۔

اور اس حدیث پر تنہا مسلم کے تفرد اختیار کرنے کا دعویٰ بھی خلافِ واقعہ ہے۔ [1]

---

[1] قال شعیب الارنؤوط:
رجالـه ثقات رجال الشیخین غیر حماد –وهو ابن سلمة– فمن رجال مسلم، وقد تفرد بـروایة هـذا الـحـدیـث بهـذا الـلـفـظ، وخـالفه معمر عن ثابت –فیما قاله السیوطی فی رسالته "مسـالک الـحـنفا فی والدی المصطفی "المدرجة فی "الحاوی2/402 "، 444–فـلم یذکر "إن أبـی وأبـاک فی النار"، ولـکن قال له: " إذا مـررت بـقبر کافر فبشره بالنار "، ومـعـمـر أثبت من حیث الروایة من حماد بن سلمة، فإن حمادا تکلم فی حـفظه، ووقع فی أحادیثه مناکیر ذکروا أن ربیبه ابن أبی العوجاء دسها فی کتبه، فحدث بهـا فـوهـم فیهـا، أو أنـه تـصـرف فـرواه فی المعنی، وأما معمر فلم یتکلم فی حفظه ولا استنکر شیء من حدیثه.
قلنا: وروایة معمر هذه التی أشار إلیها السیوطی لم تقع لنا، لکن ورد من حدیث سعد بن أبـی وقـاص وابـن عـمر بإسنادین صحیحین بمثل لفظ روایة معمر، وسیأتی تخریجهما فیما بعد .قال السیوطی: فعلم أن هذا اللفظ الأول (وهو لفظ روایة حماد) من تصرف الراوی، رواه بالمعنی علی حسب فهمه، وقد وقع فی "الصحیحین "روایات کثیرة من هذا النمط فیها لفظ تصرف فیه الراوی، وغیره أثبت منه.
وأخـرج حـدیـث حماد بن سلمة، أبو داود (4718)، وأبو عوانة 1/99، والبیهـقی فی "السنن7/190 "، وفی "دلائـل النبوة 1/191 "مـن طـریـق موسی بن إسماعیل، عن حماد، بهذا الإسناد.
وسیأتی برقم (13834)عن عفان بن مسلم، عن حماد بمثله.
ویشهـد له حدیث عمران بن حصین عند الطحاوی فی "شرح مشکل الآثار (2527)" ، والطبرانی فی "الکبیر (3552) "و (3553)و (548) /18و . (549)
وإسناده ضعیف.
وأما حدیث سعد بن أبی وقاص، فقد أخرجه البزار (1089)، والطبرانی (326)، وابن السنی فی "عمل الیوم واللیلة (595) "، والبیهقی فی "الدلائل 192-1/191 "من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ان ابی و اباک فی النار ''فرمایا، اور ''أب'' کے حقیقی معنیٰ والد کے آتے ہیں، لہٰذا بعض حضرات کا اس کو حقیقی معنیٰ کے بجائے، چچا ''یعنی ابوطالب'' کے مجازی معنیٰ پر محمول کرنا درست نہیں، تا آنکہ اس کی کوئی مستند دلیل نہ ہو، اور یہاں کوئی مستند دلیل ایسی نہیں پائی جاتی، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کے متعلق بھی پہلے گزرا۔

یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے کفر کی حالت پر فوت ہونے کا، جن احادیث و روایات میں ذکر کیا گیا ہے، ان میں ''أب'' کے بجائے ''عم'' کے الفاظ ہیں، اور عربی زبان میں ''عم'' کے معنیٰ چچا کے آتے ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

طرق عن إبراهيم بن سعد، عن الزهرى، عن عامر بن سعد، عن أبيه: أن أعرابيا أتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله، أين أبى؟ قال: "فى النار ."قال: فأين أبوك؟ قال:" حيثما مررت بقبر كافر فبشره بالنار."

وهذا إسناد صحيح على شرط الشيخين، وأعله بعضهم بالإرسال! انظر "العلل "لابن أبى حاتم 2/256، والدارقطنى .4/334

وأما حديث ابن عمر، فقد أخرجه ابن ماجه (1573)عن محمد بن إسماعيل بن البخترى، عن يزيد بن هارون، عن إبراهيم بن سعد، عن الزهرى، عن سالم بن عبد الله بن عمر، عن أبيه قال: جاء أعرابا إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله، إن أبى كان يصل الرحم، وكان وكان، فأين هو؟ قال:" فى النار "قال: فكأنه وجد من ذلك، فقال: يا رسول الله، فأين أبوك؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "حيثما مررت بقبر مشرك، فبشره بالنار ."قال البوصيرى فى "مصباح الزجاجة" ورقة :102-101هذا إسناد صحيح، رجاله ثقات، محمد بن إسماعيل وثقه ابن حبان والدارقطنى والذهبى، وباقى رجال الإسناد على شرط الشيخين(حاشية مسند احمد)

[1] عن ابن شهاب، قال: أخبرنى سعيد بن المسيب، عن أبيه أنه أخبره: أنه لما حضرت أبا طالب الوفاة جائه رسول الله صلى الله عليه وسلم، فوجد عنده أبا جهل بن هشام، وعبد الله بن أبى أمية بن المغيرة، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأبى طالب: " يا عم، قل: لا إله إلا الله، كلمة أشهد لك بها عند الله "فقال أبو جهل، وعبد الله بن أبى أمية: يا أبا طالب أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فلم يزل رسول الله صلى الله عليه وسلم يعرضها عليه، ويعودان بتلك المقالة حتى قال أبو طالب آخر ما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس سے یہ بات ظاہر ہے کہ جن احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا ذکر آیا ہے، وہاں ''عـم'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اور جہاں والد کا ذکر آیا ہے، وہاں ''أب'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اور یہ دونوں شخصیات الگ الگ اور جدا جدا ہیں۔ [1]

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''السنن الکبریٰ'' میں فرمایا کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مشرک تھے، جس کی دلیل حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی احادیث ہیں، جن کو امام مسلم نے اپنی صحیح

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

كلمهم: هو على ملة عبد المطلب، وأبى أن يقول: لا إله إلا الله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أمـا والـلـه لأستغفرن لک ما لم أنه عنک فأنزل الله تعالى فيه:ما كان للنبى (صحيح البخارى، رقم الحديث ١٣٦٠)

عن ابن شهاب قال: أخبـرنى سعيد بن المسيب، عن أبيه، قال: لـما حضرت أبا طالب الوفاة جائه رسول الله صلى الله عليه وسلم، فوجد عنده أبا جهل، وعبد الله بن أبى أمية بـن الـمغيرة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " يا عم، قل: لا إله إلا الله، كلمة أشهد لک بها عند الله "، فـقال أبو جهل، وعبد الله بن أبى أمية: يـا أبا طالب، أترغب عـن مـلة عبد المطلب؟ فلم يزل رسول الله صلى الله عليه وسلم يعرضها عليه، ويعيد له تـلـك الـمقالة حتى قال أبو طالب آخر ما كلمهم: هـو على ملة عبد المطلب، وأبى أن يقول: لا إلـه إلا الله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أما والله لأستغفرن لک ما لم أنه عنک، فأنزل الله عز وجل: (ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولـو كـانـوا أولى قربى من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم)، وأنزل الله تعالى فى أبى طالب، فقال لرسول الله صلى الله عليه وسلم:(إنک لا تهدى من أحببت ولكن الله يهدى من يشاء وهو أعلم بالمهتدين)(صحيح مسلم، رقم الحديث ٢٤"٣٩")

[1] لیکن چونکہ ''دادا'' کی اولاد ہونے میں ''والد'' اور ''چچا'' دونوں شریک ہوتے ہیں، اس لیے بعض احادیث میں ''چچا'' کو ''صنو الأب'' یعنی ''باپ کے مثل'' کہا گیا ہے، حقیقی باپ پھر بھی نہیں کہا گیا۔

عـن عـلـى، أن النبى صلى الله عليه وسلم قال لعمر فى العباس: إن عم الرجل صنو أبيه، وكان عمر كلمه فى صدقته.هذا حديث حسن(سنن الترمذى، رقم الحديث ٣٧٦٠)

ومعنى: صنو أبيه: أصـلـه وأصـل أبيه واحد(عمدة القارى للعينى، ج٩ص٤٧، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالى:وفى الرقاب والغارمين وفى سبيل الله)

وأصـل الصنو المثل والمراد به هنا فرع يجمعه وفرعا آخر أو أكثر أصل واحد ومنه عم الرجل صنو أبيه لأنهما يجمعهما أصل واحد(فتح البارى لابنِ حجر، ج٨ص٣٧٤، قوله سورة الرعد)

میں روایت کیا ہے۔ [1]

امام نووی، ابنِ عطیہ اور امام بیہقی رحمہم اللہ نے اس سلسلہ میں جو کچھ فرمایا، وہ محققین کی تصریح کے مطابق، شرعی قواعد اور نصوص کے مطابق اور راجح ہے، اگرچہ کسی مومن کے جذبات و خواہشات کے مطابق نہ ہو، کیونکہ کسی کے ایمان یا کفر پر فوت ہونے کی اصل حقیقت قرآن وسنت سے ہی معلوم ہوسکتی ہے، اور صحیح احادیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا کفر پر فوت ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی وفات زمانۂ جاہلیت میں، توحید وایمان کے بغیر ہوئی، اور زمانۂ جاہلیت میں جن لوگوں نے توحید کو اختیار نہ کیا، ان کے لیے کئی احادیث میں اس طرح کی وعیدیں آئی ہیں، بالخصوص جن کو حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل یا حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی، اگرچہ شریعت کے احکام میں تحریف وتغییر ہوگئی ہو، کیونکہ توحید کی اصولی دعوت ان کے پاس پھر بھی موجود ہے، اور توحید، تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی شریعت میں لازم رہی ہے۔

---

[1] وأبواه كانا مشركين بدليل.
ما أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، أنبأ أبو الحسن أحمد بن محمد بن عبدوس، ثنا عثمان بن سعيد الدارمى، ثنا موسى بن إسماعيل، ثنا حماد بن سلمة، ح قال :وأنا أبو بكر بن عبد الله واللفظ له، ثنا الحسن بن سفيان، ثنا أبو بكر بن أبى شيبة، ثنا عفان، ثنا حماد بن سلمة، عن ثابت، عن أنس، أن رجلا قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم :يا رسول الله، أين أبى؟ قال " :فى النار "قال :فلما قفا دعاه، فقال " :إن أبى وأباك فى النار " رواه مسلم فى الصحيح، عن أبى بكر بن أبى شيبة.
وأخبرنا محمد بن عبد الله الحافظ، أنبأ أبو العباس السيارى، ثنا أبو الموجه، ثنا يحيى بن أيوب، ثنا مروان بن معاوية، ح قال :وأخبرنى أبو الوليد الفقيه، ثنا أحمد بن الحسن بن عبد الجبار، ثنا محمد بن عباد، ثنا مروان بن معاوية، عن يزيد بن كيسان، عن أبى حازم، عن أبى هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :استأذنت ربى فى أن أستغفر لأمى فلم يأذن لى واستأذنته فى أن أزور قبرها فأذن لى "، رواه مسلم فى الصحيح، عن يحيى بن أيوب، ومحمد بن عباد(السنن الكبرى للبيهقى، ج٧ص٣٠٨ ، كتاب النكاح،باب نكاح أهل الشرك وطلاقهم)

علاوہ ازیں بہت سے اہلِ علم حضرات کے نزدیک جس صاحبِ عقل وشعور کو دعوتِ توحید نہ پہنچی ہو، وہ اپنی عقل وشعور کی بنا پر توحید کا پھر بھی مکلّف ہوتا ہے، اور وہ معذور شمار نہیں ہوتا، برخلاف رسالت وفروعِ شریعت کے احکام کے کہ ان کا مکلّف ہونے کے لیے بالاتفاق نبی یا اس کے نائب کی دعوت کا پہنچنا ضروری ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نے سنا، اور ایمان نہ لایا'' اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ:

**فيه دليل على أن من فى أطراف الأرض وجزائر البحر المقطعة ممن لم تبلغه دعوة الإسلام ولا أمر النبى صلى الله عليه وسلم أن الحرج عنه فى عدم الإيمان به ساقط لقوله " :لا يسمع بى "، إذ طريق معرفته والإيمان به صلى الله عليه وسلم مشاهدة معجزته وصدقه أيام حياته، أو صحة النقل بذلک والخبر لمن لم يشاهده وجاء بعده.**

**بخلاف الإيمان بالله وتوحيده الذى يوصل إليه بمجرد النظر الصحيح ودليل العقل السليم** (شرح صحيح مسلم للقاضى عياض المسمى إكمال المعلم بفوائد مسلم، ج ١، ص ٤٦٨، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم إلى جميع الناس ونسخ الملل بملته)

ترجمہ: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص زمین کے ان اطراف واکناف اور سمندر کے ان جزیروں میں ہو، جو الگ تھلگ ہیں، اور اس کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پہنچا، تو اس کے ایمان نہ لانے میں حرج ساقط ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ''اس نے مجھے نہیں سنا'' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور آپ پر ایمان لانے کا طریقہ،

آپ کی زندگی میں تو آپ کے معجزہ کا مشاہدہ کرنا ہے، اور آپ کے بعد جس نے اس کا مشاہدہ نہیں کیا، اس کے لیے اس کی نقلِ صحیح یا خبر کا پہنچنا ہے (یہ حکم تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا ہے)

برخلاف اللہ پر ایمان لانے اور اللہ کی توحید کے، جس کی طرف صرف نظرِ صحیح اور عقلِ سلیم کی دلیل سے پہنچا جا سکتا ہے (اس کے لیے نقلِ صحیح یا خبر کا پہنچنا ضروری نہیں) (اکمال المعلم)

تفسیر معارف القرآن عثمانی میں ہے کہ:

اگر بالفرض کوئی قوم ایسی ہو کہ ان کے پاس نہ کوئی رسول اور نہ کوئی پیغمبر آیا اور نہ ان کے نائبین پہنچے، اور نہ پچھلے انبیاء کی شریعت ان کے پاس محفوظ تھی، تو یہ لوگ اگر شرک کے علاوہ کسی غلط کاری اور گمراہی میں مبتلا ہو جاویں، تو وہ معذور سمجھے جاویں گے، وہ مستحقِ عذاب نہیں ہوں گے۔ اسی لئے حضرات فقہاء کا اہلِ فترت کے معاملہ میں اختلاف ہے کہ وہ بخشے جاویں گے یا نہیں؟

جمہور کا رجحان یہ ہے کہ امید اسی کی ہے کہ وہ بخش دیئے جاویں گے، جب کہ وہ اپنے اس مذہب کے پابند رہے ہوں، جو غلط سلط اِن کے پاس حضرت موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام (وغیرہ) کی طرف منسوب ہو کر موجود تھا، بشرطیکہ وہ توحید کے مخالف اور شرک میں مبتلا نہ ہوں، کیونکہ مسئلہ توحید کسی نقل کا محتاج نہیں، وہ ہر انسان ذرا سا غور کرے، تو اپنی ہی عقل سے معلوم کر سکتا ہے (معارف القرآن، ج۳ص۹۱، سورہ مائدہ، آیت نمبر۱۹، مطبوعہ: ادارۃ المعارف، کراچی، طبع جدید: 1992 عیسوی)

پس جو حضرات، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کے تمام لوگوں کو اہلِ فترۃ میں داخل کر کے ان سب کے ناجی ہونے کے قائل ہیں، اور اہلِ فترۃ سے متعلق دلائل کی بنیاد پر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباواجداد کے بھی ناجی ہونے کا پُرزور دعویٰ کرتے ہیں، اور اپنے اس دعوے

کو قطعی نصوص کے موافق قرار دیتے ہیں، ان کے مذکورہ دعوے کی طرف ہمارا رجحان نہیں۔

(اہلِ جاہلیت اور اہلِ فترۃ سے متعلق تفصیل ہم نے اپنے ایک دوسرے مستقل مضمون ’’اھلِ فترۃ و جاھلیۃ کا حکم‘‘ میں ذکر کردی ہے، وہاں ملاحظہ کرلی جائے)

## انس رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت

امام حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ:

’’قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم :وَعَدَنِيْ رَبِّيْ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ مَنْ أَقَرَّ مِنْهُمْ بِالتَّوْحِيْدِ، وَلِي بِالْبَلَاغِ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ‘‘

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے میرے رب نے میرے اہلِ بیت کے متعلق یہ وعدہ فرمایا ہے کہ جو ان میں سے توحید کا اقرار کرے گا، اور میری تبلیغ میں ساتھ دے گا، تو اللہ اس کو عذاب نہیں دے گا‘‘ [1]

اس حدیث میں مذکور اہلِ بیت کے مفہوم میں بعض حضرات نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو بھی شامل کر کے ان کے عذاب سے نجات کا دعویٰ کیا ہے۔

مگر یہ بات درست نہیں، کیونکہ اولاً تو مذکورہ حدیث کی سند کے متعلق علامہ ذہبی نے امام حاکم کے اس کو ’’صحیح‘‘ قرار دینے سے اختلاف کر کے فرمایا:

---

[1] حدثنا أبو عبد الله محمد بن عبد الله الصفار، ثنا أبو عبد الله محمد بن عبد الله بن الحسن الأصبهاني، ثنا أحمد بن مهدی بن رستم، ثنا الخليل بن عمر بن إبراهيم، ثنا عمر بن سعيد الأبح، عن سعيد بن أبي عروة، عن قتادة، عن أنس رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :وعدني ربي في أهل بيتي من أقر منهم بالتوحيد، ولي بالبلاغ أن لا يعذبهم.

قال عمر بن سعيد الأبح " :ومات سعيد بن أبي عروبة يوم الخميس، وكان حدث بهذا الحديث يوم الجمعة، مات بعده بسبعة أيام في المسجد، فقال قوم :لا جزاك الله خيرا صاحب رفض وبلاء ، وقال قوم :جزاك الله خيرا صاحب سنة وجماعة أديت ما سمعت(المستدرك على الصحيحين للحاكم،رقم الحديث ۴۷۱۸)

"بل منکر لم یصح"

''یعنی یہ حدیث منکر ہے، اور صحیح نہیں'' [1]

مذکورہ روایت میں ایک راوی''عمر بن حماد بن سعید الابح''پائے جاتے ہیں، جن کو ابنِ عدی نے''منکرُ الحدیث''قرار دیا ہے، اوران کی سند سے مذکورہ حدیث کو نقل کر کے ابنِ عدی نے فرمایا کہ:

"وقوله فی أهل بیتی فی هذا المتن منکر بهذا الإسناد"

''یعنی مذکورہ سند کے متن میں عمر بن حماد کے''فی اھلِ بیتی''کے الفاظ منکر ہیں'' [2]

اور''عمر بن حماد بن سعید الابح''کے بارے میں علامہ ذہبی نے ابنِ حبان کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ:

"کان ممن یخطء کثیرا حتی استحق الترک"

''یعنی یہ راوی کثرت سے خطاء کرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ ترک کا مستحق ہوگیا''

پھر علامہ ذہبی نے مذکورہ حدیث کو''عمر بن حماد بن سعید الابح''کے''مناکیر''میں شمار کیا ہے۔ [3]

---

[1] قال الحاکم: هذا حدیث صحیح الإسناد، ولم یخرجاه .
وقال الذهبی فی التلخیص: بل منکر لم یصح.

[2] عمر الأبح، وهو بن سعید بصری.
عن بن أبی عروبة منکر الحدیث.
سمعت ابن حماد یذکره عن البخاری،
، حدثنا ابن مکرم، حدثنا یحیی بن محمد بن السکن، حدثنا الخلیل بن عمر، حدثنی عمر الأبح عن سعید بن أبی عروبة، عن قتادة، عن أنس، قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم وعدنی ربی فی أهل بیتی من أقر منهم بالتوحید.
وقوله فی أهل بیتی فی هذا المتن منکر بهذا الإسناد(الکامل فی ضعفاء الرجال،لابی أحمد بن عدی، ج۶،ص۷۹، تحت رقم الترجمة ۱۲۱۸)

[3] عمر بن حماد بن سعید الابح.
عن سعید بن أبی عروبة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے ''لسانُ المیزان'' میں امام بخاری سے ''عمر بن حماد بن سعید الابح'' کے متعلق ''منکر الحدیث'' ہونا نقل کیا ہے۔ [1]

علامہ محمد بن طاہر مقدسی نے بھی اس روایت کو ''منکر'' قرار دیا ہے۔ [2]

دوسرے اگر اس حدیث کو سند کے اعتبار سے تسلیم بھی کرلیا جائے، تو اس میں توحید کے اقرار کی قید لگی ہوئی ہے۔

اور جن افراد کے متعلق خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اہلِ نار'' میں سے اور ''مشرک'' ہونا بیان کردیا، اور اس کا صحیح سند سے ثبوت مل گیا، تو وہ افراد مذکورہ حدیث میں مذکور توحید کا اقرار کرنے اور تبلیغ میں ساتھ دینے والوں کے مصداق سے خارج ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے متعلق خود حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال ابن حبان :کان ممن یخطء کثیرا حتی استحق الترک.

وقال ابن عدی:منکر الحدیث.

روی عنه شیبان، والخلیل بن عمر، وجماعة.

ومن مناکیره ما روی الخلیل بن عمر (قال)حدثنی عمر الابح، عن ابن أبی عروبة، عن قتادة، عن أنس -مرفوعاً :وعدنی ربی فی أهل بیتی من أقر منهم بالتوحید(میزان الاعتدال فی نقد الرجال،للذهبی، ج۳،ص ۱۹۲ ،حرف العین،تحت رقم الترجمة ۶۰۸۲)

[1] "عمر "بن حماد بن سعید الإبح عن سعید بن أبی عروبة قال ابن حبان کان ممن یخطیء کثیرا حتی استحق الترک وقال ابن عدی منکر الحدیث روی عنه شیبان والخلیل بن عمر وجماعة ومن مناکیره ما روی الخلیل بن عمر قال حدثنی عمر بن سعید الإبح عن ابن أبی عروبة عن قتادة عن أنس رضی الله عنه مرفوعا" :وعدنی ربی فی أهل بیتی من أقر منهم بالتوحید "انتهی وبقیة کلام ابن عدی قال وقوله فی أهل بیتی فی هذا المتن منکر وقال فی آخر ترجمته ولعمر غیر ما ذکرت من الحدیث وهو بصری وفی بعض ما یرویه عن ابن أبی عروبة إنکار وأعاده المؤلف فی عمر بن سعید فی آخر من اسمه عمر وقال :قال البخاری منکر الحدیث(لسان المیزان، لابن حجر العسقلانی، ج۴،ص ۳۰۱،تابع حرف العین، تحت رقم الترجمة ۸۴۱)

[2] حدیث :وعدنی ربی عز وجل فی أهل بیتی من أقر منهم بالتوحید ، ولی بالبلاغ أن یعذبهم . رواه عمر بن سعید الأبح :عن ابن أبی عروبة ، عن قتادة عن أنس .وقوله ' :فی أهل بیتی 'منکر بهذا الإسناد(ذخیرة الحفاظ،لمحمد بن طاهر المقدسی، ج۵،ص ۲۵۵۲ ، تحت رقم الحدیث ۵۹۳۵)

اہلِ نار میں سے ہونا مروی ہے، اور دیگر حضراتِ صحابۂ کرام سے بھی مروی ہے، بلکہ والدہ کے متعلق مروی ہے۔

نیز جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی وفات، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا کیے جانے سے پہلے ہوگئی، تو پھر تبلیغ میں ساتھ دینے کے مصداق سے وہ پہلے ہی خارج ہو گئے۔ [1]

## عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ حُصَيْنٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَرَأَيْتَ رَجُلًا كَانَ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيَقْرِي الضَّيْفَ مَاتَ قَبْلَكَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم: إِنَّ أَبِي وَأَبَاكَ فِي النَّارِ، فَمَا مَضَتْ عِشْرُوْنَ لَيْلَةً حَتّٰى مَاتَ مُشْرِكًا (المعجم الكبير، للطبرانی، رقم الحديث ۳۵۵۲، ج۴ص۲۷)

ترجمہ: (ان کے والد) حصین، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور کہا کہ آپ کی اس آدمی کے بارے میں کیا رائے ہے، جو آپ سے پہلے فوت ہوگیا، اور وہ صلہ رحمی اور مہمان نوازی کیا کرتا ہو؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میرے والد اور آپ کے والد (عبید) جہنم میں ہیں، پس بیس راتیں گزرنے کے بعد (حصین کے والد) شرک کی حالت میں فوت ہوگئے (طبرانی)

مذکورہ روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والد کو حصین کے والد کے ساتھ جہنم میں

---

[1] (وعدني ربي في أهل بيتي من أقر منهم بالتوحيد) أي أن الله تعالى إله واحد لا شريك له (ولي بالبلاغ) أي بأني بلغت ما أرسلت به (أن لا يعذبهم) بنار جهنم والله تعالى (لا يخلف الميعاد) سيما مع وعده رسله.

(د) وكذا الحاكم (عن أنس) بن مالك قال الحاكم: صحيح فتعقبه الذهبي في المهذب فقال: قلت هذا منكر لا يصح (فيض القدير للمناوي، تحت رقم الحديث ۹۶۲۳)

ہونے کا ذکر فرمایا، اور حصین کے والد شرک کی حالت میں فوت ہوئے، جن کا نام ''عبید'' تھا۔ [1]

## عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی بعض دوسری روایات میں اس کی مزید تصریح پائی جاتی ہے۔

چنانچہ امام طبرانی نے ہی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ:

**أَتٰی أَبُوْ حُصَیْنِ بْنِ عُبَیْدٍ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَال :أَرَأَیْتَ رَجُلًا یُقْرِی الضَّیْفَ وَیَصِلُ الرَّحِمَ، وَیَفْعَلُ وَیَفْعَلُ هُوَ أَبُوْکَ، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم :أَرَأَیْتَ أَبِیْ وَأَبَاکَ، فَإِنَّهُمَا فِی النَّار :فَمَا لَبِثَ بَعْدَ ذٰلِکَ إِلَّا عِشْرِیْنَ لَیْلَةً حَتّٰی مَاتَ** (المعجم الکبیر،للطبرانی، رقم الحدیث۵۴۸، ج۱۸ص۲۲۰)

ترجمہ: ابو حصین بن عبید، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور کہا کہ آپ کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے، جو مہمان نوازی کیا کرتا تھا، اور صلہ رحمی کیا کرتا تھا، اور فلاں فلاں کارِ خیر انجام دیا کرتا تھا، وہ شخص آپ کے والد تھے؟ تو نبی

---

[1] ثم لا ینافی الحدیث الأول ما ورد من طریق آخر ولم یذکر فیه إن أبی وأباک فی النار بل قال إذا مررت بقبر کافر فبشره بالنار.

فإنه یفید التعمیم والأول یدل علی التخصیص فذکره أولا تسلیة له وثانیا لئلا یتقید بالحکم المذکور بل یعم من هو بالکفر مشهور کما یدل علیه روایة ابن ماجه من طریق إبراهیم بن سعد عن الزهری عن سالم عن أبیه قال وجاء أعرابی إلی النبی صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله إن أبی کان یصل الرحم وکان وکان فأین هو قال فی النار.قال فکأنه وجد من ذلک فقال یا رسول الله فأین أبوک قال رسول الله صلی الله علیه وسلم حیثما مررت بقبر مشرک فبشره بالنار.قال فأسلم الأعرابی بعد وقال لقد کلفنی رسول الله صلی الله علیه وسلم تعبا ما مررت بقبر کافر إلا بشرته بالنار.

وفی هذا التعمیم دلالة واضحة وإشارة لائحة بأن أهل الجاهلیة کلهم کفار إلا ما خص منهم بالأخبار عن النبی المختار(أدلة معتقد أبی حنیفة فی أبوی الرسول علیه الصلاة والسلام، ص ۷۵،الأدلة من السنة)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میرے اور آپ کے والد جہنم میں ہیں، پس بیس راتیں نہیں گزریں تھیں کہ (حصین کے والد) فوت ہو گئے

(طبرانی)

مذکورہ روایت میں حصین کے والد کی طرف سے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے فوت ہونے کی تصریح ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے اور حصین کے والد کے اہلِ نار میں ہونے کا حکم مذکور ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی وضاحت ہے کہ یہ سوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی والد کے متعلق تھا، کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے فوت ہو گئے، اور اس میں آپ کے چچا ابوطالب کو مراد لینا صحیح نہیں، کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد فوت ہوئے۔

## عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی تیسری روایت

محمد بن خلف بن حیان بغدادی نے ''اخبارُ القضاۃ'' میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ہی کی سند سے روایت کیا ہے کہ:

**أن أباه حصين بن عبيد قال :قلت :يا رسول الله أرأيت رجلا كان يقرى الضيف، ويصل الرحم، ويفك العانى، ويفعل ويفعل، فهلك فى الجاهلية؛ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :هو فى النار؛ قال :فما أتت على عبيد ثلاثة أيام حتى مات مشركا**

(أخبار القضاة، ج ا ،ص ۲۹۲ ،ذكر قضاة البصرة وأخبارهم)

ترجمہ: ان کے والد حصین بن عبید نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے، جو مہمان نوازی اور صلہ رحمی کیا کرتا تھا، اور قیدی کو آزاد کرایا کرتا تھا، اور فلاں فلاں اعمال کیا کرتا

تھا، لیکن وہ جاہلیت کے زمانہ میں فوت ہوگیا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جہنم میں ہے، تو عبید تین دن کے اندر، مشرک ہونے کی حالت میں فوت ہوگئے (اخبارُ القضاۃ)

اور روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکورہ سوال، عمران بن حصین کے والد "حصین" کی طرف سے کرنے، اور ان کے شرک کی حالت میں فوت ہونے کا ذکر ہے۔ [1]

---

[1] حدثنا الحسن بن غليب المصرى، ثنا يحيى بن سليمان الجعفى، ثنا أبو خالد الأحمر، عن داود بن أبى هند، عن العباس بن عبد الرحمن الهاشمى، عن عمران بن الحصين، إن أباه حصينا أتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال :أرأيت رجلا كان يقرى الضيف، ويصل الرحم، مات قبلك، وهو أبوك فقال :إن أبى وأباك وأنت فى النار . قال :فمات حصين مشركا(المعجم الكبير،للطبرانى، رقم الحديث ۵۴۹،ج۱۸ ص ۲۲۰)

نا أبو خالد عن داود بن أبى هند عن العباس بن عبد الرحمن عن عمران بن حصين أن الحصين أتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال أرأيت رجلاً كان يقرى الضيف ويصل الرحم مات قبلك وهو أبوك قال إن أبى وأباك وأنت فى النار قال فمات حصين مشركاً(حديث أبى سعيد الأشج الكندى المتوفىٰ: 257هجرى، ص ۲۳۶، رقم الحديث ۱۱۹)

أخبرنا أبو بحر الأسدى قراء ة عليه وأنا أسمع قال أنبا أحمد بن عمر العذرى قال ثنا أحمد بن الحسن الرازى قال ثنا محمد بن عيسى ثنا إبراهيم ابن محمد ثنا مسلم قال ثنا أبو بكر بن أبى شيبة قال ثنا عفان قال ثنا حماد بن سلمة عن ثابت عن أنس أن رجلا قال يا رسول الله أين أبى قال فى النار فلما قفى دعاه فقال إن أبى وأباك فى النار.

الرجل السائل للنبى صلى الله عليه وسلم هو أبو رزين لقيط بن المنتفق بن عامر العقيلى .

والشاهد بذلك ما أخبرنا به أبو الحسن بن مغيث عن أبى عمر أحمد ابن محمد القاضى قال ثنا عبد الوارث قال ثنا قاسم قال ثنا أحمد بن زهير قال ثنا إبراهيم بن المنذر قال ثنا عبد الرحمن بن المغيرة عن عبد الرحمن ابن عياش السمعى عن دلهم بن الأسود عن عبد الله بن حاجب بن عامر ابن المنتفق قال قلت يا رسول الله هل لأحد ممن مضى.

خير فى جاهليتهم فقال رجل من عرض قريش والله إن أباك المنتفق لفى النار قال فلكانه وقع جمر بين جلد وجهى ولحمى مما قال لأبى على رء وس الناس قال فحميت أن أقول أبوك يا رسول الله ثم إن الأخرى أجمل فقلت يا رسول الله وأهلك قال وأهلى لعمر الله .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ابنِ خزیمہ کی ایک دوسری سند سے مروی روایت میں بھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مذکور ہے کہ ''یا حصین ، إن أبی و أباک فی النار'' ۔ ۱؎

حضرت عمران بن حصین کے والد ''حصین'' کے متعلق بعض حضرات نے اسلام لانے کی تصریح کی ہے، جبکہ مذکورہ روایات میں سے بعض روایات کے الفاظ سے، ان کا شرک کی حالت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وبإسناده عن أحمد بن زهير قال ثنا عمر بن مرزوق قال أنبا شعبة عن يعلى ابن عطاء عن وكيع بن عدس عن أبى رزين قال قلت يا رسول الله إن أمى كانت فى الجاهلية تقرى الضيف وتفعل وتفعل وماتت وهى مشركة فأين أمى قال هى فى النار قال فأين أمك قال أما ترضى أن تكون أمك مع أمي.

وقيل هو حصين بن عبيد أبو عمران بن حصين .

أخبرنا أبو محمد عبد الرحمن بن محمد عن أبيه قال ثنا أبو عثمان قال ثنا محمد بن مفرج ثنا محمد بن أيوب ثنا أحمد بن رشدين ثنا يوسف بن عدى قال ثنا عدى بن مسهر عن داود بن هند عن العباس بن عبد الرحمن عن عمران بن حصين الأسلمى أن أباه حصين ابن عبيد أتى النبى صلى الله عليه وسلم وكان مشركا فقال له أرأيت رجلا كان يقرى الضيف ويصل الرحم مات قبلك هو أبوك فقال النبى صلى الله عليه وسلم رأيت أبى وأباك وإياك فى النار فما مضت عشرون ليلة حتى مات مشركا(غوامض الأسماء المبهمة الواقعة فى متون الأحاديث المسندة،لخلف بن عبد الملك بن بشكوال أبو القاسم، ج ١،ص ٤٠٠، ٤٠١،تحت ترجمة: أبو رزين لقيط بن المنتفق حصين بن عبيد )

۱؎ حدثنا رجاء بن محمد العذرى ، قال :ثنا عمران بن خالد بن طليق بن محمد بن عمران بن حصين ، قال :حدثنى أبى ، عن أبيه ، عن جده ، أن قريشا جاء ت إلى الحصين ، وكانت تعظمه ، فقالوا له :كلم لنا هذا الرجل ، فإنه يذكر آلهتنا ويسبهم ، فجاء وا معه حتى جلسوا قريبا من باب النبى صلى الله عليه وسلم ، ودخل الحصين ، فلما رآه النبى صلى الله عليه وسلم قال : أوسعوا للشيخ ، وعمران وأصحابه متوافدون ، فقال حصين :ما هذا الذى يبلغنا عنك ، إنك تشتم آلهتنا وتذكرهم ، وقد كان أبوك جفنة وخبزا فقال : يا حصين ، إن أبى وأباك فى النار ، يا حصين ، كم إلها تعبد اليوم ؟ قال :سبعة فى الأرض ، وإلها فى السماء ، قال : فإذا أصابك الضر من تدعو ؟ قال :الذى فى السماء ، قال :فإذا هلك المال من تدعو ؟ قال : الذى فى السماء ، قال : فيستجيب لك وحده ، وتشركهم معه ؟ وذكر الحديث ، وقد أمليته فى كتاب الدعاء(التوحيد لابن خزيمة، ج ١ ص ٢٧٧ ،باب ذكر سنن النبى صلى الله عليه وسلم المثبتة أن الله جل وعلا فوق كل شيء وأنه فى السماء )

میں فوت ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ [1]

اس کے جواب میں امام طحاوی رحمہ اللہ نے ''شرح مشکل الآثار'' میں فرمایا کہ یہ اختلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے راویوں کی طرف سے ہے۔

نیز اس بات کا امکان ہے کہ عمران کے والد اور دادا دونوں کا نام حصین ہو، اور حضرت عمران کے والد اسلام لے آئے ہوں، اور دادا اسلام نہ لائے ہوں، جس روایت میں اسلام لانے کا ذکر ہے، اس سے والد مراد ہوں۔ واللہ اعلم۔ [2]

علامہ ہیثمی نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی طبرانی کی روایت کے

---

[1] حصين بن عبيد بن خلف الخزاعي ، والد عمران بن حصين، مختلف في إسلامه.
روى النسائي في "اليوم والليلة"من حديث إسرائيل بن يونس (سي) ، وعمرو بن أبي قيس الرازي (سي) عن منصور، عن ربعي بن حراش ، عن عمران بن حصين، عن أبيه أنه أتى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال :يا محمد، عبد المطلب كان خيرا لقومه منك..الحديث، وفيه ذكر إسلامه .وتابعهما شيبان بن عبد الرحمن وغيره عن منصور.
ورواه زكريا بن أبي زائدة (سي) وغيره، عن منصور، ولم يقولوا :عن أبيه"وهو المحفوظ.وقد قيل: إنه مات مشركا، والله أعلم(تهذيب الكمال في أسماء الرجال، ج٦، ص ٥٢٦،باب الحاء،من اسمه حصين)

[2] قال: ففي هذا الحديث أن حصينا أبا عمران بن حصين مات مشركا، وفي الحديث الأول ذكر إسلامه، وتعليم النبي صلى الله عليه وسلم إياه ما ذكر تعليمه إياه فيه، وهذا اختلاف شديد .
فكان جوابنا له في ذلك بتوفيق الله عز وجل وعونه أن هذا وإن كان اختلافا كما ذكر في هذين الحديثين، فإنه ليس من رسول الله صلى الله عليه وسلم , وإنما هو من رواة هذين الحديثين، والله أعلم بحقيقة الأمر في ذلك ما هو، غير أنا تأملناهما فوجدناهما قد يخرجان بما لا اختلاف فيه، وذلك أن يكون عمران هو ابن حصين بن حصين بن عبيد، فيكون أبوه حصين المذكور بالإسلام في الحديث الأول من الحديثين اللذين ذكرناهما في هذا الباب أباه الأدنى هو الذي أسلم وعلمه رسول الله صلى الله عليه وسلم ما علمه في الحديث المذكور فيه إسلامه من الحديثين اللذين رويناهما في هذا الباب، ويكون الذي مات مشركا هو حصين بن عبيد أباه الأقصى من أبويه اللذين اسم كل واحد منهما حصين، فيصح الحديثان جميعا ولا يتضادان، وذلك أولى مما حملا عليه حتى لا يدفع واحد منهما صاحبه، ولا يخالفه ولا يضاده .والله عز وجل نسأله التوفيق (شرح مشكل الآثار للطحاوي، ج٦ص ٣٥٠، تحت رقم الحديث ٢٥٢٧،باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من قوله لحصين الخزاعي أبي عمران بن حصين لما علمه أن يدعو: "اللهم اغفر لي ما أخطأت , وما عمدت , وما علمت , وما جهلت ")

رِجال کو صحیح قرار دیا ہے۔ ؎۱

اور عرب کے شیخ ناصر الدین البانی صاحب نے بھی عمران بن حصین کی طبرانی میں مروی روایت کی دوسرے شواہد کی بنا پر تصحیح کی ہے، اور کہا ہے کہ اس باب میں کثیر احادیث مروی ہیں، اگرچہ اس باب میں اتنی زیادہ احادیث کی ضرورت نہ تھی۔ ؎۲

---

؎۱ قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٤٦٠، باب في اهل الجاهلية)

؎۲ "إن أبي وأباك في النار ."

أخرجه الطبراني في "الكبير "(3552) : حدثنا محمد بن عبد الله الحضرمي حدثنا أبو كريب حدثنا أبو خالد الأحمر عن داود بن أبي هند عن العباس بن عبد الرحمن عن عمران بن الحصين قال :جاء حصين إلى النبي صلى الله عليه وسلم قال :أرأيت رجلا كان يصل الرحم، ويقرى الضيف مات قبلك؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :فذكره :فما مضت عشرون ليلة حتى مات مشركا .

قلت :وهذا إسناد رجاله كلهم ثقات غير العباس بن عبد الرحمن، وهو مولى بني هاشم، لا يعرف إلا برواية داود عنه كما في "تاريخ البخاري "( 4/ 1/ 5 ) و "الجرح والتعديل "( 3/ 211) ولم يذكرا فيه جرحا ولا تعديلا، فهو مجهول، وقول الحافظ في " التقريب " :"مستور "سهو منه لأنه بمعنى " :مجهول الحال "، وذلك لأنه نص في المقدمة أن هذه المرتبة إنما هي في "من روى عنه أكثر من واحد ولم يوثق ."

قلت :وذهل عنه الهيثمي، فقال في "المجمع "(1/117 ) " : رواه الطبراني في "الكبير "، ورجاله رجال (الصحيح) !" وذلك لأن العباس هذا لم يخرج له الشيخان، ولا بقية الستة، وإنما أخرج له أبو داود في "المراسيل "و" القدر "، وحديثه في "المراسيل "يشبه هذا في المعنى، فقد أخرجه فيه (برقم 508) من طريق داود أيضا عنه قال :جاء رجل إلى العباس فقال :أرأيت الغيطلة - كاهنة بني سهم -في النار مع عبد المطلب؟ فسكت :ثم قال :أرأيت الغيطلة ..، فوجأ العباس أنفه، فجاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :ما بال أحدكم يؤذي أخاه في الأمر وإن كان حقا؟ " !وكذا رواه ابن سعد في "الطبقات "(4/ - 24 25) بأتم منه .

والحديث أخرجه الجورقاني في "الأباطيل والمناكير "(1/235 ) من طريق أخرى عن داود بن أبي هند في جملة أحاديث أخرى تدل كلها -كهذا -على أن من مات في الجاهلية مشركا فهو في النار، وليس من أهل الفترة كما يظن كثير من الناس، وبخاصة الشيعة منهم، ومن تأثر بهم من السنة !ومن تلك الأحاديث، ما رواه حماد بن سلمة عن ثابت عن أنس أن رجلا قال :يا رسول الله أين أبي؟ قال :في النار. فلما قفى دعاه، فقال :فذكر حديث الترجمة حرفا بحرف .أخرجه مسلم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر مذکورہ حدیث کی سند پر کلام کرنے کے بعد شیخ ناصر الدین البانی صاحب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا کہ:

اے مسلمان بھائی! یہ بات جان لینی چاہیے کہ آج کے زمانے میں اور آج سے پہلے بعض لوگ ایسے ہیں کہ جن میں ان صحیح احادیث کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں، اور نہ ہی ان کی طرف سے اس بات کو ماننے پر آمادگی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر کفر کا حکم لگائیں، بلکہ اسلام کے مدعی بعض لوگ ان صحیح اور صریح احادیث اور ان کے واضح معنیٰ ہی کے ذکر کرنے پر شدید نکیر کرتے ہیں (یہاں تک کہ نعوذ باللہ تعالیٰ اس کو ملعون تک قرار دیتے ہیں) جبکہ ہمارے گمان کے مطابق، ان لوگوں کا اس پر نکیر کرنا، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا انکار ہے، جنہوں نے خود اپنے والدین کے متعلق یہ حکم بیان فرمایا ہے (جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدین سے محبت یقیناً ان لوگوں سے زیادہ تھی) اور اگر وہ لوگ ان احادیث کا علم ہوتے ہوئے انکار کریں، تو کفر ہوگا، ورنہ کم از کم ان جلیل القدر محدثین پر بہتان ہوگا، جنہوں نے ان احادیث کو روایت کیا، اور ان احادیث کو صحیح قرار دیا، یہ طرزِ عمل اگر کفر نہ ہو تو فسق اور گناہ ہونے میں تو شبہ نہیں،

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

( 1/- 132 133) وأبو عوانة(1 / 99 ) وأبو داود (4718) والجورقانى(1 / 233 ) وصححه، وأحمد (3/268 ) وأبو يعلى ( 6/ 229 / 3516 ) وابن حبان (- 578 الإحسان) والبيهقى(7 / 190) من طرق عن حماد بن سلمة به .

ومنها سعد بن أبى وقاص المتقدم فى المجلد الأول برقم (18) بلفظ " :حيثما مررت بقبر كافر فبشره بالنار ."فراجع سببه هناك، فإنه بمعنى حديث الترجمة لمن تأمله .وإن مما يتصل بهذا الموضوع قوله صلى الله عليه وسلم لما زار قبر أمه " :استأذنت ربى فى أن أستغفر لها فلم يأذن لى، واستأذنته فى أن أزور قبرها، فأذن لى .. "الحديث .رواه مسلم وغيره، وهو مخرج فى " أحكام الجنائز "(ص 188 - 187) من حديث أبى هريرة وبريدة، فليراجعهما من شاء . والأحاديث فى هذا الباب كثيرة، وفيما ذكرنا خير كبير وبركة(سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٢٥٩٢)

کیونکہ یہ مسلمانوں کے دین میں شکوک وشبہات پیدا ہونے کا سبب ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس بات کا علم حاصل کرنے اور ایمان لانے کا راستہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے، جیسا کہ اپنے دین کی بصیرت رکھنے والے مسلمانوں پر مخفی نہیں (کیونکہ کسی کے باطنی ایمان یا کفر پر مطلع ہونے اور اس کے عذاب میں مبتلا ہونے کا تعلق غیب سے ہے) پس جب کچھ لوگ ان احادیث کی اس لیے تصدیق نہیں کریں گے کہ وہ احادیث، ان لوگوں کی ترجیحات، ان کے ذوق اور ان کی خواہشات کے موافق نہ ہوں گی، اور لوگوں کا اس باب میں شدید اختلاف ہوگا (جیسا کہ اس مسئلہ میں شدید ہی اختلاف ہے) تو اس سے صحیح احادیث کو رَد کرنے کا بہت بڑا دروازہ کھل جائے گا، جس کا آج کے دور میں کئی کتابوں کے تناظر میں مشاہدہ کیا جاتا ہے، جن کے مصنفین کی صحیح اور غیر صحیح احادیث پر نظر نہیں۔[1]

اور اے مسلمان! جو اپنے دین پر رحم کرنا چاہتا ہے اس طرح کی احادیث کہ جن

---

[1] یہی بات شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ایک مضمون میں تحریر فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اگر اسی طرح کے لوگوں کی ذرا سی بھی ہمنوائی کی جائے، تو فتنہ انکارِ حدیث کا دروازہ کھل جائے گا، اور کتبِ حدیث کی حیثیت اور وقعت ذہنوں سے کم ہوتی چلی جائے گی، آج کل بھی ایسے مصنفین پائے جاتے ہیں، جنہیں کوئی روایت کسی کتاب میں اپنے کسی مخصوص مسلک کے خلاف نظر آجاتی ہے، تو اول تو اس کتاب کے مصنفین ہی کی خبر لیتے ہیں، پھر کتاب ہی کو یکسر غلط بنا دیتے ہیں، اور ان سب روایات کو بھی مجروح قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں، جو اس کتاب میں موجود ہوں، اگرچہ ان کی اسانید صحیح ہوں، ایسے ہی لوگوں کو سلف کی اصطلاح میں ''اہلِ ہویٰ'' کہا جاتا ہے، جن کا مقصود قرآن اور حدیث پر چلنا نہیں، بلکہ اپنا جو ایک مسلک طے کرلیا، اسی کے گرد گھومتے اور آیات اور احادیث کی تاویل اور تحریف کر کے اسی کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں، معتزلہ، روافض، خوارج اور نئے دور کے معتزلہ مزاج مفکرین اور مصلحین کا یہی حال ہے (ماہنامہ ''البلاغ'' اشاعت خصوصی، جمادی الاخریٰ، تا شعبان 1399 ہجری، ص ۱۹، مرتبہ: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، مضمون ''حضرت مفتی صاحب کی کچھ باتیں'' از مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ)

میں بعض متعین اشخاص کے کفر یا ایمان کی خبر دی گئی ہے، یہ غیب کی ان خبروں میں سے ہے کہ ان پر ایمان لانا اوران کو قبول کرنا ضروری ہے، جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں ''یؤمنون بالغیب '' کے ساتھ ایمان بالغیب کا حکم ہے، اورسورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

'' وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ''

''اورنہیں ہے مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق، کہ جب فیصلہ فرما دے، اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا، یہ کہ ان کو اپنے معاملے کا اختیار ہو''

پس اللہ اوراس کے رسول کے فیصلے سے اعراض کرنے، اوراس پر ایمان نہ لانے سے دو باتوں میں سے ایک بات لازم آتی ہے، تیسرا راستہ کوئی بھی نہیں، اوران دونوں میں سے میٹھی بات بھی کڑوی ہے کہ یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی جائے یا ثقہ راویوں کی تکذیب کی جائے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ مذکورہ صحیح احادیث کا انکار کرتے ہیں، یا ان میں باطل تاویل کرتے ہیں، جیسا کہ علامہ سیوطی عفا اللہ عنا وعنہ نے اپنے بعض رسائل میں یہ طرزِ عمل اختیار کیا، اور علامہ سیوطی کو اس طرزِ عمل کے اختیار کرنے پر لوگوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور محبت میں غلو کرنے نے ابھارا، جنہوں نے اس بات کا انکار کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اس حالت پر ہوں، جس کی خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کے بارے میں خبر دی، گویا کہ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں آپ کے والدین پر زیادہ شفقت کرنے والے ہیں۔ [1]

---

[1] جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو ومبالغہ آرائی ممنوع ہے، اوراس کی خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت بیان فرمائی ہے، جیسا کہ شروع میں مستقل فصل کے تحت میں گزرا۔ محمد رضوان خان۔

اور بعض حضرات اس بارے میں اس مشہور حدیث کی طرف مائل ہونے سے نہیں ڈرتے، جو بعض لوگوں کی زبان پر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کو اور ایک روایت میں ہے کہ والدین کو اللہ نے زندہ کیا، جب کہ یہ حدیث اہلِ علم کے نزدیک موضوع و باطل ہے۔ مثلاً دار قطنی اور جورقانی اور ابنِ عساکر اور علامہ ذہبی اور عسقلانی وغیرہ کے نزدیک۔ جس کی اپنے مقام پر تفصیل مذکور ہے۔

کیونکہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو جان گئے تھے کہ آپ کے والدین کفر و شرک کی حالت میں فوت ہوئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی علم تھا کہ جو کفر کی حالت میں فوت ہو جائے، تو اس کو لوٹانے کے بعد ایمان لانا بھی فائدہ نہیں دیتا، بلکہ موت کا معاینہ کرنے کے وقت بھی ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا، اور اس حدیث کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ قول کافی ہے کہ **فیمت و ھو کافر**۔ [1]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح حدیث میں یہ قول بھی کافی ہے کہ میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے استغفار کی اجازت طلب کی، تو مجھے میرے رب نے اس کی اجازت نہیں دی۔

اور شیخ عبدالرحمٰن یمانی رحمہ اللہ نے امام شوکانی کی ''**الفوائد المجموعة فی الأحادیث الموضوعة**'' کی تعلیق میں فرمایا کہ بہت سے لوگ محبت کے جذبات میں آگے بڑھ جاتے ہیں، اور شرعی دلیل کو نظر انداز کر دیتے ہیں، بلکہ اس کا مقابلہ کر بیٹھتے ہیں، اور جس کو توفیق ہو، وہ یہ بات جان لے گا کہ یہ طرزِ عمل شرعی محبت کے خلاف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ سیوطی عفا اللہ عنہ بھی اسی فرطِ محبت میں مبتلا ہوئے، اور وہ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے مروی) ایسی حدیث کی تصحیح کی طرف مائل

---

[1] اس طرح کی قرآن وسنت کی کئی صریح نصوص شروع میں مستقل فصل کے تحت ذکر کی جا چکی ہیں۔ محمد رضوان خان۔

ہوگئے، جو بڑے اصحابِ علم کے نزدیک باطل ہے۔ اور وہ اس باطل حدیث اور استغفار کی اجازت نہ ملنے وغیرہ کی حدیث کے درمیان موافقت کرنے پر یہ کہہ کر مجبور ہوئے کہ یہ منسوخ ہے (اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے فوت ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے ایمان لانے کا واقعہ بعد کا ہے، جس کی پھر بعد میں کئی اہلِ علم حضرات پیروی کرتے رہے، یہاں تک کہ بعد کے لوگوں میں اس کی خوب شہرت ہوگئی) حالانکہ یہ بات علمِ اصول سے واضح ہے کہ منسوخ ہونے کا تعلق غیب کی خبروں سے نہیں، بلکہ احکام سے ہے۔ اور یہ بات غیر معقول ہے کہ صادق مصدوق کسی شخص کے بارے میں اس بات کی خبر دے کہ وہ (شرک وکفر پر موت واقع ہونے کی وجہ سے) جہنم میں ہے، پھر وہ یہ کہہ کر اس کو منسوخ قرار دے دے کہ وہ جنت میں ہے۔ جیسا کہ یہ اہلِ علم کے نزدیک ظاہر اور معروف ہے (جبکہ مرنے اور خاتمہ ہونے پر اللہ کا فیصلہ ہے کہ دوبارہ ایمان کی مہلت نہیں دی جاتی)

اور علامہ سیوطی نے اسی وجہ سے صحیح مسلم کی حضرت انس سے مروی حدیث سے اعراض کیا، اور اس کی طرف ادنیٰ اشارہ بھی نہیں کیا، بلکہ اس پر ضعیف ہونے کا حکم لگا دیا، بعض حضرات کی طرف سے حماد بن سلمہ کی روایت کے متعلق کلام کو لے کر، حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ حماد بن سلمہ مسلمانوں کے ائمہ اور ان کے ثقات میں سے ہیں، اور ان کی حضرت ثابت سے روایت صحیح ہے، بلکہ ابنِ مدینی اور امام احمد وغیرہ نے فرمایا کہ حضرت ثابت کے اصحاب میں سب سے زیادہ ثبت حماد ہیں، پھر سلیمان ہیں، پھر حماد بن زید ہیں۔ [1]

اور علامہ سیوطی اور علامہ بیہقی کے درمیان فرق پر غور کر لینا چاہیے کہ علامہ بیہقی نے

---

[1] لہٰذا صحیح مسلم میں حضرت حماد کی حضرت ثابت اور ان کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کی کیسے تضعیف کی جاسکتی ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والد کے جہنم میں ہونے کا حکم لگایا۔ محمد رضوان خان۔

فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مشرک تھے، جس کی دلیل میں انہوں نے صحیح مسلم کی حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث کو پیش کیا (لیکن ان کے بہت بعد نویں صدی کے آخر میں علامہ سیوطی نے اس کے برعکس حکم لگایا، جن کا علمِ حدیث میں مقام ومرتبہ امام بیہقی سے زیادہ نہیں) [1]

---

[1] واعلم أيها الأخ المسلم أن بعض الناس اليوم وقبل اليوم لا استعداد عندهم لقبول هذه الأحاديث الصحيحة، وتبنى ما فيها من الحكم بالكفر على والدى الرسول صلى الله عليه وسلم، بل إن فيهم من يظن أنه من الدعاة إلى الإسلام ليستنكر أشد الاستنكار التعرض لذكر هذه الأحاديث ودلالتها الصريحة !وفى اعتقادى أن هذا الاستنكار إنما ينصب منهم على النبى صلى الله عليه وسلم الذى قالها إن صدقوا بها .وهذا -كما هو ظاهر -كفر بواح، أو على الأقل :على الأئمة الذين رووها وصححوها، وهذا فسق أو كفر صراح، لأنه يلزم منه تشكيك المسلمين بدينهم، لأنه لا طريق لهم إلى معرفته والإيمان به، إلا من طريق نبيهم صلى الله عليه وسلم كما لا يخفى على كل مسلم بصير بدينه، فإذا لم يصدقوا بها لعدم موافقتها لعواطفهم وأذواقهم وأهوائهم -والناس فى ذلك مختلفون أشد الاختلاف -كان فى ذلك فتح باب عظيم جدا لرد الأحاديث الصحيحة ، وهذا أمر مشاهد اليوم من كثير من الكتاب الذين ابتلى المسلمون بكتاباتهم كالغزالى والهويدى وبليق وابن عبد المنان وأمثالهم ممن لا ميزان عندهم لتصحيح الأحاديث وتضعيفها إلا أهواؤهم!
واعلم أيها المسلم -المشفق على دينه أن يهدم بأقلام بعض المنتسبين إليه -أن هذه الأحاديث ونحوها مما فيه الإخبار بكفر أشخاص أو إيمانهم، إنما هو من الأمور الغيبية التى يجب الإيمان بها وتلقيها بالقبول، لقوله تعالى :(ألم .ذلك الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين . الذين يؤمنون بالغيب) وقوله(وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم..) فالإعراض عنها وعدم الإيمان بها يلزم منه أحد أمرين لا ثالث لهما - وأحلاهما مر :-إما تكذيب النبى صلى الله عليه وسلم، وإما تكذيب رواتها الثقات كما تقدم.
وأنا حين أكتب هذا أعلم أن بعض الذين ينكرون هذه الأحاديث أو يتأولونها تأويلا باطلا كما فعل السيوطى -عفا الله عنا وعنه -فى بعض رسائله، إنما يحملهم على ذلك غلوهم فى تعظيم النبى صلى الله عليه وسلم، وحبهم إياه، فينكرون أن يكون أبواه صلى الله عليه وسلم كما أخبر هو نفسه عنهما ، فكأنهم أشفق عليهما منه صلى الله عليه وسلم !!
وقد لا يتورع بعضهم أن يركن فى ذلك إلى الحديث المشهور على ألسنة بعض الناس الذى فيه أن النبى صلى الله عليه وسلم أحيا الله له أمه، وفى رواية :أبويه، وهو حديث موضوع باطل عند أهل العلم كالدارقطنى والجورقانى، وابن عساكر والذهبى والعسقلانى، وغيرهم كما هو مبين فى موضعه، وراجع له إن شئت كتاب "الأباطيل والمناكير " للجورقانى بتعليق الدكتور عبد الرحمن الفريوائى ( 1/229 - 222 ) وقال ابن الجوزى فى "الموضوعات "( 1/284 ) " : هذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت

ابنِ بشران نے اپنے ''أمالي'' میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حديث موضوع بلا شك، والذى وضعه قليل الفهم، عديم العلم، إذ لو كان له علم لعلم أن من مات كافرا لا ينفعه أن يؤمن بعد الرجعة، لا بل لو آمن عند المعاينة، ويكفى فى رد هذا الحديث قوله تعالى * :(فيمت وهو كافر)* ، وقوله صلى الله عليه وسلم فى (الصحيح)" : استأذنت ربى أن أستغفر لأمى فلم يأذن لى ."

ولقد أحسن القول فى هؤلاء بعبارة ناصعة وجيزة الشيخ عبد الرحمن اليمانى رحمه الله فى تعليقه على "الفوائد المجموعة فى الأحاديث الموضوعة "للإمام الشوكانى، فقال " : كثيرا ما تجمح المحبة ببعض الناس، فيتخطى الحجة ويحاربها، ومن وفق علم أن ذلك مناف للمحبة الشرعية . والله المستعان ."قلت :وممن جمحت به المحبة السيوطى عفا الله عنه، فإنه مال إلى تصحيح حديث الإحياء الباطل عند كبار العلماء كما تقدم، وحاول فى كتابه "اللآلىء ( 1/ 265 - 268) التوفيق بينه وبين حديث الاستئذان وما فى معناه، بأنه منسوخ، وهو يعلم من علم الأصول أن النسخ لا يقع فى الأخبار وإنما فى الأحكام !وذلك أنه لا يعقل أن يخبر الصادق المصدوق عن شخص أنه فى النار ثم ينسخ ذلك بقوله :إنه فى الجنة !كما هو ظاهر معروف لدى العلماء .

ومن جموحه فى ذلك أنه أعرض عن ذكر حديث مسلم عن أنس المطابق لحديث الترجمة إعراضا مطلقا، ولم يشر إليه أدنى إشارة، بل إنه قد اشتط به القلم وغلاء، فحكم عليه بالضعف متعلقا بكلام بعضهم فى رواية حماد بن سلمة !وهو يعلم أنه من أئمة المسلمين وثقاتهم، وأن روايته عن ثابت صحيحة، بل قال ابن المدينى وأحمد وغيرهما :أثبت أصحاب ثابت حماد، ثم سليمان، ثم حماد بن زيد ، وهى صحاح .وتضعيفه المذكور كنت قرأته قديما جدا فى رسالة له فى حديث الإحياء -طبع الهند -ولا تطولها يدى الآن لأنقل كلامه، وأتتبع عواره، فليراجعها من شاء التثبت .

ولقد كان من آثار تضعيفه إياه أننى لاحظت أنه أعرض عن ذكره أيضا فى شىء من كتبه الجامعة لكل ما هب ودب، مثل "الجامع الصغير " و "زيادته "و "الجامع الكبير !"ولذلك خلا منه " كنز العمال "والله المستعان، ولا حول ولا قوة إلا بالله .وتأمل الفرق بينه وبين الحافظ البيهقى الذى قدم الإيمان والتصديق على العاطفة والهوى، فإنه لما ذكر حديث : "خرجت من نكاح غير سفاح "، قال عقبه " :وأبواه كانا مشركين، بدليل ما أخبرنا " ..، ثم ساق حديث أنس هذا وحديث أبى هريرة المتقدم فى زيارة قبر أمه صلى الله عليه وسلم(سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٢٥٩٢)

میرے اہلِ بیت میں سے کوئی جہنم میں داخل نہ ہو؟ تو میرے رب نے میری یہ دعا قبول فرمالی''۔ [1]

لیکن مذکورہ روایت کی سند میں ایک راوی ''محمد بن یونس کدیمی'' پائے جاتے ہیں، جن کو محدثین نے ''متهم بالكذب'' قرار دیا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے ''طبقاتُ الحفاظ'' میں ان کے متعلق فرمایا کہ:

''اتهموه بالوضع و كان حافظا''

یعنی ''یہ حافظ تھے، لیکن محدثین نے ان کو حدیث گھڑنے کے ساتھ متہم کیا ہے''۔ [2]

اورابنِ عدی نے ان کے متعلق فرمایا کہ:

''قد اتهم الكديمى بوضع الحديث''

''کدیمی کو حدیث گھڑنے کے ساتھ متہم کیا گیا ہے''۔

اورابنِ عدی نے یہ بھی فرمایا کہ:

''کدیمی نے ایسے لوگوں کو دیکھنے کا دعویٰ کیا ہے، جن کو اس نے نہیں دیکھا، ہمارے عام مشائخ نے ان کی روایت کو ترک کردیا''۔

اورابوحاتم بن حبان نے ان کے متعلق فرمایا کہ:

''لعله قد وضع أكثر من ألف حديث''

---

[1] أخبرنا أبو سهل أحمد بن محمد بن عبد الله بن زياد القطان ، ثنا محمد بن يونس ، ثنا أبو على الحنفى ، ثنا إسرائيل ، عن أبى حمزة الثمالى ، عن أبى رجاء ، عن عمران بن حصين ، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : سألت ربى عز وجل أن لا يدخل أحدا من أهل بيتى النار فأعطانيها(أمالى ابن بشران، ج ا ص ۱۴۸ ، رقم الحديث ۳۳۲، المجلس الثامن والخمسون والستمائة فى شوال من السنة)

[2] الكديمى محمد بن يونس بن موسى البصرى.
روى عن أبى داود الطيالسى وأبى أحمد الزبيرى وخلق.وعنه أبو داود فيما قيل وخلق.
اتهموه بالوضع وكان حافظا(طبقات الحفاظ،لجلال الدين السيوطى،ص ۲۶۹ ،الطبقة التاسعة)

''ابنِ کدیمی نے غالباً ہزار سے زائد احادیث کو گھڑا ہے''۔

اور ابوالحسین بن احمد منادی نے فرمایا کہ:

''ہم نے کدیمی سے بعض روایات لکھی تھیں، پھر ہمیں ان کے متعلق ابوداؤد، کا کلام پہنچا، تو ہم نے ان روایات کو ترک کردیا، جو ہم نے ان سے سنی تھیں''۔

اور ابوعبید آجری نے فرمایا کہ:

میں نے ''محمد بن یونس کدیمی'' کے متعلق ابوداؤد سے جھوٹ بولنے کا فرماتے ہوئے سنا''۔

اور موسیٰ بن ہارون نے کدیمی سے روایت سننے کو منع فرمادیا، اور انہوں نے کعبہ کے غلاف کے ساتھ چمٹ کر یہ دعا کی کہ:

''اللھم إنی أشھدک أن الکدیمی کذاب یضع الحدیث''

''اے اللہ! میں آپ کو اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ کدیمی کذاب ہے، جس نے حدیث کو گھڑا ہے''۔

اور قاسم بن زکریا مطرز نے فرمایا کہ:

''کدیمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء کے نام سے جھوٹ بولا ہے''۔

اور دارقطنی نے بھی ان کو ''متھم بالوضع'' قرار دیا ہے۔

البتہ اسماعیل خطبی نے ان کو ثقہ قرار دیا (لیکن ان کی یہ رائے جمہور کے خلاف اور شاذ و مرجوح ہے) [1]

---

[1] قال أبو أحمد بن عدی :قد اتھم الکدیمی بوضع الحدیث.

وقال أبو حاتم بن حبان :لعله قد وضع أکثر من ألف حدیث.

وقال ابن عدی :ادعی الکدیمی رؤیة قوم لم یرھم .ترک عامة مشایخنا الروایة عنه.

وقال أبو الحسین أحمد ابن المنادی :کتبنا عن الکدیمی ثم بلغنا کلام أبی داود فیه فرمینا بالذی سمعنا منه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شیخ ناصر الدین البانی صاحب نے بھی مذکورہ حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ [1]

## سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت

ابراہیم بن سعد کی زہری سے مروی روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**جَاءَ أَعْرَابِیٌّ إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّ أَبِیْ كَانَ یَصِلُ الرَّحِمَ، وَكَانَ وَكَانَ، فَأَیْنَ هُوَ؟ قَالَ: فِی النَّارِ، فَكَأَنَّ الْأَعْرَابِیَّ وُجِدَ مِنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَأَیْنَ أَبُوْكَ؟ قَالَ: حَیْثُ مَا مَرَرْتَ**

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال أبو عبيد الآجرى :رأيت أبا داود يتكلم فى محمد بن سنان، ومحمد بن يونس، يطلق فيهما الكذب.

وكان موسى بن هارون الحافظ ينهى الناس عن السماع من الكديمى، وقال، وهو متعلق بأستار الكعبة :اللهم إنى أشهدك أن الكديمى كذاب يضع الحديث.

وقال القاسم بن زكريا المطرز :أنا أجاثى الكديمى بين يدى الله، وأقول :كان يكذب على رسولك صلى الله عليه وسلم، وعلى العلماء .

وقال الدارقطنى :كان يتهم بالوضع.

وأما إسماعيل الخطبى فقال :ما رأيت ناسا أكثر من مجلسه .وكان ثقة(تاريخ الإسلام وَوَفيات المشاهير وَالأعلام،للذهبى،ج٦،ص٨٣٣،حرف الميم،تحت ترجمة "محمد بن يونس بن موسى بن سليمان بن عبيد بن ربيعة بن كديم، أبو العباس القرشى السامى الكديمى"رقم الترجمة٦٠٣)

[1] سألت ربى عز وجل أن لا يدخل أحدا من أهل بيتى النار فأعطانيها ."

موضوع.

أخرجه ابن بشران فى "الأمالى "( 1⁄56 ) أخبرنا أبو سهل أحمد بن محمد بن عبد الله بن زياد القطان، حدثنا محمد بن يونس، حدثنا أبو على الحنفى، حدثنا إسرائيل عن أبى حمزة الثمالى عن أبى رجاء عن عمران بن حصين مرفوعا.

قلت :وهذا إسناد موضوع، أبو حمزة الثمالى اسمه ثابت بن أبى صفية ليس بثقة كما قال النسائى وغيره، ومحمد بن يونس هو الكديمى وهو وضاع مشهور.

وقد أساء السيوطى فأورده فى "الجامع الصغير "ولم يتكلم عليه شارحه المناوى بشىء إلا أنه قال :وأخرجه ابن سعد والملا فى "سيرته "وهو عند الديلمى وولده بلا سند.وأما فى "التيسير " فقال :إسناده ضعيف(سلسلة الأحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ٣٢٢)

بِقَبْرِ کَافِرٍ فَبَشِّرْهُ بِالنَّارِ قَالَ: فَأَسْلَمَ الْأَعْرَابِیُّ بَعْدُ، فَقَالَ: لَقَدْ کَلَّفَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعَبًا، مَا مَرَرْتُ بِقَبْرِ کَافِرٍ إِلَّا بَشَّرْتُهُ بِالنَّارِ (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۳۲۶، ج ۱ ص ۱۴۵) [1]

ترجمہ: ایک (غیر مسلم) دیہاتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور اس نے کہا کہ میرا والد صلہ رحمی کیا کرتا تھا، اور فلاں فلاں اچھے اعمال کیا کرتا تھا، پس وہ کہاں ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میں ہے، اس دیہاتی کو یہ بات کچھ ناگوار گزری، تو اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کے والد کہاں ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں بھی تم کسی کافر کی قبر سے گزرو، تو اس کو جہنم کی بشارت دو، پھر وہ دیہاتی اس کے بعد اسلام لے آیا، اور اس نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعب میں ڈال دیا، میں جب بھی کسی کافر کی قبر سے گزرتا ہوں، تو اسے جہنم کی بشارت دیتا ہوں (طبرانی)

مذکورہ روایت کو بعض حضرات نے حضرت سالم اور ان کے والد کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

جس کے بارے میں بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ اس میں سند کی غلطی ہوئی ہے، اور

---

[1] قال الهیثمی:
رواه البزار والطبرانی فی الکبیر، وزاد: فأسلم الأعرابی، فقال: لقد کلفنی رسول الله – صلی الله علیه وسلم – بعناء، ما مررت بقبر کافر إلا بشرته بالنار ."ورجاله رجال الصحیح (مجمع الزوائد،تحت رقم الحدیث ۶۲۱ ۴، باب فی اهل الجاهلیة)

[2] حدثنا محمد بن إسماعیل بن البختری الواسطی، حدثنا یزید بن هارون، عن إبراهیم بن سعد، عن الزهری، عن سالم،عن أبیه، قال: جاء أعرابی إلی النبی – صلی الله علیه وسلم – فقال: یا رسول الله، إن أبی کان یصل الرحم، وکان وکان، فأین هو؟ قال:" فی النار "قال: فکأنه وجد من ذلک، فقال: یا رسول الله، فأین أبوک؟ قال رسول الله – صلی الله علیه وسلم –: " حیثما مررت بقبر مشرک فبشره بالنار "قال: فأسلم الأعرابی بعد، وقال: لقد کلفنی رسول الله – صلی الله علیه وسلم – تعبا، ما مررت بقبر کافر إلا بشرته بالنار (سنن ابن ماجه، رقم الحدیث ۱۵۷۳ )

اصل سند حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ والی ہی ہے۔ [1]

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی سند صحیح ہے۔ [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:

رجاله ثقات، وقد أخطأ شيخ ابن ماجه محمَّد بن إسماعيل الواسطى فى إسناده، فجعله من حديث سالم عن أبيه، وخالفه غيره فجعله من حديث عامر بن سعد عن أبيه.

فقد أخرجه البزار (1089)، وابن السنى فى "عمل اليوم والليلة "(595)، والضياء فى "المختارة "(1005) من طريق زيد بن أخزم، والبزار (1089) من طريق محمَّد بن عثمان بن مخلد الواسطى، كلاهما عن يزيد بن هارون، عن إبراهيم بن سعد، عن الزهرى، عن عامر بن سعد، عن أبيه، فذكره.

وأخرجه الطبرانى فى "الكبير "(326) من طريق محمَّد بن موسى بن أبى نعيم الواسطى، والبيهقى فى "الدلائل 192 - 191 /1 "من طريق أبى نعيم الفضل بن دكين، كلاهما عن إبراهيم بن سعد، عن الزهرى، عن عامر، عن أبيه.

وقد أعلَّ الدارقطنى الحديث بالإرسال، فقد جاء فى "علله 334 /4 "ما نصه :وسئل عن حديث عامر بن سعد، عن سعد :قال رجل :يا رسول الله، إن أبى كان يحمل الكَل ويفعل ويفعل فى الجاهلية؟ قال" :هو فى النار ."فقال :يرويه محمَّد ابن أبى نعيم والوليد بن عطاء بن الأغر، عن إبراهيم بن سعد، وغيره يرويه عن إبراهيم بن سعد عن الزهرى مرسلًا، وهو الصواب(حاشية سنن ابن ماجه، تحت رقم الحديث ۱۵۷۳)

[2] قال الالبانى:

"حيثما مررت بقبر كافر فبشره بالنار ."

رواه الطبرانى ( 1/ 19 /1 ) حدثنا على بن عبد العزيز أنبأنا محمد بن أبى نعيم الواسطى أنبأنا إبراهيم بن سعد عن الزهرى عن عامر بن سعد عن أبيه قال : جاء أعرابى إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقال :إن أبى كان يصل الرحم وكان وكان فأين هو؟ قال :فى النار، فكأن الأعرابى وجد من ذلك فقال :يا رسول الله فأين أبوك؟ قال: فذكره.

قال :فأسلم الأعرابى بعد ذلك، فقال :لقد كلفنى رسول الله صلى الله عليه وسلم تعبا :ما مررت بقبر كافر إلا بشرته بالنار.

قلت :وهذا سند صحيح رجاله كلهم ثقات معروفون، وطرح ابن معين لمحمد ابن أبى نعيم لا يتلفت إليه بعد توثيق أحمد وأبى حاتم إياه، لاسيما وقد توبع فى إسناده، أخرجه الضياء فى "المختارة "( 333/1 ) من طريقين عن زيد بن أخزم حدثنا يزيد بن هارون أنبأنا إبراهيم بن سعد به وقال : "سئل الدارقطنى عنه فقال :يرويه محمد بن أبى نعيم والوليد بن عطاء بن الأغر عن إبراهيم بن سعد عن الزهرى عن عامر بن سعد، وغيره يرويه عن إبراهيم بن سعد عن الزهرى مرسلا، وهو الصواب.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ حدیث سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے بحالتِ کفر فوت ہونے اور اس کی وجہ سے عذابِ جہنم میں مبتلا ہونے کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والد کے متعلق سوال کے جواب میں ایک عام قاعدہ بیان فرمادیا کہ جو بھی کافر ہوگا، وہ جہنم کا مستحق ہوگا، اور اس کو جہنم کی بشارت سنانے میں توقف وتامل کی ضرورت نہ ہوگی، اور اس میں کسی نبی کے قرابت دار ورشتہ دار کی قید نہیں۔

قرآن وسنت کی نصوص سے بھی اسی عام اصول کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ مستقل فصل میں پہلے گزرا۔

## زہری رحمہ اللہ کی مرسل روایت

مذکورہ روایت حضرت زہری رحمہ اللہ سے مرسلاً بھی مروی ہے، جس کو عبدالرزاق نے معمر

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت :وهذه الرواية التي رويناها تقوى المتصل ."

قلت :وزيد بن أخزم ثقة حافظ وكذلك شيخه يزيد بن هارون، فهي متابعة قوية لابن أبي نعيم الواسطي تشهد لصدقه وضبطه، لكن قد خولف زيد بن أخزم في إسناده فقال ابن ماجه (رقم 1573) : حدثنا محمد بن إسماعيل بن البختري الواسطي: حدثنا يزيد بن هارون عن إبراهيم بن سعد عن الزهري عن سالم عن أبيه قال :جاء أعرابي . الحديث بتمامه.

وهذا ظاهره الصحة، ولذلك قال في "الزوائد "(ق 97/ 2 ) " : إسناده صحيح رجاله ثقات، محمد بن إسماعيل وثقه ابن حبان والدارقطني والذهبي، وباقي رجال الإسناد على شرط الشيخين ."

قلت :لكن قال الذهبي فيه " :لكنه غلط غلطة ضخمة ."ثم ساق له حديثا صحيحا زاد فيه "الرمي عن النساء "وهي زيادة منكرة وقد رواه غيره من الثقات فلم يذكر فيه هذه الزيادة .وأقره الحافظ ابن حجر على ذلك.

قلت :فالظاهر أنه أخطأ في إسناد هذا الحديث أيضا فقال فيه ..عن سالم عن أبيه والصواب عن عامر بن سعد عن أبيه كما في رواية ابن أخزم وغيره، وقد قال الهيثمي في "المجمع "( 1/118 - 117 ) بعد أن ساقه من حديث سعد: "رواه البزار والطبراني في "الكبير "ورجاله رجال الصحيح(سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ١٨)

سے اور انہوں نے زہری سے مرسلاً روایت کیا ہے، چنانچہ اس کا مضمون یہ ہے کہ:

ایک دیہاتی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! میرے والد، یتیموں کی کفالت کیا کرتے تھے، اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرتے تھے، اور فلاں فلاں اچھے اعمال کیا کرتے تھے، ان کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ کے والد، جاہلیت کے زمانے میں فوت ہو گئے تھے؟ اس دیہاتی نے عرض کیا کہ جی ہاں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، وہ دیہاتی غصے میں آ گیا، اور اس نے کہا کہ آپ کے والد کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جب بھی کسی کافر کی قبر سے گزرو، تو اس کو جہنم کی بشارت سناؤ، اس دیہاتی نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھکا دینے والے عمل کا مکلّف فرما دیا، میں جب بھی کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزرتا ہوں تو اس کو جہنم کی بشارت سناتا ہوں (عبد الرزاق)[1]

یہ روایت بھی گزشتہ روایت کے مضمون کی تائید کرتی ہے، اور اس روایت میں زمانۂ جاہلیت میں فوت ہونے کا صراحتاً ذکر ہے، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی وفات بھی اسی زمانہ میں ہوئی، لہٰذا علت کے مشترک ہونے سے حکم بھی مشترک ہوگا، اسی بات کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی، اور دیہاتی کے غصہ کو یہ کہہ کر ٹھنڈا فرمایا کہ اگر میرے والد، بلکہ اس طرح کے تمام مشرکین کے متعلق بھی اللہ کی طرف سے یہی مقدر ومقرر ہے، تو پھر آپ کو

---

[1] أخبرنا عبد الرزاق عن معمر عن الزهرى قال جاء أعرابى إلى النبى صلى الله عليه و سلم فقال يا نبى الله إن ابى كان يكفل الأيتام ويصل الأرحام ويفعل كذا فأين مدخله قال هلك أبوك فى الجاهلية قال نعم قال فمدخله النار قال فغضب الأعرابى وقال فأين مدخل أبيك فقال له النبى صلى الله عليه و سلم حيث ما مررت بقبر كافر فبشره بالنار فقال الأعرابى لقد كلفنى رسول الله صلى الله عليه و سلم تعبا ما مررت بقبر كافر إلا بشرته بالنار (جامع معمر بن راشد:مشمولة: مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ١٩٦٨٧)

غصہ کھانے کی کیا ضرورت؟ اللہ کے اٹل فیصلے کو نہ غیر نبی ٹلا سکتا ہے، اور نہ کوئی نبی۔
یہ بھی ملحوظ رہے کہ علامہ سیوطی نے اپنے بعض رسائل میں صحیح مسلم کی حدیث پر، معمر کی ثابت سے مروی روایت کو ترجیح دی ہے۔ جبکہ ہمیں معمر کی ثابت سے مروی اس سلسلہ میں کوئی روایت، دستیاب نہیں ہوئی، بلکہ معمر کی حضرت زہری سے اوپر والی مرسل روایت ہی دستیاب ہوئی۔ [1]

## زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھائی، زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سند سے امام طبرانی اور ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے، اور رب تعالیٰ سے ان کے لیے استغفار کی درخواست کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے۔ [2]

اس حدیث کی سند کے فی نفسہٖ ضعیف ہونے کا امکان ہے، لیکن اس کو دوسری روایات سے

---

[1] اس پر مزید کلام آگے ''خاتمہ'' میں ''البدر الأنور شرح الفقه الأكبر'' کے حوالہ سے آتا ہے۔ محمد رضوان خان۔

[2] حدثنا عبد الرحمن بن خلاد الدورقي، ثنا محمد بن حزام الضبعي البصري، ثنا إسماعيل بن محمد أبو عامر الأنصاري، ثنا عبد العزيز بن مسلم، عن أبي جناب الكلبي، عن عبد الرحمن بن زيد بن الخطاب، عن أبيه قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم فتح مكة نحو المقابر، فقعد رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى قبر، فرأيناه كأنه يناجي، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح الدموع من عينيه، فتلقاه عمر رحمه الله وكان أولنا، فقال: بأبي أنت وأمي ما يبكيك؟ قال: إني استأذنت ربي عز وجل في زيارة قبر أمي وكانت والدة ولها قبلي حق أن أستغفر لها فنهاني ثم أومأ إلينا أن اجلسوا، فجلسنا فقال: إني كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فمن شاء منكم أن يزور فليزر، وإني كنت نهيتكم عن لحوم الأضاحي فوق ثلاثة أيام فكلوا وادخروا ما بدا لكم، وإني كنت نهيتكم عن ظروف وأمرتكم بظروف فانتبذوا، فإن الآنية لا تحل شيئا ولا تحرمه واجتنبوا كل مسكر (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۴۶۴۸، ج۵ ص ۸۲، معرفة الصحابة لابی نعیم، رقم الحديث ۲۸۶۸)

تائید حاصل ہوتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ ملنے اوراس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غمگین اور اشک بار ہونے کی کئی احادیث وروایات، دیگر معتبر اسناد سے بھی مروی ہیں، جیسا کہ پہلے گزرا، اورآگے بھی آتا ہے۔ [1]

## ابراہیم نخعی کی مرسل حدیث

ابنِ شبہ نے ''تاریخ المدینة'' میں عبدالواحد بن غیاث سے، انہوں نے حسن بن ابی ابراہیم سے، انہوں نے فرقد سبخی سے، اورانہوں نے ابراہیم نخعی سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ:

---

[1] قال الهيثمي:
رواه الطبراني في الكبير، وفي إسناده من لم أعرفه(مجمع الزوائد، ج٣ص٥٨، تحت رقم الحديث ٤٣٠٣)
وقال أبو حذيفة، نبيل بن منصور البصارة الكويتي:
وأما حديث زيد بن الخطاب فأخرجه الطبراني في "الكبير (4648) "عن عبد الرحمن بن خلاد الدورقي ثنا محمد بن حزام الضبعي البصري ثنا إسماعيل بن محمد أبو عامر الأنصاري ثنا عبد العزيز بن مسلم عن أبي جَنَاب الكلبي عن عبد الرحمن بن زيد بن الخطاب عن أبيه قال: خرجنا مع رسول الله – صلى الله عليه وسلم – يوم فتح مكة نحو المقابر فقعد رسول الله – صلى الله عليه وسلم – إلى قبر فرأيناه كأنّه يناجي، فقام رسول الله – صلى الله عليه وسلم – يمسح الدموع من عينيه فتلقاه عمر وكان أولنا فقال: بأبي أنت وأمي ما يبكيك؟ قال "إني استأذنت ربي عَزَّ وَجَلَّ في زيارة قبر أمي وكانت والدة ولها قبلي حق أنْ استغفر لها فنهاني"
وأخرجه أبو نعيم في "الصحابة (2868) "عن الطبراني وعلي بن أحمد بن أبي غسان البصري قالا: ثنا عبد الرحمن بن خلاد به.
وأخرجه ابن عساكر (40/ 324)عن أبي سعد المطرز أنا أبو نعيم ثنا الطبراني ثنا عبد الرحمن بن خلاد به.
قال الهيثمي: وفي إسناده من لم أعرفه "المجمع 58 /3
قلت: وأبو جناب الكلبي واسمه يحيى بن أبي حَيّة مشهور بالتدليس ولم يذكر سماعا من عبد الرحمن بن زيد بن الخطاب(انيس الساري، تحت رقم الحديث ١١٤١، ج٢، ص ١٥٥١، ١٥٥٢، حرف الهمزة)

أن النبى صلى الله عليه وسلم خرج هو وأصحابه فى حجة الوداع إلى المقابر، فجعل يتخرق تلك القبور حتى جلس إلى قبر منها، ثم قام وهو يبكى وقال: هـذا قبر أمى آمنة، وإنى استأذنت ربى أن أستغفر لها فلم يأذن لى(تاريخ المدينة لابنِ شبة، ج ا ص ۱۱۹، قبر آمنة أم رسول الله صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام حجۃ الوداع کے موقع پر قبرستان تشریف لے گئے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبروں کے درمیان سے گزر کر ایک قبر کے قریب بیٹھ گئے، پھر روتے ہوئے کھڑے ہوئے، اور فرمایا کہ یہ میری ماں آمنہ کی قبر ہے، اور میں نے اپنے رب سے ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی، جس کی میرے رب نے مجھے اجازت نہیں دی (تاریخ المدینة)

یہ روایت اگرچہ ''مرسل'' ہے، لیکن اس کی تائید دوسری روایات سے ہوتی ہے۔

## ابورزین رضی اللہ عنہ کی روایت

مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری والدہ کہاں پر ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کی والدہ جہنم میں ہیں، میں نے عرض کیا کہ آپ کے گھر والوں میں سے جو (آپ پر ایمان لانے سے) پہلے فوت ہو گئے، وہ کہاں ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ اس چیز پر راضی نہیں ہیں کہ آپ کی والدہ میری والدہ کے ساتھ ہوں'' [1]

---

[1] حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، عن يعلى بن عطاء، عن وكيع بن عدس ، عن أبى رزين عمه، قال: قلت: يا رسول الله، أين أمي؟ قال: " أمك فى النار "قال: قلت: فأين من مضى من أهلك؟ قال: " أما ترضى أن تكون أمك مع أمي "(مسند احمد، رقم الحديث ۱۶۱۸۹)

اس روایت کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے۔ ل

البتہ بعض حضرات نے حضرت انس اور دیگر حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی گزشتہ اور آنے والی روایات کو اس کا شاہد قرار دے کر، اس حدیث کو صحیح اور معتبر کہا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری احادیث وروایات میں اپنی والدہ کے لیے استغفار وشفاعت کی اجازت نہ ملنے اور ان کے شرک کی حالت میں فوت ہونے اور عذاب میں مبتلا ہونے کا ذکر فرمایا، اور مذکورہ حدیث میں اپنے والد کے متعلق بھی یہی بات بیان فرمائی، اور آپ کی والدہ اور والد دونوں کی وفات زمانۂ جاہلیت میں ہوئی۔

---

ل قال شعیب الارنؤوط:

إسناده ضعيف، وكيع بن عدس سلف الكلام عليه في الرواية رقم (16182)، وبقية رجاله ثقات رجال الصحيح.

وأخرجه ابن أبي عاصم في "السنة (638) "، والطبراني في "الكبير (471) /19"من طريق محمد بن جعفر، بهذا الإسناد.

وأخرجه الطيالسي (1090)عن شعبة، به.

وأورده الهيثمي في "مجمع الزوائد1/116 "، وقال: رواه أحمد والطبراني في "الكبير"، ورجاله ثقات .ووقع في المطبوع منه: عن أبي رزين، عن عمه، بزيادة "عن" وهو خطأ.

قلنا: وفي الباب من حديث أنس سلف برقم (12192)، وهو عند مسلم (203) (347)بلفظ: أن رجلا قال: يا رسول الله، أين أبي؟ قال: " في النار"، فلما قفى دعاه، فقال:" إن أبي وأباك في النار."

وآخر من حديث سعد بن أبي وقاص عند البزار (93)(زوائد) ، والطبراني في "الكبير" (326)، والبيهقي في "دلائل النبوة 1/139 "، وابن السني في "عمل اليوم والليلة" (588)، والضياء في "المختارة.1/333 "

وأورده الهيثمي في "مجمع الزوائد1/118 "، 117وقال: رواه البزار والطبراني في "الكبير"، ورجاله رجال الصحيح.

قلنا: وروى عبد الله بن عمر نحو حديث سعد عند ابن ماجه . (1573)

وثالث من حديث عمران بن حصين عند الطبراني في "الكبير (548) /18 "و .(549)

وأورده الهيثمي في "المجمع1/117 "، وقال: رواه الطبراني في "الكبير"، ورجاله رجال الصحيح.

وانظر لزاما التعليق الذي كتبناه على حديث أنس السالف برقم . (12192)(حاشية مسند احمد)

لہٰذا مذکورہ حدیث کا مفہوم ان دیگر احادیث وروایات کے موافق ہوا۔ [1]

ہمیں بھی مذکورہ رائے کے مذکورہ دلیل کی رو سے قوی ہونے کی وجہ سے اتفاق ہوا۔

## ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت

علامہ فاکہی نے ''اخبارِ مکة ''میں اور ابنِ شبّہ نے ''تاریخُ المدینة ''میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کی حدیث کو روایت کیا ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر یہ فرمانا مذکور ہے کہ:

---

[1] حدثنا أبو بكر بن أبى شيبة حدثنا منذر عن شعبة عن يعلى بن عطاء عن وكيع بن عدس عن أبى رزين العقيلى قال: قلت: يا رسول الله أين أمى قال: " أمك فى النار قال: قلت: فأين من مضى من أهلك قال: أما ترضى أن تكون أمك مع أمى (السنة لابنِ ابى عاصم، رقم الحديث ٦٣٨، باب حديث: هل ترون القمر ليلة البدر)

قال الالبانى:

حديث صحيح وإسناده ضعيف كما سبق بيانه فى الحديث و 459و 460و812.

وإنما صححه لأن له شاهدا من حديث أنس بن مالك مرفوعا: "إن أبى وأباك فى النار."أخرجه مسلم .(حاشية ظلال السنة فى تعليق السنة لابنِ ابى عاصم)

وقال الملا على القارى:

وأما السنة فما رواه مسلم عن أنس أن رجلا قال يا رسول الله أين ابى فقال فى النار فلما قفى دعاه فقال إن أبى وأباك فى النار.

وكذا ما رواه البزار من أنه صلى الله عليه وسلم أراد أن يستغفر لأمه فضرب جبريل صدره وقال تستغفر لمن مات مشركا.

وكذا ما رواه الحاكم فى مستدركه وصححه أنه صلى الله عليه وسلم قال لابنى مليكة أمكما فى النار فشق عليهما فدعاهما فقال إن أمى مع أمكما.

وتعقب الذهبى له بكون عثمان بن عمير ضعفه الدارقطنى لم يخرجه عن كونه ثابتا حسنا قابلا للاستدلال إما على الاستقلال وإما مع غيره لتقوية الحال.

وكذا ما أخرجه الإمام أحمد فى مسنده عن أبى رزين العقيلى رضى الله عنه قال قلت يا رسول الله أين أمى قال أمك فى النار قلت فأين من مضى من أهلك قال أما ترضى أن تكون أمك مع أمى.

وكذا ما روى ابن جرير عن علقمة بن مرثد عن سليمان بن بريدة عن أبيه(أدلة معتقد أبى حنيفة فى أبوى الرسول عليه الصلاة والسلام، ص ٧٠ الىٰ ٧٣،الأدلة من السنة)

یہ ’’آمنة بنتِ وھب الزھریة ‘‘ کی قبر ہے، جو اللہ کے رسول کی والدہ ہے، اور میں نے اپنے رب سے ان کی شفاعت کا سوال کیا، لیکن میرے رب نے مجھے اس سے منع فرمادیا۔ [1]

اس حدیث کی سند میں بھی کچھ ضعف پایا جاتا ہے، لیکن اس روایت کا ضعیف ہونا زیادہ شدید معلوم نہیں ہوا، جس کی وجہ سے اس کو دوسری احادیث وروایات سے مل کر قابلِ اعتبار ہونے کی طرف رجحان ہوا۔ [2]

## ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی طبرانی کی ’’المعجمُ الکبیر ‘‘ کی ایک لمبی حدیث میں اسی طرح کا مضمون مروی ہے، جس میں ہے کہ:

---

[1] حدثنا حسين بن حسن الأزدی قال :ثنا سويد قال :أخبرنی أسد بن راشد، عن حرب بن سريج، عن بشر الندبی، عن أبی سعيد الخدری، رضی الله عنه قال :كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى أتى مقبرة فخلى عن ناقته ولم يكن أحد يأخذ برأسها ولم تكن تقر لمنافق فأخذ رجل برأسها، ففتل رأسها، فدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فجعل يدنو حتى ظننا أنه قد نزل فينا شیء ، فتوجه عمر بن الخطاب رضی الله عنه فلما رآه أقبل عليه بوجهه فقال " :هذا قبر آمنة بنت وهب الزهرية أم رسول الله صلى الله عليه وسلم، وإنی سألت ربی أن يشفعنی فيها، وأنه أبی علی (أخبار مكة ، للفاكهی، ج۴ ص ۱۳، رقم الحديث ۲۳۷۳)

حدثنا سويد بن سعيد قال :حدثنا أسد بن راشد، عن كريب بن شريح، عن بشر الندبی، عن أبی سعيد الخدری رضی الله عنه قال :كنا مع النبی صلى الله عليه وسلم فخلا عن ناقته ولم تكن تقر لمنافق، فأخذ برأسها رجل فقرت له، فقبل رأسها، فدنا النبی صلى الله عليه وسلم من المقبرة، فجعل يدعو حتى ظننا أنه قد نزل فينا شیء ، وتوجه عمر بن الخطاب رضی الله عنه، فلما رآه أقبل إلينا بوجهه فقال :هذا قبر آمنة بنت وهب الزهرية أم رسول الله صلى الله عليه وسلم، وإنی سألت ربی أن يشفعنی فيها، فأبى علی(تاريخ المدينة لابن شبة، ج ۱ ،ص ۱۱۹ ،قبر آمنة أم رسول الله صلى الله عليه وسلم)

[2] بشر ابن حرب الأزدی أبو عمرو الندبی بفتح النون والدال بعدها موحدة بصری صدوق فيه لين من الثالثة مات بعد العشرين ومائة س ق(تقريب التهذيب،ص ۱۲۲ ، تحت رقم الترجمة ۶۸۱ ،ذكر من اسمه بشر بكسر أوله وسكون المعجمة)

’’جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لے آئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا، پھر اپنی والدہ (’’آمنة بنتِ وهب‘‘) کی قبر پر تشریف لے گئے، اور دیر تک رب تعالیٰ سے مناجات کی، پھر اس کے بعد شدت کے ساتھ روئے، جس پر وہاں موجود دوسرے اصحاب بھی روئے، صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس رونے کی وجہ دریافت کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ (’’آمنة بنتِ وهب‘‘) کی قبر پر حاضر ہو کر اللہ سے یہ دعاء کی کہ مجھے قیامت کے دن ان کی شفاعت کی اجازت حاصل ہو جائے، لیکن اللہ نے مجھے اس کی اجازت دینے سے منع فرما دیا، تو مجھے اپنی والدہ (’’آمنة بنتِ وهب‘‘) پر ترس کی وجہ سے رونا آ گیا، پھر میرے پاس جبریلِ امین تشریف لائے، اور انہوں نے (سورہ توبہ کی) یہ آیت تلاوت فرمائی:

’’وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ‘‘

’’اور نہیں تھا استغفار ابراہیم کا، اپنے باپ کے لیے، مگر ایک وعدے کے طور پر، جس کا انہوں نے ان سے وعدہ کیا تھا، پھر جب یہ بات ظاہر ہو گئی کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن (یعنی کافر) ہے، تو ابراہیم نے ان سے برائت ظاہر کر دی‘‘

پس آپ بھی اپنی والدہ سے اسی طرح برائت ظاہر کر دیجیے، جس طریقہ سے ابراہیم نے اپنے باپ سے برائت ظاہر کی تھی، پس مجھے اپنی والدہ پر (عذاب کی وجہ سے) ترس آ گیا، جس کی وجہ سے مجھے رونا آیا‘‘ [1]

---

[1] حدثنا محمد بن علی المروزی، ثنا أبو الدرداء عبد العزيز بن المنيب، ثنا إسحاق بن عبد الله بن كيسان، عن أبيه، عن عكرمة، عن ابن عباس، أن رسول الله صلى الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس حدیث کی سند میں بھی ضعف پایا جاتا ہے، لیکن اس طرح کا مضمون دیگر روایات میں بھی آیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی والدہ کی قبر پر حاضر ہوکر، والدہ کے لیے شفاعت کے قبول نہ کیے جانے اور استغفار کی اجازت نہ ملنے اور ان کے شرک کی حالت میں فوت ہونے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر رونے اور غمگین ہونے اور صحابۂ کرام کے بھی رونے کا ذکر دیگر معتبر احادیث وروایات میں بھی آیا ہے، جیسا کہ پہلے بھی گزرا۔

اور مشرک کے لیے استغفار کی ممانعت کا ذکر سورہ توبہ کی مذکورہ آیت میں بھی آیا ہے، لہٰذا مذکورہ حدیث کا مضمون دیگر معتبر نصوص کے موافق ہونے کی وجہ سے قابلِ قبول ہوا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علیه وسلم لما أقبل من غزوة تبوک واعتمر، فلما هبط من ثنية عسفان أمر أصحابه أن يستندوا إلى العقبة حتى أرجع إليكم، فذهب فنزل على قبر أمه فناجى ربه طويلا، ثم إنه بكى فاشتد بكاؤه، وبكى هؤلاء لبكائه وقالوا :ما بكى رسول الله صلى الله عليه وسلم بهذا المكان إلا وقد أحدث فى أمته شيئا لا يطيقه، فلما بكى هؤلاء قام فرجع إليهم فقال :ما يبكيكم؟ قالوا :يا نبى الله بكينا لبكائک قلنا :لعله أحدث فى أمتک شيئا لا يطيقه قال " :لا، وقد كان بعضه ولكن نزلت على قبر أمي فدعوت الله أن يأذن لي في شفاعتها يوم القيامة فأبى الله أن يأذن لى فرحمتها وهي أمي فبكيت، ثم جاء نى جبريل عليه السلام فقال :(وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه)

فتبرأ أنت من أمک كما تبرأ إبراهيم من أبيه، فرحمتها وهي أمي، ودعوت ربى أن يرفع عن أمتى أربعا فرفع عنهم اثنتين وأبى أن يرفع عنهم اثنتين، دعوت ربى أن يرفع عنهم الرجم من السماء ، والغرق من الأرض، وأن لا يلبسهم شيعا، وأن لا يذيق بعضهم بأس بعض، فرفع الله عنهم الرجم من السماء ، والغرق من الأرض، وأبى الله أن يرفع عنهم اثنتين :القتل، والهرج ."وإنما عدل إلى قبر أمه لأنها كانت مدفونة تحت كذا وكذا وكان عسفان لهم(المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۱۲۰۴۹، ج ۱۱ ص ۳۷۴)

[1] قال الهيثمي:

رواه الطبرانى فى الكبير، وفيه أبو الدرداء وعبد الغفار بن المنيب عن إسحاق بن عبد الله، عن أبيه، عن عكرمة، ومن عدا عكرمة لم أعرفهم، ولم أر من ذكرهم (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۵۹،باب فى اهل الجاهلية)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے ہی ایک روایت میں یہ مضمون مروی ہے کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ میرے والدین کے ساتھ کیا کیا گیا، تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر (سورہ بقرہ کی) یہ آیت نازل فرمائی کہ:

**”إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيْمِ“**

بے شک ہم نے بھیجا آپ کو حق کے ساتھ، بشیر اور نذیر بنا کر، اور نہیں سوال کیا جائے گا، آپ سے جہنم والوں کے بارے میں (فوائد ابنِ نصر) [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال نبيل بن منصور بن يعقوب بن سلطان البصارة:

قال ابن كثير :هذا حديث غريب وسياق عجيب "التفسير 394 /2

وقال الهيثمي :وفيه أبو الدرداء عبد الغفار بن المنيب عن إسحاق بن عبد الله عن أبيه عن عكرمة، ومن عدا عكرمة لم أعرفهم ولم أر من ذكرهم "المجمع 117 /1

قلت :الحديث إسناده ضعيف لضعف إسحاق بن عبد الله بن كيسان، وأبوه مختلف فيه والأكثر على تضعيفه، وأبو الدرداء عبد العزيز بن المنيب قال الدارقطني وغيره :ليس به بأس(أَنِيسُ السَّارى فى تخريج وَتحقيق الأحاديث التى ذكرها الحَافظ ابن حَجر العسقلانى فى فَتح البَارى، ج٢،ص ١٥٥٢، تحت رقم الحديث ١١٤١،حرف الهمزة)

[1] حدثنى أبو بكر محمد بن سعيد بن إبراهيم بن القاسم الجحدرى بتنيس قال : حدثنا محمد بن يحيى الأنطاكى قال :حدثنى محمد بن الحسن الأشرسونى :حدثنا أحمد بن محمد بن صدقة قال :حدثنا وكيع، عن النضر بن عربى، عن عكرمة، عن ابن عباس قال :قال النبى صلى الله عليه وسلم ليت شعرى ما فعل أبوى؛ فأنزل الله عليه : (إنا أرسلناك بالحق بشيراً ونذيراً ولا تسأل عن أصحاب الجحيم(فوائد ابن نصر عن مشايخه، لابى القاسم عبدالرحمن بن عمر شيبانى دمشقى، ص ٦٤،رقم الحديث : ٤٤)

اس طرح کی حدیث داؤد بن ابی عاصم کی سند سے بھی مرسلاً مروی ہے۔ [1]

اور محمد بن کعب قرظی کی سند سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔ [2]

البتہ محمد بن کعب قرظی کی ایک روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات تک اپنے والدین کا ذکر نہیں کیا۔

اس بات کا ذکر ''محمد بن کعب قرظی'' کی بعض روایات میں ہی ہے، جن کو معتبر قرار دینے کی صورت میں یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہو، جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدین کے متعلق کچھ علم نہ ہوا ہو، اور والدین کا ذکر نہ کرنے سے مراد یہ ہو کہ ان کے متعلق عام ذکر نہ کیا ہو، جس کا راوی کو علم نہ ہوا ہو، اگرچہ کسی دوسرے کو علم ہو گیا ہو، کیونکہ کسی کا عدمِ علم دوسرے کے عدمِ علم کو مستلزم نہیں، جیسا کہ علامہ سخاوی اور علامہ ابنِ کثیر رحمہما اللہ کے حوالہ سے آگے حاشیہ میں آتا ہے۔ واللہ اعلم۔ [3]

مذکورہ روایات کی اسناد میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے۔

امام سخاوی نے ''الأجوبة المرضية'' میں اور علامہ ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر میں اس پر کچھ

---

[1] حدثنا القاسم قال :حدثنا الحسين قال، حدثنا حجاج ، عن ابن جريج قال، أخبرنى داود بن أبى عاصم ، أن النبى صلى الله عليه وسلم قال ذات يوم ":ليت شعرى أين أبواى؟ "فنزلت:( إنا أرسلناك بالحق بشيرا ونذيرا ولا تسأل عن أصحاب الجحيم(جامع البيان فى تأويل القرآن،للطبرى،رقم الحديث : ١٨٧٧ ،تفسير سورة البقرة)

[2] حدثنا أبو بكر ، حدثنا وكيع ، عن موسى بن عبيد ، عن محمد بن كعب قال رسول الله صلى الله عليه : ليت شعرى ما فعل أبواى ؟ فنزلت :ولا تسأل عن أصحاب الجحيم (غريب الحديث لإبراهيم الحربى ، ج ١ ص ١٤٤ ، غريب حديث عبد الله بن عباس عن النبى صلى الله عليه وسلم، الحديث الرابع،باب: شعر)

[3] نا محمد بن وهب، نا أحمد بن منذر القزاز، نا وكيع، عن موسى بن عبيدة، عن محمد بن كعب القرظى قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :يا ليت شعرى ما فعل أبواى فأنزل الله جل وعز :يا محمد (إنا أرسلناك بالحق بشيرا ونذيرا ولا تسأل عن أصحاب الجحيم) قال :فما ذكرهما حتى مات صلى الله عليه وسلم(معجم ابن الأعرابى، ج ١ ص ٣٩٤، رقم الحديث : ٧٥١)

تفصیلی کلام کیا ہے۔ [1]

---

[1] سئلت عن الحديث المروى وصورته:
حدثنا عبد الرحمن بن عمر، حدثنا محمد بن حامد، حدثنا خلف البزار عن وكيع، عن موسى بن عبيدة عن محمد بن كعب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال" :ليت شعرى ما فعل بأبواى؟ " فأنزل الله :(إنا أرسلناك بالحق بشيرًا ونذيرًا ولا تسأل عن أصحاب الجحيم."
فأجبت :هذا الحديث أخرجه ابن جرير الطبرى فى تفسيره من طريق وكيع وعبد الرازق أيضًا عن الثورى كلاهما عن موسى بن عبيدة ـ هو الربذى ـ عن محمد بن كعب ـ هو القرظى ـ قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" :ليست شعرى ما فعل أبواى، ليست شعرى ما فعل أبواى؟ "، فنزلت :(ولا تسأل عن أصحاب الجحيم) فما ذكرهما حتى توفاه الله عز وجل .وهو مرسل وموسى ضعيف.
لكن أخرجه الطبرى أيضًا من طريق الحسين عن ابن جريج أخبرنى داود بن أبى عاصم أن النبى صلى الله عليه وسلم قال ذات يوم" :أين أبواى؟ "فنزلت :(إنا أرسلناك بالحق بشيرًا ونذيرًا ولا تسأل عن أصحاب الجحيم) وهو مرسل أيضًا .والحسين هذا وهو الملقب بسنيد فيه مقال وأورده الواحدى فى الأسباب له تعليقًا، فقال :وقال ابن عباس :إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ذات يوم" :ليست شعرى ما فعل أبواى؟ "فنزلت هذه الأية .ووصله الثعلبى وغيره من رواية عطاء عنه، لكن من تفسير عبد الغنى ابن سعيد الواهى.
وذكر الواحدى فى "الوسيط "أنه صلى الله عليه وسلم سأل جبريل عن قبر أبيه وأمه فدله عليهما، فذهب إلى القبرين فدعا لهما وتمنى أن يعرف حال أبويه فى الآخرة .ورد ذلك جماعة من المفسرين باستحالة الشك من الرسول صلى الله عليه وسلم فى أمر أبويه.
وممن صرح بذلك ابن عطية حيث قال :هذا خطأ ممن رواه، أو ظنه، لأن أباه مات وهو فى بطن أمه .وقيل :وهو ابن شهر، وقيل :ابن شهرين، وماتت أمه بعد ذلك بخمس سنين، منصرفها به من المدينة من زيارة أخواله، فهذا لا يتوهم أنه خفى على النبى صلى الله عليه وسلم .وكذا استبعد الإمام فخر الدين الرازى هذا السبب قال :لأنه صلى الله عليه وسلم كان يعلم حال من مات كافرا، ودفع ذلك الحافظ ابن كثير باحتمال أن هذا كان قبل أن يعلم أمرهما، فلما علم تبرأ منهما وأخبر عنهما أنهما فى النار كما ثبت فى الصحيح .ثم إن الطبرى قد أفاد أن هذا التفسير على قراء ة من قرأ من أهل المدينة (ولا تسأل) بصيغة النهى، قال :والصواب عندى :القراء ة المشهورة بالرفع على الخبر، لأن سياق ما قبل هذه الآية يدل على أن المراد :من مضى من اليهود والنصارى وغيرهما قال :ويؤيد ذلك أنها فى قراء ة أبى (وما تسأل) وفى قراء ة ابن مسعود (ولن تسأل) والله أعلم(الأجوبة المرضية فيما سئل السخاوى عنه من الأحاديث النبوية،لشمس محمد بن عبد الرحمن السخاوى، ج ١ ،ص ٢٨١ الىٰ ٢٨٣، سئلت عن الحديث المروى وصورته، رقم :٢٨)
رواه ابن جرير عن أبى كريب عن وكيع عن موسى بن عبيدة، وقد تكلموا فيه عن محمد بن كعب بمثله، وقد حكاه القرطبى، عن ابن عباس ومحمد بن كعب، قال القرطبى :وهذا كما يقال لا تسأل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین سے متعلق اپنے رسالے میں مذکورہ روایات کے متعلق فرمایا کہ اگرچہ یہ روایات مرسل یا معضل اور ضعیف ہیں، لیکن مرسل و معضل ہمارے نزدیک حجت ہیں، اور یہ روایات ایک دوسرے سے مل کر قوت حاصل کر لیتی ہیں، جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بحالتِ کفر فوت ہونے اور ان کے متعلق اللہ سے استغفار و شفاعت کا سوال نہ کرنے کی تائید ہوتی ہے، اور اس مفہوم کی دیگر کئی معتبر روایات سے تائید ہوتی ہے۔ واللہ أعلم۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن فلان، أی :قد بلغ فوق ما تحسب، وقد ذكرنا فی التذكرة أن الله أحيا له أبويه حتى آمنا به، وأجبنا عن قوله :إن أبی وأباک فی النار(قلت) : والحديث المروی فی حياة أبويه عليه السلام، ليس فی شیء من الكتب الستة ولا غيرها، وإسناده ضعيف، والله أعلم.

ثم قال ابن جرير :وحدثنی القاسم أخبرنا الحسين حدثنی حجاج عن ابن جريج، أخبرنی داود بن أبی عاصم، أن النبی صلى الله عليه وسلم قال ذات يوم :أين أبوای ؟ فنزلت :إنا أرسلناک بالحق بشيرا ونذيرا ولا تسئل عن أصحاب الجحيم، وهذا مرسل كالذی قبله، وقد رد ابن جرير هذا القول المروی، عن محمد بن كعب وغيره فی ذلک، لاستحالة الشک من الرسول صلى الله عليه وسلم فی أمر أبويه، واختار القراءة الأولى، وهذا الذی سلكه هاهنا فيه نظر، لاحتمال أن هذا كان فی حال استغفاره لأبويه، قبل أن يعلم أمرهما، فلما علم ذلک تبرأ منهما، وأخبر عنهما أنهما من أهل النار، كما ثبت هذا فی الصحيح، ولهذا أشباه كثيرة ونظائر ولا يلزم ما ذكر ابن جرير(تفسير ابن كثير، ج ا، ص ۲۸۰، تفسير سورة البقرة)

[1] أما الكتاب فقوله تعالى (إنا أرسلناک بالحق بشيرا ونذيرا ولا تسأل عن أصحاب الجحيم) فقراءة الجمهور على المجهول فی النفی وقراءة نافع على المعلوم بالنهی.

وقد أخرج وكيع وسفيان بن عيينة وعبد الرزاق وعبد بن حميد وابن جرير وابن المنذر عن محمد بن كعب القرظی رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليت شعری ما فعل أبوای، فنزلت (إنا أرسلناک بالحق بشيرا ونذيرا ولا تسأل عن أصحاب الجحيم)فما ذكرهما حتى توفاه الله تعالى.

وفيه دليل واضح على المدعی وتنبيه نبيه على أن هذا حكم لم ينسخ بالإحياء كما لا يخفى.

قال العلامة السيوطی هذا مرسل ضعيف الإسناد.

قلت المرسل حجة عند الجمهور من العلماء فی الأصول والاعتقاد والطرق المتعددة للحديث ترفع الضعف وتوصله إلى الحسن أو الصحة عند الكل فی الاعتماد.

وأخرج ابن جريرعن داود بن ابی عاصم رضی الله عنه أن النبی صلى الله عليه وسلم قال ذات يوم أين أبوای فنزلت.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی تیسری روایت

امام طبری نے اپنی تفسیر میں ''حکم بن ظهير فرازی '' کی سند سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول ''ولسوف يعطيك ربك فترضى '' کے متعلق روایت کیا ہے کہ:

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال السيوطي .والآخر معضل الإسناد ضعيف.

قلت المعضل عندنا حجة وضعفه يتقوى بالتعدد ولا سيما وقد تعلق به اجتهاد المجتهد فدل على صحته ولو حديث ضعف بالنسبة إلينا في روايته ويكتفي بمثل ذلك في أسباب النزول كما هو معقول عند أرباب النقول.

وأخرج ابن المنذر عن الأعرج أنه قرأ (ولا تسأل عن أصحاب الجحيم) أي أنت يا محمد كما في الدر المنثور.

وفي تفسير العماد بن كثير:قال عبد الرزاق أنبأ الثوري عن موسى بن عبيدة عن محمد بن كعب القرظي رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليت شعري ما فعل أبواي ليت شعري ما فعل أبواي ثلاث مرات فنزل (إنا أرسلناك بالحق بشيرا ونذيرا) فما ذكرهما حتى توفاه الله عز وجل.

وهذا يؤيد ما قدمناه فتدبر وتأمل.

ورواه ابن جرير عن أبي كريب عن وكيع عن موسى بن عبيدة مثله وذكر الحديث الآخر بسنده كما تقدم.

ثم قال ابن كثير.وقد رد ابن جرير هذا القول المروي عن محمد بن كعب وغيره في ذلك لاستحالة الشك من الرسول صلى الله عليه وسلم في أمر أبويه واختار القراء ة الأولى.

يعني النفي قال وهذا الذي سلكه ها هنا فيه نظر لاحتمال أن هذا كان في حال استغفاره لأبويه قبل أن يعلم أمرهما فلما علم ذلك تبرأ منهما وأخبر عنهما أنهما من أهل النار كما ثبت هذا في الصحيح ولهذا أشباه كثيرة ونظائر ولا يلزم ما ذكره ابن جرير.انتهى كلام ابن كثير.

وقال محيي السنة في تفسيره معالم التنزيل.قال عطاء عن ابن عباس رضي الله عنهما وذلك أن النبي صلى الله عليه وسلم قال ذات يوم ليت شعري ما فعل أبواي فنزلت هذه الآية.

أقول وهذا النقل من ابن عباس حبر الأمة كاف في الحجة لا سيما وهو من أهل بيت النبوة ولو كان هناك ترددا في القضية لما ذكر مثل هذه القصة المستلزمة المغصة.

وكذا نقل الواحدي عن ابن عباس رضي الله عنهما .ثم قال.وهذا على قراء ة من قرأ (ولا تسأل عن أصحاب الجحيم) جزما.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کے اہلِ بیت میں سے کوئی جہنم میں داخل نہیں ہوگا'' [1]

مذکورہ روایت سے بعض حضرات یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس روایت میں جو اہلِ بیت کا ذکر ہے، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین بھی داخل ہیں۔

لیکن یہ استدلال اس لیے راجح معلوم نہیں ہوا کہ اولاً تو مذکورہ روایت کی سند میں شدید ضعف پایا جاتا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، دوسرے اگر اس روایت کو معتبر مانا جائے، تو اس میں مومن وموحد اہلِ بیت مراد ہیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے خصوصی طور پر مستفید ہوں گے، اور جو افراد مومن وموحد نہیں، وہ اس بحث سے خارج ہیں، اور ان کو مراد لینا بالخصوص والدین کو مراد لینا صحیح احادیث کے خلاف ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، اور آگے بھی آتا ہے۔

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقال البيضاوى. قرأ نافع ويعقوب (ولا تسأل) على أنه نهى للرسول صلى الله عليه وسلم عن السؤال عن حال أبويه انتهى.

والحاصل أن عامة المفسرين كالمجمعين على أن هذا سبب نزول الآية.

ومن المقرر فى علم الأصول أن نقل الصحابى فى سبب النزول ولو كان موقوفا فهو فى حكم المرفوع الموصول فكيف وقد ثبت رفعه بطرق متعددة وأسانيد مختلفة.

هذا وقد قال جمع من أئمة التفسير كصاحب التيسير.

ولما أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بتبشير المؤمنين وإنذار الكافرين كان يذكر عقوبات الكفار فقام رجل وقال يا رسول الله أين والدى فقال فى النار. فحزن الرجل فقال عليه السلام إن والداک ووالدى ووالد إبراهيم فى النار. فنزل قوله تعالى (ولا تسأل عن أصحاب الجحيم) فلم يسألوا بعد ذلک وهو قوله تعالى (لا تسألوا عن أشياء إن تبد لكم تسؤكم)

وفيه تنبيه على أن قراء ة النفى أيضا تدل على المدعى.

فتبين ما ذكره العلماء من المفسرين والقراء من أن الأصل فى القراء تين أن يتفق حالهما ويجتمع مآلهما ثم تفطن لما فى الحديث من تصريح ذكر والد إبراهيم فى هذا المقام الفخيم(أدلة معتقد أبى حنيفة فى أبوى الرسول عليه الصلاة والسلام، للملا على القارى، ص ۶۴ الیٰ ص ۷۰، الأدلة من الكتاب)

[1] حدثنى به عباد بن يعقوب، قال: ثنا الحكم بن ظهير، عن السدى، عن ابن عباس، فى قوله: ( ولسوف يعطيک ربک فترضى ) قال: من رضا محمد صلى الله عليه وسلم ألا يدخل أحد من أهل بيته النار(تفسير الطبرى، ج ۲۴، ص ۴۸۸، سورة الضحى)

جہاں تک مذکورہ روایت کی سند کا تعلق ہے، تو اس کی سند میں ایک راوی ''حکم بن ظهیر فرازی'' موجود ہیں، جن کو امام احمد بن حنبل نے ''ضعیف'' قرار دیا، اور ابنِ معین نے ان کے ''ثقة'' ہونے کی نفی کی، اور ایک روایت میں ابنِ معین نے فرمایا ''لیس حدیثه بشيء'' اور ابنِ ابی شیبہ ان کی حدیث کو پسند نہیں کیا کرتے تھے، اور ان کی حدیث کو اپنی تصنیف میں داخل نہیں کیا کرتے تھے، اور ابراہیم بن یعقوب جوزجانی نے ان کی مرویات کے عجیب وغریب ہونے کو دیکھ کر ''ساقطُ الحديث'' فرمایا، ان سے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں گیارہ ستاروں کے ناموں کی عجیب روایت مروی ہے۔

اور ابوزرعہ نے ان کے متعلق فرمایا ''واهی الحدیث، متروک الحدیث''

اور ابوحاتم نے فرمایا ''متروک الحدیث، لایکتب حدیثهٔ''

اور امام بخاری نے فرمایا ''منکر الحدیث ، ترکوه''

اور امام ترمذی نے فرمایا ''قد ترکه بعض اهل الحدیث''

اور امام نسائی نے فرمایا ''متروک الحدیث، لیس بثقة ولایکتب حدیثهٔ''

اور ابنِ عدی نے فرمایا ''عامة احادیثهٔ غیر محفوظة'' [1]

---

[1] ت :الحكم بن ظهير الفرازى ، أبو محمد بن أبى ليلى الكوفى.وقال بعضهم :الحكم بن أبى خالد......قال حرب بن إسماعيل : سألت أحمد بن حنبل عنه، فكأنه ضعفه.

وقال عباس الدورى ، عن يحيى بن معين :قد سمعت منه، وليس بثقة.

وقال أبو بكر بن أبى خيثمة ، عن يحيى بن معين :ليس حديثه بشىء .

وقال على بن الحسين بن الجنيد ،رأيت ابن أبى شيبة لا يرضاه ولم يدخله فى تصنيفه.

وقال إبراهيم بن يعقوب الجوزجانى ساقط لميله وأعاجيب حديثه، وهو صاحب حديث نجوم يوسف.

وقال أبو زرعة : واهى الحديث، متروك الحديث.

وقال أبو حاتم : متروك الحديث، لا يكتب حديثه.

وقال البخارى : منكر الحديث تركوه.

وقال الترمذى : قد تركه بعض أهل الحديث.

وقال النسائى : متروك الحديث.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ''حکم بن ظهير فرازی'' کے متعلق آجری نے ابوداؤد سے نقل کیا کہ ''لا یکتب حدیثه''

اور صالح جزرۃ نے فرمایا کہ ''یہ حدیث گھڑا کرتا تھا''

اور یحییٰ سے اس کے متعلق ''کذاب'' ہونا مروی ہے۔

اور ابنِ حبان نے فرمایا کہ ''یہ شخص صحابۂ کرام کو سب وشتم کیا کرتا تھا، اور ثقہ راویوں سے خودساختہ چیزوں کو روایت کیا کرتا تھا، اس شخص نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ جب تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو، تو اسے قتل کرو'' (العیاذ باللہ من ذالک) [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال فی موضع آخر : لیس بثقة، ولا یکتب حدیثه.

وقال أبو أحمد بن عدی : عامة أحادیثه غیر محفوظة، مات قریبا من سنة ثمانین ومئة(تهذیب الکمال فی أسماء الرجال،للمزی ،ج۷،ص ۹۹ الیٰ ۱۰۲ ، ملخصاً،باب الحاء،من اسمه حکام والحکم، رقم الترجمة ۱۴۳۰)

[1] "ت -الحکم "بن ظهیر الفزاری أبو محمد بن أبی لیلی الکوفی وقال بعضهم الحکم بن أبی خالد روی عن السدی ............قال حرب بن إسماعیل سألت أحمد عنه فکأنه ضعفه وقال الدوری عن بن معین قد سمعت منه ولیس بثقة وقال بن أبی خیثمة عنه لیس حدیثه بشیء وقال علی بن الجنید رأیت بن أبی شیبة لا یرضاه وقال الجوزجانی ساقط لمیله وأعاجیب حدیثه وهو صاحب حدیث نجوم یوسف وقال أبو زرعة واهی الحدیث متروک الحدیث وقال أبو حاتم متروک الحدیث لا یکتب حدیثه وقال البخاری متروک الحدیث ترکوه وقال الترمذی قد ترکه بعض أهل الحدیث وقال النسائی متروک وقال فی موضع آخر لیس بثقة ولا یکتب حدیثه وقال بن عدی عامة أحادیثه غیر محفوظة مات قریبا من سنة "180"روی له الترمذی حدیثا واحدا فی القول عند الأرق.

قلت :وقال الآجری عن أبی داود لا یکتب حدیثه وقال صالح جزرة کان یضع الحدیث .

وقال الحاکم لیس بالقوی عندهم وفی الکامل لابن عدی قال یحیی کذاب .

وقال بن حبان کان یشتم الصحابة ویروی عن الثقات الأشیاء الموضوعات وهو الذی روی عن عاصم عن ذر عن عبد الله إذا رأیتم معاویة علی منبری فأقتلوه وقال بن نمیر قد سمعت منه ولیس بثقة وأنکر علیه العقیلی حدیثه فی تسمیة النجوم التی رآها یوسف علیه السلام وحدیث إذا رأیتم معاویة وحدیث إذا بویع لخلیفتین(تهذیب التهذیب،لابن حجر العسقلانی،ج۲،ص۴۲۷، ۴۲۸، ملخصاً،باب الحاء،من اسمه حکام والحکم، رقم الترجمة ۷۴۷)

علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے ''تقریبُ التھذیب'' میں فرمایا کہ:

''متروک رمی بالرفض واتھمهٗ بن معین''

''کہ یہ شخص متروک ہے، رافضی ہونے کے ساتھ متہم ہے اور ابنِ معین نے اس کو جھوٹ کے ساتھ متہم کیا ہے''

پس مذکورہ روایت سند کے اعتبار سے قابلِ اعتبار نہیں۔ [1]

## ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی چوتھی روایت

علامہ ابن جوزی نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث کو روایت کیا ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مروی ہے کہ:

''لم یزل ینقلنی من الاصلاب الطاھرة إلی الارحام النقیة مھذبا''

''میں حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر پاکیزہ پشتوں سے، پاکیزہ ارحام کی طرف، پاکیزگی کے ساتھ منتقل ہوتا رہا''۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابنِ جوزی نے فرمایا کہ:

''ھذا حدیث موضوع قد وضعه بعض القصاص''

''یعنی یہ حدیث خود ساختہ ہے، بعض قصہ گو لوگوں نے اس کو گھڑا ہے''۔ [2]

---

[1] الحكم بن ظهير بالمعجمة مصغر ها أبو محمد وكنية أبيه أبو ليلى ويقال أبو خالد متروك رمى بالرفض واتهمه بن معين من الثامنة مات قريبا من سنة ثمانين ت(تقريب التهذيب،لابن حجر العسقلانی،ج ا ،ص ۱۷۴،ذکر بقية حرف الحاء ، رقم الترجمة ۱۴۵۱)

[2] أنبأنا على بن أحمد الموحد قال أنبأنا هناد بن إبراهيم النسفى قال حدثنا أبو الحسن على بن محمد بن بكران قال أنبأنا أبو صالح خلف بن محمد بن إسماعيل قال حدثنا الحسين بن الحسن بن الوضاح ومحبوب بن يعقوب قالا حدثنا يحيى ابن جعفر بن أعين قال حدثنا على بن عاصم عن عطاء بن السايب عن مرة الهمدانى.

عن ابن عباس قال :قلت يا رسول الله أين كنت وآدم فى الجنة ؟ قال كنت فى صلبه وأهبط إلى الارض وأنا فى صلبه ، وركبت السفينة فى صلب أبى نوح ، وقذفت فى النار فى صلب أبى إبراهيم،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورعلامہ شوکانی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ:

”ھو موضوع وضعه بعض القصاص“

”یعنی یہ حدیث خودساختہ ہے، جس کو بعض قصہ گولوگوں نے گھڑا ہے“۔ [1]

## ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی پانچویں روایت

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری سند سے مروی حدیث میں یہ الفاظ مروی ہیں:

”ولم یزل ینقلنی من أصلاب الکرام إلی الأرحام، حتی أخرجنی

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لم یلتق لی أبوان قط علی سفاح ، لم یزل ینقلنی من الاصلاب الطاهرة إلی الارحام النقیة مهذبا ، لا یتشعب شعبان إلا کنت فی خیر هما ، فأخذ الله لی بالنبوة میثاقی وفی التوراة بشر بی ، وفی الانجیل شهراسمی ، تشرق الارض لوجهی ، والسماء لرؤیتی ، ورقی بی فی سمائه ، وشق بی اسما من أسمائه فذو العرش محمود وأنا محمد ، وفی ذلک یقول حسان بن ثابت :من قبلها طبت فی الظلال وفی *مستودع حین یخصف الورق ثم سکنت البلاد لا بشر *أنت ولا نطفة ولا علق فذکر الابیات قال " :فحشت الانصار فمه دنانیر "

هذا حدیث موضوع قد وضعه بعض القصاص ، وهناد لا یوثق به ولعله من وضع شیخه أو من شیخ شیخه علی أن علی بن عاصم قد قال فیه :یزید بن هارون ما زلنا نعرفه بالکذب .وقال یحیی :لیس بشیء إلا أن التهمة به للمتأخرین ألیق فالاثبات للعباس بلا خلاف(الموضوعات لابن الجوزی، ج ۱،ص ۲۸۱، ۲۸۲،کتاب الفضائل والمثالب،باب فی ذکر انتقاله إلی الاصلاب )

[1] حدیث أنه قیل للنبی صلی الله علیه وسلم أین کنت وآدم فی الجنة قال فی صلبه وأهبط إلی الأرض وأنا فی صلبه ورکبت السفینة فی صلب أبی نوح وقذف بی فی النار فی صلب أبی إبراهیم لم یتفق فی أبوان علی سفاح قط لم یزل ینقلنی من الأصلاب الطاهرة إلی الأرحام النقیة مهذبا لا تنشعب شعبتان إلا کنت فی خیرهما فأخذ الله لی بالنبوة وفی التوراة بشربی وفی الإنجیل شهر اسمی تشرق الأرض لوجهی والسماء لرؤیتی رقی بی فی سمائه وشق لی اسما من أسمائه فذو العرش محمود وأنا محمد وفی ذلک یقول حسان بن ثابت:

من قبلها طبت فی الظلال وفی مستودع حیث تخصف الورق

ثم هبطت البلاد لا بشر أنت ولا مضغة ولا علق

الأبیات قال فحشت الأنصار فمه دنانیر .

هو موضوع وضعه بعض القصاص قال فی اللآلء والأبیات للعباس بلا خلاف(الفوائد المجموعة،للشوکانی،ص ۳۲۰،باب فضائل النبی صلی الله علیه وسلم، تحت رقم الحدیث ۲)

**من بين أبوى، لم يلتقيا على سفاح قط“**

”اور میں مکرم پشتوں سے رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ میری اپنے والدین سے ولادت ہوئی، جو کبھی بدکاری کے مرتکب نہیں ہوئے“

لیکن اس حدیث کی سند میں بھی ”شدید ضعف“ پایا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] قال ابن أبى عمر :حدثنا عمر بن خالد، حدثنا محمد بن عبد الله، عن عبد الله بن الفرات، عن عثمان بن الضحاک، عن ابن عباس رضى الله عنهما قال :إن قريشا كانت نورا بين يدى الله عز وجل قبل أن يخلق آدم بألفى عام، يسبح ذلک النور فتسبح الملائكة بتسبيحه، فلما خلق الله آدم جعل ذلک النور فى صلبه، قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-فأهبطه الله إلى الأرض فى صلب آدم، فجعله فى صلب نوح فى السفينة، وقذف فى النار فى صلب إبراهيم، ولم يزل ينقلنى من أصلاب الكرام إلى الأرحام، حتى أخرجنى من بين أبوى، لم يلتقيا على سفاح قط.

تخريجه:

ذكره البوصيرى فى الإتحاف ( /3ق 24أمختصر)، وعزاه لابن أبى عمر.

وهو فى علامات النبوة من الإتحاف المسندة (ص 35)ومن طريق ابن أبى عمر :رواه الآجرى فى الشريعة (ص 377) قال :حدثنا أبو محمد عبد الله بن صالح البخارى، حدثنا محمد بن أبى عمر العدنى، به، بنحوه.

ورواه ابن عساكر كما فى البداية والنهاية (241 /2) من طريق إسحاق بن إبراهيم بن سنان قال: حدثنا سلام بن سليمان أبو العباس المكفوف المدائنى، حدثنا ورقاء بن عمر عن ابن أبى نجيح، عن عطاء ومجاهد، عن ابن عباس، وأوله :سألت رسول -صلى الله عليه وسلم -فقلت :فداک أبى وأمى أين كنت وآدم فى الجنة؟ ...فذكر المرفوع منه، بنحوه، مطولا.

قال ابن عساكر كما فى مختصر تاريخه :(29 /2)هذا حديث غريب .اهـ.

أما ابن كثير والهندى فى الكنز (428 /11) فقد نقلا عنه أنه قال :هذا حديث غريب جدا .اهـ.

فتعقبه ابن كثير بقوله :بل منكر جدا .اهـ.

ورواه ابن الجوزى فى الموضوعات (281 /1) قال :أنبأنا على بن أحمد الموحد، أنبأنا هناد بن إبراهيم النسفى، حدثنا أبو الحسن على بن محمد بن بكران، أنبأنا أو صالح خلف بن محمد بن إسماعيل، حدثنا الحسين بن الحسن بن الوضاح ومحبوب بن يعقوب، قالا :حدثنا يحيى بن جعفر بن أعين، حدثنا على بن عاصم، عن عطاء بن السايب، عن قرة الهمدانى، عن ابن عباس، بنحو رواية ابن عساكر.

قال ابن الجوزى عقبه :هذا حديث موضوع، وقد وضعه بعض القصاص، وهناد لا يوثق به، ولعله من وضع شيخه، أو من شيخ شيخه على أن على بن عاصم قد قال فيه يزيد بن هارون :ما زلنا نعرفه بالكذب، وقال يحيى :ليس بشىء إلا أن التهمة به للمتأخرين أليق .اهـ .كلام ابن الجوزى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے نکاح کے صحیح ہونے اور ان کے غلط روی کے مرتکب نہ ہونے کے مسئلہ میں کوئی شبہ نہیں، جس کی تائید معتبر احادیث وروایات سے ہوتی ہے۔

چنانچہ بعض احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ولادت کے نکاح کے ذریعہ سے ہونے اور نسب میں کسی قسم کے شبہ نہ ہونے کا حکم لگایا ہے، اور فرمایا کہ:

**"ولدت من نکاح لا سفاح"**

ان میں سے بعض روایات تو اگرچہ سند کے اعتبار سے "شدید ضعیف" ہوں، لیکن بعض "شدید ضعیف" نہیں، اور وہ باہم مل کر "حسن" درجہ حاصل کر لیتی ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے نکاحِ صحیح ہونے اور اس کے نتیجہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کے صحیح ہونے کے لیے حجت بن جاتی ہیں۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذكره السيوطى فى الآلى المصنوعة (1/ 264) ونقل بعض كلام ابن الجوزى السابق، ثم قال : قال فى الميزان :على بن محمد بن بكران شيخ لهناد النسفى جاء بخبر سمج أحسبه باطلا .وقال الخليلى :خلف ضعيف جدا .روى متونا لا تعرف، والله أعلم .اهـ .كلام السيوطى.

الحكم عليه:

الحديث بهذا الإسناد فيه علتان:

- 1عمر بن خالد، قال عنه أبو حاتم :لا أعرفه.
- 2محمد بن عبد الله الحلبى، قال عنه أبو حاتم :لا أعرفه.

وفيه عبد الله بن الفرات وعثمان بن الضحاك لم أجد من ترجم لهما.

وعليه فالحديث بهذا الإسناد ضعيف جدا.

قال محمد حامد فقى فى حاشية الشريعة للآجرى (ص 377) :هذا الإسناد كله مجاهيل، وهو أشبه بالإسرائيليات، التى دس سمومها كعب الأحبار وإخوانه الذين لبسوا الإسلام لأمور الله أعلم بها.!

قلت :كعب الأحبار ممن اختلف فيه(حاشية المطَالبُ العَالِيَةُ بِزَوَائِدِ المسَانيد الثّمَانِيَةِ،لسعد بن ناصر بن عبد العزيز الشَّثرى، ج١٧، ص ١٩٥ الىٰ ١٩٧، كتاب السيرة والمغازى،باب أولية النبى -صلى الله عليه وسلم -وشرف أصله ، تحت رقم الحديث ٤٢٠٩ )

[1] (حديث " :ولدت من نكاح لا سفاح "(2/182)حسن.

روى من حديث على بن أبى طالب ,وعبد الله بن عباس ,وعائشة ,وأبى هريرة.

1۔ حديث على ,له طريقان عنه:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام بیہقی رحمہ اللہ "دلائلُ النبوة" میں فرماتے ہیں:

وکیف لا یکون أبواه وجده بهذه الصفة فی الآخرة، وکانوا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأولی: عن زکریا بن عمر المعروف بـ (الدشتی) حدثنا ابن فضیل عن عطاء ابن السائب عن میسرة عنه مرفوعا بلفظ ": ولدت من آدم فی نکاح, لم یصبنی عهر الجاهلیة."

أخرجه ابن شاذان فی "فوائد ابن قانع وغیره" (ق 163/1).

قلت: وهذا إسناد ضعیف فیه ثلاث علل:

أولا: جهالة حال میسرة وهو ابن یعقوب الطهوی صاحب رایة علی, لم یوثقه غیر ابن حبان, وروی عنه جماعة.

ثانیا: عطاء بن السائب کان اختلط, وسمع منه ابن فضیل بعد اختلاطه.

ثالثا: زکریا بن عمر الدشتی لم أجد من ترجمه.

الثانیة: قال محمد بن یحیی بن أبی عمر العدنی: حدثنا محمد بن جعفر العلوی قال: أشهد علی أبی لحدثنی عن أبیه عن جده عن علی مرفوعا بلفظ ": خرجت من نکاح, ولم أخرج من سفاح, من لدن آدم إلی أن ولدنی أبی وأمی, لم یصبنی من سفاح الجاهلیة شیء."

أخرجه الرامهزی فی "الفاصل بین الراوی والواعی" (ص 136) والجرجانی السهمی فی "تاریخ جرجان" (ص 318- 319) وأبو نعیم فی "أعلام النبوة" (1/11) وابن عساکر فی "تاریخ دمشق" (1/267/1- 2) کلهم عن العدنی به, إلا أنه لم یقل "عن علی" فی روایة عنه, وقد عزاه إلی "مسند العدنی" السیوطی فی "الدر المنثور" (2/294) و "الجامع الصغیر", وعزاه للطبرانی أیضا فی "الأوسط" تبعا للهیثمی, وقال هذا فی "المجمع" (8/214) ": وفیه محمد بن جعفر بن محمد بن علی, صحح له الحاکم فی "المستدرک" وقد تکلم فیه, وبقیة رجاله ثقات."

قلت: وهو کما قال رجاله کلهم ثقات رجال مسلم غیر محمد بن جعفر هذا قال الذهبی فی "المیزان" ": "تکلم فیه" قلت: وقد أورده ابن عدی فی "الکامل" (ق 366/1) وقال ": هو عم علی بن موسی الرضا."

ولم یذکر فیه جرحا صریحا.

وقال الذهبی فی "تاریخ الإسلام" (1/29) ": وهذا منقطع إن صح عن جعفر بن محمد, ولکن معناه صحیح."

قلت: یشیر بذلک إلی الطعن فی محمد بن جعفر العلوی, والانقطاع الذی أشار إلیه هو بین جد محمد بن جعفر وهو محمد بن علی بن الحسین بن علی بن أبی طالب أبو جعفر الباقر, فإنه لم یسمع من جده علی رضی الله عنه.

وله عن الباقر طریق أخری مرسلا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یعبدون الوثن حتی ماتوا، ولم یدینوا دین عیسی بن مریم علیه السلام وأمرهم لا یقدح فی نسب رسول الله، صلی الله علیه

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یرویه سفیان عن جعفر بن محمد عن أبیه فی قوله تعالی " :(لقد جاء کم رسول من أنفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم) " قال " :لم یصبه شی من ولادة الجاهلیة ,قال :وقال النبی صلی الله علیه وسلم :خرجت من نکاح غیر سفاح ."

أخرجه ابن جریر فی "التفسیر "(11/56) والبیهقی (7/190) وابن عساکر (1/267/2) وکذا عبد الرزاق فی "المصنف "وابن أبی حاتم وأبو الشیخ کما فی "الدر ."

قلت :وهذا مرسل صحیح الإسناد.

وأخرجه ابن سعد (1/31) من طریق أخری عن جعفر به دون ذکر الآیة.

2۔ حدیث عبد الله بن عباس ,له عنه طرق:

الأولی :قال ابن سعد فی "الطبقات "(1/32) أخبرنا محمد بن عمر الأسلمی أخبرنا أبو بکر بن عبد الله بن أبی سبرة عن عبد المجید بن سهیل عن عکرمة عن ابن عباس قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم " :خرجت من لدن آدم من نکاح غیر سفاح ."

ومن طریق ابن سعد أخرجه ابن عساکر.

قلت :وهذا إسناد واه بمرة قال الذهبی فی "تاریخ الإسلام "(1/29) " : هذا حدیث ضعیف , فیه متروکان :الواقدی وأبو بکر بن أبی سبرة ."

قلت :وله طریق أخری عن عکرمة ,یرویه أنس بن محمد قال :حدثنا موسی بن عیسی ,قال: حدثنا یزید بن أبی حکیم عنه به ولفظه " :لم یلتق أبوای فی سفاح ,لم یزل الله عز وجل ینقلنی من أصلاب طیبة إلی أرحام طاهرة ,صافیا مهذابا ,لا تتشعب شعبتان إلا کنت فی خیرهما ."أخرجه أبو نعیم (1-11\12)

قلت :وإسناده واه ,من دون عکرمة لم أعرفهم.

طریق أخری عنه موقوفا ,یرویه شبیب عن عکرمة عن ابن عباس " :(وتقلبک فی الساجدین) , قال :من نبی إلی نبی حتی أخرجت نبیا "رواه ابن عساکر.

قلت :وشبیب بن بشر ضعیف ,قال الحافظ فی "التقریب " :"صدوق ,یخطیء ."

وقال الذهبی فی "الضعفاء " :"قال أبو حاتم :لین الحدیث ."

قلت :فقول الهیثمی فی "المجمع "(7/86) " : رواه البزار والطبرانی ,ورجالهما رجال الصحیح غیر شبیب بن بشر وهو ثقة "لیس منه بجید ,مع تضعیف من ذکرنا لشبیب هذا.

نعم لم یتفرد به ,فقد رواه سعدان بن الولید عن عطاء عن ابن عباس به .أخرجه أبو نعیم (1/12) وابن عساکر (1/267/2). لکن سعدان هذا لم أعرفه ,والله أعلم.

الثانیة :عن هشیم أخبرنا المدینی عن أبی الحویرث عنه به ,ولفظه " :ما ولدنی من سفاح الجاهلیة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وسلم، لأن أنكحة الكفار صحيحة، ألا تراهم يسلمون مع

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

شيء ,وما ولدني إلا نكاح كنكاح الإسلام "أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير "(3/99/1) والبيهقي (7/190) وعنه ابن عساكر عن محمد بن أبي نعيم الواسطي أخبرنا هشيم به.

وقال الطبراني " :المديني هو عندي فليح بن سليمان ."

قلت :فإن كان هو ,فهو ثقة ولكنه كثير الخطأ ,وبقية رجاله ثقات ,إلا أن أبا الحويرث واسمه عبد الرحمن معاوية سيء الحفظ أيضا.

ومحمد بن أبي نعيم ,قال الحافظ في "التقريب " :"صدوق ,لكن طرحه ابن معين ."

وقال الهيثمي في "المجمع " :"رواه الطبراني عن المديني عن أبي الحويرث ,ولم أعرف المديني ولا شيخه ,وبقية رجاله وثقوا ."

3ـ حديث عائشة ,قال ابن سعد (1/32) : أخبرنا محمد بن عمر الأسلمي قال :حدثني محمد بن عبد الله بن مسلم عن عمه الزهري عن عروة عنها قالت :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ": خرجت من نكاح غير سفاح ."

ومن طريق ابن سعد أخرجه ابن عساكر (1/267/1) وابن الجوزي في "التحقيق "(3/91/2) , وسكت عنه ,ولا غرابة في ذلك ما دام أنه قد ساقه بسنده ,وإنما الغرابة من الحافظ ابن عبد الهادي في "تنقيح التحقيق "(3/285) فإنه اختصر إسناده ,وفيه العلة ,ثم قال جازما " :روى الزهري عن عروة عن عائشة ." ...

فلا أدري كيف استجاز ذلك وفي الطريق إلى الزهري محمد بن عمر الأسلمي كما رأيت ,وهو متروك كذاب!

4ـ حديث أبي هريرة ,يرويه أبو حامد أحمد بن محمد بن شعيب :أنبأنا سهل بن عمار العتكي أنبأنا أبو معاوية أنبأنا سعد بن محمد بن ولد (؟) بن عبد الرحمن ابن عوف عن الزهري عن سعيد بن المسيب عنه مرفوعا بلفظ ":ما ولدتني بغي قط ,قد خرجت من صلب أبي آدم ,ولم تزل تنازعني الأمم كابرا عن كابر حتى خرجت من أفضل حيين من العرب :هاشم وزهرة ."

أخرجه ابن عساكر (1/267/1).

قلت :وهذا إسناد ضعيف جدا ,سهل بن عمار هذا قال الذهبي " :متهم ,كذبه الحاكم ."

وأحمد بن محمد بن شعيب إن كان هو أبا سهل السجزي فقد اتهمه الذهبي برواية حديث كذب , وإن كان غيره فلم أعرفه.

وخلاصته أن الحديث من قسم الحسن لغيره عندي ,لأنه صحيح الإسناد عن أبي جعفر الباقر مرسلا ,ويشهد له الطريق الأولى عن علي ,والثانية عن ابن عباس ,لأن ضعفهما يسير محتمل , وأما بقية الطرق ,فإنها شديدة الضعف ولا يصلح شيء منها للاستشهاد بها ,والله أعلم(إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل،لمحمد ناصر الدين الألباني،ج٦،ص ٣٢٩ الیٰ ٣٣٤،تحت رقم الحديث،١٩١٤، كتاب النكاح،باب نكاح الكفار)

**زوجاتهم فلا يلزمهم تجديد العقد، ولا مفارقتهن** (دلائل النبوة، للبيهقي، ج ١، ص ١٩٢، ١٩٣، جماع أبواب مولد النبي صلى الله عليه وسلم، باب ذكر وفاة عبد الله أبي رسول الله صلى الله عليه وسلم ووفاة أمه آمنة بنت وهب ووفاة جده عبد المطلب بن هاشم)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور دادا، آخرت میں اسی (کفر کی) صفت پر (محشوراور دوبارہ زندہ) کیوں نہ ہوں گے، جبکہ وہ اپنی وفات تک بُت پرستی میں مبتلا رہے، اور وہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے دین پر ایمان نہیں لائے، لیکن ان کا یہ معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں عیب کا باعث نہیں، کیونکہ کفار کا نکاح درست و صحیح ہوتا ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کفار، اگر اپنی بیویوں کے ساتھ اسلام لے آئیں، تو اُن کو نکاح کی تجدید لازم نہیں ہوتی، اور نہ میاں بیوی میں علیٰحدگی کرانے کی ضرورت ہوتی (بیہقی)

بہرحال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کے متعلق اس بات میں شک نہیں کہ وہ ہر قسم کے عیوب ونقص سے پاک ہے، اور آپ کے والدین کا نکاح صحیح ہے، جس کی متعدد احادیث وروایات سے تائید ہوتی ہے۔

لیکن نسب کا پاک ہونا، آپ کے آباء واجداد کے مومن وموحد ہونے کو مستلزم نہیں، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

اوراسی طریقہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت جو بعض احادیث میں خواب دیکھنا مذکور ہے کہ اُن سے ایک نور خارج ہوا، جس کی وجہ سے شام کے محلات روشن ہوگئے۔ [1]

---

[1] عن العرباض بن سارية الفزاري، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إني عند الله مكتوب بخاتم النبيين، وإن آدم لمنجدل في طينته، وسأخبركم بأول ذلك: دعوة أبي إبراهيم، وبشارة عيسى، ورؤيا أمي التي رأت حين وضعتني أنه خرج منها نور أضائت لها منه قصور الشام (صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ٦٤٠٤)

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح لغيره (حاشية صحيح ابنِ حبان)

اس سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت، ظاہر ہوتی ہے، لیکن اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے مؤمن ہونے کا کوئی تعلق نہیں، اور غیر مؤمن کے خواب کے سچا ہونے میں بھی کوئی مانع نہیں۔ [1]

البتہ اس سلسلہ میں بعض روایات سند کے اعتبار سے نا قابلِ اعتبار بھی ہیں۔ [2]

علامہ جلال الدین سیوطی نے ''مسالک الحنفا فی والدی المصطفی ''میں ابو نعیم کی ''دلائل النبوۃ ''کے حوالہ سے ''اُمِّ سماعۃ بنتِ ابی رھم '' کی والدہ کی سند سے ایک حدیث کو نقل کیا ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے چند اشعار کا ذکر ہے، اور علامہ جلال الدین سیوطی نے ان اشعار کے ''منافیٔ شرک ''ہونے کا حکم لگایا ہے۔

لیکن ہمیں ان اشعار پر مشتمل یہ روایت نہ تو ابو نعیم کی ''دلائل النبوۃ ''میں دستیاب ہوئی، اور نہ ہی دوسری کتبِ حدیث میں معتبر سند سے دستیاب ہوئی ''ومن ادعیٰ ،فعلیہ البیان'' [3]

---

[1] فأما الكافر والمنافق والكاذب والمخلط وإن صدقت رؤياهم فى بعض الأوقات فإنها لا تكون من الوحى ولا من النبوة إذ ليس كل من صدق فى شىء ما يكون خبره ذلك نبوة فقد يقول الكاهن كلمة حق وقد يحدث المنجم فيصيب لكن كل ذلك على الندور والقلة والله أعلم(فتح البارى لابنِ حجر، ج ١٢ ص ٤٠٦، قوله باب القيد فى المنام)

[2] حدثنا أحمد بن عمرو الخلال المكى، ثنا محمد بن منصور الجواز، ثنا يعقوب بن محمد الزهرى، ثنا عبد العزيز بن عمران، عن عبد الله بن عثمان بن أبى سليمان، عن أبيه، عن ابن أبى سويد الثقفى، قال: سمعت عثمان بن أبى العاص، يقول: أخبرتنى أمى، قالت: شهدت آمنة لما ولدت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلما ضربها المخاض نظرت إلى النجوم تدلى، حتى إنى أقول لتقعن على، فلما ولدت، خرج منها نور أضاء له البيت الذى نحن فيه والدار، فما شىء أنظر إليه، إلا نور(المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ٣٥٥)

قال الهيثمى:رواه الطبرانى، وفيه عبد العزيز بن عمران وهو متروك(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٣٨٣٩)

[3] أخرج أبو نعيم فى دلائل النبوة بسند ضعيف من طريق الزهرى عن أم سماعة بنت أبى رهم عن أمها قالت: شهدت آمنة أم رسول الله – صلى الله عليه وسلم – فى علتها التى ماتت فيها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# علی رضی اللہ عنہ کی روایت

امام طبری نے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے کہ:

**حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: ثَنَا يَحْيٰى، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الْخَلِيْلِ، عَنْ عَلِيٍّ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَغْفِرُ لِأَبَوَيْهِ وَهُمَا مُشْرِكَانِ، حَتّٰى نَزَلَتْ "وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيْمَ لِأَبِيْهِ" إِلٰى قَوْلِهٖ "تَبَرَّأَ مِنْهُ"** (تفسیر الطبری، ج۴ص۵۱۵، سورۃ التوبۃ، رقم الحدیث ۱۷۳۳۵) [1]

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ومحمد غلام يفع له خمس سنين عند رأسها فنظرت إلى وجهه ثم قالت:

بارک فیک الله من غلام ...یا ابن الذی من حومة الحمام

نجا بعون الملک المنعام ...فودی غداة الضرب بالسهام

بمائة من إبل سوام ...إن صح ما أبصرت فی المنام

فأنت مبعوث إلى الأنام ...من عند ذی الجلال والإکرام

تبعث فی الحل وفی الإحرام ...تبعث بالتحقيق والإسلام

دين أبيک البر إبراهام ...فالله أنهاک عن الأصنام

أن لا تواليها مع الأقوام

ثم قالت: کل حی ميت وکل جديد بال، وکل کبير يفنى، وأنا ميتة وذکرى باق، وقد ترکت خيرا، وولدت طهرا .ثم ماتت، فکنا نسمع نوح الجن عليها، فحفظنا من ذلک:

نبکی الفتاة البرة الأمينه ...ذات الجمال العفة الرزينه

زوجة عبد الله والقرينه ...أم نبی الله ذی السکينه

وصاحب المنبر بالمدينه ...صارت لدى حفرتها رهينه

فأنت ترى هذا الکلام منها صريحا فی النهی عن موالاة الأصنام مع الأقوام، والاعتراف بدين إبراهيم، ويبعث ولدها إلى الأنام من عند ذی الجلال والإکرام بالإسلام.

وهذه الألفاظ منافية للشرک (الحاوی للفتاویٰ للسيوطی، ج۲ص۲۶۸، ۲۶۹، کتاب البعث، مبحث المعاد، مسالک الحنفا فی والدی المصطفى)

[1] إسناده حسن، رجاله ثقات رجال الشيخين غير أبی الخليل -واسمه عبد الله بن أبی الخليل، وقيل :ابن الخليل -فله رواية فی السنن، روى عنه جمع، وذکره ابن حبان فی "الثقات ."سفيان: هو الثوری، وسماعه من أبی إسحاق قديم (محمد رضوان خان)

ترجمہ: ہم سے ابنِ بشار نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں ہم سے یحیٰی نے حدیث بیان کی، وہ سفیان سے روایت کرتے ہیں، وہ ابواسحاق سے روایت کرتے ہیں، وہ ابوالخلیل سے روایت کرتے ہیں، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ماں باپ کے لیے استغفار کرتے رہے، اور وہ دونوں مشرک تھے، یہاں تک کہ (سورہ توبہ کی) یہ آیت نازل ہوئی کہ:

''وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ'' (تفسیر طبری)

خلیفۂ راشد، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی تائید بعض دوسری روایات سے بھی ہوتی ہے، اور یہ روایات ایک دوسرے کی تائید کر کے باہم قوت حاصل کر لیتی ہیں۔

## علی رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت

ابوعبداللہ، حسین بن ابراہیم بن حسین بن جعفر جورقانی (المتوفیٰ: 543ہجری) نے ''الاباطیل والمناکیر'' میں ''یحییٰ بن حسین بن اسماعیل علوی'' کی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے، انہوں نے کہا کہ اللہ آپ کو سلام بھیجتا ہے، اور آپ سے کہتا ہے کہ میں نے جہنم کو اس پشت پر حرام کر دیا، جس سے آپ کا نزول ہوا، اور آپ کے حمل کے پیٹ پر بھی جہنم کو حرام کر دیا، اور آپ کی پرورش کرنے والی گود پر بھی جہنم کو حرام کر دیا، میں نے کہا کہ اے جبریل! مجھے اس کی وضاحت کر دیجیے، تو جبریل نے کہا کہ ''پشت'' سے مراد (آپ کے والد) ''عبداللہ'' ہیں، اور ''بـــطــن'' سے مراد (آپ کی

والدہ) ''آمنة بنتِ وهب'' ہیں، اور ''گود'' سے مراد (آپ کے دادا) ''عبدالمطلب'' اور ''فاطمة بنتِ اسد'' ہیں۔

(اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ''ابوعبداللہ حسین بن ابراہیم بن حسین بن جعفر جورقانی'' خود ہی فرماتے ہیں)

**"هذا حديث موضوع باطل"**

''یہ حدیث خودساختہ اور باطل ہے''

اور اس کی سند میں ایک سے زیادہ مجہول راوی ہیں ''ابوحاتم محمد بن حبان'' نے فرمایا کہ (اس روایت کے ایک راوی) ''علی بن موسیٰ بن جعفر رضا'' اپنے والد سے عجیب باتیں بیان کرتا ہے۔

اور میں نے امام محمد بن حسن سے (اس روایت کے ایک دوسرے راوی) ''ابوالحسین یحییٰ بن حسین بن اسماعیل حسنی علوی'' کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا:

**"كان رافضيا غاليا، ومع هذا كان يدعى الإمامة، والخلافة بجيلان، واجتمع عليه خلق كثير، فنعوذ بالله من الشقاوة والخذلان"**

''یہ غالی قسم کا رافضی تھا، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ''جیلان'' کے علاقہ میں اپنی امامت اور خلافت کا دعویٰ کرتا تھا، جس پر بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے، پس ہم اللہ کے ذریعہ سے بدبختی اور رسوائی سے پناہ طلب کرتے ہیں'' [1]

---

[1] أخبرنا محمد بن الحسن بن محمد الواعظ، أخبرنا أبو الحسين بن يحيى بن الحسين بن إسماعيل الحسنى العلوى، أخبرنا أبو عبد الله محمد بن على بن الحسين بن على العلوى الحسنى، بقراء ات عليه بالكوفة، قال :حدثنا زيد بن حاجب، قال: حدثنا محمد بن عمار العطار، قال :حدثنا على بن محمد بن موسى الغطفاني، قال :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ روایت کو علامہ عبدالرحمٰن بن علی الجوزی (المتوفی: 597ہجری) نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، جس کے بعد علامہ ابنِ جوزی نے فرمایا کہ:

''هذا حديث موضوع بلا شك وإسناده كما ترى.

قال بعض حفاظ خراسان :كان أبو الحسين يحيى بن الحسين العلوى رافضيا غاليا، وكان يدعى الخلافة بجيلان، واجتمع عليه خلق كثير.

ولا يختلف المسلمون أن عبد المطلب مات كافرا، وكان لرسول الله صلى الله عليه وسلم يومئذ ثمان سنين.وأما عبد الله فإنه مات ورسول الله صلى الله عليه وسلم حمل،

ولا خلاف أنه مات كافرا، وكذلك آمنة ماتت ولرسول الله صلى الله عليه وسلم ست سنين.

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

حدثنا محمد بن هارون العلوى المصرى، حدثنى محمد بن على بن حمزة العباسى، حدثنى أبى، حدثنى على بن موسى بن جعفر، حدثنى أبى، عن جعفر بن محمد، عن أبيه، عن على بن الحسين، عن أبيه، عن على بن أبى طالب، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :هبط على جبرئيل، فقال :يا محمد، إن الله يقرئك السلام، ويقول لك :إنى حرمت النار على صلب أنزلك منه، وبطن حملك، وحجر كفلك، فقلت :يا جبريل، بين لى؟ فقال :أما الصلب فعبد الله، وأما البطن فآمنة بنت وهب، وأما الحجر فعبد يعنى عبد المطلب ,وفاطمة بنت أسد.

هذا حديث موضوع باطل، فى إسناده من المجهولين غير واحد، قال أبو حاتم محمد بن حبان بن أحمد البستى الحافظ :على بن موسى بن جعفر الرضا يروى عن أبيه العجائب، روى عنه :أبو الصلت، وغيره، كأنه كان يهم ويخطء.

وسألت الإمام محمد بن الحسن بن محمد عن حال أبى الحسين يحيى بن الحسين بن إسماعيل الحسنى العلوى؟ قال :كان رافضيا غاليا، ومع هذا كان يدعى الإمامة، والخلافة بجيلان، واجتمع عليه خلق كثير، فنعوذ بالله من الشقاوة والخذلان(الأباطيل والمناكير والصحاح والمشاهير، ج١، ص٣٧٥، ٣٧٦، كتاب الفضائل،باب :فى ذكر عبد الله بن عبد المطلب، وآمنة بنت وهب، وعبد المطلب، تحت رقم الحديث ٢٠٦)

**فأما فاطمة بنت أسد فإنها أسلمت وبايعت ولا تختلط بهؤلاء"**

''یعنی یہ حدیث بلاشبہ ''خودساختہ'' ہے، اور اس کی سند کو آپ دیکھ لیجیے کہ کیسی ہے۔

خراسان کے بعض حفاظ نے فرمایا کہ ''ابوالحسین یحییٰ بن حسین علوی'' غالی رافضی تھا، اور یہ ''جیلان'' کے علاقہ میں خلافت کا دعویٰ کرتا تھا، جس پر بہت سے لوگ جمع ہوگئے تھے۔

اور مسلمانوں کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ ''عبدالمطلب'' کفر کی حالت میں فوت ہوئے، اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال تھی، اور ''عبداللہ'' اس وقت فوت ہوئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حمل کی حالت میں تھے، اور اس بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ ان کی وفات بھی کفر کی حالت میں ہوئی، اور اسی طریقہ سے ''آمنة بنتِ وهب'' کی وفات اس وقت ہوئی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھ سال کے تھے۔

جہاں تک ''فاطمہ بنت اسد'' کا تعلق ہے، تو وہ اسلام لے آئی تھیں، اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت بھی کر لی تھی، جن کا مذکورہ لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بنتا'' (علامہ ابنِ جوزی کا کلام ختم ہوا) [1]

---

[1] أخبرت عن أبى الحسين يحيى بن الحسين بن إسماعيل العلوى قال أنبأنا أبو عبد الله محمد بن على بن الحسين الحسنى قال حدثنا زيد بن حاجب قال حدثنا محمد بن عمار العطار قال حدثنى على بن محمد بن موسى الغطفانى قال حدثنا محمد ابن هارون العلوى قال حدثنى محمد بن على بن حمزة العباسى قال حدثنى أبى قال حدثنا على بن موسى بن جعفر قال حدثنى أبى عن جعفر بن محمد عن أبيه عن على بن أبى طالب قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :هبط على جبريل فقال يا محمد إن الله يقرئك السلام ويقول إنى حرمت النار على صلب أنزلك وبطن حملك وحجر كفلك.
فقال يا جبريل بين لى، فقال أما الصلب فعبد الله وأما البطن فآمنة بنت وهب، وأما الحجر فعبد يعنى عبد المطلب وفاطمة بنت أسد ."

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور علامہ ذہبی نے مذکورہ روایت کے بارے میں فرمایا کہ اس کی سند ''تاریک'' ہے، اور اس کا متن ''گھڑا ہوا'' ہے۔ [1]

اور علامہ ابنِ عراق کنانی نے فرمایا کہ اس روایت میں ''یحییٰ بن حسین علوی'' پایا جاتا ہے، اور اس میں ایک سے زیادہ ''مجہول'' راوی بھی پائے جاتے ہیں۔ [2]

اور علامہ جلال الدین سیوطی نے مذکورہ روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا:

**''موضوع إسناده كما ترى فيه غير واحد من المجهولين وأبو الحسين العلوى رافضى غال''**

''یہ روایت خودساختہ ہے، اس کی سند وہی ہے، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، اس

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

هذا حديث موضوع بلا شك وإسناده كما ترى.

قال بعض حفاظ خراسان :كان أبو الحسين يحيى بن الحسين العلوى رافضيا غاليا، وكان يدعى الخلافة بحيلان (بحيلان) ، واجتمع عليه خلق كثير ولا يختلف المسلمون أن عبد المطلب مات كافرا، وكان لرسول الله صلى الله عليه وسلم يومئذ ثمان سنين.

وأما عبد الله فإنه مات ورسول الله صلى الله عليه وسلم حمل ولا خلاف أنه مات كافرا، وكذلك آمنة ماتت ولرسول الله صلى الله عليه وسلم ست سنين.

فأما فاطمة بنت أسد فإنها أسلمت وبايعت ولا تختلط بهؤلاء(الموضوعات لابن الجوزى، ج ا ،ص،۲۸۲،۲۸۳، كتاب الفضائل والمثالب،باب فى إكرام أبويه وجده)

[1] جاء بسند مظلم ومتن موضوع لعلى بن حمزة ، عن على بن موسى الرضا ، عن أبيه ، عن جعفر بن محمد ، عن أبيه ، عن على بن الحسين ، عن أبيه ، عن على ، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :هبط على جبريل فقال :إن الله يقرئك السلام ، ويقول لك :إنى حرمت ( النار ) على صلب أنزلك ، وبطن حملك ، وحجر كفك :عبد الله ، وآمنة ، ( و ) عبد المطلب(أحاديث مختارة من موضوعات الجورقانى وابن الجوزى،للذهبى،ص ۹۴، تحت رقم الحديث ۶۷" ۱ ۴")

[2] (حديث) " هبط جبريل على فقال :إن الله يقرئك السلام ويقول :إنى حرمت النار على صلب أنزلك، وبطن حملك، وحجر كفلك، أما الصلب فعبد الله، وأما البطن فآمنة، بنت وهب، وأما الحجر فعبد، يعنى عبد المطلب، وفاطمة بنت أسد "(ابن الجوزى) من حديث على، وفيه أبو الحسن يحيى بن الحسين العلوى، وفيه غير واحد من المجهولين(تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة، لابن عراق الكنانى ،ج ا ،ص ۳۲۲، كتاب المناقب والمثالب،باب فيما يتعلق بالنبى،الفصل الأول، تحت رقم الحديث ۳)

میں ایک سے زیادہ مجہول راوی ہیں، اور ابوالحسین علوی غالی رافضی ہے'' [1]

اور محمد بن علی شوکانی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا:

''في إسناده :مجاهيل، وهو موضوع''

''اس کی سند میں مجہول راوی ہیں، اور یہ روایت خودساختہ ہے'' [2]

اور علامہ ابنِ حجر نے ''لسانُ الميزان''میں''یحییٰ بن حسین علوی'' کے بارے میں فرمایا کہ:

''یہ رافضی تھا، جس نے ایسی روایت کو بیان کیا ہے، جس کا متن جھوٹا ہے''

اس روایت میں ہے کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور دادا جنت میں ہیں''

اس جاہل نے اس روایت کو گھڑنے کا جھوٹ باندھا ہے۔

---

[1] (أخبرت) عن أبي الحسين يحيى بن الحسين بن إسماعيل العلوى أنبأنا أبو عبد الله محمد بن على بن الحسين الحسنى حدثنا زيد بن حاجب حدثنا محمد بن عمار العطاء على بن محمد بن موسى الغطفانى حدثنا محمد بن هارون العلوى حدثنا محمد بن على بن حمزة العباسى حدثنا أبي حدثنا على بن موسى بن جعفر حدثنا أبي عن جعفر بن محمد عن أبيه عن على بن الحسين عن أبيه عن على مرفوعا هبط جبريل على فقال إن الله تعالى يقرؤك السلام ويقول إنى حرمت النار على صلب أنزلك وبطن حملك وحجر كفلك أما الصلب فعبد الله وأما البطن فآمنة بنت وهب وأما الحجر فعبد يعنى عبد المطلب وفاطمة بنت أسد.

موضوع إسناده كما ترى فيه غير واحد من المجهولين وأبو الحسين العلوى رافضى غال (اللآلى المصنوعة فى الأحاديث الموضوعة، لجلال الدين، السُّيوطى، ج ۱، ص ۲۴۴، كتاب المناقب)

[2] حديث" :هبط جبريل على .فقال :إن الله يقرئك السلام، ويقول :إنى حرمت النار على صلب أنزلك، وبطن حملك، وحجر كفلك .أما الصلب :فعبد الله .وأما البطن :فآمنة بنت وهب .وأما الحجر :فعبد _يعنى :عبد المطلب، وفاطمة بنت أسد.

فى إسناده :مجاهيل، وهو موضوع(الفوائد المجموعة فى الأحاديث الموضوعة،لمحمد بن على بن محمد الشوكانى،ص ۳۲۱، كتاب الفضائل،باب فضائل النبى صلى الله عليه وآله وسلم، تحت رقم الحديث ۴)

جورقانی نے اس "روایت" کو "خودساختہ" قرار دیا ہے"۔ [1]

---

[1] یحیی بن الحسین العلوی.
رافضی، متأخر.
کتب، عن أبی الغنائم النرسی.
أتی بخبر کذب متنه: إن أبوی النبی صلی الله علیه وسلم وجده فی الجنة .اتهم بوضعه هذا الجاهل .انتهی.
وقد أجحف المصنف فی هذه الترجمة , والحدیث المذکور ذکره الجوزقانی فی کتاب الأباطیل فقال: أخبرنا محمد بن الحسن بن محمد الواعظ أخبرنا أبو الحسین یحیی بن الحسین بن إسماعیل الحسینی أخبرنا محمد بن علی بن الحسن بن علی الحسنی حدثنا زید بن حاجب حدثنا محمد بن عمار العطار حدثنی علی بن محمد الغطفانی حدثنا محمد بن هارون العلوی حدثنی محمد بن علی بن حمزة العباسی حدثنی أبی حدثنی علی بن موسی بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی حدثنی أبی موسی، عن أبیه جعفر بن محمد، عن أبیه محمد، عن أبیه علی بن الحسین بن علی، عن أبیه الحسین، عن أبیه علی بن أبی طالب , رفعه:
هبط علی جبریل فقال: یا محمد إن الله یقرئک السلام ویقول لک: إنی حرمت النار علی صلب أنزلک وبطن حملک وحجر کفلک فقلت: یا جبریل بین لی فقال: أما الصلب فعبد الله وأما البطن فآمنة وأما الحجر فعبد المطلب وفاطمة بنت أسد.
قال الجوزقانی: هذا حدیث موضوع وفی سنده غیر واحد من المجهولین.
وسألت الإمام محمد بن الحسن بن محمد عن حال یحیی بن الحسین فقال: کان رافضیا غالیا وکان ادعی الإمامیة بجیلان واجتمع علیه جماعة.
وهذا الکلام یقتضی أن هذا هو الأول الذی استدرکته ویحتمل أنه غیره لأنه تقدمت وفاته عن النرسی إلا أن یکون وقع فی الأصل تحریف وکان فیه: کتب عنه أبو الغنائم.
وقد ذکر الأول ابن السمعانی وساق نسبه إلی القاسم بن الحسن بن زید بن الحسن بن علی وقال: کان إماما علی مذهب زید بن علی وکان فاضلا غزیر العلم مکثرا عارفا بالأدب وطریقة الحدیث ویقال له: إلکیا یحیی , ویقال لوالده: الموفق.
ذکره أبو طاهر فقال: کان من نبلاء أهل البیت ومن المجودین فی صناعة الحدیث، وغیره من الأصول والفروع .وذکر بین یدیه الإمامیة فوصفهم بأقبح الوصف .قال ابن طاهر: فدخلت علی المرتضی شیخ الإمامیة فذکر الزیدیة بأقبح الذکر فقلت: کفیتما أهل السنة الوقیعة فیکما.
وقال الدقاق فی رسالته: رأیت بالری من الأئمة الحفاظ إلکیا یحیی بن الحسین السید الإمام الملقب بالمرشد بالله وما رأیت فی العلویین أفضل منه.
ونقل ابن طاهر عنه أنه سمع الخطیب یقول: فی الدارقطنیین تشیع وما أظن هذا یصح عن الخطیب إلا إن کان أراد أهل المحلة، فأما أبو الحسن الدارقطنی فکان من المتدینین هکذا نبه علیه ابن طاهر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے مذکورہ روایت کو بعض رافضی راویوں نے گھڑا ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معتبر سند کے ساتھ اس کے خلاف حدیث مروی ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

## عطیہ کی مرسل روایت

امام طبری نے اپنی تفسیر میں ''عطیۃ'' کی سند سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں آئے، تو اپنی والدہ کی قبر پر کھڑے ہوئے، اور دیر تک دھوپ میں اس امید پر کھڑے رہے کہ آپ کو (رب تعالیٰ کی طرف سے) والدہ کے لیے استغفار کرنے کی اجازت حاصل ہوجائے، یہاں تک کہ (سورہ توبہ کی) یہ آیت نازل ہوئی:

''مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا أَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُوْلِیْ قُرْبٰی''

''نہیں حق حاصل ہے نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، یہ کہ وہ استغفار کریں مشرکین کے لیے، اگرچہ وہ ان کے قریبی کیوں نہ ہوں'' [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد ذكر إسماعيل بن على الأيوبى فى تاريخه: أن الدارقطنى كان يحفظ عدة دواوين للشعراء منها ديوان السيد الحميرى ولذلك نسب إلى التشيع .انتهى.

وهذا لا يثبت عن الدارقطنى (لسان الميزان، لابن حجر العسقلانى، ج ۸، ص ۴۲۸ الیٰ ۴۳۰، حرف الياء، من اسمه يحيى، تحت رقم الترجمة ۸۴۳۷، مطبوعة: دار البشائر الإسلامية، بيروت، لبنان، الطبعة الاولیٰ: ۱۴۲۳ھ، 2002ء)

[1] حدثنا أحمد بن إسحاق، قال: ثنا أبو أحمد، قال: ثنا فضيل، عن عطية، قال: " لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة وقف على قبر أمه حتى سخنت عليه الشمس رجاء أن يؤذن له فيستغفر لها، حتى نزلت: (ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قربى) إلى قوله (تبرأ منه) (تفسير الطبرى، ج ۱۲ ص ۲۲، سورة التوبة، القول فى تأويل قوله تعالى: ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين)

قریبی رشتہ داروں میں والدین سب سے پہلے بلکہ بدرجۂ اولیٰ داخل ہیں، کیونکہ وہی انسان کے لیے دوسرے رشتوں کا سبب وذریعہ ہیں۔

تاہم مذکورہ روایت کے ''عطیة '' راوی میں ضعف پایا جاتا ہے۔ [1]

لیکن ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے سلسلے میں ایک مستقل رسالہ تالیف کیا ہے، جس میں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے شرک کی حالت میں فوت ہونے کے متعلق دلائل تحریر کیے ہیں، اوراس کے خلاف پائے جانے والے شکوک وشبہات اوراعتراضات کے مدلل جوابات بھی بیان کیے ہیں، اس رسالہ میں ملا علی قاری نے ''عطیة'' کی مذکورہ روایت کودوسری روایات کے پیشِ نظر قوی قراردیا ہے۔

چنانچہ ملا علی قاری، اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

**قال السيوطي. هذا الأثر ضعيف معلول فإن عطية ضعيف وهو مخالف لرواية على بن ابى طلحة عن ابن عباس السابقة وتلك اصح وعلى ثقة جليل.**

**قلت عطية مختلف فيه ولو سلم أنه ضعيف فيتقوى بانضمام غيره إليه.**

**ثم لا مخالفة بين الروايتين لإمكان الجمع بين القضيتين بتعدد الواقعة فى الحالتين** (أدلة معتقد أبى حنيفة فى أبوى الرسول عليه الصلاة والسلام، للملا على القارى، ص ۷۹، ۸۰، الأدلة من السنة)

ترجمہ: سیوطی نے فرمایا کہ یہ روایت ضعیف ہے، معلول ہے، کیونکہ عطیہ راوی

---

[1] قال أبو حذيفة، نبيل بن منصور البصارة الكويتي:
وأما حديث عطية فأخرجه الطبرى فى "تفسيره (42 /11) "عن أحمد بن إسحاق ثنا أبو أحمد ثنا فضيل عن عطية قال: لما قدم رسول الله – صلى الله عليه وسلم – مكة وقف على قبر أمه حتى سخنت عليه الشمس رجاء أنْ يؤذن له، فيستغفر لها، حتى نزلت (ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قربى)إلى قوله: (تبرأ منه)مرسل، وعطية ضعيف (انيس السارى، تحت رقم الحديث ۱۱۴۱، ج۲، ص ۱۵۵۳، حرف الهمزة)

ضعیف ہے، اور یہ روایت علی بن ابی طلحہ کی ابنِ عباس سے مروی گزشتہ روایت کے مخالف ہے، اور وہ روایت زیادہ صحیح ہے، اور علی جلیل ثقہ راوی ہیں۔

(ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ عطیہ مختلف فیہ ہیں، اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ یہ ضعیف ہیں، تو اس کے ساتھ دوسری احادیث ملانے سے اس کو قوت حاصل ہو جاتی ہے (کیونکہ اس طرح کا مضمون بعض دوسری روایات میں بھی آیا ہے)

پھر دونوں روایتوں میں درحقیقت کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ دونوں قضیوں کو دو مختلف حالتوں کے واقعات پر محمول کر کے جمع کرنا ممکن ہے (ادلة معتقد ابی حنیفة فی ابوی الرسول علیه الصلاة والسلام)

معلوم ہوا کہ مذکورہ روایت بعض اصحابِ علم کے نزدیک دوسری روایات کے ساتھ مل کر قابلِ اعتبار ہے، اور ایک آیت کا ایک سے زیادہ واقعات کے لیے نزول ہو سکتا ہے، کئی مفسرین نے بھی سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کے شانِ نزول میں متعدد اقوال بیان کیے ہیں جن میں یہ قول بھی داخل ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی آیت دوسرے موقع پر نازل کی گئی ہو، لیکن کسی اہم حکم کے استحضار اور تائید کے لیے اس آیت کو دوسرے موقع پر تلاوت و پیش کیا جائے، واللہ اعلم۔ [1]

---

[1] فيه إشكال لأن وفاة أبى طالب كانت بمكة قبل الهجرة اتفاقا وقد ثبت أن النبى صلى الله عليه وسلم أتى قبر أمه لما اعتمر فاستأذن ربه أن يستغفر لها فنزلت هذه الآية والأصل عدم تكرر النزول وقد أخرج الحاكم وبن أبى حاتم من طريق أيوب بن هانء عن مسروق عن بن مسعود قال خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما إلى المقابر فاتبعناه فجاء حتى جلس إلى قبر منها فناجاه طويلا ثم بكى فبكينا لبكائه فقال إن القبر الذى جلست عنده قبر أمى واستأذنت ربى فى الدعاء لها فلم يأذن لى فأنزل على ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين وأخرج أحمد من حديث بن بريدة عن أبيه نحوه وفيه نزل بنا ونحن معه قريب من ألف راكب ولم يذكر نزول الآية وفى رواية الطبرى من هذا الوجه لما قدم مكة أتى رسم قبر ومن طريق فضيل بن مرزوق عن عطية لما قدم مكة وقف على قبر أمه حتى سخنت عليه الشمس رجاء أن يؤذن له فيستغفر لها فنزلت وللطبرانى من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# ابوقتادہ کی روایت

حضرت سعید سے روایت ہے کہ:

**عن قتادة قوله" :ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين"، الآية، ذكر لنا أن رجالا من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم قالوا :يا نبى الله، إن من آبائنا من كان يحسن الجوار، ويصل الأرحام، ويفك العانى، ويوفى بالذمم، أفلا نستغفر لهم؟ قال :فقال النبى صلى الله عليه وسلم :بلى !والله لأستغفرن لأبى، كما استغفر إبراهيم لأبيه !قال :فأنزل الله" :ما كان للنبى**

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

طريق عبد الله بن كيسان عن عكرمة عن بن عباس نحو حديث بن مسعود وفيه لما هبط من ثنية عسفان وفيه نزول الآية فى ذلك فهذه طرق يعضد بعضها بعضا وفيها دلالة على تأخير نزول الآية عن وفاة أبى طالب ويؤيده أيضا أنه صلى الله عليه وسلم قال يوم أحد بعد أن شج وجهه رب اغفر لقومى فإنهم لا يعلمون لكن يحتمل فى هذا أن يكون الاستغفار خاصا بالأحياء وليس البحث فيه ويحتمل أن يكون نزول الآية تأخر وإن كان سببها تقدم ويكون لنزولها سببان متقدم وهو أمر أبى طالب ومتأخر وهو أمر آمنة ويؤيد تأخير النزول ما تقدم فى تفسير براء ة من استغفاره صلى الله عليه وسلم للمنافقين حتى نزل النهى عن ذلك فإن ذلك يقتضى تأخير النزول وإن تقدم السبب ويشير إلى ذلك أيضا قوله فى حديث الباب وأنزل الله فى أبى طالب إنك لا تهدى من أحببت لأنه يشعر بأن الآية الأولى نزلت فى أبى طالب وفى غيره والثانية نزلت فيه وحده ويؤيد تعدد السبب ما أخرج أحمد من طريق أبى إسحاق عن أبى الخليل عن على قال سمعت رجلا يستغفر لوالديه وهما مشركان فذكرت ذلك للنبى صلى الله عليه وسلم فأنزل الله ما كان للنبى الآية وروى الطبرى من طريق بن أبى نجيح عن مجاهد قال وقال المؤمنون ألا نستغفر لأبائنا كما استغفر إبراهيم لأبيه فنزلت ومن طريق قتادة قال ذكرنا له أن رجالا فذكر نحوه وفى الحديث أن من لم يعمل خيرا قط إذا ختم عمره بشهادة أن لا إله إلا الله حكم بإسلامه وأجريت عليه أحكام المسلمين فإن قارن نطق لسانه عقد قلبه نفعه ذلك عند الله تعالى بشرط أن لا يكون وصل إلى حد انقطاع الأمل من الحياة وعجز عن فهم الخطاب ورد الجواب وهو وقت المعاينة وإليه الإشارة بقوله تعالى وليست التوبة للذين يعملون السيئات حتى إذا حضر أحدهم الموت قال إنى تبت الآن والله أعلم(فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج٨،ص٥٠٨،باب إنك لا تهدى من أحببت ولكن الله يهدى من يشاء)

والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين "حتى بلغ" :الجحيم"، ثم عـذر الـله إبراهيم فقال" :ومـا كـان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه"، .قال :وذكر لـنا أن نبى الله قال :أوحـى إلـى كلمات فدخلن فى أذنى، ووقرن فى قلبى :أمـرت أن لا أستغفر لمن مات مشركا (جـامع البيان فى تأويل الـقـرآن،لـلطبرى،ج۱۴،ص۵۱۳،رقم الحديث : ۱۷۳۳۳ ، القول فى تفسير السورة التى يذكر فيها التوبة)

ترجمہ: حضرت قتادہ نے (سورہ توبہ کی) اس آیت:

”مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیۡنَ آمَنُوۡا أَنۡ یَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِکِیۡنَ “

(یعنی نہیں حق ہے نبی کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے، اس کا کہ وہ استغفار کریں، مشرکین کے لیے)

کے متعلق فرمایا کہ ہمارے سامنے یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ہمارے آباء واجدا میں بعض لوگ ایسے بھی تھے، جو پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے، اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے تھے، اور قیدی کو چھڑایا کرتے تھے، اور عہد معاہدے کی پاسداری کیا کرتے تھے۔ کیا ہم ان کے لیے استغفار نہ کریں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اور اللہ کی قسم میں بھی اپنے والد کے لیے استغفار کروں گا، جیسا کہ حضرت ابراہیم نے اپنے والد کے لیے استغفار کیا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ نے (سورہ توبہ کی) یہ آیت نازل فرمائی۔

”مَـا کَـانَ لِـلـنَّبِیِّ وَالَّذِیۡنَ آمَنُوۡا أَنۡ یَسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِکِیۡنَ وَلَوۡ کَانُوۡا أُوۡلِیۡ قُرۡبٰی مِنۡ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمۡ أَنَّهُمۡ أَصۡحَابُ الۡجَحِیۡمِ “

''نہیں حق حاصل ہے نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، یہ کہ وہ استغفار کریں مشرکین کے لیے، اگرچہ وہ ان کے قریبی کیوں نہ ہوں، بعد اس کے کہ ظاہر ہوجائے ان کے لیے یہ بات کہ وہ جہنم والے (یعنی کافر) ہیں''

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے عذر کو (اگلی آیت میں) اس طرح بیان فرمایا کہ:

**''وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ أَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ''**

''اور ابراہیم کا اپنے والد کے لیے استغفار صرف ایک وعدے کے طور پر تھا، جس کا انہوں نے ان سے وعدہ کیا تھا، پھر جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ان کا والد اللہ کا دشمن (یعنی کافر) ہے، تو برائت ظاہر کردی (ابراہیم نے) ان سے''

اور حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ بات بھی ذکر کی گئی کہ اللہ کے نبی نے فرمایا کہ اللہ نے میری طرف چند کلمات کی وحی بھیجی، جو میرے کان میں داخل ہوئے اور میرے دل میں محفوظ ہوگئے، مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں اس شخص کے لیے استغفار نہ کروں، جو شرک کی حالت میں فوت ہوگیا (تفسیر طبری)

مذکورہ روایت اگرچہ سند کے اعتبار سے ''منقطع'' ہے، لیکن اس کے راوی ''ثقہ'' ہیں، اور اس کی تائید دیگر روایات سے ہوتی ہے، اس لیے قابلِ استدلال معلوم ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] قال نبيل بن منصور بن يعقوب بن سلطان البصارة الكويتي:
وحديث قتادة أخرجه الطبرى ( 43 /11) عن بشر بن معاذ العقدى ثنا يزيد بن زُريع ثنا سعيد بن أبى عَروبة عن قتادة، قوله (ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين)الآية، قال :ذكر لنا أنّ رجالا من أصحاب النبى -صلى الله عليه وسلم - قالوا :يا نبى الله، إنّ من آبائنا من كان يحسن الجوار، ويصل الأرحام، ويفك العانى، ويوفى بالذمم، أفلا نستغفر لهم؟ فقال النبى -صلى الله عليه وسلم " -بلى والله لأستغفرن لأبى كما استغفر إبراهيم لأبيه "فأنزل الله (ما كان للنبى)الآية.
ورواته ثقات(أنيسُ السَّارى تخريج احاديث فتح البارى، ج۵، ص ۳۷۵۴، ۳۷۵۵، تحت رقم الحديث ۲۵۵۵، حرف القاف)

## ”مُـلیکة“ کے بیٹوں کی روایت

”ابنِ عساکر“ نے ”معجمُ الشیوخ“ میں ”علقمة بن قیس“ کی سند سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے ملیکہ کے دو بیٹوں ”جعفیان“ نے یہ حدیث بیان کی کہ:

**”أتينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلنا يا رسول الله أخبرنا عن أم لنا ماتت فى الجاهلية كانت تصل الرحم وتفعل وتفعل ۔ هل ينفعها ذلك قال لا قال فإنها وأدت أختا لنا فى الجاهلية فهل ينفع ذلك أختنا قال لا الوائدة والموؤودة فى النار إلا أن يدرك الوليدة الإسلام فتسلم فلما رأى ما دخل علينا قال وأمى مع أمكما.**

**هذا حديث حسن. واسم أحد ابنى مليكة سلمة بن يزيد الجعفى“**

”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمیں اپنی ماں کے متعلق خبر دیجیے، جو جاہلیت کے زمانہ میں فوت ہوگئی تھی، وہ صلہ رحمی کرتی تھی، اور فلاں فلاں خیر کے اعمال کیا کرتی تھی، کیا اس کو یہ چیزیں نفع پہنچائیں گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، پھر انہوں نے عرض کیا کہ ہماری ماں نے ایک بہن کو بھی جاہلیت کے زمانہ میں زندہ در گور کر دیا تھا، کیا یہ ہماری بہن کو نفع پہنچائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، زندہ در گور کرنے والی اور زندہ در گور کردہ دونوں جہنم میں ہیں، لیکن اگر زندہ در گور کردہ اسلام کو پا لیتی، پھر اسلام لے آتی (تو الگ بات تھی) پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے غم کو دیکھا، تو فرمایا کہ میری ماں بھی تم دونوں کی ماں کے ساتھ ہے۔

(اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد ابنِ عساکر نے فرمایا کہ) یہ حدیث ”حسن“

ہے، اور ملیکہ کے دو بیٹوں میں سے ایک کا نام ''سلمة بن یزید جعفی'' ہے''۔ [1]

مسند ابوداؤد طیالسی میں حضرت سلمہ بن یزید جعفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ بے شک میری ماں فوت ہوگئی ہے، اور وہ مہمان کی ضیافت کرتی تھی، اور پڑوسی اور یتیم کو کھلاتی پلاتی تھی، لیکن انہوں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک بچی کو زندہ درگور کردیا تھا، اور میرے پاس مال کی وسعت ہے، کیا میں اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کرکے اس کو نفع پہنچا سکتا ہوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام صرف اسی کو نفع پہنچا سکتا ہے، جس نے اسلام کو پایا ہو، بے شک وہ عورت اور اس کی زندہ درگور کردہ بچی جہنم میں ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہ بات میرے اوپر گراں گزری ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمد کی ماں بھی اُس (تیری ماں) کے ساتھ میں ہے، یہ دونوں خیر (یعنی ایمان وتوحید) سے محروم رہیں۔ [2]

---

[1] أخبرنا محمد بن الحسن بن أبى بكر بن متورة أبو بكر بقراء تى عليه بنيسابور قال ثنا أبو بكر أحمد بن سهل بن محمد بن محمد السراج إملاء أبنا أبو سعيد محمد بن موسى الصيرفى ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب بن يوسف الأصم ثنا أبو عمر أحمد بن عبد الجبار العطاردى ثنا حفص وهو ابن غياث النخعى عن داود بن أبى هند عن الشعبى عن علقمة بن قيس قال حدثنى ابنا مليكة الجعفيان قالا أتينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلنا يا رسول الله أخبرنا عن أم لنا ماتت فى الجاهلية كانت تصل الرحم وتفعل وتفعل ..هل ينفعها ذلك قال لا قال فإنها وأدت أختا لنا فى الجاهلية فهل ينفع ذلك أختنا قال لا الوائدة والموؤودة فى النار إلا أن يدرك الوليدة الإسلام فتسلم فلما رأى ما دخل علينا قال وأمى مع أمكما.

هذا حديث حسن واسم أحد ابنى مليكة سلمة بن يزيد الجعفى(معجم الشيوخ،لابن عساكر، رقم الحديث ١١٤٢، حرف الميم، ذكر من اسمه محمد، تحت ترجمة "محمد بن الحسن بن أبى بكر بن متورة أبو بكر ")

[2] حدثنا يونس قال :حدثنا أبو داود قال :حدثنا سليمان بن معاذ، عن عمران بن مسلم، عن يزيد بن مرة، عن سلمة بن يزيد الجعفى، قال :سألت النبى صلى الله عليه وسلم فقلت :إن أمى ماتت وكانت تقرى الضيف وتطعم الجار واليتيم وكانت وأدت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ روایت کے راوی ''سلمة بن یزید جعفی'' کا شمار صحابۂ کرام میں ہوتا ہے، اور اس سے پہلی روایت کے ذیل میں ابنِ عساکر کے حوالہ سے گزر چکا کہ یہ ملیکہ کے دو بیٹوں میں سے ایک ہیں۔ [1]

البتہ ''مسند ابی داؤد الطیالسی'' کی مذکورہ روایت کی سند میں ''یزید بن مرة'' ضعیف راوی ہیں، جن کی وجہ سے اس حدیث میں ''ضعف'' پایا جاتا ہے۔

لیکن علامہ بوصیری نے فرمایا کہ اس حدیث میں ''یزید بن مرة'' کو تفرد حاصل نہیں، کیونکہ یہ حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے، جس کے راوی ثقہ ہیں (جبکہ ایک روایت پہلے ابنِ عساکر کے حوالہ سے بھی گزر چکی ہے، جو اس کی تائید کرتی ہے) [2]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأدا فی الجاهلية ولی سعة من مال أفينفعها أن أتصدق عنها؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لا ينفع الإسلام إلا من أدركه إنها وما وأدت فی النار قال :فرأى ذلک قد شق على فقال :وأم محمد معها ما فيهما من خير(مسند أبی داود الطيالسی، رقم الحديث ۱۴۰۲، ج۲ص ۶۴۰)

[1] قد س :سلمة بن يزيد الجعفی ويقال :يزيد بن سلمة، والأول أصح .كوفی له صحبة.
روى عن :النبی صلى الله عليه وسلم (قد س).
روى عنه :علقمة بن قيس (قد س) ، وعلقمة بن وائل بن حجر الحضرمی، ويزيد بن مرة الجعفی.
له ذكر فی "صحيح"مسلم فی حديث علقمة بن وائل عن أبيه سأل سلمة بن يزيد الجعفی رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال :يا رسول الله أرأأيت إن قامت علينا أمراء يسألونا حقهم ويمنعونا حقنا فما تأمرنا؟ ...الحديث(تهذيب الكمال فی أسماء الرجال، ج ۱۱، ص ۳۲۹، ۳۳۰، تحت رقم الترجمة ۲۴۷۵)

[2] عن سلمة بن يزيد الجعفی -رضی الله عنه -قال" :سألت النبی -صلى الله عليه وسلم - فقلت :أمی ماتت، وكانت تقری الضيف، وتطعم الجار واليتيم، وكانت وأدت وأدا فی الجاهلية، ولی سعة من مال فينفعها إن تصدقت عنها؟ فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-لا ينفع الإسلام إلا من أدركه، وما وأدت فی النار .ورأى ذلک قد شق علی، فقال :وأم محمد -صلى الله عليه وسلم -معها ما فيهما خير."
رواه أبو داود الطيالسی بسند ضعيف؟ لجهالة يزيد بن مرة لكن لم ينفرد به.
فقد رواه مسدد وأبو بكر بن أبی شيبة والنسائی فی الكبرى بسند رواته ثقات ولفظهم عن يزيد بن سلمة قال" :أتيت أنا وأخی رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فقلنا :إن أمنا ماتت فی الجاهلية،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس حدیث کو امام احمد نے بھی اپنی مسند میں دوسری سند سے روایت کیا ہے، جس کے راوی ''ثقہ'' ہیں، البتہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا کوئی ذکر نہیں۔ [1]

تاہم بعض اہلِ علم حضرات نے مذکورہ حدیث کے متن میں ''نکارۃ'' کا حکم لگایا ہے، کیونکہ اس میں زندہ درگور کردہ کے بھی جہنم میں ہونے کا ذکر ہے۔ [2]

لیکن شراحِ حدیث نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں، بعض نے تو یہ فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں فوت شدہ نابالغ بچے بھی اپنے والدین کے ساتھ جہنم میں جائیں گے۔

اور بعض نے فرمایا کہ زندہ درگور کردہ بچی سے مراد بالغ لڑکی ہے، جو اسلام کی مکلّف تھی۔

اور بعض نے اس کے علاوہ دوسری توجیہ بیان کی ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ [3]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وكانت تقرى الضيف، وتصل الرحم، فهل ينفعها من عملها شيء ؟ قال :لا. قلنا له :فإن أمنا وأدت أختا لنا في الجاهلية لم تبلغ الحنث .فقال النبي -صلى الله عليه وسلم -: الموء ودة والوائدة في النار إلا أن تدرك الوائدة الإسلام فتسلم(إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة،للبوصيری، ج۸ص۲۱۷، تحت رقم الحديث ۷۸۱۹''۱،۲''كتاب صفة النار وأهلها،باب فيمن تصدق ومات وهو مشرك)

[1] حدثنا ابن أبي عدي، عن داود بن أبي هند، عن الشعبي، عن علقمة، عن سلمة بن يزيد الجعفي، قال: انطلقت أنا وأخي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: قلنا: يا رسول الله، إن أمنا مليكة كانت تصل الرحم، وتقري الضيف، وتفعل، وتفعل هلكت في الجاهلية، فهل ذلك نافعها شيئا؟ قال: " لا "قال: قلنا: فإنها كانت وأدت أختا لنا في الجاهلية، فهل ذلك نافعها شيئا؟ قال: " الوائدة والموئودة في النار، إلا أن تدرك الوائدة الإسلام، فيعفو الله عنها "(مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۹۲۳ ،حديث سلمة بن يزيد الجعفي)

[2] قال شعيب الارنؤوط:
رجاله ثقات رجال الشيخين، غير داود بن أبي هند، فمن رجال مسلم، وصحابيه روى له النسائي، وله ذكر في "صحيح مسلم "لكن في متنه نكارة .ابن أبي عدي: هو محمد بن إبراهيم بن أبي عدي، والشعبي: هو عامر بن شراحيل، وعلقمة: هو ابن قيس بن عبد الله النخعي(حاشية مسند احمد،تحت رقم الحديث ۱۵۹۲۳)

[3] وأما أطفال المشركين ففيهم ثلاثة مذاهب :فالأكثرون على أنهم في النار، وتوقفت طائفة، والثالث وهو الصحيح أنهم من أهل الجنة(إرشاد الساری لشرح صحيح البخاری، ج۹،ص ۳۴۹، كتاب القدر،باب الله أعلم بما كانوا عاملين)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یہ مضمون آیا ہے کہ:

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(الوائدة) بهمزة مكسورة قبل الدال والوأد دفن الولد حيا والوائدة فاعلة ذلک كان من ديدنهم أن المرأة إذا أخذها الطلق حفر لها حفرة عميقة فجلست عليها والقابلة تحتها ترقب الولد فإن انفصل ذكرا أمسكته أو أنثى ألقتها فى الحفرة وأهالت عليها التراب وكانت الجاهلية تفعله خوف إملاق أو عار (والموئودة) قيل أراد بها هنا المفعولة لها ذلک وهى أم الطفل لقوله (فى النار) ولو أريد البنت المدفونة لما اتضح ذلک وهذا أولى من ادعاء أنه وارد على سبب خاص وواقعة معينة لا يجوز إجراؤه فى غيره لأنه وإن ورد على ذلک لا ينجع فى التخلص عن الإشكال كما لا يخفى على أهل الكمال على أن الطيبى رده بأن العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب عند قيام الشواهد.

(د عن ابن مسعود) رمز المصنف لحسنه وهو كما قال أو أعلى وقد رواه أيضا أحمد والطبرانى وغيرهما قال الهيثمي: ورجاله رجال الصحيح(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٩٦٥٩)

قال القاضي: كانت العرب فى جاهليتهم يدفنون البنات حية، فالوائدة فى النار لكفرها وفعلها، والموئودة فيها لكفرها .وفى الحديث دليل على تعذيب أطفال المشركين، وقد تؤول الوائدة بالقابلة لرضاها به، والموئودة بالموئودة لها، وهى أم الطفل، فحذفت الصلة إذ كان من ديدنهم أن المرأة إذا أخذها الطلق حفروا لها حفرة عميقة فجلست المرأة عليها، والقابلة ورائها ترقب الولد، فإن ولدت ذكرا أمسكته، وإن ولدت أنثى ألقتها فى الحفرة، وأهالت التراب عليها، قال السيد جمال الدين: وإيراد المصنف فى هذا الباب يأبى عن هذا التأويل تأمل .وقيل: هذا الحديث والذى قبله إنما أوردا فى هذا الباب استدلالا على إثبات القدر، وتعذيب أطفال الكفار، ومن أراد تأويلها بغير ذلک، وجب عليه أن يخرجهما من هذا الباب .قال ابن حجر: إن أريد بهذا الحديث ما يعم أهل الفترة كان مبنيا على ما نقل عن الأكثرين أنهم فى النار، أو ما يختص بأهل الإسلام كان محمولا فى الموئودة على البالغة اهـ.

وهذا بعيد جدا فإنه لا يعرف من العرب من دفن ولده حيا بعد بلوغه، وأما قوله: ورد هذا الحديث فى قصة خاصة، وهى أن ابنى مليكة أتيا رسول الله – صلى الله عليه وسلم – فسألاه عن أم لهما كانت تئد فقال عليه الصلاة والسلام: الحديث.

أما الوائدة: فلأنها كانت كافرة، وأما الموئودة فلأنها ولد الكافر، ويحتمل أنها كانت بالغة، ويحتمل أنها تكون غير بالغة، ولكن علم – عليه الصلاة والسلام – بالمعجزة كونها من أهل النار، وقيل: ورد فى حق امرأة أسقطت حملها من الزنا وماتا، فلا يتعين القطع بهذا الحديث على تعذيب أطفال المشركين؛ لأنه ورد فى قضية خاصة، فلا يجوز حمله على العموم مع الاحتمال، فجوابه:أن العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب(مرقاة المفاتيح، ج ا ص ١٨٦، كتاب الايمان، باب الايمان بالقدر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ''آمنة بنتِ وهب'' کی قبر پر تشریف لے گئے، اور رب تعالیٰ سے ان کے لیے استغفار کا سوال کیا، جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت عطا نہیں فرمائی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ ملنے پر رنج وغم ہوا، اور آپ کے آنسو رواں ہوئے۔

جس پر سورہ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

''مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى''

''نہیں حق حاصل ہے نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، یہ کہ وہ استغفار کریں مشرکین کے لیے، اگرچہ وہ ان کے قریبی کیوں نہ ہوں'' [1]

اس روایت کی سند میں ''ابنِ جریج'' کے ''عنعنة'' اور ایک راوی ''ایوب بن هانئ'' کی وجہ سے فی نفسہٖ ''ضعف'' پایا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] أخبرنا عمران بن موسى بن مجاشع، قال: حدثنا أحمد بن عيسى المصرى، قال: حدثنا ابن وهب، قال: حدثنا ابن جريج، عن أيوب بن هانىء، عن مسروق بن الأجدع، عن ابن مسعود، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج يوما , فخرجنا معه، حتى انتهينا إلى المقابر، فأمرنا فجلسنا، ثم تخطى القبور حتى انتهى إلى قبر منها فجلس إليه، فناجاه طويلا، ثم رجع رسول الله صلى الله عليه وسلم باكيا، فبكينا لبكاء رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم أقبل علينا، فتلقاه عمر رضوان الله عليه وقال: ما الذى أبكاك يا رسول الله , فقد أبكيتنا وأفزعتنا؟ فأخذ بيد عمر، ثم أقبل علينا، فقال: أفزعكم بكائى؟ قلنا: نعم , فقال: إن القبر الذى رأيتمونى أناجى قبر آمنة بنت وهب، وإنى سألت ربى الاستغفار لها، فلم يأذن لى، فنزل على: (ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين)فأخذنى ما يأخذ الولد للوالد من الرقة، فذلك الذى أبكانى، ألا وإنى كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها، فإنها تزهد فى الدنيا وترغب فى الآخرة (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٩٨١، ذكر ما يستحب للمرء أن يترك الاستغفار لقرابته المشركين أصلا)

[2] قال شعيب الارنؤوط:

إسناده ضعيف، ابن جريج: مدلس وقد عنعن، وأيوب بن هانىء: فيه لين، وأخرجه الواحدى فى "أسباب النزول "ص 178، والحاكم 2/336من طريقين عن ابن وهب، بهذا الإسناد وصححه الحاكم، فتعقبه الذهبى بقوله: أيوب ضعفه ابن معين وقوله:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تاہم مذکورہ روایت کا ضعیف ہونا زیادہ شدید نہیں۔

اس لیے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اور عطیہ نیز ابوقتادہ کی گزشتہ روایات اور بعض دوسری احادیث وروایات کے پیشِ نظر، بعض حضرات نے اس حدیث کو قابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔

چنانچہ مذکورہ حدیث کے راوی ''ایوب بن هانئ'' کو ''تقریبُ التهذیب'' میں علامہ ابنِ حجر نے ''صدوق'' اور ''فیه لین'' فرمایا۔

اور علامہ ابنِ حجر نے ''تهـذیـبُ التهـذیـب'' میں فرمایا کہ ابوحاتم نے ان کو ''شیخٌ صـالـح'' فرمایا، اور ان کے متعلق دارقطنی نے ''یـعـتبـر بـه'' فرمایا، اور ابنِ معین نے ''ضعیف'' فرمایا، اور ابنِ عدی نے ان کے متعلق ''لا اعرفهٗ'' فرمایا، اور ابنِ حبان نے ان کو ''ثقة'' قرار دیا۔ [1]

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

"كنت نهيتكم عن زيارة القبور " ...أخرجه ابن ماجة (1571)في الجنائز: باب ما جاء في زيارة القبور، والبيهقي 4/76، من طريق ابن وهب، بهذا الإسناد.

وأخرجه مختصرا ابن أبي شيبة في "المصنف 3/343 "، ومن طريقه أخرجه مسلم (108) (976)في الجنائز: باب استئذان النبي صلى الله عليه وسلم ربه عز وجل في زيارة قبر أمه، وابن ماجة (1572)في الجنائز، والبيهقي في "السنن"، 4/76، وأخرجه ابن داود (3234)في الحنائز: باب في زيارة القبور، عن محمد بن سليمان الأنباري، والنسائي 4/90عن قتيبة بن سعيد، كلهم عن محمد بن عبيد، عن يزيد بن كيسان، عن أبي حازم، عن أبي هريرة.

وفي الباب عن بريدة عند ابن أبي شيبة 3/343، وأحمد 5/355و 356، وابن عباس عند الطبراني . (12049)ورخصة زيارة القبور وردت من حديث أنس عند ابن أبي شيبة 3/343، وأحمد 3/250، والبيهقي 4/77، وأبي سعيد الخدري عند البيهقي 4/77، وعلي عند ابن أبي شيبة .3/343 (حاشية صحيح ابن حبان)

[1] أيوب ابن هانئ الكوفي صدوق فيه لين من السادسة ق (تقريب التهذيب، ص ۱۱۹، تحت رقم الترجمة ۶۲۸)

أيوب "بن هانئ الكوفي .روى عن مسروق بن الأجدع في الأشربة .وعنه ابن جريج .قال أبو حاتم" :شيخ صالح "وقال الدارقطني" :يعتبر به ."قلت :وقال ابن معين" :ضعيف "وقال ابن عدي" :لا أعرفه "وذكره ابن حبان في الثقات(تهذيب التهذيب، لابن حجر العسقلاني، ج ۱، ص ۴۱۴، حرف الألف، من اسمه أيوب)

نیز اس حدیث کو دیگر اسناد کے ساتھ بعض دوسرے محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔
چنانچہ ازرقی نے اخبارِ مکہ میں عمر بن عبدالعزیز اور ابنِ شہاب زہری کی سند سے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ [1]
البتہ ازرقی کی اس روایت کی سند میں عبدالعزیز بن عمران راوی ضعیف ہیں۔ [2]
نیز ازرقی نے ابنِ جریج سے ابنِ ابی ہانی وغیرہ کے واسطے کے بغیر براہِ راست حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ [3]

---

[1] حدثنا أبو الوليد، قال :حدثنا محمد بن يحيى عن عبد العزيز بن عمران، عن محمد بن عمر، عن عمر بن عبد العزيز، عن ابن شهاب، عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود، أنه قال :مر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالأبواء ، فعدل إلى شعب هناك فيه قبر آمنة، فأتاه فاستغفر لها، واستغفر الناس لموتاهم، فأنزل الله عز وجل : (ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين)الآية، إلى قوله عز وجل :(وعدها إياه) (أخبار مكة،للأزرقي، ج۲،ص۲۷۳)

[2] ت :عبد العزيز بن عمران بن عبد العزيز بن عمر بن عبد الرحمن بن عوف القرشي الزهرى المدني الأعرج المعروف بابن أبى ثابت .أمه أمة الرحمن بنت حفص بن عمربن عبد الرحمن بن عوف ............قال معاوية بن صالح ، عن يحيى بن معين :كان صاحب نسب، لم يكن من أصحاب الحديث.
وقال عثمان بن سعيد الدارمي ، عن يحيى بن معين :ليس بثقة، إنما كان صاحب شعر.
وقال على بن الحسين بن حبان : وجدت فى كتاب أبى بخط يده :قال أبو زكريا :ابن أبى ثابت الأعرج المدينى قد رأيته هاهنا ببغداد كان يشتم الناس ويطعن فى أحسابهم، ليس حديثه بشىء .
وقال أحمد بن الحسن بن الفضل السكونى سمعت محمد بن يحيى النيسابورى يقول :على بدنة إن حدثت عن عبد العزيز بن عمران حديثا .ورأيته يضعفه جدا.
وقال البخارى منكر الحديث، لا يكتب حديثه.
وقال النسائى متروك الحديث.
وقال فى موضع آخر :لا يكتب حديثه(تهذيب الكمال فى أسماء الرجال،ج۱۸،ص۱۷۸ الیٰ ۱۸۱، ملخصاً،من اسمه عبد العزيز، تحت رقم الترجمة ۳۴۶۵)

[3] حدثنا أبو الوليد، قال :حدثني جدي، عن عبد المجيد بن أبي رواد، عن ابن جريج، أنه حدث عن عبد الله بن مسعود، أنه قال :خرج النبى صلى الله عليه وسلم يوما وخرجنا معه حتى انتهينا إلى المقابر، فأمرنا فجلسنا، ثم تخطى القبور حتى انتهى إلى قبر منها، فجلس إليه فناجاه طويلا، ثم ارتفع صوته ينتحب باكيا، فبكينا لبكاء رسول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہر حال مذکورہ مختلف روایات اس مفہوم میں بطورِ قدرِ مشترک ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا انتقال شرک کی حالت میں ہوا، اور ان کے لیے شفاعت و استغفار کرنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کیا گیا، اس مضمون کی تائید کئی معتبر احادیث وروایات سے بھی ہوتی ہے۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر ہمارا اسی طرف رجحان ہوا۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اللہ صلى الله عليه وسلم، ثم إن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل إلينا، فتلقاه عمر بن الخطاب رضى الله عنه، فقال :ما الذى أبكاک يا رسول الله؟ فقد أبكانا وأفزعنا , فأخذ بيد عمر، ثم أومأ إلينا فأتيناه، فقال :أفزعكم بكائى؟ فقلنا :نعم، يا رسول الله فقال ذلک مرتين أو ثلاثا، ثم قال :إن القبر الذى رأيتمونى أناجيه قبر آمنة بنت وهب، وإنى استأذنت ربى فى زيارتها فأذن لى، ثم استأذنته فى الاستغفار لها فلم يأذن لى فأنزل الله عز وجل :(ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قربى) لآية (وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه)الآية ،قال النبى صلى الله عليه وسلم :فأخذنى ما يأخذ الولد للوالد من الرقة، فذلک الذى أبكانى(أخبار مكة،للأزرقى،ج٢،ص٢١٠)

[1] قال أبو حذيفة، نبيل بن منصور البصارة الكويتي:

عن ابن مسعود قال: خرج رسول الله – صلى الله عليه وسلم – يوما إلى المقابر فاتبعناه، فجاء حتى جلس إلى قبر منها فناجاه طويلا ثم بكى، فبكينا لبكائه، فقال: " إنّ القبر الذى جلست عنده قبر أمي، وإنى استأذنت ربى فى الدعاء لها فلم يأذن لى، فأنزل الله (ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين)

قال الحافظ: وقد أخرج الحاكم وابن أبى حاتم من طريق أيوب بن هانء عن مسروق عن ابن مسعود قال: فذكره، وأخرج أحمد من حديث ابن بُريدة عن أبيه نحوه وفيه "نزل بنا ونحن معه قريب من ألف راكب "ولم يذكر نزول الآية، وفى رواية الطبرى من هذا الوجه "لما قدم مكة أتى رسم قبر "ومن طريق فضيل بن مرزوق عن عطية "لما قدم مكة وقف على قبر أمه حتى سخنت عليه الشمس رجاء أنُ يؤذن له فيستغفر لها فنزلت، وللطبرانى من طريق عبد الله بن كيسان عن عكرمة عن ابن عباس نحو حديث ابن مسعود وفيه "لما هبط من ثنية عسفان "وفيه نزول الآية فى ذلک، فهذه طرق يعضد بعضها بعضا "

ورد من حديث ابن مسعود ومن حديث بريدة ومن حديث زيد بن الخطاب ومن حديث ابن عباس ومن حديث أبى هريرة ومن حديث عطية العوفى مرسلا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور روایت

ابونعیم اصبہانی نے ''معرفةُ الصحابة'' میں عثمان بن عمیر کی سند سے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فأما حديث ابن مسعود فأخرجه ابن حبان (981)عن أحمد بن عيسى المصرى،والهيثم بن كليب (397) عن عيسى بن أحمد العسقلانى،والحاكم (2/ 336)والبيهقى فى "الدلائل (1/ 189 - 190) "والواحدى فى "أسباب النزول "(ص 151– 152) وفى "الوسيط(2/ 528) "عن بحر بن نصر المصرى،وابن أبى حاتم فى "تفسيره" (10051)عن خالد بن خداش البصرى،والطحاوى فى "المشكل(2487) "عن حرملة بن يحيى التُّجِيبى،وأبو نعيم فى "أخبار أصبهان (2/ 17 - 18) "عن أحمد بن سعيد الهمدانى قالوا: ثنا عبد الله بن وهب ثنا ابن جُريج عن أيوب بن هانء عن مسروق بن الأجدع عن ابن مسعود أن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – خرج يوما، فخرجنا معه حتى انتهينا إلى المقابر، فأمرنا فجلسنا، ثم تخطى القبور حتى انتهى إلى قبر منها فجلس إليه، فناجاه طويلاً، ثم رجع رسول الله – صلى الله عليه وسلم – باكيا، فبكينا لبكاء رسول الله – صلى الله عليه وسلم –، ثم أقبل علينا، فتلقاه عمر وقال: ما الذى أبكاك يا رسول الله فقد أبكيتنا وأفزعتنا؟ فأخذ بيد عمر، ثم أقبل علينا، فقال "أفزعكم بكائى؟ "قلنا: نعم، فقال "إن القبر الذى رأيتمونى أناجى قبر آمنة بنت وهب، وإنى سألت ربى الاستغفار لها فلم يأذن لى، فنزل على ( ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين )فأخذنى ما يأخذ الولد للوالد من الرقة، فذلك الذى أبكانى .ألا وإنى كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فزورها، فإنّها تزهد فى الدنيا، وترغب فى الآخرة."

وأخرجه الحاكم (1/ 375)والبيهقى ( 4/ 77و 311 /8) من طريق محمد بن عبد الله بن عبد الحكم عن ابن وهب وهو فى "موطأه (25) "مختصرا وبزيادة .

ولفظه "إنى كنت نهيتكم عن زيارة القبور، وأكل لحوم الأضاحى فوق ثلاث، وعن نبيذ الأوعية، ألا فزوروا القبور، فإنها تزهد فى الدنيا، وتذكر الآخرة، وكلوا لحوم الأضاحى وابقوا ما شئتم فإنما نهيتكم عنه إذ الخير قليل توسعة على الناس، ألا وإنّ وعاءَ لا يحرّم شيئا فإنّ كل مسكر حرام."

وأخرجه ابن ماجه ( 1571و 3388و3406) والطحاوى فى "شرح المعانى" ( 4/ 185و 228). عن يونس بن عبد الأعلى المصرى،وأبو يعلى (5079)عن هارون

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”جاء ابنا مليكة إلى النبى صلى الله عليه وسلم، فقالا :يا رسول الله، إن أمنا كانت تكرم الزوج وتعطف على الولد، وذكر الضيف، غير أنها كانت وأدت فى الجاهلية، فقال " :أمكما فى النار "فأدبرا والشر يرى فى وجوههما، فأمر بهما، فردا والشر يرى فى وجوههما رجاء أن يكون حدث شىء ، فقال " :أمى مع أمكما“

”ملیکہ کے دو بیٹے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اے اللہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بن معروف المروزى ،وابن عدى (351 /1)عن إبراهيم بن المنذر الحزامى المدنى،وابن حبان (5409)عن يزيد بن خالد بن مَوْهَب الرملى،والطبرانى فى "الكبير(10304) " عن أصبغ بن الفرج المصرى،كلهم عن ابن وهب ببعضه.

قال الحاكم: صحيح على شرطهما"

وتعقبه الذهبى فقال: قلت: أيوب بن هانء ضعفه ابن معين"

وقال البوصيرى: هذا إسناد حسن، أيوب بن هانء مختلف فيه، تفرد ابن جُريج بالرواية عنه، قاله الذهبى، وباقى رجال الإسناد على شرط مسلم "مصباح الزجاجة 42 /2و 4/ 40

قلت: الحديث إسناده ضعيف، فيه عنعنة ابن جريج فإنّه كان مدلساً، وقد تفرد بالرواية عن أيوب بن هانء كما قال الذهبى فى "المجرد"، وأيوب اختلفوا فيه: قال ابن معين: ضعيف الحديث، وقال ابن عدى: لا أعرفه، وذكره ابن حبان فى "الثقات"، وقال أبو حاتم: صالح، وقال الدارقطنى: يعتبر به، وقال الذهبى فى "الكاشف :"صدوق، وليس هو على شرط الشيخين لأنّهما لم يخرجا له شيئاً.

وقد أُعِلَّ الحديث بالإرسال فقال ابن معين: هذا فى كتب ابن جريج مرسل فيما أظن، ولكن هذا الحديث ليس يساوى شيئاً.

واختلف فيه على ابن جريج:فرواه عبد الرزاق (6714)عن ابن جريج قال: حُدثت عن مسروق عن ابن مسعود.وتابعه محمد بن جعشم أنا ابن جريج به.

أخرجه الفاكهى فى "أخبار مكة(2372) "

ورواه عبد المجيد بن أبى رَوَّاد عن ابن جريج عن ابن مسعود.

أخرجه الأزرقى فى "أخبار مكة (1) (211 - 210 /2) "(انيس السارى، تحت رقم الحديث ۱۱۴۱، ج۲، ص ۱۵۴۵ الى ۱۵۴۸، حرف الهمزة)

کے رسول! ہماری والدہ اپنے شوہر کا اکرام کرتی تھیں، اور بچوں پر شفقت کرتی تھیں، اورانہوں نے اپنی والدہ کی مہمان نوازی کرنے کا بھی ذکر کیا (لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ) البتہ زمانۂ جاہلیت میں انہوں نے ایک بچی کو زندہ درگور کردیا تھا ؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری والدہ جہنم میں ہے، ملیکہ کے وہ دونوں بیٹے واپس جانے لگے، اور ان دونوں کے چہروں پر ناگواری کے آثار دکھائی دے رہے تھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ان دونوں کو واپس بلایا گیا، پھر جب وہ واپس آئے، تو ان کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے جاسکتے تھے، لیکن انہیں یہ امید ہوچلی تھی کہ شاید ان کی والدہ کے متعلق کوئی نیا حکم نازل ہوگیا ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میری والدہ بھی تمہاری والدہ کے ساتھ (جہنم ہی میں) ہے''۔ [1]

اس واقعہ کو بعض دوسرے محدثین نے بھی روایت کیا ہے، اوراس کی تائید اس سے پہلے ملیکہ کے بیٹوں کی سند سے مروی روایت سے بھی ہوتی ہے۔

البتہ بعض روایات کے آخر میں کچھ اضافہ بھی ہے۔

---

[1] حدثنا سليمان بن أحمد، ثنا علي بن عبد العزيز، ثنا عارم أبو النعمان، ثنا سعيد بن زيد، ثنا علي بن الحكم، عن عثمان بن عمير، عن إبراهيم، عن الأسود، وعلقمة، عن ابن مسعود، قال :جاء ابنا مليكة إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقالا :يا رسول الله، إن أمنا كانت تكرم الزوج وتعطف على الولد، وذكر الضيف، غير أنها كانت وأدت في الجاهلية، فقال " :أمكما في النار "فأدبروا والشر يرى في وجوههما، فأمر بهما، فردا والشر يرى في وجوههما رجاء أن يكون حدث شيء ، فقال " :أمي مع أمكما.

رواه الصعق بن حزن، عن علي بن الحكم، عن عثمان بن عمير، عن أبي وائل، عن عبد الله بن مسعود، قال :جاء ابنا مليكة إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقالا :يا رسول الله، إن أمنا كانت تكرم الزوج، فذكره ورواه داود بن أبي هند، عن الشعبي، عن علقمة بن قيس، قال :حدثني ابنا مليكة الجعفيان، وسمى أحدهما :سلمة بن يزيد(معرفة الصحابة،لابي نعيم الأصبهاني، رقم الحديث ٧٠٩٠، ج٦ص٣٠٦٦، باب الكنى، ذكر من عرف بالآباء دون أسمائهم، وذكر لهم صحبة)

چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں اس واقعہ کو درجِ ذیل الفاظ میں روایت کیا ہے:

**جَاءَ ابْنَا مُلَيْكَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :إِنَّ أُمَّنَا كَانَتْ تُكْرِمُ الزَّوْجَ، وَتَعْطِفُ عَلَى الْوَلَدِ، – قَال :وَذَكَرَ الضَّيْفَ – غَيْرَ أَنَّهَا كَانَتْ وَأَدَتْ فِي الْجَاهِلِيَّة .قَال:أُمُّكُمَا فِي النَّارِ ، فَأَدْبَرَا، وَالشَّرُّ يُرٰى فِيْ وُجُوْهِهِمَا، فَأَمَرَ بِهِمَا، فَرُدَّا، فَرَجَعَا وَالسُّرُورُ يُرٰى فِي وُجُوهِهِمَا، رَجِيَا أَنْ يَكُونَ قَدْ حَدَثَ شَيْءٌ، فَقَالَ :أُمِّي مَعَ أُمِّكُمَا ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُنَافِقِيْن :وَمَا يُغْنِيْ هَذَا عَنْ أُمِّهِ شَيْئًا، وَنَحْنُ نَطَأُ عَقِبَيْهِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ – وَلَمْ أَرَ رَجُلًا قَطُّ أَكْثَرَ سُؤَالًا مِنْهُ –:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، هَلْ وَعَدَكَ رَبُّكَ فِيْهَا، أَوْ فِيهِمَا؟ قَال:فَظَنَّ أَنَّهُ مِنْ شَيْءٍ قَدْ سَمِعَهُ، فَقَالَ :مَا سَأَلْتُهُ رَبِّيْ، وَمَا أَطْمَعَنِيْ فِيْهِ، وَإِنِّيْ لَأَقُوْمُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ** (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۳۷۸۷)

ترجمہ: ملیکہ کے دو بیٹے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ہماری والدہ اپنے شوہر کا اکرام کرتی تھیں، اور بچوں پر شفقت کرتی تھیں، اور انہوں نے اپنی والدہ کی مہمان نوازی کرنے کا بھی ذکر کیا (لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ) البتہ زمانۂ جاہلیت میں انہوں نے ایک بچی کو زندہ درگور کر دیا تھا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری والدہ جہنم میں ہے، ملیکہ کے وہ دونوں بیٹے واپس جانے لگے ، اوران دونوں کے چہروں پر ناگواری کے آثار دکھائی دے رہے تھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ان دونوں کو واپس بلایا گیا، پھر جب وہ واپس آئے، تو ان کے چہرے پر خوشی کے اثرات دیکھے جا سکتے تھے، کیونکہ انہیں یہ امید ہو چلی تھی کہ شاید ان کی والدہ کے متعلق کوئی نیا حکم نازل ہو گیا ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

سے فرمایا کہ میری والدہ بھی تمہاری والدہ کے ساتھ (جہنم ہی میں) ہے، ایک منافق یہ سن کر کہنے لگا کہ ہم ان نبی کی پیروی یوں ہی کررہے ہیں، یہ تو اپنی ماں کو بھی کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے ؟ تو انصار میں سے ایک شخص، جس سے زیادہ سوال کرنے والا میں نے نہیں دیکھا، کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے رب نے اس عورت (یعنی ملیکہ) یا ان دونوں عورتوں (یعنی ملیکہ اور آپ کی والدہ) کے بارے کوئی وعدہ فرمایا ہے؟ انصاری شخص نے یہ گمان کیا کہ انہوں نے اس بارے میں کچھ سنا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اس کے بارے میں سوال نہیں کیا اور نہ ہی مجھے میرے رب نے اس سلسلہ میں کوئی امید دلائی ہے، البتہ میں قیامت کے دن مقامِ محمود پر فائز کیا جاؤں گا (مسند احمد)

''مقامِ محمود'' سے شفاعتِ کبریٰ مراد ہے، جس کی وجہ سے قیامت کے دن جلد حساب وکتاب شروع ہوگا، جس کا فائدہ تمام اہلِ محشر کو ہوگا۔

مذکورہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے جہنم میں ہونے کا ذکر فرمایا، لیکن اس حدیث سے بظاہر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد اپنی والدہ کے متعلق، اللہ سے کوئی سوال اور کوئی دعاء نہیں کی تھی، لیکن دوسری کئی صحیح اور معتبر احادیث وروایات سے اس کے برخلاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے لیے اللہ سے شفاعت اور استغفار کا سوال اور دعاء کی تھی، جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا تھا۔

اب اگر مذکورہ روایت کو سند کے اعتبار سے معتبر قرار دیا جائے، تو سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اس کو اس وقت کے زمانے پر محمول کیا جائے، جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے لیے استغفار وشفاعت کا رب تعالیٰ سے سوال نہیں کیا تھا۔

لیکن دوسری طرف مذکورہ حدیث کی سند میں ایک راوی ''عثمان بن عمیر بجلی'' پائے جاتے ہیں، جن کو ''ابو الیقظان'' بھی کہا جاتا ہے، ان کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، جس کی وجہ سے مذکورہ حدیث کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

اس حدیث کو امام بزار نے بھی اپنی مسند میں روایت کیا ہے، لیکن اس میں بھی یہی ''عثمان بن عمیر'' راوی پائے جاتے ہیں۔ [2]

نیز اس حدیث کو امام حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں ''عثمان بن عمیر'' ہی کی سند سے

---

[1] قال شعیب الارنؤوط:
إسناده ضعيف لضعف عثمان -وهو ابن عمير البجلى أبو اليقظان -، وبقية رجاله ثقات رجال الصحيح غير سعيد بن زيد -وهو ابن درهم الأزدى أخو حماد بن زيد -فمختلف فيه .عارم بن الفضل :هو محمد بن الفضل السدوسى، وعارم لقبه، وإبراهيم :هو ابن يزيد النخعى، وعلقمة :هو ابن قيس النخعى، والأسود :هو ابن يزيد النخعى.
وأخرجه البزار (3478)" زوائد"، والطبرانى فى "الكبير "(10017) من طريق عارم -شيخ أحمد-، بهذا الإسناد .قال البزار :لا نعلمه يروى بهذا اللفظ من حديث علقمة عن عبد الله إلا من هذا الوجه .وقد روى الصعق بن حزن عن على بن الحكم، عن عثمان بن عمير، عن أبى وائل، عن عبد الله، وأحسب أن الصعق غلط فى هذا الإسناد.
قلنا :من طريق الصعق بالإسناد المذكور أخرجه الطبرانى فى "الكبير "(10018) ، والحاكم 365-2/364، وقال :صحيح الإسناد، ولم يخرجاه، وعثمان بن عمير هو أبو اليقظان، فتعقبه الذهبى بقوله :لا والله، فعثمان ضعفه الدارقطنى، والباقون ثقات.
وأورده الهيثمى فى "المجمع362-10/361 "، وقال :رواه أحمد والبزار والطبرانى، وفى أسانيدهم كلهم عثمان بن عمير، وهو ضعيف(حاشية مسند احمد)

[2] عن عثمان بن عمير، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، قال: جاء ابنا مليكة الجعفيان، إلى النبى صلى الله عليه وسلم، فقالا: إن أمنا كانت تكرم الزوج، وتعطف على الولد، وذكرا العطف، غير أنها كانت وأدت فى الجاهلية، فقال: إن أمكما فى النار ، فأدبرا والشر يعرف فى وجوههما، فأمر بهما فردا، والسرور يرى فى وجوههما، فقال: إن أمى مع أمكما ، قال: فقال رجل من المنافقين: ما يغنى هذا عن أبيه أو عن أبويه شيئا، ونحن نطأ عقبه فقال رجل من الأنصار: لم أر أحدا كان أكثر، أحسبه قال: مسألة، يا رسول الله هل وعدك ربك فيها أو فيهما؟، فظن أنه من شىء قد سمعه، فقال: ما سألت ربى وما أطعمنى، وأنى لأقوم المقام المحمود يوم القيامة(مسند البزار، رقم الحديث ۱۵۳۴ ، ج۴ص ۳۳۹،مسند عبد الله بن مسعود رضى الله عنه)

روایت کیا ہے، جس میں درج ذیل الفاظ ہیں:

”فَقَال: إِنَّ أُمِّيْ مَعَ أُمِّكُمَا فَقَالَ مُنَافِقٌ مِنَ النَّاسِ لِيْ: مَا يُغْنِيْ هَذَا عَنْ أُمِّهِ إِلَّا مَا يُغْنِي ابْنَا مُلَيْكَةَ عَنْ أُمِّهِمَا وَنَحْنُ نَطَأُ عَقِبَيْهِ، فَقَالَ رَجُلٌ شَابٌّ مِنَ الْأَنْصَارِ لَمْ أَرَ رَجُلًا كَانَ أَكْثَرَ سُؤَالًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْه: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَرٰى أَبَوَاكَ فِي النَّارِ فَقَال: مَا سَأَلْتُهُمَا رَبِّيْ فَيُعْطِيَنِيْ فِيْهِمَا وَإِنِّيْ لَقَائِمٌ يَوْمَئِذٍ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ“

”تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری والدہ بھی تمہاری والدہ کے ساتھ (جہنم ہی میں) ہے، لوگوں میں سے ایک منافق نے مجھ سے کہا کہ یہ تو اپنی ماں کو بھی کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے، جیسا کہ ملیکہ کے بیٹے اپنی ماں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے، اور ہم ان نبی کی پیروی یوں ہی کر رہے ہیں۔

تو انصار میں سے ایک نوجوان، جس سے زیادہ سوال کرنے والا میں نے نہیں دیکھا، کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے والدین جہنم میں ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنے والدین کے بارے میں سوال نہیں کیا کہ مجھے ان کے متعلق رب تعالیٰ کچھ عطاء فرماتا، اور بے شک میں قیامت کے دن مقامِ محمود پر فائز کیا جاؤں گا“ (جس کی وجہ سے جلد حساب و کتاب شروع ہوگا) [1]

---

[1] عن عثمان بن عمير، عن أبي وائل، عن ابن مسعود رضى الله عنه، قال: جاء ابنا مليكة وهما من الأنصار فقالا: يا رسول الله، إن أمنا تحفظ على البعل، وتكرم الضيف، وقد وأدت في الجاهلية فأين أمنا؟ قال: أمكما في النار فقاما وقد شق ذلك عليهما فدعاهما رسول الله صلى الله عليه وسلم فرجعا فقال: إن أمي مع أمكما فقال منافق من الناس لي: ما يغني هذا عن أمه إلا ما يغني ابنا مليكة عن أمهما ونحن نطأ عقبيه، فقال رجل شاب من الأنصار لم أر رجلا كان أكثر سؤالا لرسول الله صلى الله عليه وسلم منه: يا رسول الله، أرى أبواك في النار فقال: ما سألتهما ربي فيعطيني فيهما وإني لقائم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام حاکم نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن علامہ ذہبی نے امام حاکم کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں، قسم اللہ کی اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دینا درست نہیں، کیونکہ اس روایت کے ایک راوی ’’**عثمان بن عمیر**‘‘ ودارقطنی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]

ملحوظ رہے کہ عثمان بن عمیر کے بارے میں ابنِ معین نے فرمایا ’’**ليس بشيئ**‘‘ اور امام نسائی نے فرمایا ’’**ليس بالقوى**‘‘ اور ابنِ عدی نے فرمایا ’’**ردیء المذهب، غال في التشيع، يكتب حديثه**‘‘ [2]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يومئذ المقام المحمود قال :فقال المنافق للشاب الأنصارى :سله وما المقام المحمود؟ قال :يا رسول الله، وما المقام المحمود؟ قال " :يوم ينزل الله فيه على كرسيه يئط به كما يئط الرحل من تضايقه كسعة ما بين السماء والأرض ويجاء بكم حفاة عراة غرلا فيكون أول من يكسى إبراهيم يقول الله عز وجل :اكسوا خليلى ريطتين بيضاوين من رياط الجنة، ثم أكسى على أثره فأقوم عن يمين الله عز وجل مقاما يغبطنى فيه الأولون والآخرون ويشق لى نهر من الكوثر إلى حوضى "قال :يقول المنافق :لم أسمع كاليوم قط، لقل ما جرى نهر قط إلا وكان فى فخارة أو رضراض فسله فيما يجرى النهر؟ قال :فى حالة من المسك ورضراض قال :يقول المنافق :لم أسمع كاليوم قط، لقل ما جرى نهر قط إلا كان له نبات قال :نعم قال :ما هو؟ قال: قضبان الذهب قال :يقول المنافق :لم أسمع كاليوم قط، والله ما نبت قضيب إلا كان له ثمر فسله هل لتلك القضبان ثمار؟ قال :نعم، اللؤلؤ والجوهر قال :فقال المنافق :لم أسمع كاليوم قط، سله عن شراب الحوض، فقال الأنصارى :يا رسول الله، وما شراب الحوض؟ قال :أشد بياضا من اللبن وأحلى من العسل من سقاه الله منه شربة لم يظمأ بعدها ومن حرمه لم يرو بعدها(مستدرك حاكم، رقم الحديث ۳۳۸۵)

[1] قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه وعثمان بن عمير هو ابن اليقظان.
وقال الذهبى فى التلخيص:لا والله فعثمان ضعفه الدراقطنى والباقون ثقات(المستدرك على الصحيحين،تحت رقم الحديث ۳۳۸۵)

[2] د ت ق :عثمان بن عمير، أبو اليقظان الكوفى الأعمى.
عن :أنس بن مالك، وأبى وائل، وإبراهيم النخعى، وأبى عمر زاذان، وعدى بن ثابت.
وعنه :الأعمش، وسفيان، وشعبة، وحجاج بن أرطأة، وشريك، وغيرهم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام احمد نے ان کے بارے میں فرمایا ''ضعیفُ الحدیث ''اورابنِ مہدی نے ان کی حدیث کو ترک کردیا، محمد بن عبداللہ نے بھی ان کی تضعیف کی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهو ضعيف باتفاق.
قال ابن معين :ليس بشيء .
وقال أبو أحمد الزبيرى :كان يؤمن بالرجعة.
وقال النسائى :ليس بالقوى.
وقال ابن عدى :ردىء المذهب، غال فى التشيع، يكتب حديثه.
ويقال :إنه بقى إلى بعد الأربعين ومائة، وأنا أستبعد ذلك؛ لأنه لو تأخر لحمل عنه مثل وكيع، وأبى معاوية(تاريخ الإسلام ،للذهبى،ج٣،ص ٩٢٦،حرف العين، تحت رقم الترجمة ٢٩٨)

[1] د ت ق :عثمان بن عمير البجلى، أبو اليقظان الكوفى الأعمى.
وقال البخارى : عثمان بن قيس :ابن عمير.
وقال ليث بن أبى سليم : عن عثمان بن أبى حميد ..........قال عبد الله بن أحمد بن حنبل : قال أبى :عثمان بن عمير أبو اليقظان، ويقال :عثمان بن قيس، وهو ضعيف الحديث.
وقال أيضا : سمعت أبى يقول :كان ابن مهدى ترك حديث أبى اليقظان عثمان بن عمير .قال عبد الله : وكان أبى يضعف أبا اليقظان.
وقال أيضا : قال أبى :أبو اليقظان خرج فى الفتنة مع إبراهيم بن عبد الله بن حسن، قال أبى : وكانت الهزيمة سنة خمس وأربعين ومئة.
وقال عمرو بن على : لم يرض يحيى بن سعيد أبا اليقظان ولا حدث عنه ولا عبد الرحمن بن مهدى.
وقال عباس الدورى ، عن يحيى بن معين :ليس حديثه بشيء.
وقال عبد الرحمن بن أبى حاتم : حدثنا أبى، قال :سألت محمد بن عبد الله بن نمير عن عثمان بن عمير فضعفه.
وقال أيضا : سألت أبى عنه، فقال :ضعيف الحديث، منكر الحديث، كان شعبة لا يرضاه .وذكر أنه حضره فروى عن شيخ، فقال له شعبة :كم سنك؟ فقال :كذا، فإذا قد مات الشيخ وهو ابن سنتين.
وقال إبراهيم بن محمد بن عرعرة ، عن أبى أحمد الزبيرى :كان الحارث بن حصيرة وعثمان أبو اليقظان يؤمنان بالرجعة.
وقال محمد بن عمرو بن عقبة عن عمرو بن عبد الغفار :سمعت شعبة يقول :كان عثمان بن عمير صديقا للحكم بن عتيبة، والحكم دلهم عليه، وكان عثمان بن عمير يغلو فى التشيع .
روى له أبو داود، والترمذى، وابن ماجة(تهذيب الكمال فى أسماء الرجال، ج ۹ ا ص ۴۶۹ الیٰ ۴۷۲، ملخصاً، تحت رقم الترجمة ۳۸۵۱)

محمد بن عبداللہ نے عثمان بن عمیر کو ''ضعیف الحدیث'' کے ساتھ ساتھ ''منکر الحدیث'' بھی قرار دیا، اور امام احمد نے بھی ایک روایت میں ان کو ''منکرُ الحدیث'' قرار دیا، اور برقانی نے دارقطنی سے ان کا ''متروک'' ہونا نقل کیا، اور امام حاکم نے دارقطنی سے ان کے بارے میں ''زائغ لم یحتج بہٖ'' نقل کیا، اور ابنِ حبان نے فرمایا کہ اس شخص کو اختلاط ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے اس کو اپنی بات کا پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ صحیح کہہ رہا ہے یا غلط؟ اس لیے اس سے دلیل وحجت پکڑنا جائز نہیں۔ [1]

علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے ''تقریبُ التھذیب'' میں عثمان بن عمیر کے متعلق فرمایا کہ:

''ضعیف واختلط وکان یدلس ویغلو فی التشیع''

---

[1] "د ت ق -عثمان "بن عمیر البجلی أبو الیقظان الکوفی الأعمی ویقال بن قیس ویقال بن أبی حمید روی عن أنس وزید بن وهب وأبی الطفیل وأبی وائل وعدی بن ثابت وأبی حرب بن الأسود وغیرهم وعنه حصین بن عبد الرحمن وهو من أقرانه والأعمش وشعبة والثوری وشریک ومهدی بن میمون وآخرون قال عبد الله بن أحمد بن حنبل قال أبی عثمان بن عمیر أبو الیقظان ویقال عثمان بن قیس ضعیف الحدیث کان بن مهدی ترک حدیثه وقال أبی خرج فی الفتنة مع إبراهیم بن عبد الله بن حسن وقال عمرو بن علی لم یرض یحیی ولا عبد الرحمن أبا الیقظان وقال الدوری عن بن معین لیس حدیثه بشیء وقال بن أبی حاتم ثنا أبی سألت محمد بن عبد الله بن نمیر عن عثمان بن عمیر فضعفه قال وسألت أبی عنه فقال ضعیف الحدیث منکر الحدیث کان شعبة لا یرضاه وذکر أنه حضره فروی عن شیخ فقال له شعبة کم سنک فقال کذا فإذا قد مات الشیخ وهو بن سنتین وقال إبراهیم بن عرعرة عن أبی أحمد الزبیری کان الحارث بن حصین وأبو الیقظان یؤمنان بالرجعة ویقال کان یغلو فی التشیع قلت نسبه أحمد بن حنبل فقال هو عثمان بن عمیر بن عمرو بن قیس البجلی وقد ینسب إلی جد أبیه ذکره البخاری فی الأوسط فی فصل من مات ما بین العشرین ومائة إلی الثلاثین وقال منکر الحدیث ولم یسمع من أنس وقال فی الکبیر کان یحیی وعبد الرحمن لا یحدثان عنه وهو بن قیس البجلی وهو عثمان بن أبی حمید الکوفی وقال الجوزجانی عن أحمد منکر الحدیث وفیه ذلک الداء قال وهو علی المذهب منکر الحدیث وقال البرقانی عن الدارقطنی متروک.

وقال الحاکم عن الدارقطنی زائغ لم یحتج به وقال بن عبد البر کلهم ضعفه وقال أبو أحمد الحاکم لیس بالقوی عندهم وقال بن حبان اختلط حتی کان لا یدری ما یقول لا یجوز الاحتجاج به وقال بن عدی ردیء المذهب غال فی التشیع یؤمن بالرجعة ویکتب حدیثه مع ضعفه(تهذیب التهذیب، ج۷، ص۱۴۵،۱۴۶، تابع حرف العین، من اسمه عثمان، تحت رقم الترجمة ۲۹۳)

''یعنی عثمان بن عمیر ضعیف راوی ہے، اس کو اختلاط ہو گیا تھا، اور یہ تدلیس بھی کرتا ہے، اور شیعیت میں غالی ہے'' [1]

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اولاً تو مندرجہ بالا حدیث کا سند کے اعتبار سے نا قابلِ احتجاج ہونا راجح ہے، اور اگر اس حدیث کو معتبر مانا جائے، تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث دوسری معتبر احادیث سے پہلے کی ہے، تاہم مذکورہ حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے جہنم میں ہونے کی تصریح ہے، جس کی تائید خود ملیکہ کے دو بیٹوں کی مرویات سے بھی ہوتی ہے، جو پہلے گزریں۔

## ابنِ عمر، ابنِ عباس وعبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم کی مرویات

تمام بن محمد رازی نے ولید بن سلمہ کی سند سے، حضرت ابنِ عمر رضی اللہ سے ایک حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا، تو میں اپنے باپ کی اور اپنی ماں کی اور اپنے چچا ابو طالب کی اور اپنے زمانۂ جاہلیت کے (زمانے میں فوت شدہ) بھائی کی شفاعت کروں گا۔

تمام بن محمد رازی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد خود فرمایا کہ اس روایت کے ایک راوی ''ولید بن سلمة'' ''منكرُ الحديث'' ہیں۔ [2]

---

[1] عثمان ابن عمير بالتصغير ويقال ابن قيس والصواب أن قيسا جد أبيه وهو عثمان ابن أبى حميد أيضا البجلى أبو اليقظان الكوفى الأعمى ضعيف واختلط وكان يدلس ويغلو فى التشيع من السادسة مات فى حدود الخمسين ومائة د ت ق (تقريب التهذيب، ص ٣٨٦، حرف العين، تحت رقم الترجمة ٤٥٠٧)

[2] أخبرنا أبو الحارث أحمد بن محمد بن عمارة بن أبى الخطاب الليثى ومحمد بن هارون بن شعيب بن عبدا لله قالا أنبا أبو عبد الملك أحمد بن إبراهيم القرشى ثنا أبو سليمان أيوب المكتب ثنا الوليد بن سلمة عن عبيد الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یاد رہے کہ ”ولید بن سلمة“ کو دحیم اور ابنِ مسہر نے جھوٹا قرار دیا ہے، اور ابنِ حبان نے فرمایا کہ یہ شخص، ثقہ راویوں کے نام سے احادیث گھڑتا ہے۔ [1]

نیز ولید بن سلمہ کو ابو حاتم نے ”ذاهبُ الحديث“ قرار دیا، اور دحیم وغیرہ نے ”كذاب“ قرار دیا، اور دارقطنی نے ”ضعيف، متروك، ذاهبُ الحديث“ قرار دیا، اور ہمام نے ”منكرُ الحديث“ قرار دیا۔ [2]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا كان يوم القيامة شفعت لأبى وأمى وعمى أبى طالب وأخ لى كان فى الجاهلية.

الوليد بن سلمة منكر الحديث (الفوائد، لتمام بن محمد الرازى، ج۲، ص۴۵، رقم الحديث : ۱۰۹۵)

[1] أخبرنا أبو الحارث أحمد بن محمد بن عمارة بن أبى الخطاب الليثى، ومحمد بن هارون بن شعيب بن عبد الله، قالا :أنا أبو عبد الملك أحمد بن إبراهيم القرشى :نا أبو سليمان أيوب المكتب :نا الوليد بن سلمة عن عبيد الله بن عمر عن نافع.

عن ابن عمر، قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-إذا كان يوم القيامة شفعت لأبى وأمى وعمى :أبى طالب، وأخ لى كان فى الجاهلية."

الوليد بن سلمة منكر الحديث.

الوليد كذبه دحيم وابن مسهر، وقال ابن حبان :يضع الحديث على الثقات .(اللسان: 6/ 222) .فالحديث إذا موضوع(الروض البسام بترتيب وتخريج فوائد تمام، لجاسم بن سليمان حمد الفهيد الدوسرى، رقم الحديث : ۱۵۱۶ ، ج۴، ص۳۴۰، كتاب المناقب، باب :فى أبوى النبى صلى الله عليه وسلم وعمه وغيرهم)

[2] الوليد بن سلمة الطبرى الأردنى [أبو العباس]عن عبيد الله بن عمر , وجماعة.

قال أبو حاتم: ذاهب الحديث.

وقال دحيم، وغيره: كذاب.

وقال ابن حبان: يضع الحديث على الثقات.

وقال ابن عدى: هو أبو العباس قاضى طبرية.

أحمد بن نصر بن زياد النيسابورى: حدثنا الوليد بن سلمة قاضى الأردن حدثنا عمر بن محمد العمرى عن نافع عن ابن عمر رضى الله عنهما مرفوعا: لا تقنطوا أحيائكم إلا بما تقنطون به موتاكم.

وبه: القدرية مجوس هذه الأمة.

عباس بن حاتم: حدثنا الوليد بن سلمة حدثنا عمر بن صهبان عن نافع عن ابن عمر رضى الله عنهما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ابنِ عراق کنانی نے مذکورہ حدیث کو ولید بن مسلم کی باطل احادیث میں شمار کیا۔ [1]

اور یہ بات مخفی نہیں کہ جو لوگ، بالخصوص بعض اہلِ تشیع، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباواجداد اور ابوطالب وغیرہ کو ناجی اور موحّد قرار دے کر جنتی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ان سے اس قسم کی احادیث کے گھڑنے کا بہت امکان پایا جاتا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر باحوالہ ذکر کر دیا گیا ہے۔

تاہم ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ میں مذکورہ حدیث کی سند میں ضعف بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ:

> اگر اس حدیث کو ثابت بھی مان لیا جائے، تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے مذکورہ حضرات کے عذاب کی تخفیف پر محمول ہوگی (جہنم کے دائمی عذاب سے نجات پر محمول نہ ہوگی) جیسا کہ ابو طالب کے متعلق عذاب کی تخفیف کی

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مرفوعا: سرعة المشي تذهب ببهاء المؤمن .انتهى.

وقال ابن عدى: أحاديثه غير محفوظة وقال: أخبرنا القاسم بن الليث حدثنا أبو يوسف محمد بن أحمد بن الحجاج حدثنا الوليد بن مسلم مؤذنا كان للمأمون .

وقال الدارقطني: ضعيف ترك.

وقال في العلل: متروك ذاهب الحديث.

وقال تمام: منكر الحديث.

وقال العقيلي، عن أبي مسهر: كذاب.

وقال أبو زرعة: كان ابنه يحدث بأحاديث مستقيمة وكان صدوقا فلما أخذ في أحاديث أبيه جاء بالأوابد(لسان الميزان، ج۸ص ۳۸۳، ۳۸۴، تحت رقم الترجمة ۸۳۵۷)

[1] (قلت) وجاء من حديث ابن عمر مرفوعا " :إذا كان يوم القيامة شفعت لأبي وأمي وعمي أبي طالب وأخ لي كان في الجاهلية، "أخرجه تمام في فوائده، وفي سنده الوليد بن سلمة، قال تمام منكر (قلت) بل كذاب كما قال غير واحد من الحفاظ، وأظن هذا من أباطيله، مع أنه لو ثبت حمل على الشفاعة، في تخفيف العذاب كما صح في أبي طالب والله أعلم(تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة،لا بن عراق الكناني.تحت رقم الحديث : ۴ ،ج ۱،ص ۳۲۲، كتاب المناقب،باب فيما يتعلق بالنبي،الفصل الأول)

صورت میں شفاعت معتبر احادیث سے ثابت ہے۔ [1]

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے، مگر اس کی سند بھی قابلِ حجت معلوم نہیں ہوئی۔

چنانچہ حسین بن ابراہیم جورقانی نے، محمد بن فارس اور خطاب بن عبدالدائم کی سند سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے والد اور اپنے چچا ابوطالب اور اپنے رضاعی بھائی یعنی ابنُ السعدیة کے حق میں شفاعت کروں گا، تاکہ قیامت کے بعد وہ گرد وغبار ہو جائیں (اور اس طرح ''ھباءً منثورا'' بن کر عذابِ جہنم سے محفوظ ہو جائیں)۔

اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد حسین بن ابراہیم جورقانی نے خود ہی فرمایا کہ:

''ھٰذا حدیث باطل، لا أصل لهٗ''

''یعنی یہ حدیث باطل ہے، جس کی کوئی اصل نہیں''۔ [2]

---

[1] وأما ما أخرج تمام الرازی فی فوائده بسند ضعيف عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا كان يوم القيامة شفعت لأبی وأمی وعمی أبی طالب وأخ لی كان فی الجاهلية أی بالرضاعة كما فی رواية فهو حجة لنا لا علينا لإدراجه أبويه مع عمه أبی طالب المجمع على كفره فالحديث إن ثبت فهو محمول على ما ورد فی الصحيح من تخفيف العذاب عنهم بشفاعته صلى الله عليه وسلم والله سبحانه أعلم(أدلة معتقد أبی حنيفة فی أبوی الرسول عليه الصلاة والسلام،للملا على القاری،ص ۱۰۴، ۱۰۵،الرد على السيوطی)

[2] أخبرنا أبو على الحداد، فيما كتب إلی، قال :حدثنا أبو نعيم الحافظ، قال :حدثنا أبو بكر محمد بن فارس بن حمدان المعبدی، قال :حدثنا خطاب بن عبد الدائم، قال: حدثنا يحيى بن المبارک، عن شريک، عن منصور، عن ليث، عن مجاهد، عن ابن عباس، قال :سمعت النبی صلى الله عليه وسلم، يقول " :شفعت فی هؤلاء النفر :أبی وعمی وأبو طالب، وأخی من الرضاعة، يعنی ابن السعدية، ليكونوا من بعد البعث هباء."

هذا حديث باطل، لا أصل له(الأباطيل والمناكير والصحاح والمشاهير،للحسين بن إبراهيم الجورقانی، رقم الحديث ۲۱۷، ج ۱،ص ۳۹۰، كتاب الفضائل،باب :فی ذكر أبی طالب)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی اس مذکورہ بالا حدیث کو خطیب بغدادی نے بھی ''تاریخِ بغداد'' میں ''محمد بن فارس '' کے ترجمہ میں روایت کیا ہے، اور محمد بن فارس کے بارے میں ابونعیم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ شخص رافضی تھا، رِفض میں غالی تھا، اور حدیث میں ضعیف تھا۔

اور خطیب بغدادی نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ یہ حدیث باطل ہے، جس میں ایک راوی خطاب بن عبدُ الدائم ہے، جو کہ ضعیف ہے، اور اس کی یحییٰ بن مبارک صنعانی سے مروی روایات میں مناکیر مشہور ہیں، اور اس روایت کا ایک دوسرا راوی، یحییٰ بن مبارک صنعانی مجہول ہے۔ [1]

---

[1] محمد بن فارس بن حمدان بن عبد الرحمن بن محمد بن صبيح ابن محمد بن عبد الرحمن بن عبد الرزاق بن معبد، أبو بكر العطشى، ويعرف بالمعبدى :
كان يذكر أنه من ولد أم معبد الخزاعية .وحدث عن جعفر بن المحمد القلانسى الرملى، والحسن بن على المعمرى، ومخلد بن محمد الماحوزى، وسلامة بن محمد ابن ناهض المقدسى، وخطاب بن عبد الدائم الأرسوفى، وغيرهم .روى عنه الدارقطنى .وحدثنا عنه على بن أحمد الرزاز، وأبو بكر البرقانى، وأبو نعيم الأصبهانى.
وسألت أبا نعيم عنه .فقال :كان رافضيا غاليا فى الرفض، وكان أيضا ضعيفا فى الحديث.
حدثنا أبو نعيم الحافظ حدثنا أبو بكر محمد بن فارس المعبدى ببغداد حدثنا أبى فارس بن حمدان بن عبد الرحمن قال حدثنى جدى عن شريك عن ليث عن مجاهد عن طاوس عن ابن عباس .قال: قلت للنبى صلى الله عليه وسلم :يا رسول الله للنار جواز .قال :نعم قلت :وما هو؟ قال :حب على بن أبى طالب.
.وأنبأنا أبو نعيم حدثنا محمد بن فارس قال حدثنى خطاب بن عبد الدائم الأرسوفى بها حدثنا يحيى بن المبارك عن شريك عن منصور عن ليث عن مجاهد عن ابن عباس .قال سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول :شفعت فى هؤلاء النفر؛ فى أبى، وعمى أبى طالب، وأخى من الرضاعة -يعنى ابن السعدية -ليكونوا من بعد البعث هباء.
هذان الحديثان باطلان ولم أكتبهما إلا بهذين الإسنادين.
فأما الأول :فرواه المعبدى عن أبيه عن جده وليس يعرف فى أهل العلم واحد منهما.
وأما الثانى :فرواه عن خطاب بن عبد الدائم وهو ضعيف يعرف برواية المناكير عن يحيى بن المبارك الشامى الصنعانى وهو مجهول .وقال فيه :عن منصور عن ليث ومنصور بن المعتمر لا يروى عن ليث بن أبى سليم، والله أعلم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ ذہبی نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی مذکورہ اس حدیث میں موجود ''خطاب بن عبدُالدائم'' راوی کے بارے میں فرمایا کہ اس سے محمد بن فارس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد اور چچا کی شفاعت کے بارے میں باطل حدیث کو روایت کیا ہے، جس کو یحییٰ بن مبارک صنعانی نے روایت کیا ہے، اور یہ تینوں راوی (یعنی خطاب بن عبد الدائم، محمد بن فارس اور یحییٰ بن مبارک صنعانی) ضعیف ہیں۔ [1]

علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے بھی ''لسانُ المیزان'' میں یہی بات بیان فرمائی ہے، ساتھ ہی انہوں نے، علامہ ابنِ جوزی سے اس حدیث کا موضوع و من گھڑت ہونا بھی نقل کیا ہے۔ [2]

اور ابنِ عراق کنانی نے فرمایا کہ اس حدیث میں محمد بن فارس اور دوسرے ضعیف اور مجہول راوی پائے جاتے ہیں۔ [3]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حدث عن أبی الحسن محمد بن العباس بن الفرات .قال :توفی أبو بکر محمد ابن فارس بن حمدان المعبدی فی ذی الحجة سنة إحدی وستین وثلاثمائة، وکان غیر ثقة، ولا محمود المذهب. وکذلک قال محمد بن أبی الفوارس وذکر :أن وفاته کانت یوم الأربعاء لست عشرة لیلة خلت من ذی الحجة(تاریخ بغداد وذیوله، ج۳،ص ۳۷۹، ۳۸۰، تحت رقم الترجمة ۱۵۱۹ ،تتمة باب محمد، حرف الفاء من آباء المحمدین، ذکر من اسمه محمد واسم أبیه فارس)

[1] خطاب بن عبد الدائم.روی عنه محمد بن فارس خبرا باطلا :شفعت فی أبی وعمی لیکونا هباء .رواه عن یحیی بن المبارک الصنعانی، وثلاثتهم ضعفاء(میزان الاعتدال فی نقد الرجال،للذهبی،ج ۱ ،ص ۶۵۵، تحت رقم الترجمة ۲۵۱۷ ،حرف الخاء)

[2] خطاب بن عبد الدائم.
روی عنه محمد بن فارس خبرا باطلا: شفعت فی أبی وعمی لیکونا هباء.
رواه عن یحیی بن المبارک الصنعانی وثلاثتهم ضعفاء .انتهی.
وأورده ابن الجوزی فی الموضوعات من هذا الوجه.
وقال الخطیب: خطاب هذا ضعیف معروف بروایة المناکیر(لسان المیزان،لابن حجر العسقلانی،ج۳،ص ۳۶۳، تحت رقم الترجمة ۲۹۴۷ ،حرف الخاء المعجمة،من اسمه خطاب)

[3] (حدیث) " شفعت فی هؤلاء النفر، فی أبی وعمی أبی طالب وأخي من الرضاعة، یعنی ابن السعدیة لیکونوا من بعد البعث هباء "(خط) من حدیث ابن عباس .وفیه أبو بکر محمد بن فارس المعبدی، وفیه غیره من مجاهیل وضعفاء(تنزیه الشریعة المرفوعة عن الأخبار الشنیعة الموضوعة،لا بن عراق الکنانی.تحت رقم الحدیث : ۴ ، ج ۱ ،ص ۳۲۲، کتاب المناقب،باب فیما یتعلق بالنبی،الفصل الأول)

اورعلامہ ابنِ جوزی نے فرمایا کہ یہ حدیث بلا شک وشبہ موضوع ومَن گھڑت ہے۔ [1]

اس حدیث کے موضوع اور خود ساختہ ہونے کا ثبوت جس طرح اس کی سند کے ذریعہ سے ہوتا ہے، اسی طرح اس حدیث کے متن کے قرآن وسنت کے منافی ہونے سے بھی ہوتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يَالَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا

(سورة النباء، رقم الآية ۴۰)

ترجمہ: جس دن دیکھے گا آدمی ان اعمال کو، جو اس نے آگے بھیجے ہوں گے، اور کہے گا کافر کہ اے کاش! میں مٹی ہوتا (سورہ نبا)

سورہ نساء میں بھی کافروں کے بارے میں اسی طرح کی خواہش کے اظہار کرنے کا ذکر آیا ہے۔ [2]

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن کافر اپنے مٹی ہونے کی تمنا کرے گا، تاکہ وہ جانوروں کی طرح مٹی ہوکر ہر طرح کے عذاب سے محفوظ ہو جائے، لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہیں کی جائے گی۔ [3]

---

[1] هذا حديث موضوع بلا شك .فأما ليث فضعيف ، ومنصور لم يرو عنه شيئا لضعفه ، ويحيى بن المبارك شامى مجهول ، وخطاب ضعيف(الموضوعات لابن الجوزى، ج ۱، ص ۲۸۴، كتاب الفضائل والمثالب)

[2] يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّى بِهِمُ الْأَرْضُ(سورة النساء، رقم الآية ۴۲)

[3] (يوم) ظرف لعذابا بصفته (ينظر المرء ) كل امرء (ما قدمت يداه) من خير وشر (ويقول الكافر يا) حرف تنبيه (ليتنى كنت ترابا) يعنى فلا أعذب يقول ذلک عندما يقول الله تعالى للبهائم بعد الاقتصاص من بعضها لبعض كونى ترابا (تفسير الجلالين، سورة النبأ)

(يومئذ) يوم المجىء (يود الذين كفروا وعصوا الرسول لو) أى أن (تسوى) بالبناء للمفعول والفاعل مع حذف إحدى التاء ين فى الأصل ومع إدغامها فى السين أى تتسوى (بهم الأرض) بأن يكونوا ترابا مثلها لعظم هوله كما فى آية أخرى (ويقول الكافر يا ليتنى كنت ترابا)(تفسير الجلالين، سورة النساء)

امام طبرانی نے ’’حفص بن أبی داؤد‘‘ کی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ:

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن، میں سب سے پہلے اپنے گھر والوں کی شفاعت کروں گا، پھر قریش کی درجہ بدرجہ اپنے سے قریب ترین لوگوں کی شفاعت کروں گا، پھر انصار کی شفاعت کروں گا، پھر ان لوگوں کی شفاعت کروں گا، جو یمن کے لوگ مجھ پر ایمان لائے، اور میری اتباع کی، پھر تمام اہلِ عرب کی شفاعت کروں گا، پھر عجمی لوگوں کی شفاعت کروں گا، اور سب سے پہلے میں اہلِ فضل کی شفاعت کروں گا‘‘۔ [1]

اس حدیث کے پیشِ نظر بعض لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہلِ خانہ اور آپ کے آباء واجداد کو ’’ناجی وموحد‘‘ اور ’’مستحقِ شفاعت‘‘ قرار دیا۔

لیکن مذکورہ حدیث سند کے اعتبار سے قابلِ استدلال نہیں۔

چنانچہ اس حدیث کو ابنِ عدی نے بھی ’’الکامل فی ضعفاء الرجال‘‘ میں ’’حفص بن سلیمان أبو عمر الأسدی‘‘ کے ترجمہ میں روایت کیا ہے، اور فرمایا کہ اس کو ’’حفص بن أبی داؤد کوفی‘‘ بھی کہا جاتا ہے، اور ابنِ عدی نے فرمایا کہ اس حدیث کو ’’لیث بن أبی سلیم‘‘ سے ’’حفص بن أبی داؤد‘‘ کے علاوہ کسی اور نے روایت نہیں کیا۔

اور ابنِ عدی نے فرمایا کہ ’’وعامة حدیثه عمن روی عنهم غیر محفوظة‘‘ یعنی حفص بن أبی داؤد کی حدیث کو، جنہوں نے بھی روایت کیا ہے، وہ عام طور پر محفوظ نہیں۔

---

[1] حدثنا الحسین بن إسحاق التستری، ثنا أبو الربیع الزهرانی، ثنا حفص بن أبی داود، عن لیث بن أبی سلیم، عن مجاهد، عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: أول من أشفع له یوم القیامة أهل بیتی، ثم الأقرب فالأقرب من قریش، ثم الأنصار، ثم من آمن بی، واتبعنی من الیمن، ثم سائر العرب، ثم الأعاجم، وأول من أشفع له أولو الفضل (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۱۳۵۵۰، ج۱۲ ص ۴۲۱)

اور ساتھ ہی ابنِ عدی نے ''حفص بن أبی داؤد '' کے متعلق ابنِ معین کا یہ قول نقل فرمایا کہ ''لیس بثقة'' اور ابنِ معین کی ایک روایت میں ان کے متعلق ''کذّاب'' ہونا نقل کیا۔ اور امام احمد اور امام نسائی اور امام بخاری سے ان کے متعلق ''متروکُ الحدیث'' ہونا نقل کیا۔ [1]

اسی وجہ سے مذکورہ حدیث کو بعض حضرات نے سند کے اعتبار سے ''غریب'' اور ''شدید

---

[1] حفص بن سليمان أبو عمر الأسدى.
القارىء ويقال له الغاضرى، وهو حفص بن أبى داود كوفى.
حدثنا أحمد بن على بن الحسن المدائنى، حدثنا الليث بن عبيد، قال: سمعت يحيى بن معين يقول أبو عمر البزاز صاحب القرائة ليس بثقة هو أصح قرائة من أبى بكر بن عياش، وأبو بكر أوثق منه.
حدثنا محمد بن على المروزى، حدثنا عثمان بن سعيد، قال: سألت يحيى بن معين عن حفص بن سليمان الأسدى الكوفى كيف حديثه فقال ليس بثقة قلت يروى عن كثير بن زاذان من هو؟ قال: لا أعرفه.
حدثنا ابن حماد، حدثنا عباس، عن يحيى، قال أبو عمر الصفار ضعيف.
حدثنا ابن حماد، حدثنى عبد الله بن أحمد، عن أبيه قال حفص بن سليمان أبو عمر القارىء متروك الحديث قال شعبة كان حفص يستعير كتب الناس.
أخبرنا الساجى، حدثنا أحمد بن محمد البغدادى، قال: سمعت يحيى بن معين يقول كان حفص بن سليمان، وأبو بكر بن عياش من أعلم الناس بقرائة عاصم وكان حفص أقرأ من أبى بكر وكان أبو بكر صدوقا وكان حفص كذابا.
حدثنا الجنيدى، حدثنا البخارى، حدثنا حفص بن سليمان أبو عمر الأسدى، وهو حفص بن أبى داود أراه القارىء، عن عاصم وعلقمة بن مرثد سكتوا عنه سمعت ابن حماد يقول: قال البخارى حفص بن سليمان تركوه.
سمعت ابن حماد يقول: قال السعدى حفص بن سليمان أبو عمر قد فرغ منه منذ دهر.
وقال النسائى، فيما أخبرنى محمد بن العباس، عنه: قال حفص بن سليمان يروى عن علقمة بن مرثد متروك الحديث ..................حدثنا عبد الله بن محمد، حدثنا أبو الربيع، حدثنا حفص بن أبى داود عن ليث عن مجاهد، عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أول من أشفع له من أمتى أهل بيتى ثم الأقرب فالأقرب ثم الأنصار ثم من آمن بى واتبعنى من اليمن ثم سائر العرب ثم الأعاجم، ومن أشفع له أولا أفضل.
قال الشيخ: وهذان الحديثان عن الليث لا يرويهما عنه غير حفص.................. قال الشيخ: وهذه الأحاديث يرويها حفص بن سليمان ولحفص غير ما ذكرت من الحديث وعامة حديثه عمن روى عنهم غير محفوظة (الكامل فى ضعفاء الرجال، لابن عدى، ج٣، ص ٢٦٨ الىٰ ٢٧٦، ملخصاً، تحت رقم الترجمة: ٥٠٥)

ضعیف“ قرار دیا۔ ؎

---

؎ قال الدارقطنی:

هـذا حـديث غريب من حديث أبی الحجاج مجاهد بن جبر، عن ابن عمر، تفرد به ليث بـن أبـی سليم عنه، وهو غريب من حديث ليث، عن مجاهد، تفرد به حفص بن أبی داود عـنـه، وهـو حـفـص بـن سـليـمان بن المغيرة أبو عمر المقرىء، صاحب عاصم بن أبی النجود فی القراء ة(الافراد للدارقطنی، رقم الحديث ١، ص٩٣)

وقال ابن عراق الكنانی:

[حديث] أول مـن أشـفع له من أمتی أهل بيتی ثم الأقرب فالأقرب ثم الأنصارثم من آمن بـی واتبـعـنـی مـن اليـمـن ثم سائر العرب ثم الأعاجم ومن أشفع له أولا أفضل (قط) من حـديـث ابن عمر وفيه حفص بن أبی داود تفرد به واتهم به(تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبـار الشـنيـعة الموضوعة، لابن عراق الكنانی، ج٢ص٣٧٧، كتاب البعث، الفصل الاول، رقم الحديث ٤)

وقال أبو حذيفة، نبيل بن منصور بن يعقوب بن سلطان البصارة الكويتی:

أول من أشفع له أهل بيتی، ثم الأقرب فالأقرب، ثم سائر العرب، ثم الأعاجم"

قال الحافظ :وأخرج الطبرانی من حديث ابن عمر رفعه :فذكره "

ضعيف جدا.

أخـرجـه الـطبـرانی فی "الـكبير "(13550) وابن عدی (790 /2) والـدارقـطنی فی "الأفراد "كـمـا فی "الـفيض "(913) والـخـطيب فی "الـموضح "(48 /2) وابن الجوزی فی "الموضوعات "(250 /3) والرافعی فی "التدوين "(426 /1) من طريق أبـی الـربيـع سليمان بن داود الزهرانی ثنا حفص بن أبی داود عن ليث بن أبی سليم عن مـجـاهـد عـن ابـن عمر مرفوعا "أول مـن أشـفـع له يوم القيامة أهـل بيتـی، ثم الأقرب فـالأقـرب مـن قـريش، ثم الأنصار، ثم من آمن بی واتبعنی من اليمن، ثم سائر العرب، ثم الأعاجم، وأول من أشفع له أولوا الفضل " واللفظ للطبرانی.

قـال ابن عدی :وهـذا الـحـديـث عـن الـليـث لا يـرويه عنه غير حفص، والحديث غير محفوظ"

وقـال الدارقطنی :غـريـب مـن حديث ليث عن مجاهد، تفرد به حفص بن أبی داود عن ليـث، وهـو حفص بن سليمان بن المغيرة أبو عمر المقرء صاحب عاصم بن أبی النَّجُود فی القراء ة"

وقال ابن الجوزی :قلت :أمـا ليث فغاية فی الضعف عندهم، إلا أنّ المتهم بهذا حفص .

قال أحمد ومسلم والنسائی :هو متروک .وقال ابن خراش :متروک يضع الحديث"

وقال الهيثمی :وفيه من لم أعرفهم "المجمع 381 - 380 /10

قلت :كـلهـم مـعـروفون وحفص بن أبی داود هو ابن سليمان الأسدی سماه أبو الربيع الـزهرانی :ابـن أبـی داود كـمـا قـال ابـن عـدی وهو متروک الحديث(أنيس الساری تـخـريـج احـاديـث فتـح البـاری، ج٣، ص٢٣٠٠، ٢٣٠١، حـرف الهـمـزة، تحت رقم الحديث ١٥٩٥)

اور بعض نے اس حدیث کو سند کے اعتبار سے ''باطل وموضوع'' قرار دیا۔ [1]

امام طبرانی نے ''المعجم الاوسط'' میں ''أصرم بن حوشب'' کی سند سے، عبداللہ بن جعفر سے روایت کیا ہے کہ:

''حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں کچھ لوگوں کے پاس آیا، جو بات چیت کر رہے تھے، پھر جب انہوں نے مجھے دیکھا، تو وہ خاموش ہوگئے، ان کے طرزِ عمل کی وجہ سے مجھ کو گرانی ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا انہوں نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا ہے؟

---

[1] قال أحمد بن محمد بن الصدّيق بن أحمد، أبو الفيض الغُمَارِي الحسنى الأزهرى:
"أول من أشفع له يوم القيامة من أمتى أهل بيتى ثم الأقرب فالأقرب إلى قريش، ثم الأنصار، ثم من آمن بى واتبعنى من اليمن، ثم من سائر العرب، ثم الأعاجم، ومن أشفع له أولا أفضل."(طب) عن ابن عمر.
قلت: هذا حديث باطل موضوع ظاهر الركاكة لفظا ومعنى وقد اعترف المصنف بوضعه وإقراره لابن الجوزى على ذلک، فلا معنى لإيراده هنا فهو ملوم على ذلک جدا(المداوى لعلل الجامع الصغير وشرحى المناوى، ج٣ص١٣٨، ١٣٩، تحت رقم الحديث ١٢٦٠/ ٢٨٣٠، حرف الهمزة)

وقال الالبانى:
أول من أشفع له من أمتى أهل بيتى، ثم الأقرب فالأقرب، ثم الأنصار، ثم من آمن بى واتبعنى، ثم اليمن، ثم سائر العرب، ثم الأعاجم، ومن أشفع له أولا أفضل ."
موضوع.
رواه الطبرانى ( 3/ 205 /2 ) وابن عدى ( 2/100 ) والمخلص فى "الفوائد المنتقاة "( 6/ 69 /1 ) عن حفص بن أبى داود عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر مرفوعا .ومن هذا الوجه رواه الخطيب فى "الموضح "( 2/27 ) من طريق الدارقطنى بسنده عن حفص وقال الدارقطنى " :غريب من حديث ليث عن مجاهد تفرد به حفص بن أبى داود عنه، وهو حفص بن سليمان بن المغيرة أبو عمر المقرىء صاحب عاصم بن أبى النجود "، وقال ابن عدى " :لا يرويه عن الليث غير حفص، وعامر حديثه غير محفوظ ."ومن طريق الدارقطنى أورده ابن الجوزى فى "الموضوعات "وقال ( 3/ 250) " : قال الدارقطنى :تفرد به حفص عن ليث.
قلت :أما ليث فغاية فى الضعف عندهم .إلا أن المتهم به حفص .قال ابن خراش : متروک يضع الحديث ."ووافقه السيوطى ( 2/450 ) ، ثم ابن عراق ( 392/ - 1 2). (سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ٤٣٢)

قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی اس وقت تک ایمان نہیں لاسکتا، جب تک تم سے میری محبت کی وجہ سے محبت نہ کرے، کیا وہ لوگ یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ میری شفاعت کی وجہ سے جنت میں داخل ہوجائیں گے، اور بنوعبدالمطلب میری شفاعت کی امید نہیں رکھتے''۔ [1]

مذکورہ حدیث کے پیشِ نظر بعض لوگوں نے بنوعبدالمطلب کے مفہوم میں، ان کی تمام اولاد کو شامل کیا ہے، جن میں ابوطالب اور ابولہب بھی داخل ہیں۔

حالانکہ یہ استدلال درست نہیں، کیونکہ اولاً تو اگر اس حدیث کو سند کے اعتبار سے معتبر قرار دیا جائے، تو اس میں کفار داخل نہیں، اور اگر ابوطالب کو داخل مانا جائے، تو ان کے لیے عذاب کی تخفیف کا ذکر دوسری معتبر احادیث میں آیا ہے، لیکن ان کے حق میں بھی وہ تخفیف، کفر کے دائمی عذاب سے نجات کا سبب نہ ہوگی، اور کفار میں ابوطالب کو سب سے ہلکا عذاب ہونے کی بھی احادیث میں تصریح آئی ہے، پھر کسی دوسرے کافر مثلاً ابولہب کو آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے دائمی عذاب سے نجات کا مستحق سمجھنا کیونکر درست ہوسکتا ہے، خصوصاً جبکہ یہ قرآن کی صراحت کے خلاف ہے۔ [2]

دوسرے مذکورہ حدیث، سند کے اعتبار سے قابلِ استدلال بھی نہیں۔

چنانچہ علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں فرمایا کہ اس حدیث کی سند میں ''أصرم بن

---

[1] حدثنا عبيد الله بن جعفر بن أعين البغدادى قال :نا أحمد بن المقدام العجلى قال: نا أصرم بن حوشب قال :نا إسحاق بن واصل الضبى، عن أبى جعفر محمد بن على، عن عبد الله بن جعفر قال :أتى عباس، فقال :يا رسول الله، إنى أتيت قوما يتحدثون، فلما رأونى سكتوا، وما ذلك إلا أنهم استثقلونى .فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أقد فعلوها؟ والذى نفسى بيده لا يؤمن أحدهم حتى يحبكم لحبى، يرجون أن يدخلوا الجنة بشفاعتى، ولا ترجوها بنو عبد المطلب.

لا يروى هذا الحديث عن عبد الله بن جعفر إلا بهذا الإسناد(المعجم الأوسط للطبرانى، رقم الحديث ۶۷۶۴)

[2] "سَيَصْلَى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ" (سورة اللهب ، رقم الآية : ۳)

حوشب‘‘موجود ہے، جو کہ’’متروکُ الحدیث‘‘ ہے۔ [1]

اور حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے’’لسان المیزان‘‘میں’’أصرم بن حوشب‘‘کے متعلق’’ھالک‘‘فرمایا، اور یحییٰ سے اس کے متعلق’’کذّاب، خبیث‘‘ہونا نقل کیا، اور امام بخاری اور امام مسلم اور نسائی سے اس کا’’متروکُ الحدیث‘‘ہونا نقل کیا، اور دار قطنی سے’’منکرُ الحدیث‘‘ہونا نقل کیا، اور ابنِ حبان کے حوالے سے اس کے متعلق فرمایا کہ’’کان یضع الحدیث علی الثقات‘‘یعنی یہ ثقات کے نام سے حدیث گھڑا کرتا تھا۔

ابنِ مدینی نے فرمایا کہ’’میں نے اس شخص سے حدیث کو لکھا تھا، پھر میں نے اس کی حدیث کو پھینک دیا‘‘، اور فلاس نے فرمایا’’متروک یری الإرجاء‘‘کہ یہ متروک ہے، مرجئہ کے خیالات رکھتا ہے۔

حاکم اور نقاش نے فرمایا کہ’’یروی الموضوعات‘‘یعنی یہ موضوع اور خود ساختہ احادیث کو روایت کرتا ہے۔

حافظ ابنِ حجر نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے بعض ائمہ نے روایات لی تھیں، پھر اس کے ضعف کو دیکھنے کے بعد، ان کو ترک کر دیا۔ [2]

---

[1] رواہ الطبرانی فی الأوسط والصغیر، وفیہ أصرم بن حوشب وھو متروک الحدیث(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد،تحت رقم الحدیث ۲۹۸،باب فیمن حبھم إیمان)

[2] أصرم بن حوشب أبو ھشام.قاضی ھمذان.ھالک.

له عن زیاد بن سعد وقرة بن خالد.

قال یحیی: کذاب خبیث.

وقال البخاری ومسلم والنسائی: متروک.

وقال الدارقطنی: منکر الحدیث.

وقال السعدی: کتبت عنه بهمذان سنة ثلاثین ومئتین وهو ضعیف .

وقال ابن حبان: کان یضع الحدیث علی الثقات.

وله عن قرة بن خالد، عن الضحاک، عن ابن عباس مرفوعا: تذهب الأرض یوم القیامة کلها إلا المساجد ینضم بعضها إلی بعض.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت ابنِ عمر، حضرت ابنِ عباس اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم سے منسوب مندرجہ بالا روایتیں قابلِ اعتبار اور قابلِ حجت نہیں ہیں، جن کے قابلِ اعتبار نہ ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ان کا مضمون ان صحیح ومعتبر احادیث کے خلاف ہے، جو پہلے گزریں۔

اور بعض کو معتبر ماننے کی صورت میں بھی دائمی عذابِ جہنم سے نجات کے بجائے عذاب کی تخفیف پر اس شفاعت کو محمول کیے جانے کا امکان ہے، جیسا کہ ابوطالب کے متعلق بھی اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وبه: أنا الأول وأبو بكر المصلى وعمر الثالث والناس بعدنا على السبق الأول فالأول.

وبه: المنفق يقرضني والمصلى يناجيني.

وله عن هشام بن حوشب، عن هشام، عن أبيه، عن عائشة مرفوعا: أذيبوا طعامكم بالصلاة، ولا تناموا عليه فتقسوا قلوبكم.

وله عن زياد بن سعد، عن الزهرى، عن سالم، عن أبيه مرفوعا: إذا كان الفىء ذراعا ونصفا إلى ذراعين فصلوا الظهر.

وله عن مبارك بن فضالة، عن ثابت، عن أنس فى وفاة النبى صلى الله عليه وسلم ومجىء ملك الموت علانية فذكر خبرا موضوعا.

وقال محمد بن يحيى الأزدى: حدثنا أصرم بن حوشب، حدثنا محمد بن يونس الحارثى، عن قتادة، عن أنس مرفوعا: إذا كان أول ليلة من رمضان نادى الجليل رضوان خازن الجنة فيقول: نجد جنتى وزينها للصائمين ...الحديث بطوله .ساقه ابن حبان.

قال ابن المدينى: كتبته عنه بهمذان وضربت على حديثه.

وقال الفلاس: متروك يرى الإرجاء.

قلت: روى عنه محمد بن حميد وأحمد بن الفرات وأحمد بن محمد التبعى، انتهى .

وأورد له العقيلى حديثا عن زياد بن سعد وقال: لا يتابع عليه، ولا يعرف إلا به وليس له أصل من جهة يثبت.

وقال ابن أبى حاتم: روى، عن أبى سنان الشيبانى، سمعت أبى يقول: هو متروك الحديث ذكر أنه سمع من زياد بن سعد فأنكر عليه وتكلم فيه يحيى بن معين.

وقال ابن المدينى: لقيناه بهمذان ثم حدث بعدنا بعجائب وضعفه جدا.

وقال الحاكم والنقاش: يروى الموضوعات.

وقال الخليلى: روى عن نهشل، عن الضحاك، عن ابن عباس مناكير وروى الأئمة عنه ثم رأوا ضعفه فتركوه (لسان الميزان،لابن حجر العسقلانى،ج ۲،ص ۲۱۰ الیٰ ۲۱۲،حرف الألف، تحت رقم الترجمة: ۱۳۰۵)

طرح کا ذکر معتبر احادیث میں آیا ہے، اور ملا علی قاری کے حوالہ سے بھی گزرا۔

## طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت

امام بیہقی نے ''شعبُ الایمان'' میں، یاسین بن معاذ کی سند سے طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر میں اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو پالوں، اور میں عشاء کی نماز میں ہوں، جس میں میں نے سورہ فاتحہ کی قرائت کی ہو، مجھے نِدا دی جائے کہ اے محمد! تو میں اس کا یہ کہہ کر جواب دوں گا کہ ''لبیک''

امام بیہقی نے فرمایا کہ اس روایت کا ایک راوی ''یاسین بن معاذ'' ضعیف ہے''[1]

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے بعض رسائل میں، مذکورہ حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ''مومن'' ہونے کی دلیل میں پیش کیا ہے۔

حالانکہ اولاً تو اس روایت میں مومن ہونے کی صراحت نہیں، اور دوسری معتبر روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مشرک ہونے کی تصریح فرمادی ہے، لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تصریح کو مقدم رکھا جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مذکورہ حدیث، سند کے اعتبار سے نا قابلِ اعتبار ہے، کیونکہ اس حدیث میں ''یاسین بن معاذ'' راوی پر محدثین نے شدید جرح فرمائی ہے۔

---

[1] أخبرنا أبو الحسين بن بشران، أنا أبو جعفر الرزاز، نا يحيى بن جعفر، أنا زيد بن الحباب، نا ياسين بن معاذ، نا عبد الله بن مرثد، عن طلق بن علي، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ": لو أدركت والدى أو أحدهما وأنا فى صلاة العشاء، وقد قرأت فيها بفاتحة الكتاب تنادى: يا محمد، لأجبتها: لبيك "ياسين بن معاذ ضعيف(شعب الإيمان ،للبيهقى ، رقم الحديث ٧٤٩٧، باب بر الوالدين، فصل فى عقوق الوالدين وما جاء به )

چنانچہ علامہ محمد طاہر پٹنی نے ''تذکرة الموضوعات'' میں اس حدیث کو ''موضوع'' قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ اس میں ''یاسین بن معاذ'' راوی ہے، جو جھوٹی حدیثوں کو روایت کرتا ہے۔ [1]

اور علامہ شوکانی نے بھی اپنی کتاب ''الفوائد المجموعة'' میں اس حدیث کو ''موضوع'' قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ اس میں اصل ''آفة'' ''یاسین بن معاذ'' کی ہے۔ [2]

اور علامہ ابنِ جوزی نے بھی اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں اس حدیث کو ''موضوع'' قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ اس میں ''یاسین بن معاذ'' راوی ہے، جس کے بارے میں ''یحییٰ بن معین'' نے فرمایا کہ ''لیس بشیئ'' اور امام نسائی نے فرمایا کہ ''متروکُ الحدیث'' اور ابنِ حبان نے فرمایا کہ ''یہ ثقہ راویوں سے جھوٹی حدیثوں کو روایت کرتا ہے، جس سے احتجاج جائز نہیں۔ [3]

---

[1] لو أدركت والدى أو أحدهما وأنا فى الصلاة صلاة العشا وقد قرأت فيها فاتحة الكتاب ينادى يا محمد لأجبته لبيك موضوع قلت أخرجه البيهقى، وفى الوجيز هو حديث طلق عن على رضى الله عنه وفيه يس بن معاذ يروى الموضوعات قلت قال البيهقى ضعيف(تذكرة الموضوعات،لمحمد طاهر الفتنى،ص ٢٠٢، كتاب العلم،باب بر الوالدين والأخ الكبير والأقارب والجار)

[2] حديث" :لو أدركت والدى أو أحدهما وأنا فى الصلاة، صلاة العشاء وقد قرأت فيها فاتحة الكتاب ينادى :يا محمد، لأجبته.وهو موضوع .آفته يس بن معاذ(الفوائد المجموعة فى الأحاديث الموضوعة،للشوكانى،ص ٢٣٠، تحت رقم الحديث ٣٥،كتاب الأدب والزهد والطب وعيادة المريض)

[3] أنبأنا أبو الحسن على بن أحمد الموحد أنبأنا هناد بن إبراهيم النسفى حدثنا أبو الحسن عفيف بن محمد الخطيب حدثنا أبو بكر محمد بن أحمد بن حبيب حدثنا يحيى بن أبى طالب حدثنا زيد بن الحباب حدثنا أبو بكر ياسين بن معاذ حدثنا عبدالله بن قرين عن طلق بن على قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول " :لو أدركت والدى أو أحدهما وأنا فى الصلاة صلاة العشاء وقد قرأت فيها فاتحة الكتاب ينادى يا محمد لاجبتك لبيك . "هذا موضوع على رسول الله صلى الله عليه وسلم ، وفيه ياسين .قال يحيى :ليس حديثه بشء .وقال النسائى : متروك الحديث .وقال ابن حبان :يروى الموضوعات عن الثقاة ويتفرد بالمعضلات عن الاثبات لا يجوز الاحتجاج به(الموضوعات لابن الجوزى، ج٣،ص ٨٥، كتاب البر، باب بر الوالدين)

اورناصرالدین البانی صاحب نے بھی مذکورہ حدیث کو''موضوع'' قرار دیا ہے۔ ۱؎

## عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی دو روایات

ابنِ عساکر نے''تاریخِ دمشق ''میں معتبر سند کے ساتھ''نوفل بن فرات '' سے روایت کیا ہے کہ:

۱؎ (لو أدركت والدى أو أحدهما وأنا فى صلاة العشاء ، -وقد قرأت فيها بفاتحة الكتاب - ينادى :يا محمد !؛ لأجبته :لبيک).

موضوع.

أخرجه البيهقى فى "الشعب "(6/195/7881) ، وابن الجوزى فى "الموضوعات "(3/85) من طريق يحيى بن أبى طالب (جعفر) حدثنا زيد بن الحباب :عن ياسين بن معاذ :حدثنا عبد الله بن مرثد عن طلق بن على مرفوعا.

وقال البيهقى: "ياسين بن معاذ ضعيف ."

قلت :حاله أسوأ من ذلک، وينبيک عن ذلک قول الذهبى فى "المغنى :" "تركه النسائى وغيره."

ومن شاء الوقوف على أقوال الأئمة فيه؛ فليرجع إلى "لسان الميزان "، فقد استوعب أكثرها، على أننى كنت نقلت بعضها تحت الحديث المتقدم (1035)

وقال ابن الجوزى عقب الحديث ":هذا موضوع على رسول الله صلى الله عليه وسلم، وفيه ياسين؛ قال يحيى :ليس حديثه بشىء .وقال النسائى :متروک الحديث .وقال ابن حبان :يروى الموضوعات عن الثقات، وينفرد بالمعضلات عن الأثبات ."

وتعقبه السيوطى فى "اللآلى "(2/295) بإخراج البيهقى فى "الشعب " إياه !فلم يصنع شيئا؛ وإن أقره ابن عراق فى "تنزيه الشريعة "(2/296/49) ، وزاد فقال: "قلت :وكذلک أشار الذهبى فى "تلخيص الموضوعات "إلى ضعفه من جهة (يس) ، ثم استدرک؛ فقال :ولكن فى سنده هناد النسفى .والله أعلم ."

وأقول فى الإشارة المذكورة نظر، فياسين عند الذهبى متروک كما قدمت عنه.

والاستدراک المزبور لا قيمة له؛ لأنه فى إسناد ابن الجوزى دون البيهقى، وهو من طبقة البيهقى ومعاصريه، له ترجمة سيئة فى "تاريخ بغداد "(14/97 - 98) ، و"اللسان."

(تنبيه) : وقع فى "الشعب "و"الموضوعات "(خطاء ) فى إسناد الحديث ومتنه، فصححت ما ترجح عندى صحته؛ فمثلا :يحيى بن أبى طالب، وقع فى "الشعب :" (يحيى بن جعفر) ، فغلب على ظنى أن الصواب ما أثبت أعلاه؛ لأن :(أبا طالب( اسمه :جعفر؛ فهو :يحيى بن أبى طالب : (جعفر بن الزبرقان) ، محدث مشهور، تكلم فيه بعضهم .(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ۶۲۷۵)

’’ایک شخص نے عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں شام کے ایک علاقے میں ایسے آدمی کو عامل بنادیا، جس کا باپ ’’منانیة‘‘ کی عورتوں سے زنا کیا کرتا تھا، یہ بات حضرت عمر بن عبدالعزیز کو پہنچی، تو انہوں نے اس شخص کو فرمایا کہ تجھے اس بات پر کس چیز نے ابھارا کہ تو نے ایک ایسے آدمی کو مسلمانوں کے علاقہ میں سے ایک علاقہ میں عامل بنادیا، جس کا باپ ’’منانیة‘‘ کے ساتھ زنا کرتا ہے، اس شخص نے جواب میں کہا کہ:

**’’أصلح الله أمير المؤمنين وما علی ما کان أبوه کان أبو النبی (صلی الله عليه وسلم) مشرکا‘‘**

’’اللہ امیر المومنین کی اصلاح فرمائے، میرے اوپر اس میں کیا حرج ہے، اس کے باپ میں کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ بھی تو مشرک تھے‘‘

اس شخص کو عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا ’’آہ‘‘ پھر اپنی گردن جھکالی، پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ کیا میں اس کی زبان کو کاٹ دوں، کیا میں اس کے ہاتھ اور پاؤں کو کاٹ دوں، کیا میں اس کی گردن اڑادوں، پھر عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ:

**’’ أقد جعلت هٰذا عدلا للنبی صلی الله عليه وسلم ‘‘**

’’کیا تو نے اس (عامل بنائے گئے) آدمی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر قرار دے دیا‘‘

جب تک تو زندہ رہے، مجھ سے کوئی کلام مت کرنا‘‘ [1]

---

[1] أخبرنا أبو القاسم بن السمرقندی أنا أبو الحسين بن النقور أنا عيسی بن علی أنا عبد الله بن محمد نا داود بن عمرو نا يحيی بن عبد الملک بن أبی غنية نا نوفل بن الفرات عاملا لعمر بن عبد العزيز قال وکان رجلا من کتاب الشام مأمونا عندهم استعمل رجلا علی کورة من کور الشام کان أبوه يزن بالمنانية قال فبلغ ذلک عمر بن عبد العزيز فقال ما حملک علی أن تستعمل رجلا علی کورة من کور المسلمين کان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے مشرک ہونے کی نفی نہیں فرمائی، بلکہ یہ فرمایا کہ:

**” أقد جعلت هٰذا عدلا للنبی صلی الله علیه وسلم “**

جس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو مذکورہ شخص کے اس طرزِ عمل سے اختلاف ہوا کہ اس نے اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کو مثال میں پیش کیا، جس کے نتیجہ میں اس شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر لا کھڑا کیا۔

اور ظاہر ہے کہ کسی مومن کے لیے یہ طرزِ عمل اختیار کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی تحقیر کے طور پر کوئی بات ذکر کرنا، یا اس بات کو تمثیل بنا لینا ہرگز جائز نہیں۔

جہاں تک کسی حکم کی تحقیق کا تعلق ہے، تو وہ الگ معاملہ ہے۔

اس کی تائید حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ ابنِ عساکرہی نے ایک معتبر سند کے ساتھ یہ واقعہ اس طرح روایت کیا ہے کہ:

”حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سلیمان بن سعد سے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ فلاں شخص، جو کہ ہمارا عامل ہے، کا باپ ”زندیق“ تھا، تو سلیمان بن سعد نے کہا کہ:

**”وما یضرک یا أمیر المؤمنین کان أبو النبی (صلی الله علیه وسلم) کافرا فما ضره“**

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أبوه یزن بالمنانیة قال له أصلح الله أمیر المؤمنین وما علی ما کان أبوه کان أبو النبی (صلی الله علیه وسلم) مشرکا. قال فقال عمر آه ثم نکت ثم رفع رأسه فقال أأقطع لسانه أأقطع یده ورجله أأضرب عنقه ثم قال:

” أقد جعلت هٰذا عدلا للنبی صلی الله علیه وسلم “

لا تلی لی شیئا ما بقیت (تاریخِ دمشق لابنِ عساکر، ج۴۵ص ۲۲۲، تحت ترجمة ”عمر بن عبد العزیز بن عبید أبو حفص السبائی الطرابلسی“رقم الترجمة ۵۲۴۱)

''اے امیر المومنین! اس میں آپ کو کوئی ضرر نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد بھی تو کافر تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے کیا ضرر پہنچا''

اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ شدید غصہ میں آ گئے، اور فرمایا کہ:

**''ما وجدت له مثلا إلا النبی (صلی الله علیه وسلم) فعزله''**

''تجھ کو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ہی پیش کرنے کو ملی ہے، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سلیمان بن سعد کو معزول کر دیا'' [1]

مذکورہ روایت کا علامہ صفدی نے بھی ''الوافی بالوفیات'' میں ذکر کیا ہے۔ [2]

مذکورہ روایت میں بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے

---

[1] أخبرنا أبو الفرج سعید بن أبی الرجاء بن أبی منصور أنا أبو الفتح منصور بن الحسین بن علی بن القاسم أنا أبو بکر بن المقرء نا أبو عروبة نا أیوب بن محمد الوزان حدثنی ضمرة عن علی هو ابن أبی جملة قال قال عمر بن عبد العزیز لسلیمان بن سعد قد بلغنی أن أبا فلان عاملنا کان زندیقا قال وما یضرک یا أمیر المؤمنین کان أبو النبی (صلی الله علیه وسلم) کافرا فما ضره.

فغضب غضبا شدیدا وقال :

ما وجدت له مثلا إلا النبی (صلی الله علیه وسلم) فعزله(تاریخ دمشق لابنِ عساکر، ج۲۲ص ۳۲۱، تحت ترجمة ''سلیمان بن سعد الخشنی ''رقم الترجمة ۲۶۷۷)

[2] (الکاتب أیّام بنی أمیّة)

سلیمان بن یعد الخشنی مولاهم . کاتب عبد الملک والولید وسلیمان وعمر، من أهل الأردن. کان یصحب عبد الملک وحکی عنه وعن الزهری، روی عنه عبد الله بن نعیم الأردنی ویحیی بن سعید الأنصاری . وذکره أبو الحسین الرازی فی تسمیة کتاب أمراء دمشق وحکی أنه أول من نقل الدیوان من الرومیة إلی العربیة، وذکر أن داره بدمشق فی ناحیة باب الفرادیس عن یمین الداخل انتهی۔

وتولی سلیمان أیام عبد الملک الدیوان بعد موت سرجون بن منصور الرومی، وهو أول من ترجم دیوان السام بالعربیة، وهو أول مسلم ولی الدواوین کلها وحولها بالعربیة .وقال عمر بن عبد العزیز لسلیمان: بلغنی أن أبا فلان عاملنا کان زندیقا، قال: وما یضرک یا أمیر المؤمنین؟ کان أبو النبی صلی الله علیه وسلم کافرا فما ضره! فغضب غضبا شدیدا وقال: ما وجدت له مثلا إلا النبی صلی الله علیه وسلم وعزله(الوافی بالوفیات،للصفدی، ج۱۵ ،ص ۲۳۹، تحت رقم الترجمة ۵۱۰۷، ، حرف السین، مطبوعة: داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، الطبعة الاولیٰ:۱۴۲۰ھ، 2000ء)

کافر ہونے کا انکار نہیں کیا، بلکہ ان کو مذکورہ موقع پر تمثیل کے طور پر پیش کرنے سے منع فرمایا۔

چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ ''شرحُ الشفا'' میں مذکورہ واقعہ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

**(فقال جعلت هذا مثلا فعزله وقال لا تكتب لى أبدا) وهذا يوافق ما قال إمامنا فى الفقه الأكبر أن والدى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ماتا على الكفر وقد كتبت فى هذه المسألة رسالة مستقلة ودفعت فيها ما ذكره السيوطى من الأدلة على خلاف ذلک فى رسائله الثلاث** (شرح الشفا للملا على القارى، ج۲ ص۷۴۴، القسم الرابع، الباب الاول، فصل :أن لا يقصد نقصا ولا يذكر عيبا ولا سبا لكنه ينزع إلى آخره)

ترجمہ: تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تو نے اس کو مثال بنالیا، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس شخص کو معزول کردیا، اور فرمایا کہ تو ہمارے لیے کبھی نہیں لکھے گا (ملا علی قاری رحمہ اللہ، مذکورہ واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں) اور یہ (حضرت عمر بن عبدالعزیز کا واقعہ) ہمارے امام ابوحنیفہ کے اس قول کے موافق ہے، جوانہوں نے ''الفقهُ الاکبر'' میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کفر پر فوت ہوئے، اور میں نے اس مسئلہ میں ایک مستقل رسالہ تحریر کیا ہے، جس میں میں نے سیوطی کے ان دلائل کا جواب دیا ہے، جوانہوں نے اپنے تین رسالوں میں اس کے خلاف (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مومن وموحد وغیرہ ہونے کے متعلق) ذکر کیے ہیں (شرحُ الشفا)

معلوم ہوا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مذکورہ روایات سے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور کے اس موقف کی تائید ہوتی ہے، جو صحیح احادیث میں مذکور ہے۔

اگرچہ بعض حضرات نے فرطِ محبت یا غلط فہمی کی بنیاد پر ان روایات کو صحیح احادیث اور جمہور کے موقف کے خلاف سمجھ لیا۔

لیکن ان روایات سے ایک اہم اصول یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا کسی بری تمثیل وغیرہ کے طور پر ذکر کرنا جائز نہیں، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

مذکورہ احادیث وروایات سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بحالتِ کفر فوت ہونے، ان کے عذابِ جہنم میں مبتلا ہونے، اور ان کے لیے استغفار و شفاعت کے ناجائز نہ ہونے کے متعلق کسی ایک حدیث پر جو تفرد کا الزام عائد کیا جاتا ہے، یہ درست نہیں ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں ایک نہیں، کئی احادیث وروایات مروی ہیں، جو جمہور متقدمین اہلِ علم کے موقف کی تائید کرتی ہیں، بلکہ بعض حضرات نے متقدمین کے اس پر اجماع ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اور اس سلسلہ میں بکثرت احادیث وروایات کے موجود ہونے کی وجہ سے متقدمین کے اجماع کا امکان بہت زیادہ پایا جاتا ہے، اگرچہ بعض متاخرین کا اس میں اختلاف کیوں نہ ہو۔

## عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت

ابنِ شاہین نے ''ناسخُ الحديث ومنسوخهٗ ''میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ ''حجون'' کی طرف غمگین حالت میں اترے، پھر وہاں جتنا اللہ عزوجل نے چاہا، ٹھہرے رہے، پھر وہاں سے خوش وخرم حالت میں لوٹے، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ مقامِ ''حجون'' کی طرف غمگین حالت میں اترے تھے، پھر آپ نے وہاں، جتنا اللہ نے چاہا، اتنا قیام کیا، پھر آپ خوش وخرم حالت میں لوٹے، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''میں نے اپنے رب عزوجل سے دعاء کی، تو میرے رب نے میری والدہ کو زندہ فرمادیا، اور وہ مجھ پر ایمان لے آئیں، پھر اللہ نے ان کو دوبارہ اپنی مردہ حالت پر لوٹادیا''۔ [1]

مذکورہ روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف والدہ کا ذکر ہے، والد کا ذکر نہیں۔

لیکن اس روایت کی سند کی صحت کو محققین حفاظُ الحدیث اور اصحابُ الحدیث اور اسماء الرجال کے فن پر گہری نظر رکھنے والے محدثین نے تسلیم نہیں کیا۔ [2]

---

[1] حدثنا محمد بن الحسن بن زياد ، مولى الأنصار قال :حدثنا أحمد بن يحيى الحضرمى ، بمكة قال :حدثنا أبو غزية محمد بن يحيى الزهرى ، قال :حدثنا عبد الوهاب بن موسى الزهرى ، حدثنا عبد الرحمن بن أبى الزناد ، عن هشام بن عروة ، عن أبيه ، عن عائشة ، رضى الله عنهما :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نزل إلى الحجون كئيبا حزينا فأقام به ما شاء ربه عز وجل ، ثم رجع مسرورا ، فقلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ، نزلت إلى الحجون كئيبا حزينا فأقمت به ما شاء الله ، ثم رجعت مسرورا قال : سألت ربى عز وجل فأحيا لى أمى فآمنت بى ، ثم ردها(ناسخ الحديث ومنسوخه لابن شاهين، ص ۴۸۹، رقم الحديث ۶۵۶ ،باب فى زيارة النبى صلى الله عليه وسلم قبر أمه)

[2] قال أبو عبد الرحمن محمود بن محمد الملاح:
وأغرب منه وأشد نكارة ما رواه الخطيب البغدادى فى كتاب "السابق واللاحق "بسند مجهول، عن عائشة فى حديث فيه قصة :أن الله أحيا أمَّه فآمنت ثم عادت .وكذلك ما رواه السهيلى فى "الروض "بسند فيه جَمَاعة مجهولون :أن الله أحيا له أباه وأمه فآمنا به.
وقد قال الحافظ ابن دِحْيَةَ :(هذا الحديث موضوع يرده القرآن والإجماع، قال الله تعالى :(ولا الذين يموتون وهم كفار)وقال أبو عبد الله القرطبى :إن مقتضى هذا الحديث . . .وردَّ عَلَى ابن دِحية) فى هذا الاستدلال بما حاصله :أن هذه حياة جديدة، كما رجعت الشمس بعد غيبوبتها فصلى عَلِيٌّ العصر، قال الطحاوى :وهو (حديث) ثابت، يعنى :حديث الشمس.
قال القرطبى :فليس إحياؤهما يمتنع عقلا ولا شرعا، قال :وقد سمعت أن الله أحيا عمه أبا طالب، فآمن به.
قلت :وهذا كله متوقف على صحة الحديث، فإذا صح فلا مانع منه والله أعلم(الأحاديث الضعيفة والموضوعة التى حكم عليها الحافظ ابن كثير فى تفسيره،ص۲۰۸، تحت رقم الحديث ۴۴۰، سورة التوبة )

چنانچہ ابوعبداللہ جورقانی (المتوفیٰ: 543 ہجری) نے اس حدیث کو ابنِ شاہین ہی کی پوری سند سے نقل کر کے خود ہی فرمایا کہ:

**"هَذَا حَدِيثٌ بَاطِلٌ"**

"یہ حدیث باطل ہے"

اور جورقانی نے یہ بھی فرمایا کہ اس روایت میں "**عبدالرحمٰن بن ابی الزناد**" راوی پایا جاتا ہے، جو کہ "ضعیف" ہے، ابنِ معین نے فرمایا کہ "**عبدالرحمن بن ابی الزناد**" ان افراد میں سے ہے، جن سے اصحابِ حدیث حجت نہیں پکڑتے، یہ کچھ بھی نہیں۔

اور عبدالرحمٰن ابنِ مہدی، "**عبدالرحمٰن بن ابی الزناد**" سے مروی احادیث کو غیر معتبر قرار دینے کے لیے ان پر خط کھینچ کر نشان لگا دیا کرتے تھے، اور ان کی حدیث کو روایت و بیان نہیں کیا کرتے تھے۔

اور پھر جورقانی نے فرمایا کہ اس روایت میں دوسرا راوی "**عبدُالوهاب بن موسیٰ الزهری**" "**متروک**" ہے۔

اور اس روایت میں احمد بن یحییٰ اور ابوغزیہ محمد بن یحییٰ دونوں راوی "مجہول" ہیں۔

اور اس روایت کے ایک اور راوی "**محمدبن حسن بن زیاد**" جس کو "**ابوبکر نقاش مقری**" کہا جاتا ہے، اس کی حدیث میں مشہور اسناد کے اندر "**مناکیر**" پائی جاتی ہیں، ابوبکر خطیب نے طلحہ بن محمد سے "**نقاش**" کو حدیث میں جھوٹ بولنے والا قرار دیا ہے۔

اور اس کی تمام احادیث کو منکر قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] أخبرنا عبد الملک بن مکی بن بنجير الحافظ، أخبرنا أبو بكر أحمد بن علی بن ثابت الخطيب البغدادی، فی كتابه، أخبرنا القاضی أبو بكر محمد بن عمر بن محمد بن إسماعيل بن الأخضر، قال: حدثنا أبو حفص عمر بن شاهين، أخبرنا محمد بن الحسن بن زياد مولى الأنصار، قال حدثنا أحمد بن يحيى الحضرمی، بمكة، قال: حدثنا أبو عوانة محمد بن يحيى الزهری، قال: حدثنا عبد الوهاب بن موسى، عن عبد الرحمن بن أبی الزناد، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ ذہبی نے ''میزانُ الاعتدال ''میں ''ابو غزیة محمد بن یحییٰ '' کے متعلق دار قطنی سے ''متروک ''اور ازدی سے ''ضعیف '' ہونا نقل کیا ہے۔ [1]

جہاں تک مذکورہ روایت کے ایک اور راوی ''محمد بن حسن بن زیاد '' کا تعلق ہے، تو اس کے متعلق علامہ ذہبی نے فرمایا کہ:

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عائشة، أن النبی صلی الله علیه وسلم نزل إلی الحجون کئیبا حزینا، فأقام ما شاء ربه عز وجل، ثم رجع مسرورا، فقلت: یا رسول الله، نزلت الحجون کئیبا حزینا، فأقمت به ما شاء الله، ثم رجعت مسرورا، فقال: سألت ربی عز وجل، فأحیا لی أمی، فآمنت بی ثم ردها.

هذا حدیث باطل.

وعبد الرحمن هذا: قال ابن الغلابی: ومعاویة بن صالح: عن یحیی بن معین: أنه قال: عبد الرحمن بن أبی الزناد ضعیف، وقال أحمد بن محمد بن القاسم بن محرز: سمعت یحیی بن معین، یقول: ابن أبی الزناد لیس ممن یحتج به أصحاب الحدیث، لیس بشیء.

وقال محمد بن عثمان بن أبی شیبة: سمعت علیا، وهو ابن المدینی، وذکر له عبد الرحمن بن أبی الزناد، فقال: کان عند أصحابنا ضعیفا، ورأیت عبد الرحمن خطط علی أحادیث عبد الرحمن بن أبی الزناد، وقال أبو حفص عمرو بن علی: عبد الرحمن بن أبی الزناد فیه ضعف، ما حدث بالمدینة أصح مما حدث ببغداد، وکان عبد الرحمن یعنی ابن مهدی یخط علی حدیثه، وکان لا یحدث عن عبد الرحمن بن أبی الزناد، قال عبد الکریم بن أحمد بن شعیب النسائی: حدثنا أبی، قال: عبد الرحمن ابن أبی الزناد ضعیف، وعبد الوهاب بن موسی، هذا متروک.

وأحمد بن یحیی، ومحمد بن یحیی مجهولان، ومحمد بن الحسین بن زیاد: هذا هو أبو بکر النقاش المقرء، فی حدیثه مناکیر بأسانید مشهورة.

قال أبو بکر الخطیب: حدثنی عبید الله بن أبی الفتح، عن طلحة بن محمد بن جعفر، أنه ذکر النقاش، فقال: کان یکذب فی الحدیث.

وقال أبو بکر: سألت أبا بکر البرقانی عن النقاش؟ فقال: کل حدیثه منکر.

وقال محمد بن یحیی الکرمانی: سمعت هبة الله بن الحسن الطبری ذکر تفسیر النقاش، فقال: ذاک إشفاء الصدور، ولیس بشفاء الصدور فی خلاف ذلک (الأباطیل والمناکیر والصحاح والمشاهیر للحسین بن ابراهیم الجورقانی، ص۳۷۷ الیٰ ۳۸۲، رقم الروایة ۲۰۷، کتاب الفضائل، باب: فی ذکر عبد الله بن عبد المطلب، وآمنة بنت وهب، وعبد المطلب)

[1] محمد بن یحیی، أبو غزیة المدنی. عن موسی بن وردان.

قال الدارقطنی: متروک، وقال الأزدی: ضعیف.

ذکره ابن الجوزی، وقال: أبو غزیة الزهری (میزان الاعتدال، ج۴ص ۶۲، تحت رقم الترجمة ۸۲۹۹)

’’بعض عظیم صفات پائے جانے کے باوجود یہ ’متروکُ الحدیث‘‘ ہے، جس کے متعلق بعض حضرات نے حدیث میں جھوٹ بولنے والا قرار دیا، اور بعض نے اس کی حدیث کو ’منکر‘‘ قرار دیا‘‘۔ [1]

نیز علامہ ذہبی نے ’’محمد بن حسن بن زیاد‘‘ کے متعلق جھوٹا ہونے اور اس کی ہر حدیث کے منکر ہونے اور اس کی حدیث کے موضوع ہونے وغیرہ کے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ:

**’’قلبی لا یسکن إلیه، وهو عندی متهم‘‘**

’’یعنی میرا دل اس شخص سے مطمئن نہیں، اور یہ میرے نزدیک متہم بالکذب ہے‘‘ [2]

---

[1] النقاش العلامة الرحال الجوال أبو بكر محمد بن الحسن بن محمد بن زياد الموصلى ثم البغدادى المقرء المفسر أحد الأعلام :كنت قد أهملته لوهنه ثم رأيت أن أذكره وأذكر عجره وبجره، مولده سنة ست وستين ومائتين....ومع جلالته ونبله فهو متروك الحديث وحاله فى القراء ات أمثل، قال أبو عمرو الدانى :النقاش مقبول الشهادة .وأما طلحة بن محمد بن جعفر فقال :النقاش يكذب فى الحديث والغالب عليه القصص .وقال البرقانى :كل حديثه منكر .وقال اللالكائى :تفسيره إشفاء الصدور لا شفاء الصدور .قلت :يعنى مما فيه من الموضوعات .وقال الخطيب :فى حديثه مناكير بأسانيد مشهورة .مات النقاش فى شوال سنة إحدى وخمسين وثلاثمائة(تذكرة الحفاظ،للذهبى، ج٣،ص ٨٢،٨٣، ملخصاً،تحت رقم الترجمة ٨٧٢ ـ١٢/٢٤،الطبقة الثانية عشرة)

[2] النقاش محمد بن الحسن بن محمد بن زياد ............قال أبو عمرو الدانى :هو مقبول الشهادة، حدثنا فارس، سمعت عبد الله بن الحسين، سمعت ابن شنبوذ يقول:
خرجت من دمشق، فإذا بقافلة فيها النقاش، وبيده رغيف، فقال لى :ما فعل الأخفش؟
قلت :توفى.قال :ثم انصرف النقاش . وقال :قرأت على الأخفش . وقال طلحة بن محمد الشاهد : كان النقاش يكذب فى الحديث، والغالب عليه القصص .
وقال أبو بكر البرقانى :كل حديث النقاش منكر
وقال الحافظ هبة الله اللالكائى :تفسير النقاش إشفى الصدور لا شفاء الصدور
وقال الخطيب :فى حديثه مناكير بأسانيد مشهورة .
روى أبو بكر عن أبى غالب، عن جده معاوية بن عمرو، عن زائدة، عن ليث، عن مجاهد، عن ابن عمر:قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-(إن الله لا يقبل دعاء حبيب على حبيبه).
قال الدارقطنى :فرجع عنه حين قلت له هو موضوع.
قال الخطيب :قد رواه أبو على الكوكبى، عن أبى غالب .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جہاں تک اس روایت میں ایک اور راوی ''عبدالوہاب بن موسیٰ الزھری'' کا تعلق ہے، تو اس پر بھی محدثین نے سخت جرح کی ہے، بلکہ علامہ ابنِ حجر نے ''لسانُ المیزان'' میں اس کی سند سے مذکورہ حدیث نقل کرنے کے بعد، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے زندہ ہونے اور ایمان لانے کا ذکر ہے، فرمایا کہ:

''عبدالوہاب بن موسیٰ'' معلوم نہیں کہ یہ کونسا حیوان کذاب ہے، کیونکہ یہ حدیث جھوٹی ہے، اُن صحیح احادیث کے مخالف ہے، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ ''میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی، تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی'' ساتھ ہی علامہ ابنِ حجر نے فرمایا کہ اس موقع پر ذہبی نے ظن سے کلام کیا ہے، اور اس حدیث کے متہم ہونے سے سکوت اختیار کیا، اور قوی جرح پر یقین کا اظہار کیا۔ [1]

اور دارقطنی نے عبدالوہاب بن موسیٰ کی ابوالزناد سے مروی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دو احادیث کا ذکر کر کے، ان کو منکر اور باطل قرار دیا ہے، اور ابوغزیہ کو یا اس سے جو روایت کرتا ہے، اس کو ''متھم'' قرار دیا ہے۔

پھر علامہ ابنِ حجر نے ابنِ جوزی کے حوالہ سے فرمایا کہ محمد بن یحییٰ کی طرف

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقال الدارقطني :قال النقاش :كسرى أبو شروان.

جعلها كنية، وكان يدعو :لا رجعت يد قصدتك صفراء من عطائك، وإنما هي صفرا.

قال الخطيب :سمعت ابن الفضل القطان يقول:

حضرت النقاش وهو يجود بنفسه في ثالث شوال سنة إحدى وخمسين وثلاث مائة، فنادى بأعلى صوته (لمثل هذا فليعمل العاملون) (الصافات) يرددها ثلاثا.

ثم خرجت نفسه - رحمه الله -.

قلت :قد اعتمد الداني في (التيسير) على رواياته للقراء ات.

فالله أعلم، فإن قلبي لا يسكن إليه، وهو عندي متهم، عفا الله عنه(سير أعلام النبلاء، ج۱۵، ص۵۷۳ الی ۵۷۶ ملخصاً، تحت رقم الترجمة ۳۴۸)

[1] پیچھے علامہ ذہبی کی مذکورہ حدیث کے ایک راوی ''محمد بن حسن بن زیاد'' کے متعلق سخت جرح گزر چکی ہے۔ محمد رضوان خان۔

دارقطنی نے حدیث گھڑنے کی نسبت کی ہے۔

اورابنِ جوزی نے اپنے شیخ ''ابنِ ناصر'' سے اس حدیث کا موضوع اور جھوٹا ہونا نقل کیا ہے، کیونکہ ''آمنة بنتِ وهب'' کی قبر ''ابواء'' مقام پر ہے، جبکہ اس جھوٹی روایت کے راوی ابوغزیۃ کے گمان کے مطابق ''آمنة بنتِ وهب'' کی قبر ''حجون'' مقام میں ہے، اورابنِ جوزی سے پہلے اس حدیث کے موضوع اور جھوٹا ہونے اور حضرت بریدہ کی حدیث کے مخالف ہونے کی جورقانی نے تصریح کی ہے۔ [1]

---

[1] عبد الوهاب بن موسى [أبو العباس]
عن عبد الرحمن بن أبى الزناد بحديث: إن الله أحيى لى أمى فآمنت بى ...الحديث.
لا يدرى من ذا الحيوان الكذاب فإن هذا الحديث كذب مخالف لما صح أنه عليه السلام استأذن ربه فى الاستغفار لها فلم يؤذن له، انتهى.
قلت: تكلم الذهبى فى هذا الموضع بالظن فسكت عن المتهم بهذا الحديث وجزم بجرح القوى .
وقد قال الدارقطنى فى "غرائب مالك "فى روايته، عن أبى الزناد – بعد فراغ أحاديث مالك، عن أبى الزناد عن سعيد بن المسيب فى قصة –: ويروى عن مالك، عن أبى الزناد عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة حديثان منكران باطلان ...فذكر ما سيأتى فى ترجمة على بن أحمد الكعبى [5300]إلى أن قال: وهذا كذب على مالك والحمل فيه على أبى غزية والمتهم به هو، أو من حدث عنه وعبد الوهاب بن موسى ليس به بأس.
وأخرج ابن الجوزى فى الموضوعات من طريق عمر بن الربيع الزاهد , حدثنا على بن أيوب الكعبى حدثنى محمد بن يحيى أبو غزية الزهرى، عن عبد الوهاب ...فذكر الحديث مطولا .ثم ساقه من طريق آخر فيه محمد بن الحسن النقاش المفسر قال: حدثنا أحمد بن يحيى , حدثنا محد بن يحيى، عن عبد الوهاب.
ثم قال ابن الجوزى النقاش ليس بثقة وأحمد بن يحيى، ومحمد بن يحيى مجهولان.
وأما قوله: على بن أيوب الكعبى فوافقه عليه ابن عساكر لما أخرج هذا الحديث بطوله كما سيأتى فى ترجمة عمر بن الربيع [5618]وسمى الدارقطنى أباه أحمد.
وأما محمد بن يحيى فليس بمجهول بل هو معروف له ترجمة جيدة فى تاريخ مصر لأبى سعيد بن يونس.
ورماه الدارقطنى بالوضع وهو أبو غزية محمد بن يحيى الزهرى وسيأتى ذكره فى موضعه [7539].

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد سہیلی نے ''الروضُ الانف فی شرح السیرة النبویة'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس حدیث کو عجیب وغریب سند کے ساتھ روایت کرنے کے بعد اس کے متعلق ''غریبٌ لعلۂ ان یصح'' فرمایا، اور اس کی سند میں ''مجھول'' راوی ہونے کا ذکر کیا۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما أحمد بن يحيى فلم يظهر من سند النقاش ما يتميز به وفي طبقته جماعة كل منهم أحمد بن يحيى أقربهم إلى هذا السند أحمد بن يحيى بن زكير فإنه مصرى وعلى الكعبى مصرى كما قال الدارقطني.

وقد ذكر الخطيب: عبد الوهاب بن موسى صاحب الترجمة في الرواة عن مالك وكناه أبا العباس ونسبه زهريا.

وأورد له من طريق سعيد بن أبي مريم عنه عن مالك، عن عبد الله بن دينار أثرا موقوفا على عمر في قصة له مع كعب الأحبار وقال: إنه تفرد به ولم يذكر فيه جرحا.

وأورده الدارقطني في الغرائب من هذا الوجه وقال: هذا صحيح عن مالك وعبد الوهاب بن موسى ثقة ومن دونه كذلك.

ونقل ابن الجوزي عن شيخه محمد بن ناصر: أن هذا الحديث موضوع لأن قبر آمنة بالأبواء كما ثبت في الصحيح وأبو غزية هذا زعم أنه بالحجون.

وسبق ابن الجوزي إلى الحكم بوضعه ومعارضته بحديث بريدة: الجوزقاني في كتاب الأباطيل.

وسيأتي في ترجمة عمر بن الربيع [5618]زيادة في الكلام على حديث أبي غزية، عن عبد الوهاب بن موسى.

وقد وجدت له شاهدا من حديث أبي هريرة وآخر من حديث ابني مليكة الجعفيين وآخر من حديث أبي رزين العقيلي والله المستعان .(لسان الميزان، ج ۵، ص ۳۰۸ الیٰ ۳۱۰، تحت رقم الترجمة ۴۹۸۷، تابع حرف العين)

[1] وروى حديث غريب لعله أن يصح .وجدته بخط جدى أبي عمران أحمد بن أبي الحسن القاضي- رحمه الله- بسند فيه مجهولون، ذكر أنه نقله من كتاب، انتسخ من كتاب معوذ بن داود بن معوذ الزاهد يرفعه إلى [عبد الرحمن ابن] أبي الزناد عن [هشام بن] عروة، عن [أبيه عن] عائشة- رضي الله عنها- أخبرت أن رسول الله- صلى الله عليه وسلم- سأل ربه أن يحيي أبويه، فأحياهما له، وآمنا به، ثم أماتهما، والله قادر على كل شيء، وليس تعجز رحمته وقدرته عن شيء، ونبيه عليه السلام أهل أن يخصه بما شاء من فضله، وينعم عليه بما شاء من كرامته- صلوات الله عليه وآله وسلم-.

قال القرطبي في تذكرته: جزم أبو بكر الخطيب في كتاب: السابق واللاحق، وأبو حفص عمر بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ جس روایت میں ''مجھول'' اور ''متھم بالکذب'' اور ''شدید جرح'' والے راوی ہوں، اس کو ''صحیح'' قرار دینے کو صحیح نہیں کہا جا سکتا۔

یحییٰ بن ابی بکر بن محمد بن یحییٰ عامری حرضی (المتوفیٰ: 893ہجری) لکھتے ہیں:

**وورد حديث في إسناده مقال أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم سأل ربه أن يحيى أبويه فأحياهما له وآمنا به والاحاديث الصحيحة مصرحة بنفي ذلك** (بهجة المحافل وبغية الأماثل في تلخيص المعجزات والسير والشمائل، ج ١ ص ۴۴، القسم الاول، الباب الثاني، مطلب في الكلام على إحياء الله تعالى له أبويه حتى آمنا به)

ترجمہ: اور ایک حدیث یہ وارد ہوئی ہے، جس کی سند میں کلام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب سے اپنے ماں باپ کے زندہ کیے جانے کی دعاء کی، اللہ نے ان دونوں کو زندہ فرما دیا، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے، لیکن صحیح احادیث اس کی نفی کی تصریح کرتی ہیں (بهجة المحافل)

اور علامہ ابنِ کثیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے مروی مذکورہ حدیث کے متعلق فرمایا کہ یہ حدیث شدید منکر ہے، اور اس سلسلہ میں جو صحیح حدیث وارِد ہوئی ہیں، وہ اس کے مخالف ہیں۔

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

شاهين في كتاب الناسخ والمنسوخ له في الحديث بإسناديهما عن عائشة- رضي الله عنها- قالت: حج بنا رسول الله- صلى الله عليه وسلم- حجة الوداع، فمر على قبر أمه، وهو باك حزين مغتم، فبكيت لبكائه- صلى الله عليه وسلم- ثم إنه نزل فقال: يا حميراء استمسكي، فاستندت إلى جنب البعير، فمكث عني طويلا مليا، ثم إنه عاد إلي، وهو فرح متبسم، فقلت له: بأبي أنت وأمي يا رسول الله نزلت من عندي، وأنت باك حزين مغتم .فبكيت لبكائك.

ثم عدت إلي، وأنت فرح مبتسم، فمم ذا يا رسول الله، فقال: ذهبت لقبر آمنة أمي، فسألت أن يحييها، فأحياها فآمنت بي ؛ أو قال: فامنت.وردها الله عز وجل(الروض الأنف في شرح السيرة النبوية للسهيلي، ج٢ ص١٨٧، ١٨٨، وفاة آمنة وحال رسول الله صلى الله عليه وسلم مع جده عبد المطلب بعدها)

یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث جو سند سے مروی ہے، اس میں صرف والدہ کے زندہ کیے جانے کا ذکر ہے، لیکن بعد کے بعض حضرات نے والدین (یعنی والدہ کے ساتھ والد) کے زندہ کیے جانے کا ذکر کر دیا، جیسا کہ اوپر کی عبارت میں بھی گزرا، جو ہمیں باسند طریقہ پر نہیں ملا، جس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ کیے جانے کا حکم لگانا اور زیادہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ [1]

---

[1] قلت :وإخباره صلى الله عليه وسلم عن أبويه وجده عبد المطلب بأنهم من أهل النار لا ينافى الحديث الوارد عنه من طرق متعددة أن أهل الفترة والأطفال والمجانين والصم يمتحنون فى العرصات يوم القيامة، كما بسطناه سندا ومتنا (فى تفسيرنا) عند قوله تعالى (وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا) فيكون منهم من يجيب ومنهم من لا يجيب.

فيكون هؤلاء من جملة من لا يجيب فلا منافاة.

ولله الحمد والمنة.وأما الحديث الذى ذكره السهيلى وذكر أن فى إسناده مجهولين إلى ابن أبى الزناد، عن عروة، عن عائشة رضى الله عنها، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سأل ربه أن يحيى أبويه، فأحياهما وآمنا به، فإنه حديث منكر جدا.

وإن كان ممكنا بالنظر إلى قدرة الله تعالى.

لكن الذى ثبت فى الصحيح يعارضه .والله أعلم(السيرة النبوية،لا بن كثير،ص ٢٣٩،ذكر رضاعه عليه الصلاة والسلام من حليمة بنت أبى ذؤيب السعدية)

والمقصود أن عبد المطلب مات على ما كان عليه من دين الجاهلية خلافا لفرقة الشيعة فيه وفى ابنه أبى طالب على ما سيأتى فى وفاة أبى طالب، وقد قال البيهقى -بعد روايته هذه الأحاديث فى كتابه دلائل النبوة :وكيف لا يكون أبواه وجده عليه الصلاة والسلام بهذه الصفة فى الآخرة وقد كانوا يعبدون الوثن، حتى ماتوا ولم يدينوا دين عيسى بن مريم عليه السلام، وكفرهم لا يقدح فى نسبه عليه الصلاة والسلام لأن أنكحة الكفار صحيحة.

ألا تراهم يسلمون مع زوجاتهم فلا يلزمهم تجديد العقد ولا مفارقتهن إذا كان مثله يجوز فى الإسلام وبالله التوفيق.انتهى كلامه.

قلت :وإخباره صلى الله عليه وسلم عن أبويه وجده عبد المطلب بأنهم من أهل النار لا ينافى الحديث الوارد عنه من طرق متعددة أن أهل الفترة والأطفال والمجانين والصم يمتحنون فى العرصات يوم القيامة، كما بسطناه سندا ومتنا فى تفسيرنا عند قوله تعالى :(وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا) فيكون منهم من يجيب ومنهم من لا يجيب.

فيكون هؤلاء من جملة من لا يجيب فلا منافاة ولله الحمد والمنة.

وأما الحديث الذى ذكره السهيلى وذكر أن فى إسناده مجهولين إلى ابن أبى الزناد عن عروة عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین سے متعلق اپنے رسالہ میں فرمایا کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے دوبارہ زندہ کیے جانے اور ایمان لانے کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے مروی یہ حدیث، محدثین کی اتفاقِ رائے کے مطابق ضعیف ہے، جیسا کہ اس کا علامہ سیوطی نے بھی اعتراف کیا ہے، اور ابنِ کثیر نے فرمایا کہ یہ شدید منکر ہے، اور اس کے راوی مجہول ہیں۔

پس شیخ ابنِ حجر مکی (شافعی) کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح ہے، جس کو کئی حفاظِ حدیث نے صحیح قرار دیا ہے، یہ نا قابلِ اعتبار بات ہے، بلکہ یہ صریح جھوٹ ہے، کیونکہ اصل حفاظِ حدیث سے اس حدیث کا صحیح ہونا منقول نہیں، یہی وجہ ہے کہ علامہ سیوطی نے اپنے متعدد رسائل میں اس حدیث کے ضُعف پر اتفاق نقل کیا ہے، اگر اس کا کوئی ایک طریق بھی صحیح ہوتا، تو علامہ سیوطی، ترجیح کے موقع پر اس کا ضرور ذکر کرتے (جبکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات پر کئی رسائل تالیف کیے، اور زیادہ سے زیادہ دلائل جمع کرنے کی کوشش کی) ابنِ کثیر نے، حافظ ابنِ دحیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ومَن گھڑَت ہے، جس کی قرآن اور اجماعِ امت سے تردید ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے فوت ہونے کے بعد زندہ کیے جانے اور ایمان لانے کا ثبوت نہیں پایا جاتا، بالخصوص جبکہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقع کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے، اور اس وقت میں صحابۂ کرام کی بہت بڑی

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عائشة رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سأل ربه أن يحيي أبويه، فأحياهما وآمنا به، فإنه حديث منكر جدا.

وإن كان ممكنا بالنظر إلى قدرة الله تعالى.

لكن الذي ثبت في الصحيح يعارضه والله أعلم(البداية والنهاية،لابن كثير، ج۲،ص ۳۴۲، ۳۴۳، كتاب سيرة رسول الله صلى الله عليه وسلم)

تعداد موجود تھی، مگران سے یہ حدیث مشہور و معتبر سند کے ساتھ مروی نہیں ہے۔

جہاں تک قُرطبی کے اِس قول کا تعلق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا زندہ کیا جانا، عقلاً اور شرعاً ممتنع نہیں (بلکہ ممکن ہے) تو اس کے امکان میں اُصولی اور فروعی اعتبار سے کوئی شبہ نہیں، البتہ کلام اوّلاً تو اس کے ثبوت میں ہے، اور پھر اس کی نفی میں ہے۔

پھر اس کے بعد ملا علی قاری نے فرمایا کہ قرطبی نے یہ بات بھی عجیب کہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ کیے جانے کی حدیث اور اُن کے لئے استغفار سے منع کیے جانے کی حدیث میں کوئی تعارُض نہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث حجۃ الوداع کے موقع کی ہے، اسی وجہ سے اس کو ابنِ شاہین نے دوسری احادیث کے لئے ناسخ ہونے کے طور پر ذکر کیا۔

قُرطبی کی اس بات کا عجیب ہونا مخفی نہیں، کیونکہ جب یہ حدیث محدثین کی اتفاقِ رائے سے ضعیف ہے، اور محققین کے نزدیک موضوع ہے، اور مفسرین کے نزدیک کتابُ اللہ کی ان تصریحات کے مخالف ہے (جن میں موت کے بعد ایمان لانے اور توبہ کیے جانے کی نفی اور دنیا میں لوٹنے کی اجازت نہ ملنے کی صراحت پائی جاتی ہے)

تو اس میں، اس بات کی صلاحیت کیونکر ہوگی کہ یہ مسلم کی صحیح حدیث (اور اس باب کی دیگر معتبر احادیث) کے معارِض ہوجائے، اور گزشتہ دلائل کے مقابلہ میں آجائے (جو بے شمار نصوصِ صریحہ پر مبنی ہیں) [1]

[1] والعجب من الشيخ جلال الدين السيوطي مع إحاطته بهذه الآثار التي كادت أن تكون متواترة في الأخبار أنه عدل عن متابعة هذه الحجة وموافقة سائر الأئمة وتبع جماعة من العلماء المتأخرين وأورد أدلة واهية في نظر الفضلاء المعتبرين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا جن صحیح احادیث کے مخالف ہونا بیان کیا، وہ احادیث اسی فصل میں پیچھے گزر چکی ہیں، اور ملا علی قاری نے اس حدیث کے قرآن وسنت کے جن دلائل کے مخالف ہونا قرار دیا، ان میں سے بعض دلائل اور نصوص کا ذکر اس سے پہلی فصلوں میں گزر چکا ہے، اور کچھ کا ذکر آگے ''خاتمہ'' میں آتا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے مروی حدیث، جس میں

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

منها أن الله سبحانه أحيى به أبويه حتى آمنا به مستدلا بما أخرجه ابن شاهين فى الناسخ والمنسوخ والخطيب البغدادى فى السابق واللاحق والدارقطنى وابن عساكر كلاهما فى غرائب مالک بسند ضعيف عن عائشة رضى الله عنها قالت

حج بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حجة الوداع فمر بى على عقبة الحجون وهو باک حزين مغتم فنزل فمكث عنى طويلا ثم عاد إلى وهو فرح فتبسم فقلت له فقال ذهبت لقبر أمى فسألت الله أن يحييها فآمنت بى وردها الله عز وجل.

وهذا الحديث ضعيف باتفاق المحدثين كما اعترف به السيوطى وقال ابن كثير إنه منكر جدا ورواته مجهولون.

فقول الشيخ ابن حجر المكى فى شرح الهمزية هو حديث صحيح صححه غير واحد من الحفاظ مردود عليه بل كذب صريح وعيب قبيح مسقط للعدالة وموهن للرواية لأن السيوطى مع جلالته وكمال إحاطته ومبالغته فى رسائل متعددة من تصنيفاته ذكر الاتفاق على ضعف هذا الحديث فلو كان له طريق واحد صحيح لذكره فى معرض الترجيح.

ومن المعلوم أن بعده لم يحدث غير واحد من المحدثين الذين يصح كونهم من المصححين ومن ادعى فعليه البيان فى معرض الميدان هذا وقد قال الحافظ ابن دحية كما نقله العماد ابن كثير عنه، إن هذا الحديث موضوع يرده القرآن والإجماع قال الله تعالى (ولا الذين يموتون وهم كفار) انتهى.

والمعنى أنه ثبت كفرهما بما سبق من دلالة الآية السابقة المنضمة إلى رواية السنة المتقوية بإجماع الأمة مع قوله تعالى (ولا الذين يموتون وهم كفار) أى ليست التوبة صحيحة ممن مات وهو كافر لأن المعتبر هو الإيمان الغيبى لقوله تعالى (فلم يک ينفعهم إيمانهم لما رأوا بأسنا)

والحاصل انه لم يثبت إحياؤهما وإيمانهما والدليل على انتفائهما عدم استشهارهما عند الصحابة لا سيما والواقعة فى حجة الوداع والخلق الكثير فى خدمته بلا نزاع مع منافاته للقواعد الشرعية من عدم قبول الإيمان بعد مشاهدة الأحوال الغيبية بالإجماع

ثم دعوى الخصوصية يحتاج إلى إثبات الأدلة القوية فمن ادعى هذا الديوان فعليه البيان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کو اور بعض حضرات کے مطابق، والد اور والدہ، دونوں کو فوت ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زندہ کیا گیا، جس کے بعد وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، اور پھر اپنی مردہ حالت پر لوٹ گئے، یہ حدیث سند کے اعتبار سے نہ تو ''صحیح'' ہے، اور نہ ہی اس قابل ہے کہ اس سے کسی ایسے عقیدہ کے لیے دلیل پکڑی جاسکے کہ جس کو ان نصوص سے استثناء حاصل ہو، جن میں فوت ہونے کے بعد توبہ اور ایمان قبول کیے جانے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما الاستدلال بالقدرة الإلهية وقابلية الخصوصية للحضرة النبوية فأمر لا ينكره أحد من أهل الملة الحنيفية وإنما الكلام فى إثبات هذا المرام بالأدلة على وجه النظام لا بالإحتمال الذى لا يصلح للاستدلال خصوصا فى معارضة نصوص الأقوال.

وأما قول القرطبى فليس إحياؤهم يمتنع عقلا ولا شرعا فلا شبهة فى إمكانه أصلا وفرعا وإنما الكلام فى ثبوته أولا ونفيه ثانيا.

وبهذا يندفع ما أورده السهيلى فى الروض الأنف بسند فيه جماعة مجهولون إن الله أحيى له أباه وأمه فآمنا به.

ثم قال بعد إيراده الله قادر على كل شىء وليس تعجز رحمته وقدرته عن شىء ونبيه صلى الله عليه وسلم أهل أن يخصه بما شاء من فضله وأن ينعم بما شاء من كرامته.

قلت ولو صح هذا الإحياء لأظهره صلى الله عليه وسلم على الأعداء فضلا عن الأحباء من أكابر الصحابة ولم يكتف بذكره لعائشة من بين أحبابه،على أن رواية عائشة رضى الله عنها لو صحت لانتشر عنها إلى التابعين وغيرهم وشاعت فإنه لو صح إحياء أبويه وإيمانهما لكان من آظهر معجزاته وأكبر كراماته صلى الله عليه وسلم.

فتبين من هذا أن هذا من موضوعات الرفضة وإنما نسبوا الحديث إلى عائشة تبعيدا عن الظن بوضعهم وتأكيدا للقضية فى ثقة إثباتهم.

وأغرب القرطبى حيث قال لا تعارض بين حديث الإحياء وحديث النهى عن الاستغفار لهما بدليل حديث عائشة رضى الله عنها أن ذلك كان فى حجة الوداع ولذلك جعله ابن شاهين ناسخا لما ذكر من الأخبار انتهى.

ولا يخفى وجه الغرابة فإن الحديث إذا كان ضعيفا باتفاق المحدثين وموضوعا عند المحققين ومخالفا للكتاب عند المفسرين كيف يصلح أن يكون معارضا لحديث مسلم فى الصحيح ومناقضا لما سبق مما كاد أن يكون متواترا فى التصريح أو كيف يمكن أن يكون ناسخا والنسخ لا يجوز فى الأخبار عند علماء الأعلام وإنما هو من مختصات الإنشاء والأحكام وإلا فيلزم الخلف فى أخباره ويتوجه البداء فى آثاره وهو متعال عن ذلك علوا كبيرا(أدلة معتقد أبى حنيفة فى أبوى الرسول عليه الصلاة والسلام،للملا على القارى،ص٨٥ الیٰ ٩١،الرد على السيوطى)

اور ایمان کی غرض سے دنیا میں لوٹائے جانے اور عذاب سے نجات ملنے کی نفی پائی جاتی ہے۔
دوسری طرف اس حدیث میں ایسے راوی پائے جاتے ہیں کہ جن پر سخت جرح ہوئی ہے، یہاں تک کہ ''متھم بالکذب'' کی جرح بھی شامل ہے، اسی لیے بہت سے محققین واصحابِ فن نے مذکورہ حدیث کو ''موضوع'' اور ''جھوٹا'' قرار دیا ہے۔
لہٰذا اس حدیث کو صحیح قرار دینا، اور اس کی وجہ سے قرآن وسنت کے نصوص اور صحیح احادیث کے خلاف کوئی عقیدہ بنانا درست نہیں، اگرچہ بہت سے متاخرین اصحابِ علم کی طرف سے اس حدیث کو نقل کیا جاتا رہا، اور اس کے مطابق عقیدہ ہونے کا حکم لگایا جاتا رہا، جیسا کہ آگے علامہ ابنِ عابدین شامی وغیرہ کے حوالہ سے آتا ہے، لیکن حق وصواب ہونے کے مضبوط دلائل اس کے برخلاف ثابت ہوئے، اور اتباع تو حق وصواب اور مضبوط دلائل ہی کی کرنی چاہئے، خواہ وہ کسی کے بھی ساتھ ہوں۔

## مشرک کے لیے شفاعت کی اجازت نہ ملنے کی نظیر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدین کے لیے شفاعت واستغفار کی اجازت نہ ملنے کی وجہ پیچھے احادیث میں گزر چکی ہے کہ ان کا خاتمہ شرک کی حالت میں ہوا، اور مشرک کے بارے میں اللہ کا فیصلہ یہی ہے کہ اس کی مغفرت نہیں کی جاتی، اور شرک کی حالت میں فوت ہوجانے کے بعد شفاعت واستغفار کی اجازت نہ ہونے کی حیثیت ایسی ہے، جیسا کہ دنیا میں حاکم کے سامنے اللہ کی حدود میں سے کسی حد کا جرم تبین اور ثابت ہوجائے، جس کے بعد شفاعت کرنے کی اجازت نہیں۔
چنانچہ حضرت صفوان بن امیّہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**أَنَّهُ نَامَ فِي الْمَسْجِدِ وَتَوَسَّدَ رِدَاءَهُ، فَأُخِذَ مِنْ تَحْتِ رَأْسِهِ، فَجَاءَ بِسَارِقِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ**

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنْ یُّقْطَعَ، فَقَالَ صَفْوَانُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَمْ أُرِدْ هٰذَا، رِدَائِیْ عَلَیْهِ صَدَقَةٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: فَهَلَّا قَبْلَ أَنْ تَأْتِیَنِیْ بِهٖ (سنن ابن ماجه، رقم الحدیث ۲۵۹۵، کتاب الحدود، باب من سرق من الحرز، مسند الإمام أحمد، رقم الحدیث ۱۵۳۰۳) [1]

ترجمہ: حضرت صفوان مسجد میں سو گئے اور اپنی چادر سر کے نیچے رکھ لی کسی (چور) نے چادر اِن کے سر کے نیچے سے نکال لی وہ اس چور کو نبی کے پاس لائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (چوری ثابت ہونے پر) حکم دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے تو حضرت صفوان نے عرض کیا کہ میرا یہ مقصد نہ تھا میری یہ چادر اس پر صدقہ ہے (یعنی انہوں نے چور کو معاف کرنا چاہا) تو اللہ کے رسول نے فرمایا کہ اگر ایسا (یعنی معاف) کرنا تھا تو میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ (معاف) کیا (ابن ماجہ، مسند احمد)

معلوم ہوا کہ حاکم کے سامنے جرم کے ثبوت سے پہلے حدود کو معاف کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے بعد کسی کا معاف کرنا درست نہیں رہتا۔ [2]

اسی لئے احادیث میں حاکم سے معافی کی سفارش وشفاعت کرنے پر وعید آئی ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ قُرَیْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُوْمِیَّةِ الَّتِیْ سَرَقَتْ، فَقَالُوْا: وَمَنْ یُکَلِّمُ فِیْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالُوْا: وَمَنْ یَجْتَرِئُ

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح بطرقه (حاشیة سنن ابنِ ماجه)
وقال ایضاً: حدیث صحیح بطرقه وشاهده (حاشیة مسند احمد)

[2] قوله: (فأخذ من تحت رأسه) علی بناء المفعول (لم أرد هذا) أی: ما قصدت بإحضاره عندک أن تقطع یده (فهلا قبل أن تأتینی به) أی: لو ترکته قبل إحضاره عندی لنفعه ذلک، وأما بعد ذلک فالحق للشرع لا لک (حاشیة السندی علی سنن ابنِ ماجه، ج۲ ص ۱۲۶، ۱۲۷، کتاب الحدود، باب من سرق من الحرز)

عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، حِبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ، ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ، أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ أَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللّٰهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا (بخاری، رقم الحدیث ۳۴۷۵، کتاب احادیث الانبیاء، باب حدیث الغار)

ترجمہ: قریش کے لوگ ایک مخزومی عورت کے معاملہ میں بہت ہی فکر مند تھے، جس نے چوری کی تھی (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثبوت ہونے پر اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا تھا) وہ لوگ کہنے لگے کہ اس چوری کرنے والی عورت کے متعلق کون شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت (وسفارش) کرے گا، بعض لوگوں نے کہا کہ اسامہ بن زید جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے ہیں، چنانچہ اسامہ نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ کی قائم کردہ سزاؤں میں سے حد کے متعلق سفارشی بنتے ہو، یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے پھر خطبہ دیا، اور فرمایا کہ تم سے پہلی امتیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ ان میں جب کوئی شریف ومعزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور سزا نہ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے، قسم ہے اللہ کی! اگر فاطمہ محمد کی بیٹی بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالوں گا (بخاری)

معلوم ہوا کہ حدود کے جرائم میں حاکم کے سامنے ثبوت کے بعد کسی کو معافی کی شفاعت کرنا جائز نہیں۔

اورحضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریبی تھیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی عزیز کے لیے بھی معافی نہیں، تو دوسرے کی کیا حیثیت ہے؟ [1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُوْنَ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ، فَقَدْ ضَادَّ اللّٰهَ** (سنن أبی داود، رقم الحديث ۳۵۹۷، كتاب الاقضية، باب فيمن يعين على خصومة من غير أن يعلم أمرها) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس کی سفارش اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے (ثبوت کے بعد) جاری ہونے سے مانع بن گئی، تو بے شک اس نے اللہ سے ضد کی (ابوداؤد)

یعنی حاکم کے پاس جرم ثابت ہونے کے بعد کسی کی شفاعت کا اس میں حائل ہونا، اللہ کے حکم اور فیصلے کا مقابلہ ہے، جو کہ جائز نہیں۔ [3]

---

[1] وإنما خص صلى الله عليه وسلم فاطمة ابنته بالذكر لأنها أعز أهله عنده ولأنه لم يبق من بناته حينئذ غيرها فأراد المبالغة فی إثبات إقامة الحد على كل مكلف وترك المحاباة فی ذلك(فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج۱۲،ص۹۵، كتاب الحدود، باب كراهية الشفاعة فی الحد إذا رفع إلى السلطان)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح(حاشية سنن ابی داوٗد)

[3] (أيما رجل حالت شفاعته دون حد من حدود الله تعالى لم يزل فی سخط الله) أی غضبه (حتى ينزع) أی يقلع ويترك وهذا وعيد شديد على الشفاعة فی الحدود أی إذا وصلت إلى الإمام وثبتت كما يفيده أخبار آخر وإلا فالستر أفضل(فيض القدير للمناوی، تحت رقم الحديث ۲۹۶۶، حرف الهمزة)

قوله: ((من حالت شفاعته دون حد)) أی قدامه فيحجز عن الحد بعد وجوبه عليه بأن بلغ الإمام، وإنما قال: ((فقد ضاد الله)) لأن حدود الله حماه ومن استباح حمى الله وتعدى طوره، ونازع الله تعالى فيما حماه فقد ضاد الله(شرح المشكاة للطيبی، ج۸ص۲۵۳۷، كتاب الحدود، باب الشفاعة فی الحدود)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس اسی طرح شرک کی حالت میں فوت ہونے کے بعد اللہ کے سامنے شرک کا جرم ثابت ہونے والے کے حق میں جہنم کے دائمی عذاب سے بچاؤ کے لیے شفاعت واستغفار بھی اللہ کے اَٹل فیصلے کا مقابلہ ہے، جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین اعزہ کے لیے بھی اجازت نہیں دی گئی۔

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ سیرت سے متعلق بعض مشہور ومعروف کتابوں میں ان کے سیرت نگاروں نے بہت سی باتیں ایسی تحریر کردی ہیں، جن کی یا تو بالکل سند نہیں، یا وہ معتبر اسناد سے مروی نہیں، اور پھر بعد کے سیرت نگاروں نے اپنے سے پہلی کتابوں سے ان باتوں کو نقل کر دیا، اور یہ سلسلہ آگے چلتا رہا، پھر اردو زبان کی کتابوں میں بھی ان باتوں کو نقل کر دیا گیا، اور بالآخر وہ باتیں اتنی شہرت پکڑ گئیں کہ اب ان کی اسنادی بات کرنا یا ان کی اسناد پر کلام کرنا بھی بہت سے لوگوں کے لیے تعجب وحیرت کا باعث ہونے لگا۔

حالانکہ سند اور تحقیق کے بغیر کوئی بات کرنا اور اس کو آگے چلانا درست طرزِ عمل نہیں، اور کم از کم ہم اس طرح کی کسی بات کی اس وقت تک تصدیق کرنے کے لیے آمادہ نہیں، جب تک اس کا معتبر سند سے ثبوت نہ ملے، اور جہاں سند پر اطمینان نہ ہو، ایسی صورت میں اس سے سکوت

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(عن عبد الله بن عمر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من حالت) من الحيلولة أى حجبت (شفاعته دون حد) أى عنده والمعنى من منع بشفاعته حدا (من حدود الله) قال الطيبى: أى قدام حد فيحجز عن الحد بعد وجوبه عليه بأن بلغ الإمام (فقد ضاد الله) أى خالف أمره ;لأن أمره إقامة الحدود قال الطيبى: وإنما قال: فقد ضاد الله ;لأن حدود الله حماه ومن استباح حمى الله تعالى طوره ومن نازع الله تعالى فيما حما فقد ضاد الله(مرقاة المفاتيح، ج٦ص٢٣٦٧، كتاب الحدود، باب الشفاعة فى الحدود)

(من حالت شفاعته دون حد من حدود الله) يعنى رجل وجب عليه حد من حدود الله، فشفع فى رفع حد عند رجل آخر، فقبل شفاعته، ورفع الحد عنه بشفاعته (فقد ضاد الله) أى حاربه وسعى فى ضد ما أمر الله به(بذل المجهود فى حل سنن ابى داؤد، ج١١ص٣٢٤، كتاب القضاء، باب: فى الرجل يعين على خصومة من غير أن يعلم أمرها)

بہتر معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ** (مسلم، ج ۱ ص ۱۰ ،مقدمة،باب النهى عن الحديث بكل ما سمع)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے جھوٹ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سُنی ہوئی بات کو بیان کردے (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ** (صحيح البخارى، رقم الحديث ۶۴۷۵، كتاب الرقاق، باب حفظ اللسان)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، تو اُسے چاہئے کہ وہ خیر کی بات کہے، یا خاموش رہے (بخاری)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل ایمان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ایک عمل یہ بیان فرمایا کہ:

**وَأَنْ تَقُوْلَ خَيْرًا أَوْ تَصْمُتَ** (مسند أحمد، رقم الحديث ۲۲۱۳۲) [1]

ترجمہ: اور آپ خیر کی بات کریں، یا خاموشی اختیار کریں (مسند احمد)

## اس فصل کا خلاصہ

اس فصل کا خلاصہ یہ نکلا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ماں باپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت و استغفار سے منع کر دیا گیا تھا، جس کی وجہ یہ بتلائی گئی کہ وہ کفر و شرک کی حالت

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند أحمد)

میں فوت ہوئے، اور غیر ناجی ہوئے، اور کافر ومشرک کے لیے استغفار وشفاعت کی اجازت نہیں، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج وغم بھی ہوا، بلکہ شدت کے ساتھ رونا بھی آیا، اور صحابۂ کرام کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روتا دیکھ کر رونا آیا۔

کئی صحیح ومعتبر احادیث وروایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

اور تمام انبیاء کرام کے آباواجداد کے موحد وناجی ہونے، بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے لیے شفاعت کا استحقاق اور ان کے موحد وناجی ہونے یا ان کو فوت ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کی روایات، سند کے اعتبار سے معتبر اور قابلِ استدلال ثابت نہیں ہوسکیں، بلکہ اس طرح کی بیشتر احادیث وروایات کی اسناد میں اہلِ تشیع واہلِ رفض راوی پائے جاتے ہیں، جو تمام انبیاء واوصیاء کے آباواجداد کے موحد وناجی ہونے کے قائل ہیں، اور اس کے نتیجے میں ''آزر'' کو ابراہیم علیہ السلام کے والد کے بجائے ''چچا'' قرار دیتے ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ''وصی'' قرار دینے کی وجہ سے ان کے والد ''ابوطالب'' اور ان کے والد ''عبدالمطلب'' وغیرہ کے موحد وناجی ہونے کے قائل ہیں۔

اب یہ امر کس قدر تعجب خیز کہلائے جانے کا مستحق قرار پائے گا کہ صحیح اور مستند احادیث اور قرآن وسنت کی نصوص کو نظر انداز کر دیا جائے، اور ان کو بیان ونقل کرنے والے پر بھی نکیر کی جائے، اور اس کے بجائے غیر مستند وغیر معتبر، بلکہ جھوٹی احادیث کا سہارا پکڑ کر ایک عقیدے کی بنیاد رکھی جائے، اور اس کی خوب تبلیغ وتشہیر کی جائے، اور اس کے مطابق پختہ عقیدہ بنالیا جائے، اور جس عمل پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اتباع میں رنج وغم کی ضرورت تھی، اس پر خوشی کا اظہار کیا اور کرایا جائے، اور نعرے بازی تک کرائی جائے۔

اللہ اس قسم کی بے اعتدالیوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

واللہ تعالٰی أعلم .

(خاتمہ)

# اہلِ علم حضرات کے حوالہ جات وعبارات

اوراگرچہ ایک منصف مزاج اور غیر متعصب وغیر متعنت کے لیے مذکورہ دلائل کی روء سے فیصلہ کرنا زیادہ دشوار نہیں، جیسا کہ اس طرح کے دلائل کے دوسرے مسائل میں پائے جانے پر بھی یہی طرزِ عمل اختیار کیا جاتا ہے، لیکن چونکہ اس مسئلہ میں ایک عرصہ سے روایت در روایت اور نقل در نقل مختلف قسم کی غلط فہمیاں پائی جارہی ہیں، اور اس سلسلہ میں چند متاخرین کے اقوال کو پیش ونقل کرکے مذکورہ دلائل اور ان کے مطابق جمہور کے موقف میں التباس پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، بلکہ غیر جمہور کے قول کو جمہور کا قول اور جمہور کے قول کو غیر جمہور کا قول باور کرایا جارہا ہے، اس لیے تبرعاً واستحساناً اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق چند اصحابِ علم کی آراء بھی ذکر کی جاتی ہیں، جبکہ بعض اہلِ علم حضرات کی آراء پہلے بھی ذکر کی جاچکی ہیں۔

## امام بیہقی کا حوالہ

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 458ہجری) کی ''دلائلُ النبوۃ'' کے حوالہ سے یہ عبارت پہلے گزرچکی ہے کہ:

**وكيف لا يكون أبواه وجده بهذه الصفة فی الآخرة، وكانوا يعبدون الوثن حتى ماتوا، ولم يدينوا دين عيسى بن مريم عليه السلام وأمرهم لا يقدح فی نسب رسول الله، صلى الله عليه وسلم، لأن أنكحة الكفار صحيحة، ألا تراهم يسلمون مع**

**زوجاتهم فلا يلزمهم تجديد العقد، ولا مفارقتهن** (دلائل النبوة، للبيهقي، ج ١، ص ١٩٢، ١٩٣، جماع أبواب مولد النبي صلى الله عليه وسلم، باب ذكر وفاة عبد الله أبي رسول الله صلى الله عليه وسلم ووفاة أمه آمنة بنت وهب ووفاة جده عبد المطلب بن هاشم)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور دادا، آخرت میں اسی (کفر کی) صفت پر (محشوراور دوبارہ زندہ) کیوں نہیں ہوں گے، جبکہ وہ اپنی وفات تک بُت پرستی میں مبتلا رہے، اور وہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے دین پر ایمان نہیں لائے، لیکن ان کا یہ معاملہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں عیب کا باعث نہیں، کیونکہ کفار کا نکاح درست وصحیح ہوتا ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کفار، اگر اپنی بیویوں کے ساتھ اسلام لے آئیں، تو اُن کو نکاح کی تجدید لازم نہیں ہوتی، اور نہ میاں بیوی میں علیحدگی کرانے کی ضرورت ہوتی (بیہقی)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے نبی صلی اللہ عیہ وسلم کے والدین اور دادا کے کافر ہونے کے باوجود، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کے جو پاکیزہ ہونے کا حکم لگایا، وہ بلا شک وشبہ درست ہے۔

چنانچہ بعض احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ولادت کے نکاح کے ذریعہ سے اور پاک ہونے کا حکم لگایا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

## ’’الفقهُ الاکبر‘‘ کا حوالہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب عقائد کے متعلق رسالہ ’’الفقهُ الاکبر‘‘ میں ہے:

**ووالدا رسول الله صلى اللهُ عليهِ وسلمَ ماتَا على الكفر، وابو طالِبٍ عمُّهُ** (الفقه الأكبر لأبي حنيفة النعمان، الجزء الاول، صفحه ٢٨١، برواية

حماد بن ابی حنیفة، شرحاً ودراسةً .محمد بن عبدالرحمن الخمیس، مکتبةُ الرشد، المملکة العربیة السعودیة الریاض، الطبعة الاولیٰ ۲۰۱۵ء)

ترجمہ: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر کی حالت میں فوت ہوئے، اور آپ کے چچا ابو طالب بھی (الفقہ الاکبر)

مذکورہ عبارت ''الفقهُ الاکبر'' کے موجودہ زمانہ کے بعض نسخوں میں موجود نہیں، لیکن ہم نے اس کے قدیمی اکثر نسخوں اور اس کی بیشتر قدیم وجدید شروحات میں اس عبارت اور اس کی شرح کو موجود پایا، ملا علی قاری رحمہ اللہ کے پیشِ نظر جو نسخہ تھا، اس میں بھی یہ عبارت موجود تھی، جس کا انہوں نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

## ''شرحُ الفقهِ الاکبر'' کا حوالہ

''الفقه الأكبر'' کی مذکورہ عبارت کی تشریح کرتے ہوئے ''محمد بن عبدالرحمن الخميس'' لکھتے ہیں:

الشرح: والدا رسول الله صلى الله عليه وسلم ماتا على الكفر، وفي هذا رد على من زعم أنهما ماتا على الايمان، أو ماتا على الكفر ثم احياهما الله فماتا في مقام الايمان.

وقد افرد بعض علماء الحنفية في اثبات انهما ماتا على الكفر رسائل مستقلة، ومنهم الامام ابراهيم بن محمد الحلبي (ت ۹۴۵) بعنوان " رسالة في حق أبوي الرسول" وكذلك الملا على القاري أفرد هذه المسألة برسالة مستقلة، وسماها على نمط عنوان رسالة الامام الحلبي.

وجاء في هاتين الرسالتين، أن القول بموتهما على الكفر، هو

مطابق للأدلة الصحيحة واجماع الأمة (الفقه الأكبر لأبى حنيفة النعمان شرحاً ودراسة، الجزء الاول، صفحه ۲۸۱، شرح الفقه الاكبر برواية حماد بن ابى حنيفة، والدا رسول الله وعمه ابو طالب، مكتبةُ الرشد، المملكة العربية السعودية الرياض، الطبعة الاولىٰ ۲۰۱۵ء)

ترجمہ: شرح: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر کی حالت میں فوت ہوئے، اس میں اس شخص پر رَد ہے، جس کا گمان یہ ہے کہ وہ ایمان کی حالت میں فوت ہوئے، یا کفر کی حالت میں فوت ہوئے، لیکن بعد میں اللہ نے ان کو زندہ کیا، پھر وہ ایمان کی حالت میں فوت ہوئے۔

اور بعض علمائے حنفیہ کے اس پر مستقل رسائل ہیں، جن میں ان کے کفر پر فوت ہونے کو ثابت کیا گیا ہے، جن میں سے ایک رسالہ امام ابراہیم بن محمد حلبی (المتوفیٰ: 945ہجری) کا ہے، جس کا نام ''رسالة فى حق ابوى الرسول'' ہے، اور اسی طریقے سے ملا علی قاری نے اس موضوع پر مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کا نام امام حلبی کے رسالے کے عنوان کے مطابق رکھا ہے۔

اور ان دونوں رسالوں میں یہ بات مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا کفر پر فوت ہونا صحیح دلائل اور اجماعِ امت کے مطابق ہے (الفقه الأكبر لأبى حنيفة النعمان شرحاً ودراسة)

مذکورہ دونوں رسائل کی عبارات وحوالہ جات آگے آتے ہیں۔

## ''مختصرُ الحكمة النبوية فى شرح الفقه الاكبر'' کا حوالہ

شیخ اسحاق حکیم رومی (المتوفیٰ: 950ہجری) ''الفقهُ الاكبر'' کی شرح ''مختصر الحكمة النبوية'' میں فرماتے ہیں:

(ووالدا رسول الله صلى اللهُ عليهِ وسلمَ ماتَا على الكفر)

هـذا رد عـلـى من قال بأن والدى رسول الله صلى الله عليه وسلم مـاتـا عـلـى الايمان ، وعلىٰ من قال ماتا على الكفر، ثم رسول الله صـلى الله عليه وسلم دعا الله لهما، فاحياهما الله تعالىٰ، واسلما، ثـم مـاتاعلى الايمان (شـرح الـفـقـه الأكبـر – المسمى مختصر الحكمة النبوية، صـفـحة ٣٤٦، والـدا رسـول الـله صلى الله عليه وسلم ، مطبوعة: دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان)

ترجمہ: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر کی حالت میں فوت ہوئے۔

اس عبارت میں اس شخص پر رَد ہے، جو یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ایمان کی حالت میں فوت ہوئے، اور اس پر بھی رَد ہے، جو یہ کہتا ہے کہ وہ کفر کی حالت میں فوت ہوئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے ان کے لیے دعاء کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کردیا، اور یہ اسلام لے آئے، پھر وہ ایمان کی حالت میں فوت ہوئے (مختصر الحكمة النبوية)

مذکورہ شرح ملا علی قاری رحمہ اللہ کی ''الـفـقـه الاكبر '' کی شرح سے مقدم ہے، جس میں وہی موقف اختیار کیا گیا ہے، جو ملا علی قاری وغیرہ نے اختیار کیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

## ''منحُ الروض الازهر فی شرح الفقه الاكبر'' کا حوالہ

ملا علی قاری (المتوفیٰ: 1014 ہجری) ''الـفـقـه الاكبر '' کی شرح میں مذکورہ عبارت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

(ووالدا رسول الله صلى اللهُ عليهِ وسلمَ ماتَا على الكفر)

وهذا رد على من قال انهما ماتا على الايمان اوماتا على الكفر، ثم

**احیاهما الله، فماتا فی مقام الایمان، وافردت لهذا المسئلة رسالة مستقلة، ودفعت ماذکره السیوطی فی رسائله الثلاث فی تقویة هذه المقالة بالادلة الجامعة المجتمع من الکتاب والسنة والقیاس واجماع الامة.**

**ومن غریب ماوقع فی هذه القضیة انکار بعض الجهلة علیّ فی بسط هذا الکلام، بل شار الی انه غیر لائق بمقام الامام، وهذا بعینه کما قال الضال جهم بن سفیان وددت ان احک من المصحف قوله تعالیٰ "ثم استویٰ علی العرش"** (منح الروض الازهر فی شرح الفقه الاکبر، صفحه ۳۱۰، دارالبشائر الاسلامیة، بیروت، الطبعةُ الاولیٰ ۱۹۹۸ء)

ترجمہ: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر کی حالت میں فوت ہوئے۔

اس عبارت میں اس شخص پر رَد ہے، جو یہ کہتا ہے کہ وہ ایمان کی حالت میں فوت ہوئے، یا کفر کی حالت میں فوت ہوئے، پھر ان کو اللہ نے زندہ کیا، پھر وہ ایمان کی حالت میں فوت ہوئے، اور میں نے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ تالیف کیا ہے، جس میں میں نے علامہ سیوطی کے اپنے تینوں رسالوں میں قوی قرار دیے ہوئے موقف کا جامع دلائل کے ذریعہ سے جواب دیا ہے، جس میں کتاب وسنت، قیاس اور اجماعِ امت کے دلائل جمع ہیں۔

اور اس سلسلہ میں عجیب بات یہ ہے کہ بعض جاہل لوگوں نے اس مقام پر تفصیلی کلام کرنے کی وجہ سے میرے اوپر نکیر کی، اور مجھ سے یہ کہہ کر عداوت ومخاصمت کی کہ یہ بات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی شان کے لائق نہیں ہے (لہٰذا اس کو امام ابوحنیفہ کا کلام قرار دینا محلِ نظر ہے)

اور یہ بات بعینہٖ ''جھم بن سفیان'' گمراہ کے اس قول کی طرح ہے، جس میں اس نے کہا تھا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ قرآن مجید سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کو مٹادوں کہ ''ثم استویٰ علی العرش''(منح الروض الازھر)

ملاعلی قاری نے جو موقف اختیار کیا، وہ موقف ان سے پہلے بھی ''الفقه الأکبر'' کے متعدد شراح اختیار کر چکے ہیں، لہٰذا بعض لوگوں کا ملاعلی قاری کو بلاوجہ متہم و مطعون کرنا درست نہیں۔

ملاعلی قاری رحمہ اللہ کی وفات 1014 ہجری ہے، جبکہ علامہ جلال الدین سیوطی کی وفات 911 ہجری ہے، جنھوں نے زور وشور کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ناجی ہونے کے مسئلہ کو چلایا۔

اور ملاعلی قاری نے مذکورہ عبارت میں دراصل علامہ سیوطی اوران کے ہم نوا حضرات کی تردید کی ہے، خود ملاعلی قاری نے اپنے ایک مستقل رسالہ میں بھی علامہ سیوطی پر رَد کیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اور ہم اس موقع پر افسوس کے ساتھ یہ بات کہنے پر مجبور ہیں کہ جس طرح بعض حضرات نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر پر فوت ہونے سے متعلق ''الفقهُ الأکبر'' کی عبارت کو ہی بعض نسخوں سے حذف یا تبدیل کر دیا، اسی طرح ملاعلی قاری رحمہ اللہ کی مذکورہ شرح سے ان کی بیان کردہ تشریح کو بھی بعض حضرات نے حذف کر دیا، حالانکہ جس طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی یہ عبارت ''الفقه الأکبر'' کے قدیمی نسخوں میں موجود ہے، اسی طرح ملا علی قاری کی مذکورہ کتاب کے قدیمی اور اکثر جدید نسخوں میں بھی موجود ہے، جس کو ہم نے ملاحظہ کیا ہے، اس کے علاوہ ملاعلی قاری سے پہلے کے ''الفقه الأکبر'' کے شارحین نے بھی اس عبارت کو لیا ہے اور اس کی شرح کی ہے، جن میں سے بعض کے حوالہ جات ہم نے ذکر بھی کر دیے ہیں۔

اگر کسی کو ملا علی قاری رحمہ اللہ کے بیان کردہ موقف سے اتفاق نہ ہو، تو وہ ایک الگ مسئلہ ہے، لیکن ان کی کتاب سے ان کی اصل عبارت کو حذف کر دینا اگر قصداً وعمداً ہو، تو یہ علمی ودینی دیانت داری کے خلاف اور علمی ودینی خیانت کا ارتکاب ہے۔

اللہ اس سے حفاظت عطا فرمائے۔آمین۔

## ’’القولُ الفیصل شرح الفقه الأكبر‘‘ کا حوالہ

**محیُ الدین محمد بن بهاءُ الدین** (المتوفی:956ہجری) نے ’’**القول الفیصل شرح الفقه الأكبر**‘‘ میں پہلے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ’’**الفقه الأكبر**‘‘ کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ:

**’’قال رضی الله عنه ووالدا رسول الله صلی اللهُ تعالیٰ علیهِ وسلمَ ماتَا كافرین، وابو طالب عم رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم مات كافراً‘‘**

’’امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کافر ہونے کی حالت میں فوت ہوئے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب بھی کافر ہونے کی حالت میں فوت ہوئے‘‘

جس میں انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ’’**الفقه الأكبر**‘‘ کی مذکورہ عبارت کے درست ہونے کو تسلیم کیا ہے، اور اس عبارت کے الحاقی ہونے کا الزام عائد نہیں کیا۔

لیکن پھر اس کے بعد **محیُ الدین محمد بن بهاءُ الدین** نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر حکمی کفر کا حکم لگانے اور حقیقی کفر کا حکم نہ لگانے کی تاویل کرتے ہوئے کفر اور ایمان کو امرِ باطن قرار دیا، جس پر اللہ کے علاوہ کوئی اور مطلع نہیں ہوسکتا، سوائے ظاہری علامات کے، اور ظاہری علامات کا بعض اوقات مدلولات سے مختلف ہونا بیان کیا اور پھر فرمایا کہ اللہ کے

علاوہ کسی کے لیے دوسرے کے ایمان یا کفر کی حالت میں فوت ہونے کی حقیقت پر مطلع ہونے کا کوئی راستہ نہیں، البتہ شریعت نے ظاہری علامات پر ایمان یا کفر کا حکم لگا دیا ہے۔اس لیے ایمان اور کفر کی دو قسمیں ہیں، ایک حقیقی اور دوسرے حکمی۔

پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے حکمی کافر ہونے میں تو شبہ نہیں، لیکن حقیقی کافر ہونے کے لیے نص کے علاوہ کوئی راستہ نہیں، اور یہاں ایسی کوئی نص نہیں پائی جاتی جو یقین کو ثابت کرے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی احادیث اخبار آحاد سے تعلق رکھتی ہیں، جو یقین کا فائدہ نہیں دیتیں، البتہ بعض کے نزدیک عمل کو واجب کرتی ہیں۔

خاص طور پر جب کہ اشرف الخلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرفِ ابوۃ وامومۃ بھی اس کے مقابلے میں آجائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے فروع کو کفر کی ناپاکی سے پاک قرار دے دیا ہے، جیسا کہ (سورہ احزاب میں) ارشاد ہے:

**”انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا“**

مذکورہ آیت میں جمہور کے نزدیک ”رجس“ سے کفر مراد ہے، اور اہلِ بیت سے بنو ہاشم کے وہ افراد مراد ہیں جن پر زکاۃ حرام ہے، پس اس طرح کی امثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی طہارت کے ظن کا فائدہ دیتی ہیں۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو

**”إن أبی واباک فی النار“**

مروی ہے وہ مخاطب کی تطییبِ قلب کے طور پر ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر حال میں سچ بولتے ہیں، تو آپ کے والد کا جہنم میں ہونا، یہ بھی سچا قول ہے، اگرچہ دوسرے کی تطییبِ قلب کے لیے کہا ہو؟

میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ اس کا امکان ہے کہ یہ تعریض ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آگ سے مراد، حسرت والی آگ ہو، تو اس سے نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب لازم آئے گا، اور نہ والد کا کافر ہونا لازم آئے گا، اور اگر غیر حسرت والی آگ ہی کو تسلیم کیا جائے، تو آگ میں داخل ہونا، کفر کو مستلزم نہیں۔

اس کے بعد محمد بن بہاء الدین نے فرمایا کہ جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ ملنے کی حدیث کا تعلق ہے، تو یہ بھی خبرِ واحد ہے، جو یقین کا فائدہ نہیں دیتی، اور یہ بات بھی یقینی نہیں کہ جو استغفار سے منع کیا گیا، وہ شرک کی وجہ سے ہو۔

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا حقیقی کافر ہونا قطعی نہیں، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے حق میں کفر سے مراد ''کفرِ حکمی'' ہے۔

البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کے کفر کے بارے میں احادیث مستفیض ہیں، لہٰذا ان کے کفرِ حقیقی کو تسلیم کر لینے میں شبہ نہ ہوگا (محمد بن بہاء الدین کا کلام ختم ہوا) [1]

---

[1] قال رضی الله عنه :(ووالدا رسول الله صلی اللهُ تعالیٰ علیهِ وسلمَ ماتَا کافرین، وابوطالب عم رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم مات کافراً)

اعلم ان الکفر والایمان امران باطنان، لایطلع علیهما احد غیر الله الا بالامارات الظاهرة والامارات قد یتخلف عن المدلولات کما فی المنافق فلا طریق لأحد الی القطع بإیمان احد غیره ،ولا بکفره حین الموت ،إذ رب مومن یعیش طول عمره علی الایمان ثم تغلبه شقوته ،اما حین الاحتضار او قبله ،فتسوء خاتته نعوذ بالله فیموت علی الکفر ،ورب کافر یکون مدی دهره علی الکفر ،ثم تتدارکه العنایة الازلیة وتدرکه الرحمة الامتنانیة وتحسن عاقبته ویموت علی الایمان ،وإن لم یطلع أحد غیر الله علی مثل هذا الایمان والکفر.

لکن فی حکم الشرع تعتبر الامارات وظاهر الحال فمن مات وظاهر حاله الایمان تجری علیه احکام الایمان بحکم الشرع ،ومن مات وظاهر الامارات تدل علی الکفر تجری علیه احکام الکفر.

فالکفر والایمان حقیقیان وحکمیان ،ولا تلازم بین الحقیقی والحکمی منهما ،فوالدا رسول الله صلی الله وعلیه وسلم لا شک انه یحکم علیهما بانهما کافران حکما ،واما انهما کافران حقیقة فلا طریق للحکم به غیر النص ،ولا نص یوجب الیقین فیه، فلا قطع بکفرهما کفرا حقیقیا ،فمراد الامام بالکفر فی حقهما الکفر الحکمی.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

محی الدین محمد بہاء الدین نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ''الفقہ الاکبر'' میں مذکورہ عبارت کی جوتاویل کی ہے، اوراس تاویل کو کسی قدر قابلِ قبول بنانے کے لیے جودوسری تاویلات کی ہیں، نصوص اور جمہور اہلِ علم حضرات کی تصریحات کے پیشِ نظر، محققین کوان تاویلات سے اتفاق نہیں۔

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واما ابوطالب عم رسول الله فالأخبار مستفيضة بجد الرسول اشد الجد فى دعوته الى الاسلام وإبائه عنه وتأسفه وتحزنه عليه السلام على موته على الكفر تأسفا شديدا وتحزنامديدا حتى نزل ردعا اوتسلية قوله تعالى(انك لا تهدى من احببت ولكن الله يهدى من يشاء ، وهو اعلم بالمهتدين"القصص: ۵٦)

واما ما روى انس عنه من قوله (إن أبى واباك فى النار) فهو من اخبار الآحاد ولا يفيد اليقين ،وإن اوجب العمل عند البعض .

سيما إذا عارضه مقتضى شرف ابوة اشرف الخلق ،وامومته ،فإن الله تعالى طهر فروعه عن رجس الكفر بقوله(انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا"الاحزاب: ۳۳)فإن الجمهور على أن المرا د من الرجس الكفر ومن اهل البيت من حرمت عليهم الزكاة من بنى هاشم وهم آل على والعباس وعقيل وجعفر ،فإن امثال هذه الاعتبارات تفيد الظن على طهارة أبويه ايضاً من الكفر ،وقد روى انس رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم انما قال هذا الحديث تطييبا لقلب رجل سأل الرسول عن حال ابيه الذى مات فقال عليه السلام (ابوك فى النار) فرجع الرجل مغضبا فطلبه رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال له (إن أبى واباك فى النار) تطييبا لقلبه وازالة لغضبه.

فإن قيل والنبى صادق على كل حال فكون ابيه فى النار قول صدق ولو كان قاله تطييبا لقلب رجل .

قلت يحتمل أن يكون تعريضا ويكون مراده عليه السلام من النار فى الحديث نار التحسر مثلا بطريق الاستعارة ،فلا يلزم الكذب للنبى ولا الكفر لأبيه ،ولو سلم فدخول النار لا يستلزم الكفر .

فإن قيل عدم ايمانه فى صحته وقبل اسحتضاره مقطوع به وحين الاسحتضار يستلزم عدم دخول الناربحكم إن الاسلام يهدم ما قبله.

قلنا لا نسلم القطع بعدم ايمانه ،قبل حال الاحتضار بل يجوز أن يشرح الله صدره للاسلام فى صحته اومرضه قبل اوان احتضاره بشرف نور النبوة كما شرح صدر جده عبد المطلب الى القول بدار العود كما بينا ،ويكون معذورا فى الاخلال بالاعلان ، لكونه بين أظهر المشركين لكن يكون مستحقا للعذاب لموافقته للمشركين فى بعض افعالهم المعتادة لهم.

ولو سلم فيجوز دخول النار على تقدير الايمان حين الاحتضار بما لا يهدمه الايمان مثل حقوق العباد.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیونکہ اولاً تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جو ''الفقہ الاکبر'' میں حکم بیان کیا، اور دیگر متقدمین، جمہور نے بھی تصریح کی، اس سے کفرِ حقیقی کو بیان کرنا مقصود ہے، کفرِ حکمی کو بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی، جس متعین شخص کے کفر کا ذکر معتبر نصوص میں آ جائے، بالخصوص جبکہ اس کے لیے شفاعت و استغفار نہ کرنے کی بھی اللہ کی طرف سے ممانعت ہو جائے، اور اس کی علت

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

واما ما روى من انه عليه السلام زار قبر امه فبكى وابكى من حوله وقال (استأذنت ربى أن استغفر لأمى فلم يأذن لى واستأذنته أن ازور قبرها فاذن لى)

فهو مع انه خبر واحد غير مفيد لليقين ايضاً ،لا قطع يكون الاستغفار الغير المأذون له استغفار عن الشرك لم لا يجوز أن تكون مهدية فى قلبها للتوحيد ،ببركة نور النبوة الذى حل جنينها زمانا واستقرار جنين الرسول فى بطنها تسعة اشهر، ثم بصحبتها معه وتربيتها له، ولو كان فى طفوليته، لكن تستحق العقوبة لعدم تركها الموافقة مع المشركين فى بعض افعالهم المشعرة ظاهرا بالشرك ،ولا يأذن الله لنبيه استغفارها لتعلق ارادته بعدم المغفرة الى أن ترى بعض الاحوال من الاهوال.

فإن قيل قوله تعالى (واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات"محمد: ١٩ ")اذن بل أمر له بالاستغفار للمؤمنين وللمؤمنات فلو كانت أم النبى من المؤمنات لكان النبى مأمورا باستغفارها وكيف لا يكون مأذونا فيه.

قلت يحتمل أن تكون الآية مؤخرا وعلى تقدير تقدمه يحتمل أن يكون الامربالاستغفار للمؤمنين والمؤمنات من امته وام النبى على تقدير ايمانها لا تكون من امته لأنها ماتت قبل بعثته.

وقد ورد فى بعضى الأخبار أنا النبى عليه السلام دعا ربه أن يحيى أبويه فاحياهماالله، فدعاهما النبى الى الاسلام فاحابا، وهذا الخبر وإن كان مخالفا للعمومات الشرع الدالة على أن الإيمان لا يعتبر الا فى الحياة الدنيا ،لكن لا يبعد أن يكون للنبى خصائص خارجة عن العمومات فى حق نفسه كما تقرر فى بعض من العبادات والمعاملات فى حقه وابواه منه فلا تبعد الخوارق فى العادات الشرعية فى حقهما ايضا.

وغرضنا من هذا التفصيل ليس اثبات ايمانهما قطعا، فاما قد حققنا أنه لا طريق للقطع فى أمر الإيمان والكفر غير النص ،لكن الغرض نفى القطع عن كفرهما الحقيقى ايضا ، وبيان أن مراد القاطعين بكفرهما ليس الا الكفر الحكمى لا الحقيقى وأن الادب فى القول والاعتقاد ليس الا هذا ولعل الباعث بعد هذه المسألة من العقائد الدينية ودرجها فى درجها افراط البعض فى حق والدى النبى بنفى الكفر الحكمى ايضاعنهما ،فلكون هذا الافراط خروجا ظاهرا عن القواعد الاسلامية ادرجوا هذه المسألة فى الاصول ردا على المفرطين فى حقهما المفرطين فى حق الاصول الاسلامية.(القول الفيصل شرح الفقه الأكبر، صفحة ۴۲۲ الیٰ ۴۲۵، والدا رسول الله صلى الله عليه وسلم ، مطبوعة:مكتبة الحقيقة ،استانبول، تركيا، تاريخِ طبع:1432هـ ، 2011ء)

شرک کی حالت میں فوت ہونے کا بھی نص میں ذکر ہو، اور عذابِ نار کا بھی ذکر ہو، اس کے حقیقی کفر ہونے میں کونسی چیز مانع رہ جاتی ہے، جس کے متعلق خود محمد بہاء الدین اعتراف کررہے ہیں کہ اس پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا مطلع ہونا ممکن نہیں، اور یہ اطلاع، اللہ ہی کی طرف سے ہے۔لقولہٖ تعالیٰ: ’’وما ینطق عن الھویٰ. ان ھو الا وحی یوحیٰ۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے چونکہ احادیث کے تناظر میں یہ مسئلہ بیان کیا، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مراد بھی یہی کفر ہوگا۔

پھر اس کے بعد محمد بہاء الدین کا یہ فرمانا کہ:

> ’’نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر وشرک کو ثابت کرنے والی احادیث اخبارِ آحاد سے تعلق رکھتی ہیں، جو یقین کا فائدہ نہیں دیتیں، بلکہ ظن کا فائدہ دیتی ہیں، جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر پر فوت ہونے کے پختہ عقیدہ کا ثبوت مشکل ہے‘‘۔

تو اس کے متعلق پہلی بات تو یہ ہے کہ اگرچہ بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک اخبارِ آحاد کا عقائد کے باب میں اعتبار نہیں ہوتا، لیکن دیگر بہت سے اہلِ علم حضرات کے نزدیک اخبارِ آحاد عقائد کے باب میں بھی معتبر ہیں، جس طرح احکام میں معتبر ہیں۔ [1]

---

[1] سبق منع بعض المتكلمين من التمسك بأخبار الآحاد فيما طريقه القطع من العقائد؛ لأنه لا يفيد إلا الظن، والعقيدة قطعية، والحق الجواز، والاحتجاج إنما هو بالمجموع منها، وربما بلغ مبلغ القطع، ولهذا أثبتنا المعجزات المروية بالآحاد .وقال الإمام في المطلب :"إلا أن هذا الطريق ينتقض بأخبار التشبيه، فإن للمشبهة أن يقولوا :إن مجموعها بلغ مبلغ التواتر .فإن منعناهم عن ذلك كان لخصومنا في هذه المسألة منعنا عنه، وأيضا فالدلائل العقلية إذا صحت وساعدت ألفاظ الأخبار تأكد دليل العقل وقوى اليقين(البحر المحيط في أصول الفقه،لبدر الدين الزركشي،ج٦،ص ١٣٤، مباحث السنة ،القسم الثالث أخبار الآحاد،مسألة إثبات العقيدة بخبر الآحاد)

قوله :(ولا تقف ما ليس لک به علم) (الإسراء ) أي لا تتبعه ولا تعمل به، ولم يزل المسلمون من عهد الصحابة يقفون أخبار الآحاد ويعملون بها ويثبتون لله تعالى بها الصفات، فلو كانت لا تفيد علما لكان الصحابة والتابعون وتابعوهم وأئمة الإسلام كلهم قد قفوا ما ليس لهم به علم(مختصر الصواعق المرسلة على الجهمية والمعطلة،لابن قيم الجوزية،ص ٥٧٨،فصل استدلال ابن القيم على أن خبر الواحد يفيد العلم قطعا)

تاہم اخبارِ آحاد، چونکہ ظنی الثبوت ہوتی ہیں، اس لیے ان سے ثابت شدہ عقائد اس درجہ کے نہیں ہوتے کہ ان کا انکار کفر قرار دیا جائے۔ [1]

لیکن جس طرح صحیح خبرِ واحد سے ثابت شدہ حکمِ شرعی پر عقدِ قلب کے اعتبار سے عقیدہ کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح عقیدہ سے متعلق حکم پر بھی عقیدہ کا ہونا ضروری ہوگا۔ [2]

چنانچہ اسلام کے بہت سے عقائد اس طرح کے ہیں کہ وہ اخبارِ آحاد سے ثابت ہیں، اور ان کو اہلُ السنۃ والجماعۃ قبول وتسلیم کرتے ہیں، مگر دوسرے فرقے، مثلاً معتزلہ، ان کا انکار کرتے ہیں، وہ الگ بات ہے کہ ان کا انکار کفر نہیں، اسی لیے معتزلہ وغیرہ فرقوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جاتا، ورنہ تو اہلُ السنۃ والجماعۃ کے بے شمار عقائد کا غیر معتبر ہونا قرار پائے گا، اور اس سے بہت بڑے فتنہ وفساد کا باب کھل جائے گا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق وارد احادیث وروایات اتنی زیادہ ہیں کہ وہ عام خبرِ واحد سے اوپر درجے کی ہیں۔

نیز بعض احادیث وروایات آیاتِ مفسرہ کے طور پر وارد ہوئی ہیں، جس طرح ابوطالب کے

---

[1] قال فی البحر عن الخلاصة :من اعتقد الحرام حلالا أو علی القلب یکفر إذا کان حراما لعینه وثبتت حرمته بدلیل قطعی .أما إذا کان حراما لغیره بدلیل قطعی أو حراما لعینه بإخبار الآحاد لا یکفر إذا اعتقده حلالا .اهـ ومثله فی شرح العقائد النسفیة(رد المحتار علی الدر المختار، ج ۱، ص۲۹۷، کتاب الطهارة ،باب الحیض)

خبر الواحد لا یوجب علم الیقین لاحتمال الغلط من الراوی وهو دلیل موجب للعمل بحسن الظن بالراوی وترجح جانب الصدق بظهور عدالته فیثبت حکم هذا القسم بحسب دلیله وهو أنه لا یکفر جاحده لأن دلیله لا یوجب علم الیقین ویجب العمل به لأن دلیله موجب للعمل ویضلل جاحده إذا لم یکن متأولا بل کان رادا لخبر الواحد فإن کان متأولا فی ذلک مع القول بوجوب العمل بخبر الواحد فحینئذ لا یضلل ولوجوب العمل به یکون المؤدی مطیعا والتارک من غیر تأویل عاصیا معاقبا(أصول السرخسی،ج ۱ ،ص ۱۱۲ ،فصل فی بیان المشروعات من العبادات وأحکامها)

[2] (ووجوب الاعتقاد) لحقیته ولا نسلم أن العمل وحده هو المقصود بل عقد القلب مقصود أیضا وکیف والطاعة لا تتصور بدونه حتی لو فعل المأمور به، ولم یعتقد وجوبه لا یصح فعله وعزیمة القلب قد تصیر قربة بلا فعل؛ لأنه یحصل له الثواب بمجرد نیة الخیر(التقریر والتحبیر،لابن أمیر حاج، ج۳،ص ۵۰،الباب الثالث السنة،فصل یلحق السمعیین الکتاب والسنة ،مسألة جواز النسخ)

متعلق بھی اسی نوعیت کی آیاتِ مفسرہ کے طور پر احادیث آئی ہیں۔ [1]

نیز ان احادیث وروایات کو اصولی اعتبار سے دیگر نصوص سے اور تلقی بالقبول سے بھی اعتضاد حاصل ہے، چنانچہ اس پر جمہور متقدمین بلکہ بعض حضرات کے بقول اس پر متقدمین کا اجماع ہے، اور اس طرح سے ثابت شدہ حکم کی قوت عام خبرِ واحد سے زیادہ ہوتی ہے۔

نیز اس حکم کا تعلق آخرت سے ہے، جس کے عقدِ قلب کے لیے خبرِ واحد بھی کافی ہے، چنانچہ جو حضرات عقائد کے باب میں خبرِ واحد کو حجت نہیں سمجھتے، وہ بھی اس طرح کے حکم کے لیے

---

[1] (السادس)يعمل بخبر الآحاد فى أصول الدين، وحكى الإمام ابن عبد البر الإجماع على ذلك .قال الإمام أحمد – رضى الله عنه: لا نتحدى القرآن والحديث .وقال القاضى أبو يعلى: يعمل به فى الديانات إذا تلقته الأمة بالقبول، ولهذا قال الإمام أحمد – رضى الله عنه: قد تلقتها العلماء بالقبول .قال العلامة ابن قاضى الجبل: مذهب الحنابلة أن أخبار الآحاد المتلقاة بالقبول تصلح لإثبات أصول الديانات، ذكره القاضى أبو يعلى فى مقدمة المجرد، والشيخ تقى الدين فى عقيدته .انتهى .وقال أبو الخطاب وابن عقيل وغيرهما: لا يعمل به فيها .ولا يكفر منكر خبر الآحاد فى الأصح، حكى ابن حماد الوجهين عن الأصحاب، ونقل تكفيره عن الإمام إسحاق بن راهويه .قال فى المسودة: قد اختلف العلماء فى تكفير من يجحد ما ثبت بخبر الواحد العدل، وقد ذكر ابن حامد فى أصوله عن أصحابنا فى ذلك وجهين، والتكفير منقول عن الإمام إسحاق بن راهويه .انتهى .قال ابن حامد: لكن غالب أصحابنا على كفره، فيما يتعلق بالصفات .وذكر فى مكان آخر: إن جحد أخبار الآحاد كفر، كالمتواتر عندنا، فإنه يوجب العلم والعمل .فأما من جحد العلم بها فالأشبه أنه لا يكفر، ويكفر فى نحو ما ورد فى الإسراء والنزول ونحوهما من الصفات، كما فى حاشية الجراعى على أصول العلامة ابن اللحام – رحمهما الله تعالى .وقال شيخ الإسلام ابن تيمية – قدس الله روحه فى شرح العقيدة الأصفهانية: يجب تصديق كل مسلم بما أخبر به الله ورسوله من صفاته – تعالى – فليس ذلك موقوفا على أن يقوم دليل عقلى على تلك الصفة بعينها، فإنه مما يعلم بالاضطرار من دين الإسلام أن الرسول – صلى الله عليه وسلم – إذا أخبرنا بشىء من صفات الله – تعالى – وجب علينا التصديق به، وإن لم ندرك ثبوته بعقولنا، ومن لم يقر بما جاء به الرسول حتى يعلمه بعقله فقد أشبه الذين قال الله – تعالى – عنهم(وقالوا لن نؤمن حتى نؤتى مثل ما أوتى رسل الله الله أعلم حيث يجعل رسالته) ومن سلك هذا السبيل فهو فى الحقيقة ليس مؤمنا بالرسول، ولا متلقيا عنه الأخبار بشأن الربوبية، كما سنذكر هذه المقالة فى محالها إن شاء الله – تعالى(لوامع الأنوار البهية وسواطع الأسرار الأثرية لشرح الدرة المضية فى عقد الفرقة المرضية ،لشمس الدين السفارينى الحنبلى، ج ا ص ١٩، ٢٠،المقدمة المشتملة على عدة تعريفات،التعريف السادس الأخذ بالآحاد فى العقائد)

خبرِ واحد سے عقدِ قلب کو ثابت مانتے ہیں۔ [1]

---

[1] والأحاديث في أحكام الآخرة منها ما اشتهر، ومنها ما دون ذلك وكل ذلك يوجب ما ذكرنا؛ ولأنها توجب عقد القلب، وهو عمل فيكفى له خبر الواحد.
وفى هذا نظر؛ لأنه يجب أن لا يختص هذا بأحكام الآخرة بل يكون كل الاعتقاديات كذلك(التوضيح مع شرحه التلويح، ج٢ص٦،٧)
(قوله :والإخبار فى أحكام الآخرة ولأنه يحتمل) دليلان مستقلان على كون خبر الواحد موجبا للعلم .
تقرير الأول أن خبر الواحد فى أحكام الآخرة من عذاب القبر وتفاصيل الحشر والصراط والحساب والعقاب وغير ذلك مقبول بالإجماع مع أنه لا يفيد إلا الاعتقاد إذ لا يثبت به عمل من الفروع.
وتقرير الثانى أن خبر الواحد يحتمل الصدق والكذب وبالعدالة ترجح جانب الصدق بحيث لا يبقى احتمال الكذب، وهو معنى العلم وجوابه أنا لا نسلم ترجح جانب الصدق إلى حيث لا يحتمل الكذب أصلا بل العقل شاهد بأن خبر الواحد العدل لا يوجب اليقين، وأن احتمال الكذب قائم، وإن كان مرجوحا وإلا لزم القطع بالنقيضين عند إخبار العدلين بهما.
وجواب الأول وجهان.
أحدهما أن الأحاديث فى باب الآخرة منها ما اشتهر فيوجب علم الطمأنينة، ومنها ما هو خبر الواحد فيفيد الظن وذلك فى التفاصيل والفروع، ومنها ما تواتر واعتضد بالكتاب وهو فى الجمل والأصول فيفيد القطع.
وثانيهما :أن المقصود من أحكام الآخرة عقد القلب، وهو عمل فيكفيه خبر الواحد واعترض عليه بأنه يلزم عقد القلب فى غير أحكام الآخرة، وهو معنى العلم، وقد بين فساده وجوابه أن الأحاديث فى أحكام الآخرة إنما وردت لعقد القلب والجزم بالحكم، وفى غيرها للعمل دون الاعتقاد فوجب الإتيان بما كلفنا به فى كل منهما(شرح التلويح على التوضيح، ج٢،ص٧،القسم الأول من الكتاب فى الأدلة الشرعية وهى على أربعة أركان،الركن الثانى فى السنة،فصل اتصال الخبر)
فأما الآثار المروية فى عذاب القبر ونحوها فبعضها مشهورة وبعضها آحاد وهى توجب عقد القلب عليه والابتلاء بعقد القلب على الشيء بمنزلة الابتلاء بالعمل به أو أهم (أصول السرخسى، ج ١، ص ٣٢٩، فصل الحكم)
قوله (إذ العقد) أى اعتقاد القلب فضل على العلم؛ لأن العلم قد يكون بدون عقد القلب كعلم أهل الكتاب بحقية النبى -عليه السلام -مع عدم اعتقادهم حقيته، وكعلمنا بدلائل الخصوم فى الأصول والفروع من غير أن يعتقدها وعلى العكس، والعقد قد يكون بدون العلم أيضا كاعتقاد المقلد، وإذا كان كذلك جاز أن يكون خبر الواحد موجبا للاعتقاد الذى هو عمل القلب، وإن لم يكن موجبا للعلم.
قال أبو اليسر :الأخبار الواردة فى أحكام الآخرة من باب العمل فإن العمل نوعان عمل الجوارح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب نے شرک کے ارتکاب کے ساتھ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پا لینے کے باوجود، ایمان لانے سے انکار کیا، اس لیے ابو طالب کے کفر کا مسئلہ زیادہ نمایاں ہوا، جیسا کہ ''البدر الانور'' شرح ''الفقہ الاکبر'' کے حوالہ سے آتا ہے۔

رہا ان نصوص کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ ابوۃ واُمومۃ کا ہونا، تو محققین کے نزدیک یہ بات بھی محلِ نظر ہے، کیونکہ یہ بات محققین نے مدلل انداز میں منقح فرمادی ہے کہ ابوۃ وامومۃ میں کفر وشرک کا وجود، نبوت کی شرافت وکرامت کے ہرگز منافی نہیں، البتہ نسب کا طاہر و پاکیزہ نہ ہونا، اس کے منافی ہے، مگر وہ اس سے بالکل جدا مسئلہ ہے، جس کے طاہر و پاکیزہ ہونے میں شبہ نہیں، اور اس سلسلہ میں جو احادیث وروایات معتبر اسناد کے ساتھ ثابت ہیں، وہ بھی شرفِ نسب اور کرامتِ نسب کو ثابت کرتی ہیں، نہ کہ نسب کے کفر وشرک سے پاک ہونے کو، جیسا کہ اپنے مقام پر ذکر کردیا گیا۔

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واعتقاد القلب فالعمل بالجوارح إن تعذر لم يتعذر العمل بالقلب اعتقادا على أنا إنما عرفنا عذاب القبر بدلالات النصوص من كتاب الله، وإشاراتها لا بأخبار الآحاد .ولهذا أى؛ ولأن الابتلاء بعقد القلب يصح بدون عمل البدن جوزنا النسخ قبل التمكن من العمل لحصول الفائدة، وهو الابتلاء لعقد القلب، والله أعلم بالصواب(كشف الأسرار شرح أصول البزدوى، ج٢،ص٣٧٧،باب خبر الواحد)

(قوله ظنا قويا) أى غالبا .قال فى البحر عن أصول اللامشى :إن أحد الطرفين إذا قوى وترجح على الآخر ولم يأخذ القلب ما ترجح به ولم يطرح الآخر فهو الظن، وإذا عقد القلب على أحدهما وترك الآخر فهو أكبر الظن وغالب الرأى(رد المحتار على الدر المختار، ج١،ص٢٤٧،باب التيمم،مطلب فى الفرق بين الظن وغلبة الظن)

(قوله وعبروا عنه تارة بالظن وتارة بغالب الظن) يوهم أنه لا فرق بينهما لكنه قدم فى التيمم عن أصول اللامشى أن أحد الطرفين إذا قوى وترجح على الآخر ولم يأخذ القلب ما ترجح به ولم يطرح الآخر فهو الظن وإذا عقد القلب على أحدهما وترك الآخر فهو أكبر الظن وغالب الرأى اهـ.

لكن ذكر العلامة ابن أمير حاج فى أوائل شرحه على التحرير أن هذا الفرق غريب بل المعروف أن الظن هو الحكم المذكور أخذ القلب به وطرح المرجوح أو لم يأخذ ولم يطرح الآخر وأن غلبة الظن زيادة على أصل الرجحان لا تبلغ به الجزم الذى هو العلم اهـ.(منحة الخالق على البحر الرائق، ج٢،ص١١٩، كتاب الصلاة،باب سجود السهو)

رہی سورہ احزاب کی اہلِ بیت کے رجس سے پاک ہونے سے متعلق آیت، تو اس میں اگر عقائد اور ذنوب کی رجس سے طہارت کو بھی مراد لیا جائے، تو بھی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفر وشرک پر فوت ہونے والے اصول اور ان کے حواشی مثلاً ابولہب، ابوجہل، ابوطالب وغیرہ اہلُ السنۃ میں سے کسی کے نزدیک بھی داخل نہیں۔

لہٰذا محققین کے نزدیک مذکورہ اخبارِ آحاد کے مقابلہ میں اس قسم کی شرافت اور نصوص کا تقابل درست نہیں، اور بہاؤالدین کی طرف سے پیش کردہ باقی تاویلات کا جواب بھی محققین نے واضح فرمادیا ہے، جس میں حدیث ''إن أبي و أباک في النار '' کی تاویل کا جواب بھی مذکور ہے، اور احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے والدین کے ایمان سے محروم اور اس کی پاداش میں عقاب ہونے پر رونا اور غمگین ہونا مصرّح ہے، جس سے بہاءالدین کی بیان کردہ تاویل مرجوح قرار پاتی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

لہٰذا جن نصوص میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر پر فوت ہونے کا ثبوت ہے، اور ان سے جن اہلِ علم حضرات نے استدلال کرتے ہوئے کفر پر فوت ہونے کا حکم لگایا ہے، وہ محققین کے نزدیک حقیقی کفر پر محمول ہیں، اور ان میں حقیقی کفر کی نفی کی تاویل کر کے حکمی کفر کی توجیہ سے اتفاق مشکل ہے۔ واللہ اعلم۔

## ''البدرُ الانور شرح الفقه الاکبر '' کا مفصل ومدلل حوالہ

شیخ فاضل نضال آلہ رشی کردی نے ''البدر الانور شرح الفقه الاکبر ''میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مسئلہ پر نہایت محققانہ کلام کیا ہے، بلکہ اس مسئلہ کی معتدل تحقیق کا حق ادا کیا ہے، ان کی یہ تحقیق مذکورہ کتاب کے تقریباً پچاس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، لیکن کیونکہ اس میں کئی متعلقہ پہلوؤں پر کلام کیا گیا ہے، اور مختلف شکوک وشبہات واعتراضات کے منصفانہ جوابات ذکر کیے گئے ہیں، جس کی وجہ سے یہ بحث اس لائق ہے کہ اس کی عبارت

اور ترجمہ ملاحظہ کیا جائے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

قوله: (ووالدا رسول الله صلى اللهُ عليهِ وسلمَ ماتَا على الكفر)

هـذا رد عـلـى الـرافـضة من الشيعة القائلين بايمان آبائه صلى الله عـليـه وسلم ، وقد ذكر الملا على القارى رحمه الله تعالىٰ اجماع السـلف عـلـى ما قاله أبو حنيفة (يـنـظـر : " أدلة معتقد أبى حنيفة فى أبوى الرسول " للقارى : ص : ۸۴)

وهو قول أئمة الأشاعرة فى والده صلى الله عليه وسلم كما ذكره الامـام الـرازى عـنـد تـفسيـر ( سورة الأنعام ) حيث قـال : وأمـا أصـحابنا فقد زعموا أن والد رسول الله صلى الله عليه وسلم كان كافرا . اهـ (ينظر : " التفسير الكبير" للرازى :۱۳ / ۳۳)

وأقـرهـم عـلـى ذالک ، وأصـحـاب الـرازى هم أئمة الأشاعرة ، ويـؤيـد ما قاله القارى انه لم يخالف الامام أبا حنيفة رضى الله عنه أحـد مـن السـلف ولا أنـكـر مـا قاله أحد منهم ، بل قد صحت فيه الأحـاديـث ، ونـص عـليه كثير من كبار الأئمة كما سيأتى ، وانما تـكـلم فيها بعض المتأخرين من الأشاعرة ممن لم يبلغوا درجة من يـقتـدى بـه فـى هـذا الـمـقـام مـع مخـالفتهم اجمـا ع أهل السنة وموافقتهم مذهب الرافضة من الشيعة .

وهـذا الامـام البيهـقـى وهو امام من أئمة أهل السنة قد قال عين ما قـاله الامام الأعظم عند حديث : ( لو بلغت معهم الكدى۔ المقابر ۔ مـا رأيـت الـجنة حتى يراها جد أبيک ) ، حيث قال : وكيف لا

يـكـون أبـواه صـلى الله عليه وسلم و جده بهذه الصفة فى الآخرة وكانوا يعبدون الوثن حتى ماتوا . اهـ (ينظر : " دلائل النبوة " للبيهقى : ١ / ١٩٢)

وقال أيضا : وأبواه صلى الله عليه وسلم كانا مشركين . اهـ (ينظر : " السنن الكبرى " للبيهقى : ٧ / ٣٠٨)

ومثلـه عن الأئمة كثير كما سبق ،وكما ستراه ان شاء الله تعالى ، فـالـعـجب كل العجب ممن ينكر على الملا على القارى ، ويرغم أنـفـه بـلا حـجة ولا دليـل ، ولـم يطلع على كلام هؤلاء الفحول ، وكـان الـحـرى بهـم أن يـفتشـوا مـدائـن العلم ، وينقبوا فى بلاده وبـحـاره هـل مـن محيص ، لكنهم مع الأسف أجابوا بما ينبوا عنه شـرف نسبهـم ، وسـمـو شـأنهـم ، وكـان ثـمـرة قطافهم ، وحب حـصـادهـم ، ونتاج قضاياهم ، أنف الملا على القارى ، حتى صار طعنهم بعلى القارى مثلا ينعق به من هب و دب ، وأظهروا بذالک قصر البا ع ، وقلة الإطلا ع ، ولا ينبئک مثل خبير .

أما بعد : فاعلم ـ وفقنى الله تعالى و اياک ـ أن هذه المسألة لطالما اضـطـربـت فيها أقوال المتأخرين ، وكثر فيها القال والقيل ، فمن مثبـت ودافـع ، ومـن نـاف ومـانـع ، وقد من الله سبحانه على هذا الـفـقير بما يكون فصل الخطاب ، ورفع النزا ع والارتياب ان شاء الله الملک الوهاب .

فـأقـول : قـد أنـكـر بـعـض العلماء من المتأخرين أن يكون الامام الأعـظـم رضـى الله عنه قد قال مثل هذا الكلام ، بل شنع على من

أثبتها بلا دليل ولا امام ، وقام البعض ضدا فأثبتها ورد على منكرها بدلائل واضحات كالأعلام ، وقد علل منكرها بتعليلات بعيدة عن التحقيق والصواب ، وأتى بأدلة ضعيفة واهية كبيت العنكبوت ، لا تقوم مع القوى الثابت الواضح كالشمس فى رابعة النهار ، وقد جمع فأوعى ، وأبعد النجعة وهو يظن أن ما قاله حجة ودليل ، لكنه عند التحقيق عليل .

ثم حاول بعضهم نفى ثبوت هذا الكلام عن الامام رضى الله عنه من حيث ركاكة العبارة فقال : لما كانت الكتابة ـ بحسب ظنه ـ (ما ماتا ) ظن الناسخ زيادة ( ما ) الأولى ، فأسقطها ، وأيد ما قاله بأنها مثبتة فى بعض النسخ ، وهذا رجم بالغيب ، وحدس وظن بلا شك ولا ريب ،و ( إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ) ( يونس : ٣٦ ) ، ولا شك أن اثباتها نفى ونفيها اثبات ، واثبات الحقائق لا دوالها مقدم على نفيها لزيادة العلم ، فوجب القول بنفيها ، لأن نفى النفى اثبات ، وانما أردت ب : ( دوالها ) بعضها لا كلها ، لأن مدلول ( ما ) ههنا عدمى لا يمكن اثباته ، وقد نص على ثبوتها العلامة المحقق ابن عابدين رحمه الله تعالى فقال : ولا ينافى أيضا ما قاله الامام فى ( الفقه الأكبر ) من أن والديه صلى الله عليه وسلم ماتا على الكفر . اهـ (ينظر : " رد المحتار على الدر المختار " لا بن عابدين: ٣ / ١٨٤ )

وقال العلامة ابن نجيم : من مات على الكفر أبيح لعنه الا والدى رسول الله صلى الله عليه وسلم ، لثبوت أن الله أحياهما له حتى

آمنا به كذا فى ( مناقب الكردرى ) اهـ (ينظر : " الأشباه والنظائر " لابن نجيم : ص : ٣٤٨ )

ففيه اثبات انهما ماتا على الكفر ، لكن تعليله عليل ، لأمرين :

الأول : هو عدم ثبوت الحديث كما ستراه .

الثانى : أن مفهوم التعليل أنه لو لم يثبت الحديث لجاز لعنهما ، وكيف يجوز وهما والداه صلى الله عليه وسلم ، وقد قال تعالى : ( إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ) (الأحزاب : ٥٧ ) ، وقال صلى الله عليه وسلم : ( لا تسبوا الأموات فتؤذوا الأحياء ) ، رواه الامام أحمد ورجاله رجال الصحيح . (" مسند الامام أحمد ، ١٨٢١٠ ". وينظر : " مجمع الزوائد "" للهيثمى : ٨/ ١٤٥ )

ونهى النبى صلى الله عليه وسلم من آذى درة بنت أبى لهب فى أبويها حين قال لها نسوة من بنى زريق : أنت بنت أبى لهب الذى قال الله : ( تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ، مَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ) (المسد : ١ ـ ٢ ) ، فما يغنى عنك مهاجرك ، فأتت النبى صلى الله عليه وسلم فشكت اليه ما قلن لها فسكنها ، ثم قال : ( يا أيها الناس مالى أوذى فى أهلى ) ، رواه الطبرانى متصلا حسنا ، عبد الرحمن الدمشقى مختلف فيه(المعجم الكبير "٢٤ / ٢٥٩": ٢٦٠ )

ورواه أيضا بلفظ آخر مرسلا صحيحا (المعجم الكبير" ٢٤ / ٢٥٧": ٦٥٦ )

ونهى كذالك صلى الله عليه وسلم من سب أحد آباء عمه

العباس رضى الله عنه بقوله : ( لا تسبوا أمواتنا فتؤذوا أحيائنا ) ، رواه النسائى( السنن النسائى الكبرى : ١٩٥١ )

قال العراقى : اسناده صحيح . اهـ (ينظر : " المغنى عن حمل الأسفار" للعراقى : ١ / ١٠١٠ )

وصححه الحاكم أيضا ووافقه الذهبى ( المستدرک : ٥٣٢١ )

فالتعليل الصحيح الصريح هو الأذى كما علله رسول الله صلى الله عليه وسلم بقوله : ( فتؤذوا الأحياء ) ، والله تعالى أعلم .

وتقرير ما سبق : أننا اذا عرفنا مذهب الامام زالت الظنون وطاحت الأوهام ، فنقول ولا قوة الا بالله : مذهب الامام أبى حنيفة رضى الله عنه أن معرفة الانسان ربه عز و جل بعقله واجبة وان لم يرسل الله تعالى الرسل بحيث يعلم أن لهذا الكون موجدا عليما ، ومدبرا قديرا حكيما ، فقد روى أبو يوسف و محمد عن الامام الأعظم رضى الله عنه أنه قال : لو لم يبعث الله للناس رسولا لوجب عليهم معرفته بعقولهم ، ولا عذر لأحد فى الجهل بخالقه لما يرى من خلق السماوات وخلق نفسه وغيره اهـ .رواه الحاكم الشهيد فى ( المنتقى ) ، والناطفى فى ( الأجناس ) ، وأبو زيد الدبوسى فى ( التقويم ) ، والهمذانى فى ( خزانة الأكمل ) ، وأبو منصور السمرقندى فى ( الميزان ) ، وهذا كما رأيت نص من الامام رضى الله عنه فى أن الواجب على الناس معرفة الله تعالى بعقولهم وان لم يأتهم رسول من عند الله سبحانه ، وما قاله بعضهم من أن الوجوب ههنا بمعنى الانبغاء ، أى : أن قول الامام : (

لوجب ) معناه ينبغى ، وليس حقيقة الوجوب ، فأجاب عنه العلامة البياضى بقوله : وهو مع كونه خلاف الظاهر يمنعه ما بعده وينادى التعليل ـ أى : قوله : لما يرى من خلق السماوات ... الخ ـ على خلافه ، وتصريح الأئمة به ، فقد صرح الامام أبو زيد الدبوسى فى ( التقويم ) ، وفخر الاسلام البزدوى فى ( أصوله ) بخلود العقاب للناشىء فى الشاهق المدرك لمدة الاستدلال فلم يستدل ، فمن الغفول عن تفصيل المنقول التصدى للتوفيق بأن الوجوب عند الماتريدية بمعنى ترجيح العقل الفعل . اهـ (ينظر : " اشارات المرام" للبياضى : ص : ٦٢ )

وترجيح العقل هو الانبغاء الذى فسرته لك ، وكلام الامام أبى حنيفة رضى الله عنه أعم ممن كان نشأ فى شاهق ، فهو يشمل كل من لم تبلغه الدعوة ، والامامان : الدبوسى ، والبزدوى ذكرا الناشىء فى شاهق تمثيلا ، وهذا حكم من لم تبلغه الدعوة أصلا فكيف بمن بلغه دين ابراهيم بل موسى ، وعيسى عليهم السلام وعاش بمكة عند البيت الحرام ، واعتقد دين ابراهيم عليه السلام ، وعظم البيت ، وحج وطاف ، وسعى ولبى واعتمر ، ثم عظم الأصنام وجعلها آلهة يتقرب بها الى الله .

هذا ، وانى أعوذ بالله سبحانه أن تشوبنى شائبة تنقيص فى حق والدى المصطفى صلى الله عليه وسلم وقد قال تعالى : ( إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ) (الأحزاب : ٥٧ ) ، أعوذ بالرحمن من ذالك ، كيف وكل

غايتنا رضاه صلى الله عليه وسلم بعد الله عز و جل .

وانما الكلام لبيان الحكم و فصل الخطأ من الصواب مأخوذا من كلامه صلى الله عليه وسلم .

فنقول مبينين و بالله نستعين : اننا لو نظرنا بادىء ذى بدء فى عقيدة أهل مكة فى الجاهلية لرأينا أنه ما نجا من عبادة الأوثان الا أناس لا يجاوز عددهم أصابع اليدين ، قال تعالى : ( لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أَتَاهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ) (السجدة : ٣) ، فهذا دليل على أنهم لم يكونوا مهتدين ولو كانوا على الهدى لما أرسل الله اليهم رسولا ، بل قد كان زيد بن عمرو بن نفيل يقول : ( يا معشر قريش ما منكم اليوم أحد على دين ابراهيم غيرى ) اهـ . رواه النسائى فى " السنن الكبرى " (السنن النسائى الكبرى : ٨١٣١)

ومن الذين نجوا من عبادة الأوثان : زيد بن عمرو بن نفيل ، ابن عم الفاروق عمر بن الخطاب رضى الله عنه ، ووالد الصحابى الجليل سعيد بن زيد رضى الله عنه أحد العشرة المبشرين بالجنة ، كان يقول : ( اللهم الهى اله ابراهيم ، دينى دين ابراهيم ، ويصلى و يسجد ) ا‍ه . رواه البيهقى(" الأسماء والصفات" للبيهقى :٦٠٣ )

قال ﷺ فى حقه: "غفر الله لهٗ و رحمه فانه مات على دين ابراهيم" (اخرجه البزار والطبرانى، كما فى فتح البارى لابن حجر:٧/١٤٣)

و قال ايضاً: "فانهٗ يبعث يوم القيامة امة وحدهٗ" رواه الضياء فى "المختارة"، والنسائى فى "السنن الكبرىٰ" ("المختارة": ١١١٢، و"السنن الكبرىٰ" للنسائى : ٨١٣١)

و منهم: ورقة بن نوفل بن اسد، ابن عم خديجة رضى الله تعالىٰ عنها، كان يكره عبادة الاصنام وهو وان تنصّر لكنهٗ كان على النصرانية قبل التحريف، سئل النبى صلى الله عليه وسلم فيما رواه جابر رضى الله عنه: قالو: يا رسول الله أرأيت ورقة بن نوفل فانه كان يستقبل القبلة و يقول: دينى دين زيد، والهى اله زيد؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "رأيتهٗ يمشى على بطنان الجنة عليه حلة من سندس"، رواه ابو يعلىٰ(مسند ابى يعلىٰ: ۲۰۴۷)

وبطنان الجنة وسطها، وقد آمن بالنبى صلى الله عليه وسلم و قاله لهٗ كما فى "الصحيحين": ليتنى أكون حيا اذ يخرجك قومك ثم قال: وان يدركنى يومك انصرك نصراً مؤزّراً (صحيح البخارى "۳"، و صحيح مسلم: ۱۶۰ا "۲۵۲")

و قال لخديجة رضى الله عنها: "فان زوجك نبى سيصيبهٗ من امته بلاء"، رواه ابن ابى شيبة فى "المصنف" (مصنف ابن ابى شيبة: ۳۶۵۵۴)

وقد عده بعضهم فى الصحابة، و اول من آمن به صلى الله عليه وسلم بعد خديجة رضى الله تعالىٰ عنها، قال السندى: الظاهر ان ورقة بن نوفل آمن، اهـ.

روى احمد فى "مسنده" بسند حسن: أن خديجة سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ورقة بن نوفل، فقال: "قد رأيتهٗ فى المنام، فرأيت عليه ثياب بياض، فأحسبهٗ لو كان من اهل النار، لم يكن عليه بياض"(مسند الامام احمد: ۲۴۳۶۷)

وروى الطبراني عن اسماء بنت ابى بكر رضى الله عنها: أن النبى صلى الله عليه وسلم سئل عن ورقة بن نوفل، فقال: "يبعث يوم القيامة امة وحدهٔ" (المعجم الكبير "٢١٧:٨٢/٢٤")

ومنهم: قُسّ بن ساعدة الإيادى، ورد فيه قول النبى صلى الله عليه وسلم: "فانه يبعث يوم القيامة امة وحده" (ينظر "المنتظم" لابن الجوزى: ٣٠٠/٢)

قال ابو حاتم: انه عاش ثلاث مأة و ثمانين سنة، وعدهٔ كثير، فى الصحابة.

ومنهم: امية بن ابى الصلت الثقفى، أدرك معركة بدر الكبرىٰ لكنهٔ لم يسلم، ورثى من مات من كفار مكة فى بدر، وقال صلى الله عليه وسلم فى حقه: "كاد امية بن ابى الصلت ان يسلم"، رواه الشيخان (صحيح البخارى: ٣٨٤١، و صحيح مسلم: ٢٢٥٦ "٣")

و فى "صحيح مسلم": "فلقد كاد يسلم فى شعرهٖ" (صحيح مسلم، كتاب الشعر: ١٧٦٧/٤، رقم "١")

ولا شك ان عبدالمطلب و اسمه شيبة بن هاشم واحد من أهل مكة، وعقيدتهٔ هى عقيدة اهل مكة، والدلائل على ذلك متوافرة:

فمنها: القصة المشهورة لمّا نذر عبدالمطلب أن يذبح واحد من أولاده ان رزقه الله تعالىٰ عشرة من الاولاد، ثم قام عبد المطلب عند هُبَل يدعو الله تعالىٰ أن لا يخرج القدح على عبدالله، لأنهٔ كان أحب اولاده اليه فخرج القدح على عبدالله، فأخذ

عبدالمطلب بيده، وأخذ الشفره ثم أقبل به الى إساف ونائلة الوثنين اللذَين تنحر عندهما قريش ذبائحها فمنعته قريش من ذبح عبدالله، وقالوا لهٗ: لا تفعل، وانطلق الى الحجاز، فان به عرافة يقال لها: سجاح، لها تابع يأتيها فاسألها، فأخذ معه ولده عبدالله الى سجاح، فقالت لهم: ارجعوا الى بلادكم فقدمو صاحبكم وعشرة من الابل، ففعلوا وضربوا بالاقداح وهى الازلام التى عند هُبَل، اهـ.

ذكرها ابن اسحاق فى "السير"، و رواها ابن ابى شبية فى "المصنف" مختصرة كما يأتى، والبيهقى فى "دلائل النبوة" عن ابن اسحاق، وكذلک ابن كثير، وغيرهم ولم ينكروها (ينظر: "سيرة ابن اسحاق:ص: ٣٢"، و "مصنف ابن ابى شيبة:٣٤١٢٥١ "، و"دلائل النبوة للبيهقى : ١/٩٨،١٠٠ " و "البداية والنهاية لابن كثير :٣٤٥/٣")

ورواها الطبرى عن النبى صلى الله عليه وسلم، والحاكم مختصرة، وفيها: فقال الاعرابى للنبى صلى الله عليه وسلم: "يابن الذبيحين"(تاريخ الطبرى "١٥٨/١ "، و المستدرک: ٤٠٣٦)

والذبيحان هما اسماعيل عليه السلام، وعبدالله والد النبى صلى الله عليه وسلم، يؤيد هذا ما رواه ابن جرير فى "تاريخه": أن امرأة سألت ابن عباس رضى الله عنه أنها نذرت أن تنحر ابنها عند الكعبة فأمرها بذبح مأة من الابل، وذكرها لها هذه القصة(تاريخ الطبرى: ٤٩٧/١)

وكذا ما رواه ابن ابى شيبة فى "مصنفه": عن عامر، قال سأل رجل

ابـن عبـاس، عـن رجل نذر أن ينحر ابنه، قال: (ينحر مأة من الابل كما فدى بها عبدالمطلب ابنه" (مصنف ابی شيبة: ١٢٥١٤)

ثـم اليک دليلاً واضـحـاً بيـنا على ان عبدالمطلب لم يكن مومناً، وهـو مـا رواه الشيـخـان عن المسيب قال: لما حضرت ابا طالب الـوفاة جاءه رسول الله صلى الله عليه وسلم فوجد عندهٗ أبا جهل بـن هشام، وعبدالله ابن أبى امية بن المغيرة، قال رسول الله صلى الـلـه عـليـه وسـلـم لأبى طالب: "يا عم، قل: لا اله الى الله، كلمة أشهـد لک بها عندالله"، فقال ابو جهل، وعبدالله بن أبى امية: يا أبـاطـالـب أترغب عن ملة عبدالمطلب، فلم يزل رسول الله صلى الـله عليه وسلم يعرضها عليه ويعودان بتلک المقالة حتى قال أبو طـالـب آخر ما كلمهم: هو على ملة عبدالمطلب، وأبى أن يقول: لا الـه الا الـلـه، فـقـال رسـول الله صلى الله عليه وسلم: أما والله لأستـغـفـرن لک مـالـم أُنـهَ عنک، فأنزل الله تعالىٰ فيه: "ما كان لـلنبى"، (التوبة: ١١٣) (صـحيـح البـخـارى "١٣٦٠" و صـحيح مسلم: ٢٤ "٣٩")

وهذا الحديث دلالات:

الاولىٰ: أن النبى صلى الله عليه وسلم لم ينكر على أبى جهل كون أبـى طـالـب عـلى ملة عبد المطلب، وسكوتهٗ صلى الله عليه سلم إقرار.

الثـانية: إصـرار أبـى جهـل، وابن أبى أمية، وتحريضهما أبا طالب ليبـقـى عـلـى مـلة عبد المطلب يدل على أنها الملة التى رضياها،

وهل يرضى فرعون هذه الامة الا بالشرک والكفر.

الثالثة: دعوة النبى صلى الله عليه وسلم أبا طالب: ليقول: لا اله الا الله، فلولا أنه كان على خلافها لكانت دعوته صلى الله عليه وسلم له عبثا، والنبى بعث ليخرج الناس من الظلمات الى النور، وملة أبى طالب هى ملة عبدالمطلب.

الرابعة: إقرار أبى طالب نفسه بأنه على ملة عبدالمطلب، وإصراره و موته على ذلک.

الخامسة: إباؤه أن يقول: لا إله الى الله.

السادسة: بقاؤه على ملة عبدالمطلب، وهذان أمران يدلان على أنه على خلاف ما دعى اليه، لأن المرء انما يأبى خلاف ماعنده.

السابعة: نزول الآية فى حقه، وقد سماه الله تعالىٰ مشركا بقوله: ”ماكان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين“ (التوبة: ١١٣)، وجه دلالتها: أن الله تعالىٰ قد سماه مشركا، ولو كان نزولها لإبائه قول: لا إله الى الله فقط، لسمى كافراً لا مشركاً، لكن تسميتهُ مشركا، لبقائه على ملة عبدالمطلب، وغايتهُ أن أبا طالب أضاف الكفر الى الشرک الذى كان عليه، فإذا كان المقلد ــ و هو أبوطالب ــ قد مات مشركا بنص الآية، فكيف بالمقلد ــ وهو عبدالمطلب ــ فقد روى أبو داود، والنسائى، و ابن حبان، والحاكم، والبزار، واللفظ لهُ عن عبدالله بن عمرو بن العاص، عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه رأى فاطمة ابنته فقال لها: ”من أين أقبلت يا فاطمة؟“ فقالت: أقبلتُ من وراء جنازة هذا

الرجل، فقال النبی صلی الله علیه وسلم: "هل بلغت معهم الکدی؟ قالت: لا، و کیف أبلغها وقد سمعت منک ما سمعت؟ فقال النبی صلی الله علیه وسلم: "والذی نفسی بیدہٖ لو بلغت معهم ما رأیت الجنة حتی یراها جد أبیک".

قال الحاکم: صحیح علی شرط الشیخین، ووافقه الذهبی، وحسنه المنذری فی "الترغیب والترهیب" ("سنن أبی داود:۳۱۲۳"، و "سنن النسائی:۱۸۸۰"، و "صحیح ابن حبان:۳۱۷۷"، و"المستدرک:۱۳۸۲"، و"مسند البزار:۲۱۳۵"، و "الترغیب والترهیب:۵۳۸۰")

قال البیهقی: جدّ أبیها عبدالمطلب بن هاشم، و کیف لایکون أبواه صلی الله علیه وسلم وجده بهذه الصفة فی الآخرة وقد کانوا یعبدون الوثن حتی ماتوا. اهـ(ینظر: "دلائل النبوة" للبیهقی: ۱/۱۹۲)

وقال ابن کثیر: والمقصود أن عبدالمطلب مات علی ماکان علیه من دین الجاهلیة خلافا لفرقة الشیعة فیه، و فی أبی طالب، اهـ (ینظر: "السیرة النبویة" لابن کثیر: ۱/۲۳۸)

ثم ألم یسم عبدالمطلب ابنه أبا لهب عبدالعزی، والعزی اسم صنم کانت العرب تعبده، و قد ذکر ذلک فی القرآن، وسمی أباطالب ایضا عبدمناف، ومناف اسم آلهة؟! فلولم یکن یعظم الأصنام کیف یسمی کلا من ولدیه عبداً للآلهة؟!.

وأما عبدالله والد النبی صلی الله علیه وسلم: فکان علی دین أبیه، ولم ینقل خلافهٗ، فقد روی مسلم عن أنس رضی الله عنه أن رجلا قال: یا رسول الله أین أبی؟ قال: "فی النار"، فلما قفّی دعاه فقال:

إن أبی و أباک فی النار" (صحیح مسلم: ۲۰۳ "۳۴۷")

قال الامام البیهقی: وأبواه صلی الله علیه وسلم کانا مشرکین، اهـ، واستدل بهذا الحدیث ("سنن البیهقی الکبریٰ" ۳۰۸/۷)

وقال الإمام النووی رحمه الله تعالیٰ عند هذا الحدیث: فیه أن من مات علی الکفر فهو فی النار، ولا تنفعه شفاعة المقربین. اهـ (ینظر: "شرح صحیح مسلم" للنوی: ۷۹/۳)

وقال الحافظ ابن کثیر: وإخباره صلی الله علیه وسلم عن أبویه و جده عبدالمطلب، بأنهم من أهل النار، لا ینافی الحدیث الوارد عنه من طرقٍ متعددة أن اهل الفترة والأطفال والمجانین والصم یمتحنون فی العرصات یوم القیامة ......فیکون منهم من یجیب، ومنهم من لایجیب، فیکون هؤلاء ــ أی: أبواه صلی الله علیه وسلم وجدهٗ ــ من جملة من لا یجیب، اهـ (ینظر: "السیرة النبویة" لابن کثیر: ۲۳۹/۱)

وقد جزم بذلک الإمام ابن جریر الطبری، فقال: فإن ظنّ ظانٌّ أن الخبر الذی روی عن محمد بن کعب صحیح، فإن فی استحالة الشک من الرسول علیه السلام فی أن اهل الشرک من أهل الجحیم، وأن أبویه کانا منهم ما یدفع صحّة ما قالهٗ محمد بن کعب، اهـ (ینظر: "تفسیر الطبری": ۴۸۲/۲)

فانظر -عافاک الله تعالیٰ- کیف جعل هذا الإمام الکبیر شک النبی صلی الله علیه وسلم فی أن والدیه من أهل الشرک والجحیم مستحیلاً، و خبر محمد بن کعب الذی ذکرهٗ هو قول

رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليت شعرى ما فعل أبواى؟! فنزلت: "ولاتسأل عن أصحاب الجحيم" (البقرة: ١١٩) (أخرجه الطبرى فى "تفسيره": ٢/ ٤٨١)

وقال الإمام ابن عطية: لأنا نجد شرعنا يُنبئُ أن الكفار الذين كانوا قبل النبى صلى الله عليه وسلم كأبويه وغيرهما فى النار، ولا يدخل الله تعالىٰ أحداً النار إلا بترك ما كلف به، اهـ ("تفسير ابن عطية": ٢/ ٣٧٦)

وقال العلامة ابن عابدين عند ذكر صاحب "الدُّرِّ" حديث: "وُلِدتُ من نكاح": ولا يقال: إن فيه إساءة أدب، لإقتضائهٖ كفر الأبوين الشريفين مع أن الله تعالىٰ أحياهما وآمنا به كما ورد فى حديثٍ ضعيفٍ، لأنا نقول: إن الحديث أعم...... وإحياء الأبوين بعد موتهما لا ينافى كون العقد كان فى زمن الكفر، اهـ (ينظر: "ردالمحتار على الدر المختار": ٣/ ١٨٤)

فأين الذين شنّعوا ويشنّعون على الملا على القارى من كلام هؤلاء الأئمة.

والسيوطى رحمه الله تعالىٰ لما لم يظفر بدليل واحدٍ يشهد لزعمه فى إيمانهما سلك مسلك الدفع والتاويل بلا حجة ولا دليل، فقال: ما المانع أن يكون قول السائل: "فأين أبوك"، وقولهٗ صلى الله عليه وسلم فى حديث أنس: (إن أبى) إن ثبت المراد به عمهٗ أبو طالب لا أبوه عبدالله، اهـ (ينظر: "الحاوى للفتاوىٰ" للسيوطى: ٢/ ٢٧٥)

وهذا بعيد عن الظاهر شاسع، وخروج من الحقيقة إلى المجاز

بلامانع، وكيف ساغ لهٗ ذلك والإرادة قصد محله القلب؟!،
وكل كلامٍ تساور "لعل" فيه الأوهام، فلو اعتُبِرت بلا قرينة ولا
دليل لبطلت الحقائق ولم يبق بكلامٍ ثقة، بل قرينة المقابلة فی
الحديث تبطل المدعی، لأن الرجل إنما سأل النبی صلی الله عليه
وسلم عن أبيه بعد أن أخبره صلی الله عليه وسلم أن أباه فی النار
كما فی رواية ابن ماجه("سنن ابن ماجه":١٥٧٣)
ولم يسأله عن عمه، بل ربما لو قال له النبی صلی الله عليه وسلم :
إن عمی وأباك فی النار لظن ـ وكان السائل كافرا حين سؤاله ـ
ان النبی صلی الله عليه وسلم يستهزئ به ، بل لعله لو فهم التورية
التی زعمتموها ، أو المجاز لنكص علی عقبيه ولم يسلم ، لأن أبا
طالب قد علم موته مشركا وانتشر ، ولم يحتج فی ذالك الی
تجديد الخبر ، ثم أين ما قاله السيوطی رحمه الله تعالی من فهم
من سبق ذكرهم آنفا ، وما يأتی من أقوال الأئمة لا حقا ، وأما قول
السيوطی وقد أراد حل عقدة حديث مسلم هذا : ان هذه اللفظة ـ
وهی : ( ان أبی وأباك فی النار ) ـ لم يتفق علی ذكرها الرواة ،
وانما ذكرها حماد بن سلمة عن ثابت عن أنس ، وهی الطريق
التی رواها مسلم ، وقد خالفه معمر عن ثابت ، فلم يذكر : ( ان
أبی و أباك فی النار ) ، ولكن قال له : ( اذا مررت بقبر كافر
فبشره بالنار ) ، وهذا اللفظ لا دلالة فيه علی والده صلی الله عليه
وسلم بأمر ألبتة ، وهو أثبت من حيث الرواية ، فان معمرا أثبت من
حماد ، فان حمادا تكلم فی حفظه ... ومن ثم لم يخرج له

البخاری شيئا ، ولا خرج له مسلم فی الأصول الا من روايته عن ثابت ... وأما معمر فلم يتكلم فی حفظه ولا استنكر شئ من حديثه ، واتفق على التخريج له الشيخان ، فكان لفظه أثبت . اهـ

(ينظر : " الحاوی فی الفتاوی " للسيوطی: ۲ / ۲۷۳ )

فما ظننت يوما ، ولا توهمت أن يخط يراع الامام السيوطی مثل هذه الأوهام ، وهو القائل بعد هذا الكلام : وانی بحمد الله قد اجتمع عندی الحديث ، والفقه ، والأصول ، وسائر الآلات ، وغير ذالک ، فأنا أعرف كيف أتكلم ، وكيف أستدل ، وكيف أرجح . اهـ (ينظر : " الحاوی فی الفتاوی" للسيوطی : ۲ / ۲۷۷ )

والله ما أدری ما أقول !! لكنی أقول : يا ليته لم يقل ذالک، ولا يخط هذا الكلام ، فأما قوله : ( وهذه اللفظة لم يتفق عليها الرواة) فوضع للكلام فی غير موضعه ، وتصور أو تصوير للشئ على غير ما هو له وعليه ، وانما يصح هذا عند الاضطراب ، وأين الاضطراب من العام والخاص ؟ فان حديث مسلم خاص بوالد النبی صلى الله عليه وسلم ، والرواية التی ذكرها عامة فی كل كافر ، ثم من من أهل الحديث أو الفقه أو غيرهم أطلق شرط اتفاق الرواة على لفظ واحد ليصح قوله؟ وهذه كتب (الصحيحين ) ، و ( السنن ) ، وغيرها طافحة بألفاظ متقاربة ، ومتباينة ، ومتشابهة ، ومختلفة ، ومضطربة ، وعامة ، وخاصة ، ومطلقة ، ومقيدة ، بل لا تكاد تجد روايتين بلفظ واحد الا قليلا ، ولم يطلق أحد ما أطلقه السيوطی ، لكنه حاول أمرا فعاد عليه

فقال: ( وقـد خالفه ـ أى : حمادا ـ معمر عن ثابت ) ، وهذا أعجب، لأن معـمـرا لـم يـروه عن ثابت ، وانما رواه عن الزهرى مرسلا ، رواه معمر بن راشد فى ( جامعه ) (جامع معمر بن راشد : ١٩٦٨٧ )

والـمـرسـل عـنـده ضعيف ، هذه واحدة ، وأما الثانية : فهى أنه لو فـرضـنـا أن مـعـمـرا رواه عـن ثـابت ، فان حديث معمر عن ثابت ضـعيف مـضـطـرب ، قال ابن معين : و حديثه عن ثابت ، وعاصم ، وهشـام بـن عـروة ، مـضـطـرب كثيـر الأوهام . اھ ، ( سير أعلام النبلاء ) (ينظر : "سير أعلام النبلاء" للذهبى: ٧ / ١١ )

وقـال فـى رواية أخـرى : ومـعـمر عن ثابت ضعيف . اھ، ( تهذيب الكمال ) (ينظر : "تهذيب الكمال" للمزى: ٢٨ / ٣٠٩ )

وهذا يسقط دعوى السيوطى.

وأمـا قـولـه : ( ان مـعمرا أثبت من حماد ) : فخطأ فاحش ، وقلب لـلـحـقـائـق ، واطلاق فى موضع التقييد ، لأن معمرا من أصحاب الـزهـرى ، وانما هو ثبت فى الزهرى بعد مالك ، وابن عيينة ، لا فـى ثـابـت ، بـل هـو ضـعيف فيـه مضطرب ، قال يحيى بن معين : ومـعـمـر عـن ثـابـت ضـعيف ، ( تهـذيب الكمال ) ، وقال أيضا : وحـديثـه عـن ثـابت ، و عاصم ، وهشام بن عروة ، مضطرب كثير الأوهـام . اهــ ، وقـد سبـق وأما حماد : فقال الامام أحمد : حماد أثبـت فـى ثـابـت من معمر ، وقال فى رواية : حماد بن سلمة أعلم الناس بثابت . اهـ (ينظر : " الجرح والتعديل" لابن أبى حاتم : ٧ / ١٤١ )

وقـال ابـن مـعين : من خالف حماد بن سلمة فى ثابت فالقول قول

حماد ، قيل له : فسليمان بن مغيرة عن ثابت ؟ قال : سليمان ثبت، وحماد أعلم الناس بثابت . اهـ (ينظر : "تاريخ يحيى بن معين": ٢٦٥/٤)

وقال ابن المدينى : لم يكن فى أصحاب ثابت أثبت من حماد بن سلمة . اهـ (ينظر : "تهذيب الكمال" للمزى : ٧ / ٢٦٣ )

ولم يقل أحد منهم ما قاله السيوطى .

وأما قوله : ( وأما معمر فلم يتكلم فى حفظه ) : فخلاف الصواب ، وقيعة ملؤها السراب ، وقد سمعت قول ابن معين من أن معمرا عن ثابت ضعيف مضطرب كثير الأوهام ، وقال أيضا : اذا حدثک معمر عن العراقيين فخفه الا عن الزهرى ، وابن طاووس ، فان حديثه عنهما مستقيم ، فأما أهل الكوفة وأهل البصرة فلا . اهـ (ينظر : "تاريخ ابن ابى خيثمة": ١ / ٣٢٥ )

وقال أبو حاتم : ما حدث معمر بالبصرة فيه أغاليط (ينظر :"الجرح والتعديل" لابن أبى حاتم : ٨ / ٢٥٧ )

وقال الذهبى : ومع كون معمر ثقة ثبتا فله أوهام لا سيما لما قدم البصرة . اهـ (ينظر : " سير أعلام النبلاء ": ٧ / ١٢ )

وأدنى ما هنالک تسوية عبد الرحمن بن مهدى بينهما حيث قال : اثنان اذا كتبت حديثهما هكذا ـ يعنى دون انتقاء ـ رأيت فيه ـ يعنى أوهاما ـ واذا انتقيتهما كانت حسانا ، معمر ، وحماد بن سلمة . اهـ (ينظر : " سير أعلام النبلاء ": ٧ / ٩ )

ثم ها نحن ذا نأتيهم بما ليس فى حسبانهم فنقول : قال ابن أبى

حاتم : سألت أبى عن حديث رواه يزيد بن هارون ، ومحمد بن موسى بن أبى نعيم الواسطى عن ابراهيم بن سعد عن الزهرى عن عامر بن سعد عن أبيه قال : جاء أعرابى الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال : أين أبى ؟ قال : ( فى النار ) ، قال : فأين أبوك :؟ قال : ( حيث مررت بقبر كافر فبشره بالنار ) فقال : كذا يرويه يزيد بن هارون ، وابن أبى نعيم ، ولا أعلم أحدا يجاوز به الزهرى غيرهما ، انما يروونه عن الزهرى قال : جاء أعرابى الى النبى صلى الله عليه وسلم ، والمرسل أشبه . اهـ (ينظر : "علل الأحاديث" لابن أبى حاتم: ٥ / ٦٩٢ )

وقال الحافظ الدارقطنى : يرويه محمد بن أبى نعيم ، والوليد بن عطاء بن الأغر ، عن ابراهيم بن سعد ، وغيره يرويه عن ابراهيم بن سعد عن الزهرى مرسلا ، وهو الصواب . اهـ (ينظر : "العلل" للدارقطنى : ۴ / ۳۳۴ )

والمرسل عندهم ضعيف ، فلم يبق فى جعبتهم رواية تعدل رواية مسلم ، لأن الروايات كلها عن الزهرى ، و نزيدهم حديثا آخر مع حديث مسلم وهو ما رواه عمران بن الحصين أن أباه الحصين أتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال : أرأيت رجلا كان يقرى الضيف ، ويصل الرحم مات قبلك وهو أبوك ؟ فقال : ( ان أبى و أباك وأنت فى النار ) (أخرجه الطبرانى فى "المعجم الكبير": ١٨ / ٢٢٠ "٥٤٩" )

قال الهيثمى : رجاله رجال الصحيح (ينظر : "مجمع الزوائد" للهيثمى :

١/ ٣١٥)

والخلاف في اسلام حصين أجاب عنه الامام الطحاوى بقوله : فتأملناهما فوجدناهما قد يخرجان بما لا اختلاف فيه ، وذالک أن يكون عمران هو ابن حصين بن حصين بن عبيد ، فيكون الذى أسلم هو أباه الأدنى ، والذى لم يسلم هو أباه الأبعد ، فيصح الحديثان معا ولا يتضادان . اهـ (ينظر : " شرح مشكل الآثار" للطحاوى : ٦ / ٣٥٠ ، ببعض اختصار )

وهذا الحديث يبطل قول السيوطى وغيره : لعل النبى صلى الله عليه وسلم أراد بأبيه عمه ، لأن حصينا قال : ( مات قبلک وهو أبوک ) ، وأبو طالب لم يمت قبله صلى الله عليه وسلم ، بل مات فى حياته بعد النبوة ، ووالده عبد الله هو الذى مات قبله .

وبعد : فقد ثبت حديث مسلم وبطل ما حاولوه من اضعافه ، ولله الحمد والمنة .

واعلم ـ علمک الله تعالى ـ أيضا أن هذا الحديث لم ينفرد باخراجه مسلم كما يتبادر الى فهم البعض ، بل قد رواه أيضا أبو داود ، وأحمد ، والبزار ، وأبو يعلى ، وأبو عوانة ، وابن حبان ، وابن مندة فى ( الايمان ) ، والبيهقى ، وغيرهم (سنن أبى داود " ٤٧١٨ " ، و مسند الامام أحمد " ١٢١٩٢ " ، و مسند البزار " ٦٨٠٦ " ، و مسند أبى يعلى " ٣٥١٦ " ، و مستخرج أبى عوانة " ٢٨٩ " ، و صحيح ابن حبان " ٥٧٨ " ، و الايمان لابن منده " ٩٢٦ " ، و السنن الكبرى للبيهقى " ١٤٣٥٨ ")

وأما قول السيوطى : ( هذا اللفظ لا دلالة فيه على والده صلى الله

عليه وسلم فى أمر ألبتة ) ، فمبنى على اعتقاده فى والد النبى صلى الله عليه وسلم ، محاولا فى ذالک اضعاف الحديث ، وهذا هو الذى صرفه عن كون حديث مسلم خاصا بوالد النبى صلى الله عليه وسلم وكون الحديث الآخر عاما فى كل كافر ، لأن كلمة : ( مشرک ) فى الحديث نكرة فى سياق الشرط فتعم ، وادعاه هذا مخالف لسبب الحديث ، لأنه جواب لسؤال الرجل عن أبيه صلى الله عليه وسلم والجواب معاد فى السؤال ، وكان من عادته صلى الله عليه وسلم أن يزيد فى الجواب ، ليكون أكثر فائدة و أعم نفعا ، لكنه قد ظهر بتوفيق الله تعالى أن الرواية التى ذكرها السيوطى عن معمرا عن ثابت لا وجود لها فى كتب الحديث ، وأنها لو وردت لكانت ضعيفة ، لضعف معمر فى ثابت البنانى رضى الله عنه كما أسلفنا .

وأما قوله : ( لم يخرج له البخارى شيئا ، ولا خرج له مسلم فى الأصول الا من روايته عن ثابت ) فكلام من لم يقرأ ( الصحيحين ) لا ينبغى أن يصدر من مثل السيوطى فى حفظه ، لأن البخارى روى له حديثا فى : ( باب ما يتقى من فتنة المال ) فقال : وقال لنا أبو الوليد : حدثنا حماد بن سلمة ، عن ثابت ، عن أنس ، عن أبى قال : ( كنا نرى هذا من القرآن حتى نزلت : ( أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ) (التكاثر : ١ ) . اهـ (صحيح البخارى : ٦٤٤٠ )

وتعبير البخارى ب : ( قال لنا ) لا يفيد التعليق ، خلافا للمزى حيث سوى بين ( قال لنا ) و ( قال فلان ) ، قال الحافظ : وليس

بـجيـد ، لأن قـولـه : ( قـال لنا ) ظاهر فى الوصل وان كان بعضهم قـال : انهـا لـلاجازة ، أو للمناولة ، أو للمذاكرة ، فكل ذالك فى حـكم الموصول وان كان التصريح بالتحديث أشد اتصالا ، وقال أيـضا : وهذه الصيغة يستعملها البخارى فى الأحاديث الموقوفة ، وفـى المرفوعة اذا كان فى سندها من لا يحتج به عنده . اهـ (ينظر : " فتح البارى " لابن حجر: ١ / ٣٩٩ ، و ١١ / ٢٥٦ )

أقـول : انـه كما يحتمل أن يكون البخارى ذكر صيغة ( قال لنا ) ، لأن حـمادا ليس على شرطه ، فكذالك يحتمل أن يكون السبب كـون الـحـديـث مـوقوفا ، بدليل أنه قد ذكر مثله عن الامام أحمد فـقـال : وقـال لـنـا أحـمـد بـن حنبل : حدثنا يحيى بن سعيد ، عن سـفيـان ، حدثنى حبيب ، عن سعيد بن جبير ، عن ابن عباس رضى الـلـه عـنـه : (حـرم مـن الـنسب سبع ، ومن الصهر سبع ) (صحيح البخارى : ٥١٠٥ )

فهـذا بـذاک سـواء بسواء، يؤيدهٗ أن الإمام أبا نصر الكلاباذى قد عـدّ حـمـاد بـن سـلـمة فـى ”الهـداية والإرشـاد“ فيمن أخرج لـه البخارى(ينظر: ”الهداية والإرشاد“ للكلاباذى: ۲/۸۸۸)

والمراد من هذا بيان أن اطلاق السيوطى و تعميمهٗ ليس بصواب، ثـم يـلـزم على قول السيوطى أن يكون أحمد بن حنبل أضعف من أبـى بـكـر بـن عيـاش، وفُـلَيـح، و غيرهما، ويلزمهٗ ايضاً أن يكون الـبـخـارى أضـعف مـنهـم، لأن مسـلـمـا لم يخـرج لـهٗ شيئـا فـى ”صـحيـحـهٖ“، وهـو تـلـميـذهٗ، فهل يقول بذلک؟ وقد استشهد

البـخاری أیضاً بحماد بن سلمة فی مواضع کثیرة من ”الصحیح“، لیثبـت أنـهٗ ثـقة کـمـا قـاله الحافظ ابن حجر فی ”التهذیب“ (ینظر: ”تهذیب التهذیب“ لابن حجر :۳/۱۴)

وأمـا مسـلـم فـقد خرّج لهٗ قریبا من اثنی عشر حدیثا عن غیر ثابت رضی الله عنه:

مـنهـا: فـی ”بـاب صـفة الـجـلوس فی الصلاة“، حیث قال: حدثنا حـمـاد بـن سلمة، عن أیوب عن نافع ین ابنِ عمر: ”أن رسول الله صـلـی الـله علیه وسلم کان إذا قعد فی التشهد وضع یده الیسریٰ علی رُکبتیه“ الحدیث(”صحیح مسلم“ :۵۸۰”۱۱۵“)

ومـنهـا: فـی ”باب استحباب التکبیر بالصبح“(”صـحیح مسلم“ :۳۴۷ ”۲۳۷“)

ومنها: فی ”باب فضل الجماعة“(”صحیح مسلم“ :۶۴۹”۲۷۴“)

ومنها: فی ”باب قضاء الصلاة الفائتة“ (”صحیح مسلم“ :۶۸۳”۳۱۳“)

إلی آخر ماهنالک، ثم رأیت البیهقی قد ذکر هذا العدد.

وأمـا أمـهٗ صـلـی الله علیه وسلم: فروی مسلم فی ”صحیحهٖ“ عن أبـی هـریـرـة رضـی الـلـه عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ”استأذنت ربی أن أستغفر لأمی فلم یأذن لی، واستأذنتهٗ أن أزور قبرها فأذن لی(”صحیح مسلم“ :۹۷۶”۱۰۵“)

قـال الامام النووی رحمه الله تعالیٰ فیه جواز زیارة المشرکین فی الـحیـاة و قبورهم بعد الوفاة ......وفیه النهی عن الاستغفار للکفار.

اهـ (ینظر: ”شرح صحیح مسلم“ للنووی :۷/۴۵)

وبوّب له النسائی بقوله: (زیارة قبر المشرک)، وابن ماجه بقوله: (زیارة قبور المشرکین) والبیهقی بقوله: (نکاح أهل الشرک)
("سنن النسائی" :۴/۹۰، و"سنن ابن ماجه" : ۱/۵۰۱، و"سنن البیهقی الکبریٰ : ۷/۳۰۸)

وروی ابن أبی شیبة عن بریدة رضی الله عنه قال: لمّا فتح رسول الله مكة أتى حرم قبر، فجلس إليه كهيئة المخاطب، وجلس الناس حولهٗ، فقام و هو يبكی، فتلقاه عمر وكان أجرأ الناس عليه، فقال: بأبی أنت و أمی يا رسول الله ما الذی أبكاک؟ قال: "هذا قبر أمی"، سألت ربی الزيارة فأذن لی، وسألته الاستغفار فلم يأذن لی، فذكرتها فذرفت نفسی فبكيت" ("مصنف ابن ابی شیبة":۱۱۸۰۸)
وفی رواية الإمام احمد، وابن حبان: "فدمعت عيناىَ رحمةً لها من النار" ("مسند الامام احمد" :۲۳۰۰۳) و "صحیح ابن حبان" : ۵۳۹۰)
ورجالها رجال الصحيح كما قال الهيثمی (ینظر: "مجمع الزوائد" للهیثمی : ۱/۳۱۴)

وفی رواية ابن حبان، والحاكم، والحطاوی، والأزرقی، والفاكهی، والشاشی، قال: "فلم يأذن لی ونزل علیَّ: "ما كان للنبی والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين" (التوبة: ۱۱۳) حتی تنقضی الآية "وما كان استغفار إبراهيم لأبيه" (التوبة ۱۱۴)، فأخذنی ما يأخذ الولد للوالدين من الرقة" ("صحیح ابن حبان" : ۹۸۱، و"المستدرک" : ۳۲۹۲، و"شرح معانی الآثار" :۲۴۸۷، و"مسند الشاشی" :۳۹۷، و"أخبار مكة" للأزرقی : ۲/۲۱۰، و "أخبار مكة" للفاكهی : ۲۳۷۲)

قال الإمام القاضي عياض رحمه الله تعالىٰ: بُكاؤُهُ عليه السلام على ما فاتهما من أيامه والإيمان به، اهـ (ينظر:"إكمال المعلم" للقاضي عياض :٣/٣٥٢)

وبّوب له ابن حبان بقوله: "ذكر ما يستحب للمرء أن يترك الاستغفار لقرابتهٖ المشركين أصلاً". اهـ ("صحيح ابن حبان" :٣/٢٦١)

وروى أبو داود الطيالسي عن أبي رزين العقيلي قال: قلت: يارسول الله، إن أمي كانت تصل الرحم وتفعل وتفعل، وماتت مشركة، فأين هي؟ قال: "هي في النار"، قلت: يا رسول الله، فأين أمك؟ قال: أما ترضىٰ أن تكون أمك مع أمي" ("مسند الطيالسي" : ١١٨٦)

قال البوصيري: ورُواتُهٗ ثقات، اهـ (ينظر: "إتحاف الخيرة" للبوصيري : ٨/٢١٨)

ورواه أحمد، والطبراني، وقال الهيثمي: ورجالهٗ رجال الصحيح ("مسند الإمام أحمد" : ١٦١٨٩، و "المعجم الكبير" للطبراني : ١٩/٢٠٨ "٤٧١"، وينظر: "مجمع الزوائد" للهيثمي : ١/٣١٣)

وروى السَّرِيُّ بنُ يحيىٰ قال: أنا قبيصة، عن سفيان، عن منصور، عن إبراهيم، عن علقمة، قال: جاء ابنا مليكة الجعفياني إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالا: إن أُمَّنَا وأدت في الجاهلية، فهل تنفعها صلاة مع صلاتنا وصيام مع صيامنا؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الوائدة والموءُودةُ في النار"، فولَّيا وهما يبكيان، فدعاهما فقال: "وأمي مع أمكما"، اهـ ("أحاديث السري بن

يحيى": ١٠١)

وهـذا سـند متصل صحيح، ورواه ابن عساكر ايضاً فى "معجمهٖ" وحسّنه ("معجم ابن عساكر": ١١٤٢)

ورواه البيـقهـى من طريق آخر، وفيها: فقال صلى الله عليه وسلم: "وأم محمد معهما، فما فيهما من خير" ("القضاء والقدر" للبيهقى: ٦٢٣)

وهـذا كـلـهٗ يؤيـد رواية احـمـد، والـحاكم، و يبطل كلام الامام السيـوطـى رحمه الله تعالىٰ وردَّهٗ لهذا الحديث حيث اقتصر على رواية الامـام احـمـد، والـحـاكم، وأعلها بعثمان بن عمير، ولم ير هـذه الـروايـات التـى بـعـضهـا صـحيـح، وبعضها حسن، ورواية البيهـقـى هـذه تـرُّد ايضا تاويل السيوطى انه صلى الله عليه وسلم أراد أنهـا مـعهـمـا فى البرزخ، على ان أرواح المومنين فى البرزخ ليست مع أرواح الكافرين فلا تصح دعواه.

وروى الامـام الـعـارف الـحـافـظ أبـوبـكـر الـكـلاباذىُّ فى "بحر الـفـوائد"، والحافظ ابن كثير فى "البداية والنهاية" عن أبى هريرة رضـى الـلـه عـنه: قيل : أترجو لوالديک شيئا يا رسول الله؟ قال: "إنـى لشـافـع لهـمـا أُعـطِيتُ أو مُنِعتُ، وما أرجو لهما شيئا"، قال الامـام الكلاباذى: يجوز أن يكون أراد النبى صلى الله عليه وسلم بـقـولـهٖ: "إنـى لشـافـع لهـما" فى الدنيا، وذلک قبل أن ينهاه الله تـعـالـىٰ عـن الاستغفار لهما بقولهٖ: "ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستـغفروا للمشركين ولو كان أولى قربىٰ" (التوبة: ١١٣) الآية، وهـذا كـمـا استـغـفر ابراهيم لأبيه بقوله:"واغفر لأبى إنه كان من

الضالين" (الشعراء: ٨٦)، وقولهٔ: "وما أرجو لهما"، لأن استغفارهٔ لهما كان بعد موتهم، فلم يرجُ لهما اذا ماتا على غير الاسلام، واستغفرلهما رقَّةً عليهما، ثم قال: والنبى صلى الله عليه وسلم علم من أبويه ما علم ابراهيم عليه الصلاة والسلام من أبيه غير أنهٔ أراد قضاء حقِّهما فنهاه الله تعالىٰ عنه فانتهىٰ، اهـ (ينظر: "بحر الفوائد" للكلاباذى :ص: ١٣٩، و"البداية والنهاية" لابن كثير: ١٩٠/٢٠)

وهذا كلام إمام كبير من كبار أئمة الصوفية فى القرن الرابع حيث توفى سنة (٣٨٠ هـ)، وهو صاحب الكتاب المشهور "التعرف لمذهب أهل التصوف"، والذى قيل فيه: "لولا التعرف لما عرف التصوف".

وروى ابن جرير الطبرى بإسناد حسن عن على رضى الله عنه: أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يستغفر لأبويه وهما مشركان حتى نزلت: "وما كان استغفار ابراهيم لأبيه" الى قوله: "تبَرَّأ منه" (التوبة ١١٤) اهـ ("تفسير الطبرى" :٢٦/١٢)

وهذا نص من أمير المومنين على رضى الله عنه يبطل قولهم، وهذا الحديث غير الحديث الآتى عنه رضى الله عنه، إذ سندهٔ ولفظهٔ مختلف.

وما قيل من أن الآية نزلت فى مكة عند موت أبى طالب يرُدُّهٔ ما رواه الترمذى ــــ وقال: حديث حسن ــ عن على رضى الله عنه قال: سمعت رجلا يستغفر لأبويه وهما مشركان، فقلت: أتستغفر لأبويك وهما مشركان؟! فقال: أَوَ ليس استغفر ابراهيم لأبيه

وهو مشرک؟!، فذکرت ذلک للنبی صلی الله علیه وسلم فنزلت: "ماکان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین ولو کانوا أُولی قربی" (التوبة ۱۱۳) ("سنن الترمذی" : ۳۱۰۱)

قال الامام الطحاوی: قد یجوز أن یکون نزول ما قد تلونا بعد أن کان جمیع ما ذکرنا من سبب أبی طالب، ومن سبب علیٍّ، ومن زیارة النبی صلی الله علیه وسلم قبر امهٖ، ومن سؤال ربه عز و جل عند ذلک الإذن له فی الاستغفار لها، فکان نزول ما تلونا جوابا عن ذلک کله، اهـ (ینظر: "شرح مشکل الآثار" للطحاوی: ۲۸۵/۶)

وبمثله أجاب الحافظ فی "فتح الباری"، والامام النَّحّاس فی "الناسخ والمنسوخ"، والسیوطی فی "الاتقان" (ینظر: "فتح الباری" لابن حجر :۱۹۵/۷، و "الناسخ والمنسوخ" للنحاس :ص: ۵۴۹، و"الاتقان" للسیوطی : ۱۲۲/۱)

وقال العلامة الزرکشی: قد ینزل الشئ مرتین تعظیماً لشأنه، وتذکیراً عند حدوث سببه خوف نسیانهٖ (ینظر: "البرهان فی علوم القرآن" للزرکشی : ۲۹/۱)

وأما استدلالهم بحدیث إحیاء أبویه صلی الله علیه وسلم: فهو لو ثبت لکان حجة علیهم لا لهم، واستدلالهم به اقرار منهم بأنهما لم یموتا علی الایمان، فقد نقضوا غزلهم ووقعوا فیما قد أبوا، وإلا فما فائدة احیائهما؟!، وحدیث الإحیاء ضعیف باتفاق المحدثین کما قاله الحافظ السیوطی، منکر جدا، فی اسناده مجهول علی قول الحافظ ابن کثیر،موضوع یرُده القرآنُ والإجماعُ علی قول

الحافظ ابنِ دحية، غريبٌ فى إسناده مجاهيل على قول السُّهَيلى، باطل على قول الدارقطنى، ومنكر على قول ابنِ عساكر، وذكره الحافظ ابن الجوزى فى "الموضوعات"، وقال هذا حديث موضوع بلاشک، والذى وضعه قليل الفهم، عديم العلم، اذ لوكان لهٗ علمٌ لعلم أن من مات كافرا لا ينفعهٗ أن يومن بعد الرجعة...... قال شيخنا أبو الفضل بن ناصر: هذا حديث موضوع، وأُمُّ رسول الله صلى الله عليه وسلم ماتت بالأبواء بين مكة والمدينة، ودفنت هناک وليست فى الحجون، اهـ (ينظر: "الموضوعات" لابن الجوزى: ۱/۲۸۴)

ثم أُريدکَ أن تنظر ـ أيها القارى الكريم ـ كيف ذكر السُهَيلى سند الحديث وهو اول من أثار هذه المسألة فيما اعلم فقال: وروى فى حديث غريب لعله أن يصح وجدته بخط جدى أبى عمران أحمد بن الحسين بن أبى الحسن القاضى رحمه الله تعالىٰ بسندٍ فيه مجهولون ذكر أنهٗ نقلهٗ من كتاب انتُسخ من كتاب معوّذ بن داود الزاهد يرفعهٗ الى عبدالرحمن بن أبى الزناد، عن هشام بن عروة، عن ابيه، عن عائشه رضى الله تعالىٰ عنها، اهـ (ينظر: "الروض الأنف" للسهيلى: ۱۲۱/۲)

فبالله عليكم أيقابل مثل هذا السند بالأحاديث الصحيحة والإجماع، وقد قال الله تعالىٰ: "ولا تقفُ ما ليس له به علم" (الاسراء: ٣٦)؟! أين قول ابن المبارک: "الإسناد من الدين، ولولا الإسناد لقال من شاء ما شاء"، وقولهٗ ايضاً: "بيننا و بين القوم

القوائم"، اهـ ("صحيح مسلم": ١/١٥)

أی: الأسانيد القوية الصحيحة، ثم ما يدريكم أن يكون هؤلاء المجهولون من الشيعة قد دسُّو هذا الحديث، ليُثبتوا مذهبهم، وأسندوه الى الصديقة عائشة رضى الله تعالىٰ لترتفع بذلک عنهم التهمة، وواقعة مثل هذه لو حدثت لاشتهرت بين الصحابة ومن بعدهم ولم تخف عليهم؟ لكننا رأيناهم قد روَوه ما هو خلافها، ولو صحت عندهم لأذاعوها وأشاعوها، لكونها من المعجزات الباهرة، ولأن جيشاً من ألف مقنَّع من الصحابة كان قد حضر مع النبى صلى الله عليه وسلم زيارتهٗ قبر أمهٖ يوم فتح مكة حين لم يُؤذن لهٗ بالاستغفار لها، فبكىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبكىٰ، فهلا لو حدث مثل هذا الأمر العظيم بشَّرهم به، وأبدل حزنهم سروراً، أفَيَكتم رسول الله صلى الله عليه وسلم نعمةً مثل هذه وقد قال الله تعالىٰ لهٗ: "وأما بنعمةِ ربک محدث" (الضحىٰ: ١١)، وهذا من حيث رواية السُهَيلى، وأما رواية ابنِ شاهين: ففيها ابن زيادٍ النقاش، وهو متهم كما قاله أبو بكرٍ الخطيب، وابن عساكر فى "تاريخيهما" (ينظر:"تاريخ بغداد" للخطيب: ٢/٢٠٢، "تاريخ دمشق" لابن عساكر: ٥٢/٣٢٥ـ ٣٢٦)

ثم على فرض ضعفه هو مخالف للقرآن، والسنة، والاجماع، قال الحافظ ابنُ دحية: هذا الحديث موضوع يرُدُّهٗ القرآن والاجماع، وقال ايضاً: من مات كافراً لم ينفعه الايمان بعد الرجعة، بل لو آمن عند المعاينة لم ينفعه ذلک، فكيف بعد الاعادة (ينظر: "سبل

الهدى والرشاد" لمحمد بن يوسف الصالحى : ۲/۱۲۳ )

وأما استدلالهم بقولهٖ تعالىٰ : ( وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا ) (الاسراء : ۱۵) ، وادعاؤهم قطعية دلالتها ، وأن القطعى مقدم على الظنى ، ليردوا بذالک الأحاديث الصحيحة التى تبطل قولهم ، فهو لو صح أن دلالتها قطعية ، كيف وهم يخصصونها بمن لم تبلغه دعوة نبى من الأنبياء ، قال السيوطى : فان قلت هذا المسلک الذى قررته هل هو عام فى أهل الجاهلية كلهم ؟ قلت : لا بل هو خاص بمن لم تبلغه دعوة نبى أصلا ، أما من بلغته دعوة أحد من الأنبياء السابقين ثم أصر على كفره فهو فى النار قطعا ، وهذا لا نزاع فيه . اهـ (ينظر : " الحاوى " للسيوطى : ۲ / ۲۵۰ )

وهذا منه اقرار بأن الدعوة أعم من الرسول ، فانه قال : ( دعوة أحد من الأنبياء السابقين ) ، والدعوة غير الرسول و أعم منه ، والأنبياء السابقون عليهم السلام قد انتقلوا ولم يبق بعدهم الا أصحابهم و كتبهم ، ثم ورثتهم ، ثم انتشار دعوتهم ، فقد عمم الرسول وخصص أهل الجاهلية ، يؤيد التعميم قول قتادة فى تفسيرها : ان الله ليس بمعذب أحدا حتى يسبق اليه من الله خبر أو تأتيه من الله بينة ، اه ، رواه الطبرى (ينظر : "تفسير الطبرى": ۱۴ / ۵۲۶ )

ويؤيده أيضا الأحاديث الواردة بامتحانهم فى الآخرة وان كنا لا نقول بها ، لكنهم قائلون بها ، ففى رواية الحاكم يقولون : ( لم ترسل الينا رسولا ولم يأتنا أمر )( المستدرک : ۸۳۹۰ )

وفـى رواية ابـن أبـى شيبة : ( أن الـله تعالى يأمرهم بدخول النار )

(مصنف ابن أبى شيبة : ٣٤١٨١ )

وفـى رواية أبـى يـعـلـى : ( يقول الله تعالى لهم : انى رسول نفسى اليكم ) ( مسند أبى يعلى : ٤٢٢٤ )

وفـى أخرى : ( يرسل لهم ملكا أن ادخلوا النار ) (أخرجه الامام أحمد فى مسنده : ١٦٣٠١ ، وابن حبان فى صحيحه: ٧٣٥٧ )

وخصصوها كذالک بالانس ، قال البجيرمى نقلا عن الرحمانى : فتوقف التكليف على ارسال الرسل خاص بالآدميين ، وآية : (حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا ) (الاسراء : ١٥ ) مخصوصة بهم . اهـ (ينظر : حاشية البجيرمى على الخطيب : ١ / ١٢ )

وخص بعضهم التعذيب بمن غير ، و بدل ، وعبد الأوثان ممن ورد أنهم فى النار ، انظر : ( حاشية العطار على جمع الجوامع )

(حاشية العطار على جمع الجوامع : ١/ ٨٨-٨٩ )

وخصصها جمهور العلماء بعذاب الاستئصال فى الدنيا ، بقرينة السياق والعطف بعده : ( وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِکَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ) (الاسراء : ١٦ ) ، قال الآلوسى : ( وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِکَ قَرْيَةً ) بيان لكيفية وقوع الهلاک بعد البعثة. اهـ (ينظر : " روح المعانى " للآلوسى : ٨ / ٤١ )

أى : فكأنه تعالى قال : وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا ونأمر المترفين فى القرية المراد اهلاكها على لسان الرسول ، فيفسقوا عن أمرنا ، فيحق عليهم العذاب ، فنهلكهم اهلاكا نستأصلهم به ،

فهى كقوله تعالى : ( وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ ) (الشعراء : ٢٠٨ ) ، وقوله سبحانه : ( وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى حَتَّى يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا ) (القصص : ٥٩ ) ، ومما يدل على ظنيتها أن فيها مقدرا ، قال العلامة أبو حيان : والمعنى : حتى نبعث رسولا فيكذب ولا يؤمن بما جاء به من عند الله . اهـ (ينظر : " البحر المحيط" لأبى حيان : ٧ / ٢٣ )

أقول : ويحتمل أن يكون المقدر : ( فيأمر وينهى فيعصى ) ، بناء على المتفق عليه بين أهل السنة أن الفروع متوقفة على مجيء الرسول .

ومما يبطل القول بقطعيتها أيضا أن فيها نوع اكتفاء عندهم ، أى : وما كنا معذبين ولا مثيبين حتى نبعث رسولا ، واستغنى بذكر العذاب عن ذكر الثواب ، لأنه أظهر منه فى تحقق معنى التكليف ، واثبات الثواب ظنى غير منصوص عليه ، وخصص بعض الأشاعرة بعث الرسول بالآخرة عنه امتحانهم وكذا خصصوا العذاب بعذاب الآخرة ، ثم على أى شئ يكون العذاب على الأصول أم على الفروع ؟

قال : العلامة الماوردى : فيه وجهان :

أحدهما : وما كنا معذبين على الشرائع الدينية حتى نبعث رسولا مبينا .

الثانى : وما كنا معذبين على شئ من المعاصى حتى نبعث رسولا داعيا . اهـ (ينظر : "تفسير الماوردى": ٣ / ٢٣٤ )

وقال ابن الجوزى : وقيل : انه لا يعذب فى ما طريقه السمع الا بقيام الحجة من الرسول ، ولهذا قالوا : لو أسلم فى دار الحرب ولم يسمع با لصلاة ، والزكاة ، ونحوها ، لم يلزمه قضاء شئ منها . اهـ (ينظر : " زاد المسير" لابن الجوزى : ۳/ ۱۵ )

وقال الامام الرازى : فى الآية قولان :

الأول : أن نجرى الآية على ظاهرها ، ونقول : العقل هو رسول الله الى الخلق بل هو الرسول الذى لو لاه لما تقررت رسالة أحد من الأنبياء .

والثانى : أن نخصص عموم الآية ، فنقول : المراد : وما كنا معذبين فى الأعمال التى لا سبيل الى معرفة وجوبها الا بالشرع الا بعد مجىء الشرع . اهـ (ينظر : " تفسير الرازى": ۲۰ / ۳۱۳ )

ونسب الآلوسى الأول الى الصوفية (ينظر : روح المعانى للآلوسى " ۴ / ۲۸۳ ")

ومما يبطل القول بقطعيتها : أن الأكثر من العلماء على أن أطفال المشركين فى النار تبعا لآبائهم ، ولو كانت دلالة الآية قطعية ، لم يختلف فيهم ولم تبلغهم الدعوة ، وبهذا كله يكون ما تمسكوا به انما هو ظاهر الآية ، لأننا أثبتنا عدم القطع فى دلالتها على ما قالوا ، ومن أقوى الدلائل على بطلان قولهم أن الآية مكية بالاتفاق ، ونهيه صلى الله عليه وسلم عن الاستغفار لأمه كان يوم الفتح ، وكذالک اخباره صلى الله عليه وسلم عن أبيه وجده عبد المطلب كان فى المدينة ، لأن أنسا رضى الله عنه راوى الحديث

انـمـا كـان قـد أسـلم فيها ، فلو كانوا ناجين كما يزعمون لما منع صـلـى الـلـه عـليـه وسلم من الاستغفار لأمه ، ولما أخبر صلى الله عليه وسلم أن أباه وجده فى النار .

هـذا ، وأمـا الكلام فى أهل الفترة وهم من لم تبلغهم دعوة نبى من الأنبيـاء بـاقـرار السيـوطـى ، فقال الامام الرازى وهو عمدتهم فى هذا العلم : من مات مشركا فهو فى النار وان مات قبل البعثة ، لأن الـمشـركين كانوا قد غيروا الحنيفية دين ابراهيم ، واستبدلوا بها الشرك . اهـ (ينظر : " أدلة معتقد أبى حنيفة " للقارى : ص : ٩٣ )

وقـال الامام الحليمى الشافعى : وانما قلنا: إن من كان منهم عاقلاً مـميّـزاً اذا رأى و نـظـرَ إلا أنـه لايـعتقد ديناً فهو كافر، لأنه وان لم يـكـن سـمـع دعـوـة نبينا صلى الله عليه وسلم فلا شك أنه سمع دعـوـة أحـد الانبيـاء الـذيـن كـانوا قبله صلى الله عليه وسلم ، اهـ (ينظر: "المنهاج فى شعب الايمان" للحليمى : ١ /١٧٥ )

وقال شيخ مذهبهم الامام النووى رحمه الله تعالى: إن من مات فى الـفتـرـة على ما كانت عليه العرب من عبادة الأوثان فهو فى النار، وليس هذا مؤاخذةً قبل وُرودِ الشرع، فإن هؤلاء كانت قد بلغتهم دعـوة إبراهيم وغيره من الانبياء عليهم الصلاة والسلام، اهـ (ينظر: "شرح صحيح مسلم" للنووى :٣/٧٩)

وقـال الـعـلامة الـمحلى: فمن لم تبلغه دعوة نبيٍ لا يأثم، اهـ (ينظر: "شرح جمع الجوامع" للمحلى : ١ /٨٧)

قولهٗ: "نبيٍ" نكرة فى سياق النفى فَتَعُمُّ.

ثـم إليک الـدليـل البينَ الواضحَ على أن اهل الجاهلية قد بلغتهم دعـوةُ ابـراهيم، و اسماعيل، و موسىٰ، و عيسىٰ، بل دعوة الرسل السـابـقيـن، قـال تعالىٰ حكايةً عن مشرِكِی مكة: " وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَائَهُمْ نَذِيرٌ لَيَكُونُنَّ أَهْدَى مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ فَلَمَّا جَائَهُمْ نَذِيرٌ مَا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا " (فاطر: ۴۲)، وإحدى الأمم اليهـود والـنـصـارى، وقـال جـلّ ذِكرُهُ: وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ. لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الْأَوَّلِينَ . لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ . فَكَفَرُوا بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ (الصافات: ۱۶۷-۱۷۰) فهذا يدل دلالةً واضحةً كـالشمس على أنهم يعلمون ويعتقدون بالرسل والكتب المنزلة، وتـمـنّـو لـو كـانـت وصـلـت اليهم، وعلموا كذلک ماأُنزل على اليهود والنصارى، وأنهم كانوا على دينٍ سماويٍ، ثم أقسموا بالله لـوجـاء هـم رسـول من عندالله لسبقوا اليهود والنصارى بالهدىٰ، فأى دليل أوضح من هذا على بلوغهم الدعوة، وهؤلاء المقسمين والمتمنين مجیءَ رسولٍ وكتابٍ من عند الله تعالىٰ هم المتاخرون مـن مشـركـی مـكة، لعود الضمير فی قولهٖ تعالى: "جاء هم" على الـضـمـيـر فـی "أقسـموا"، وكذلک عود الضمير فی: "فكفروا" عـلـى الـضـمـيـر فـی "يـقـولـون"، وقـد سبق قولُ عمرو بن نفيل: "يامعشر قريش ما منكم اليوم أحد علىٰ دينِ إبراهيم غيرى"، رواه النسائى فی "الكبرىٰ" ("سنن النسائى الكبرىٰ" : ۸۱۳۱)

وفيه دلالة على ما قلنا.

وقـال تعالىٰ: "كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ .

قَالُوا بَلَى“ (الملک: ۸-۹) قال العلامة أبو حيان: و ”كلما“ تدل على عموم أزمان الإلقاء فتعم الملقين (”البحر المحيط“ لأبی حیان: ۲۳/۷)

وقال جل شانهٗ: ”وأن من امة الا خلا فيها نذير“ (فاطر: ۲۴).

وأما قولهٗ سبحانهٗ:” وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ“ (النحل: ۳۶) مع قولهم: ”ماسمعنا بهذا فی الملة الآخرة، إن هذا الا اختلاق“ (ص ۷) فيدل بمفهومه على أنهم سمعوه فی الملة الأولىٰ، وسنبين إن شاء الله تعالىٰ أن آبائهم كانو على دين ابراهيم عليه السلام إلى أن جائهم عمرو بن لحى بِهُبَلَ من هِيتَ.

وأما قولهٗ تعالى: ”لتنذر قوما ما أنذر آبائهم“ (يس: ٦) فمحتمل، لأن ”ما“ فی الآية إما موصولة، أو نكرة موصوفة، والعائد فيهما ضمير مقدر، أى: ما أنذره آباؤهم، و”ما“وصلتها أو صفتها فی محل نصب مفعولاً به ثانيا لِ”تنذر“، والمعنىٰ: لتنذر قوما العذاب الذى أنذره آبائهم، أو شيئا أنذر به آبائهم، وإما مصدرية، والمعنىٰ: لتنذر قوماً إنذار آبائهم، فتكون إثباتا لإنذار آبائهم، وإما نافية، ويجوز أن تكون صلةً، أى لتنذر قوماً أنذر آبائهم، وقولهٗ تعالى: ”أم جاء هم مالم يأت آبائهم الاولين“ (المومنون: ٦٨) يرجح الإثبات دون النفى، مع إمكان تاويل الآباء المنفى إنذارهم بالآباء الأقربين، ولاتنافى بين الآيتين السابقتين و بين قوله تعالى: ”وما أرسلنا إليهم قبلك من نذير“ (سبأ: ۴۴)، وقوله سبحانه:

”لتنذر قوما ما أتاهم من نذيرٍ من قبلك“ (القصص: ۴۶) لأن الآيتين الأولين فى الإرسال إلى الآباء، وهاتان الآيتان فى الإرسال اليهم دون آبائهم، فعلىٰ كون ”ما“ فى الآية الأولىٰ موصولة أو موصوفة أو مصدرية أو صلة يكون المنذر خاصاً وهم قريش، وعلى كونها نافية يكون عاما.

ولما رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم صورة ابراهيم، واسماعيل فى الكعبة وبأيديهما الأزلام قال: ”قاتلهم الله، أما والله لقد علموا أنهما لم يستقسما بها قط“ (”اخرجه البخارى فى ”صحيحه“: ۱۶۰۱)

فهذا يدل على أنهم كانوا يدينون حسب اعتقادهم بدين ابراهيم، واسماعيل عليهما السلام، وقد أقسم صلى الله عليه وسلم أن كفار قريش يعلمون أنهما عليهما السلام لم يستقسما بالإزلام قط، بل غيّرو وبدّلو، وقد لعنهم صلى الله عليه وسلم على ذلك، فلو كانوا معذورين، ومن أهل الفترة كما يزعمون كيف ولم يلعنهم صلى الله عليه وسلم ؟!

وقال صلى الله عليه وسلم: ”حيثما مررتَ بقبرِ كافرٍ بشره بالنار“ (اخرجه معمر بن راشد فى ”جامعه“ :۱۹۶۸۷)، والبزار فى ”مسنده“ : ۱۰۸۹)

حيث حكم بكفرهم، وبأنهم من أهل النار، وقال صلى الله عليه وسلم: ”مابعث الله نبيا الى قوم فقبضهٗ الا جعل بعدهٗ فترةً يملأ من تلك الفترة جهنم“، رواه الطبرانى فى ”الاوسط“ (”المعجم الاوسط“ :۴۹۸۰)

قال الهيثمی: رجالهٗ رجال الصحيح غير صدقة بن سابق وهو ثقة، اهـ (ينظر: "مجمع الزائد" للهيثمی :۲۱۶/۷)

والله تعالی لا يدخل احدا النار بغير ذنب، وقال صلی الله عليه وسلم: "فلاترجعوا بعدی كفاراً" (اخرجه البخاری فی "صحيحهٖ" : ۱۲۱، ومسلم فی "صحيحهٖ" ۶۵"۱۱۸")

وقال صلی الله عليه وسلم ايضاً: "وأن يكره أن يعود فی الكفر كما يكره أن يقذف فی النار" رواه البخاری و مسلم ("صحيح البخاری" :۱۶، و "صحيح مسلم" :۴۳"۶۷")

والرجوع والعود إنما يكون للحالة الاولیٰ، وهی ههنا الكفر كما قاله صلی الله عليه وسلم فدل علی أنهم كانوا علی الكفر لا علی الفترة كما زعموا.

وقالت الصديقة عائشة رضی الله تعالیٰ عنها: يا رسول الله، ابن جدعان كان فی الجاهلية يصل الرحم، ويطعم المسكين، فهل ذاك نافعهٗ؟ قال: "لا ينفعهٗ، انه لم يقل يوما: رب اغفر لی خطيئتی يوم الدين"، رواه مسلم("صحيح مسلم" :۲۱۴"۳۶۵")

وابن جدعان كان ابن عم الصديقة رضی الله تعالیٰ عنها، فقد بين صلی الله عليه وسلم أنه لم ينفعهٗ ذلك، لعدم ايمانهٖ بالآخرة، وليس لكونهٖ من أهل الفترة، لأن عبارة "انه لم يقل" فی قولهٖ صلی الله عليه وسلم تعليل لعدم النفع.

وعن ام سلمة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قلت: يا رسول الله إن عمی هشام بن المغيرة كان يطعم الطعام، ويصل الرحم، ويفعل

ويفعل، فلو أدرك أسلم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كان يعطى للدنيا وحمدها، وذكرها، وما قال يوماً قط: اللهم اغفرلى خطيئتى يوم الدين"، رواه الطبرانى، وأبو يعلىٰ ("المعجم الكبير": ٢٣/٢٧٩"٦٠٦"، و"مسند ابى يعلىٰ": ٢٩٦٥)

قال الهيثمى: رجالهٔ رجال الصحيح (ينظر: "مجمع الزوائد" للهيثمى: ١/١١٦)

ومعناه كسابقه، بل زاد عليه صلى الله عليه وسلم أنه مؤاخذٌ بالفروع كذلك.

وكذا إخباره صلى الله عليه وسلم عن والديه، وعن عبدالمطلب، وعمرو بن لحى، وغيرهم بأنهم فى النار، وكذا حديث البخارى عن أنس رضى الله عنه لما أراد النبى صلى الله عليه وسلم بناء المسجد قال أنس: "كانت فيه قبور المشركين، ثم قال: فأمر النبى صلى الله عليه وسلم بقبور المشركين فنبشت"("صحيح البخارى": ٣٢٨)

فسماهم مشركين لا أهل الفترة.

وقال الفاروق عمر رضى الله عنه: أن المشركين كانوا لا يفيضون حتى تطلع الشمس"، رواه البخارى ("صحيح البخارى": ١٦٨٤)

فسماهم مشركين ايضاً.

والدليل على أن اهل الجاهلية الاولىٰ كانوا على دين ابراهيم عليه السلام إلى أن جاء هم عمرو بن لحى بالاصنام، ما فى

"الصحيحين" عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال النبی صلی الله عليه وسلم: "رأيت عمر بن لحی الخزاعی يجر قُصبه فی النار، وكان أول من سيّب السوائب". ("صحيح البخاری": ۴۶۲۳، و"صحيح مسلم": ۲۸۵۶"۵۱")

وروی ابن حبان، والحاكم، وقال: علی شرط مسلم ووافقهٗ الذهبی، وابن ابی شيبة، واللفظ لهٗ، عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم "عُرِضت علی النار، فرأيت عمرو بن لحی بن قمعة بن خندف يجر قُصبهٗ فی النار، وهو أول من بدّل عهد ابراهيم عليه السلام، و سيب السواب" ("صحيح ابن حبان": ۷۴۹۰، و "المستدرك": ۸۷۸۹، "مصنف ابن أبی شيبة": ۳۵۷۴۰)

وفی رواية ابن اسحاق: "لأنه اول من غير دين اسماعيل فنصب الأوثان" (ينظر: "السيرة النبوية" لابن هشام: ۱/۷۶)

وفی رواية عبد بن حميد: وكان لحی اول من حمل العرب علی عبادة الأصنام" ("المنتخب من مسند عبد بن حميد": ۱۰۳۶)

وقال الازرقی فی "أخبار مكة": "ونصب الانصاب، وجاء بِهُبَل من هِيتَ بأرض الجزيرة، وأمرهم بعبادته، وكان مطاعاً فيهم، وهو أول مَن غيّر الحنيفية دين إبراهيم" اهـ، ومثلهٗ فی "صحيح ابن حبان" ("أخبار مكة" للازرقی: ۱/۱۰۰، و "صحيح ابن حبان": ۷۴۹۰)

ثم بقی أهل الجاهلية مع عبادتهم الأوثان علی بقية من شريعة ابراهيم عليه السلام، وكانوا قد وضعوا صورة إبراهيم وإسماعيل

فی الکعبة المشرّفةِ کما سبق، فکانوا یطوفون بالبیت، ویسعَون بین الصفا والمروة، ویحُجُّون، ویعتمرون، ویختتنون، ویصومون عاشوراء، ویعتکفون، وینذرون، ویحرمون الأشهر الحرم، یسقون الحاج، ویعمرون المسجد الحرام، ویکسونه، ویعظمونهٗ، إلی غیر ذلک مما ذکرہٗ القرآن وأحادیث "الصحیحین" وغیرهما، وکذلک قد بلغتهم دعوة موسیٰ و عیسیٰ علیهما السلام، فقد کان الیهود والنصاری یعیشون بین أظهرهم، فهذا وما سلف یبین أن الدعوة قد بلغتهم، وإلا فما سببُ دخول عمروبن لحی وغیره النار، والله تعالیٰ لا یدخل فیها أحدا بغیر ذنب، قال تعالیٰ: "ووجدوا ماعملوا حاضرا ولایظلم ربک أحدا" (الکهف: ۴۹)

وبعد أن أثبتنا ظنیة دلالة الآیة ، وأنها مکیة ، وأن اخبار النبی صلی الله علیه وسلم عن والدیه وعن عبد المطلب کان فی المدینة بطل بذالک ما ادعوہ ، وثبت ما قلنا ، ولله الحمد والمنة .

وأما ما قاله بعضهم من أن حدیث مسلم : ( ان أبی و أباک فی النار ) منسوخ: فعجب عجاب ، وهل ینسخ الخبر ؟ والقول به یکون ابطالا وتکذیبا للخبر الأول ، لأن النسخ رفع وازالة ، والنسخ انما یکون للأحکام ، وهل ینسخ المتقدم المتأخر والآیة مکیة والحدیث مدنی؟ ثم تنزلا نقول : أین حدیث رواہ مسلم من حدیث قیل فیه : موضوع ، وقیل : منکر ، وقیل : باطل ، وأعلی ما قیل فیه : انه ضعیف کی تصح دعوی النسخ ، فیقال لهذا

المدعى : أثبت العرش ثم انقش ، وما قيل من تصحيحه فباطل بلا شك ولا ريب ، لأن في سنده متهما ، وفيه مجاهيل كما سبق ، فمن أين يأتي سنده الصحة وقد نقل السيوطى الاتفاق على ضعفه؟

وأما قول البيجورى : وأما ما نقل عن أبى حنيفة فى ( الفقه الأكبر) من أن والدى المصطفى صلى الله عليه وسلم ماتا على الكفر فمدسوس عليه اهـ (ينظر :" تحفة المريد " للبيجورى : ص : ٢٢ )

فدعوى بلا دليل سببها عدم العلم بمذهب الامام أبى حنيفة رضى الله عنه ، وبما سلف من أقوال أئمة السلف والخلف ، بل بمذهب أهل السنة ، بل بمذهب الأشاعرة الذى هو مذهبه ، لأن هذا قول الرافضية من الشيعة كما قاله الامام الرازى ، ونقله عن أصحابه الذين هم أئمة مذهبه من الأشاعرة ، وكذالک قال ابن كثير ، وأبو حيان كما سبق ويأتى ، بل قال الامام الرازى : والذى عليه الأكثرون أن آباء محمد عليه الصلاة والسلام كانوا كفارا .

اهـ (ينظر : " تفسير الرازى ": ٢٥ / ١٣٦ )

ثم نقول : ان ما سبق من الدلائل ، وكلام أئمة أهل السنة والجماعة ممن نقلنا عنهم أقوالهم ينادى على الملأ جهارا نهارا أن هذا الذى ادعيتموه أنتم هو المدسوس على أهل السنة ، ثم سرى الى أوهام بعض المتأخرين من الأشاعرة ، ثم تابع بعضهم بعضا دون تحقيق ولا تمحيص ، ولم لم يقل البيجورى ذالک فيما قاله شيخ مذهبه الامام النووى رحمه الله تعالى فى ( شرح

مسلم ) ، بل و شيخ أشياخهم البيهقى ، وكذا امامهم وعمدتهم الامام الرازى ، بل وأصحابهم الذين هم أئمة مذهب الأشعرى رحمه الله تعالى كما نقله الرازى عنهم وقد سبق ذكره ؟

وهل كل ما سبق من الأحاديث الصحيحة ، وأقوال الأئمة الصريحة مدسوس عليهم أيضا ؟

بل نحن ندعى اجماع السلف على ما قاله الامام الأعظم أبو حنيفة رضى الله عنه ، وأنه لم يخالف فيه الا بعض المتأخرين الذين تبعوا مذهب الرافضة فيه وهم لا يشعرون ، ثم تبعهم الباقى تقليدا لهم ، ثم رأيت الامام القرافى قال : فان قواعد العقائد كان الناس فى الجاهلية مكلفين بها اجماعا ، ولذالک انعقد الاجماع على أن موتاهم فى النار يعذبون على كفرهم ، ولو لا التكليف لما عذبوا . اهـ(ينظر : "شرح تنقيح الفصول" للقرافى : ص : ٢٩٧ )

وكذا قاله الملا على القارى ، لا يقال : هذا الاجماع غير صحيح، لقول الأشاعرة بنجاة أهل الفترة ، لأن الرازى نقل قول أئمة مذهبه بكفر والده صلى الله عليه وسلم ، وأقرهم عليه ، وقال : هو مذهب الشيعة كما سلف (ينظر : "تفسير الرازى": ١٣ / ٣٢ )

وتقدم قوله آنفا : والذى عليه الأكثرون أن آباء محمد عليه الصلاة والسلام كانوا كفارا . اهـ . وكذالک البيهقى ، والنووى ، والحليمى ، وابن كثير ، والقرافى ، وابن عطية ، وكلهم أشعرية ، ومخالفة بعض المتأخرين لا تضر ، لكونه مخالفا للقرآن والسنة والاجماع ، فلا يلتبسن عليک قول المتأخرين بقول المتقدمين

فتقع فى حيص بيص ، مثل قول البيجورى قول الصاوى رحمه الله تعالى : خلافا لمن شذ . اهـ . ( شرح الجوهرة ) (ينظر : " شرح جوهرة " للصاوى : ص : ١٠١ )

أقول : سبحان الله ما أعظمها من كلمة تهتزلها الجبال ، قد أصابت كل هؤلاء الأئمة من السلف والخلف ، بل والعياذ بالله انها لتصل الى الذى لا ينطق عن الهوى صلى الله عليه وسلم ، لأنه هو الذى قال ذالک ، وعنه نقلنا ، ثم نقول : من الذى يشذ المتقدم أم المتأخر ؟ فانظر كيف يحكمون .

وأما قول البيجورى : وجميع آبائه صلى الله عليه وسلم لم يدخلهم كفر . اهـ (ينظر : " تحفة المريد " للبيجورى : ص : ٢٢ )

فيرده قول أئمة مذهبه ، ومن سبق ذكره من الأئمة ، بل هذا مذهب الشيعة الرافضة لا مذهب أهل السنة ، قال الامام الرازى رحمه الله تعالى : قالت الشيعة : ان أحدا من آباء الرسول صلى الله عليه وسلم وأجداده ما كان كافرا . اهـ (ينظر : " تفسير الرازى ": ١٣ / ٣٣)

أقول : ان الذى يغلب على الظن أن ما قاله البيجورى ، والصاوى ، ومن حذا حذوهما فى هذه المسألة انما تلقفوه من السيوطى ، وكان السيوطى قد أخطأ خطأ عظيما فى نقله عن الرازى ، فان الرازى انما حكى هذا الكلام نقلا عن الشيعة ، وسرده سردا ثم رده وأبطله ، وبين مذهب أصحابه وأقره ، فقال : ( قالت الشيعة : ان أحدا من آباء الرسول صلى الله عليه وسلم وأجداده ما كان

كافرا ، وأنكروا أن يقال : ان والد ابراهيم كان كافرا ، وذكروا أن آزر كان عم ابراهيم عليه السلام وما كان والدا له ، واحتجو على قولهم بوجوه :

الحجة الاولى : أن آباء الأنبياء ما كانوا كفارا ، ويدل عليه وجوه: منها قوله تعالى : ( الَّذِى يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ، وَتَقَلُّبَكَ فِى السَّاجِدِينَ (الشعراء : ٢١٨ ـ ٢١٩ ) ، قيل : معناه انه ينقل روحه من ساجد لساجد ، وبهذا التقدير فالآية دالة على أن جميع آباء محمد صلى الله عليه وسلم كانوا مسلمين ، و حينئذ يجب القطع بأن والد ابراهيم عليه السلام كان مسلما ، ثم قال : وأما أصحابنا فقد زعموا أن والد رسول الله صلى الله عليه وسلم كان كافرا ، و ذكروا أن نص الكتاب فى هذه الآية تدل على أن آزر كان كافرا ، وكان والد ابراهيم عليه السلام ، وأيضا قوله تعالى : ( وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ ) الى قوله : (فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ) (التوبة : ١١٤ ) ، وذالك يدل على قولنا . اهـ (ينظر : " تفسير الرازى " : ٣٢/١٣)

وفى قوله : ( على قولنا ) دليل على اقراره و موافقته لأصحابه .

ثم انظر ـ عافاك الله تعالى ـ الى نقل السيوطى حيث قال : ( وهذا المسلك ذهبت اليه طائفة ، منهم الامام فخر الدين الرازى ، فقال فى كتابه ( أسرار التنزيل ) ما نصه : قيل : ان آزر لم يكن والد ابراهيم بل عمه واحتجوا عليه بوجوه : منها أن آباء الأنبياء ما كانوا كفارا ، ويدل عليه وجوه : منها قوله تعالى : ( الَّذِى

يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ، وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ) (الشعراء : ٢١٨ـ ٢١٩)
قيل : معناه أنه كان ينقل نوره من ساجد الى ساجد ، وبهذا التقدير فالآية دالة على أن جميع آباء محمد صلى الله عليه وسلم كانوا مسلمين ، وحينئذ يجب القطع بأن والد ابراهيم ما كان من الكافرين . اهـ (ينظر : " مسالک الحنفا فی والدی المصطفی ) للسيوطی "، ص : ٣٩)

فانظر ـ رحمک الله تعالى ـ ثم قارن بين كلام الرازی ، وبين نقل السيوطی وادعائه أنه قول الرازی ، وعبارة الرازی التی نقلها السيوطی وهی : ( وقيل : ان آزر.. الخ ) ، انما هی نقل لقول الشيعة( ، لا تقرير لمذهبه ، وهذا من السيوطی عجيب ، فالرازی ينقل كلام الشيعة قائلا : ( قالت الشيعة ) ، والسيوطی ينقله ب (قيل ) مبينا للمجهول ، والكلام فی ( تفسير الرازی ) ، والسيوطی يعزوه الى ( أسرار التنزيل ) ، ولا وجود له فيه ، وزاد الطين بلة بتره كلام الرازی دون تمامه الذی فيه ابطال كلام الشيعة ، فقلب الأمر ، وجعل قول الشيعة قول الرازی ومذهبه ، ثم قال السيوطی : هذا كلام الامام فخر الدين بحروفه و ناهيک به امامة وجلالة ، فانه امام أهل السنة فی زمانه . اهـ (ينظر : " مسالک الحنفا فی والدی المصطفی " للسيوطی ، ص : ٤٠)

أقول : لو قلبنا الأمر وقلنا للسيوطی ومن تبعه بعد الذی بيناه : ان هذا الامام الذی استدللت به علينا قد بين أن ما تقوله انما هو مذهب الشيعة وليس بمذهب لأهل السنة ، وأنت أخطأت النقل

عنه ، فهل ترجع عما قلته بأن الرازى امام أهل زمانه فى هذا الفن ؟
ثم تابع السيوطى البيجورى ، والصاوى فيما أخطأ فى نقله ،
وتابعهم من بعدهم دون تمحيص و تحقيق ، فوقعوا فى الهوة
نفسها ، وقلبوا الأمر ، فجعلوا مذهب الشيعة مذهب أهل السنة ،
و مذهب أهل السنة شاذا مرة ، مدسوسا أخرى ، وذاع الأمر
وشاع ، وصار المخطئ مصيبا ، والمصيب مخطئا ، وانا لله وانا
اليه راجعون ، فارجع أيها الحريص على الحق الى كلام الرازى
فى ( التفسير الكبير ) عند تفسير قوله تعالى فى ( سورة الأنعام ) :
(وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ) (الأنعام : ۷۴) الآية
(ينظر :"تفسير الرازى": ۱۳ / ۲۹ ، فما بعدها )

ولكن تتبعه من أوله الى آخره ، ليظهر لک صحة ما أقول ، وقد
أعاد الرازى الكلام أيضا عند تفسير قوله تعالى فى ( سورة
الشعراء : ( وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ) (الشعراء : ۲۱۹ ) وسنذكره
قريبا . وأما استدلالهم بقوله تعالىٰ (وتقلبک فى الساجدين)(
الشعراء : ۲۱۹ ) : فأبعد ما يكون من الصواب ، وانما هو استدلال
الرافضة من الشيعة وليس استدلالا لأهل السنة والجماعة
واليک البيان :

قال الامام الرازى : واعلم أن الرافضة ذهبوا الى أن آباء النبى
صلى الله عليه وسلم كانوا مؤمنين ، وتمسكوا فى ذالک بهذه
الآية . اهـ (ينظر : "تفسير الرازى": ۲۴ / ۵۳۷ )

وأما المفسرون من أهل السنة والجماعة قاطبة ، وعلى رأسهم ابن

عباس رضى الله عنه :

فذهبوا الى أن المراد ب ( الساجدين ) فى الآية اما الأنبياء أو الصحابة ، ولم يقل أحد منهم بقول الشيعة ، وانما نقله السيوطى خطأ كما أسلفنا ، حتى الآلوسى المبالغ فى القول بنجاتهما أبى أن يستدل على ذالک بهذه الآية ، وكان على هؤلاء القائلين بقول الشيعة فى هذه المسألة قبل ادعائهم واستلالهم بهذه الآية أن يثبتوا أولا أن آبائه صلى الله عليه وسلم كانوا يصلون والاسناد من الدين ، وأنى لهم ذالک و دونه خرط القتاد ، بل لو بلغو أسباب السماء لن يجدوا لذالک سبيلا ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا ، والعلماء قد اختلفوا فى تعبد النبى صلى الله عليه وسلم قبل النبوة فيكف بآبائه ؟ وأما استدلالهم بحديث : ( لم أزل أتقلب من الأصلاب الطاهرات الى الأرحام الزاكيات ) : فهو دعوى الشيعة أنه حديث وليس كذالک ، ولا وجود له فى كتب الحديث عند أهل السنة ، وانما نقله الامام الرازى فى ( تفسيره ) عن الشيعة ، ليبطل استدلالهم به ، فقال ناقلا عنهم : ومما يدل أيضا على أن أحدا من آباء محمد عليه السلام ما كان من المشركين قوله عليه السلام : ( لم أزل انقل من أصلاب الطاهرين الى أرحام الزاكيات) ثم أجاب عنه قائلا : وأما قوله عليه السلام : ( لم أزل انقل من أصلاب الطاهرين الى أرحام الطاهرات ): فمحمول على أنه ما وقع فى نسبه ماكان سفاحاً، اهـ (ينظر : "تفسير الرازى": ۳۴/۱۳)

وقال النيسا بورى: وقد احتج علماء الشيعة على مذهبهم ان آباء

النبی صلی الله علیه وسلم لا یکونون کفارا، قالو: أراد تقلب روحه من ساجد الی ساجد کما فی الحدیث المعتمد عندهم: "لم أزل أتقلب من أصلاب الطاهرین الی أرحام الطاهرات"، اهـ (ینظر: "غرائب القرآن" للنیسابوری: ۲۸۸/۵)

انظر - حفظک الله تعالیٰ - الی قوله: "الحدیث المعتمد عندهم"، یظهر لک الحق.

وأما الأحادیث الواردة عند أهل السنة: فما رواه عبدالرزاق عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "إنی أخرجت من نکاح، ولم أخرج من سفاح" ("مصنف عبدالرزاق": ۱۳۲۷۳)

وروی الطبرانی والآجری فی "الشریعة" عن علی رضی الله عنه: أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "خرجت من نکاح، ولم أخرج من سفاح من لدن آدم الی أن ولدنی أبی و أمی، لم یصبنی من سفاح الجاهلیة شیٌ" ("المعجم الاوسط": ۴۷۲۸، و"الشریعة" للآجری: ۹۵۷)

زاد ابن سعد مرسلاً: "لم اخرج الا من طهرٍ" ("الطبقات الکبریٰ" لابن سعد: ۶۰/۱)

أی: من وطءٍ طاهرٍ وهو النکاح، عند ابن عساکر: "ماولدتنی بغیٌ قط مذخرجتُ من صُلب أبی آدم" ("تاریخ مدینة دمشق": ۴۰۱/۳)

وروی ابن أبی حاتم عن ابن عباس رضی الله عنه فی قوله تعالیٰ: "وتقلبک فی الساجدین" (الشعراء: ۲۱۹)، قال: "مازال رسول الله صلی الله علیه وسلم یتقلب فی أصلاب الانبیاء حتی ولدته

**امهٗ"** ("تفسير ابن أبى حاتم" : ٩/٢٨٢٨"٢٩ ١٦٠٢٩")

**وروى عنه ايضاً: من نبى الى نبى حتى اَخرَجَك نبياً"** ("تفسير ابن أبى حاتم" : ٩/٢٨٢٨"٢٨ ١٦٠٢٨")

**وأما قول السيوطى والبيجورى بأن آزر هو عمٌّ ابراهيم عليه السلام وليس أباه، وانما دعاه بالأب، لان عادة العرب أن تدعا الأب بالعم**(ينظر:"تحفة المريد" للبيجورى :ص:٢٢)

**فهو قول الشيعة كما بينه الامام الرازى عند قوله: "واذ قال ابراهيم لأبيه آزر" (الانعام: ٧٤)، فارجع اليه إن شئت** (ينظر:"تفسير الرازى" :١٣/٣٣)

**وبه يبطل مانسبه السيوطى للرازى من أن ذلك قولهٗ، بل قال الرازى قبل النقل السابق بأسطرٍ: فأى حاجةٍ تحملنا على هذه التاويلات، والدليل القوى على صحة أن الأمر على ما يدل عليه ظاهرُ هذه الآية أن اليهود والنصارى كانوا فى غاية الحرص على تكذيب الرسول عليه الصلاة والسلام، وإظهار بغضهٖ، فلو كان النسب كذبا لامتنع فى العادة سكوتهم عن تكذيبهٖ، وحيث لم يكذبوه علمنا أن هذا النسب صحيح، والله اعلم. اهـ.**

**قال الحافظ ابن حجر: وابراهيم هو ابن آزر و اسمهٗ تارح، لا يختلف جمهور اهل النسب ولا اهل الكتاب فى ذلك الا فى النطق ببعض هذه الآسماء. اهـ** (ينظر: "فتح البارى" لابن حجر :٦/٣٨٩)

**ثم متىٰ كان ابراهيم عليه السلام و أبوه آزر من العرب ليصح زعمهٗ؟!، ويبطل تلك الدعوىٰ قول الامام الشافعى رحمه الله**

تعالی، قال الربیع: قال الشافعی رحمه الله تعالیٰ: قال الله تبارک وتعالیٰ: "ونادی نوح ابنه" (هود: ۴۲) الآیة، وقال عز وجل: "واذ قال ابراهیم لأبیه آزر" (الانعام : ۷۴)، فنسب -تعالیٰ-ابراهیم الی أبیه وأبوه کافر، ونسب ابن نوح الی أبیه نوح و ابنه کافر، اهـ (ینظر: "الأم" للامام الشافعی :۵/۱۶۰)

فقد سوّی الشافعی رضی الله عنه بین نوح وابنه، وبین ابراهیم و أبیه فی النسب، وأن کلا من أبی ابراهیم وابن نوح علیهما السلام کافر، ولم یقل نسبهٔ الی عمه، وإنما قال: نسبهٔ إلی أبیه، ثم إن الأب حقیقة فی الوالد مجاز فی العم، ولا یصار إلی المجاز إلا بتعذر الحقیقة، فما الذی صرفکم إلی المجاز والکتاب والسنة، وجمهور أهل النسب، وأهل الکتاب یثبتون أن آزر أبو ابراهیم علیه السلام ولیس عمه؟ وما أری الصارف الا الجهل بما تقدم.

وأما قول العلامة الکوثری رحمه الله تعالیٰ بأن عبارة الامام ابی حنیفة رضی الله عنه تکون حینئذٍ رکیکة ولو کانت صحیحة لقال: "ووالدا رسولِ الله وعمهٔ أبو طالب ماتوا علی الکفر" :

فالجواب ما قد فتح الله به علی الفقیر من وجهین:

الأول: أن أبا حنیفة رضی الله عنه تأدب مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حق والدیه فقال: "ماتا علی الکفر"، ولم یقل: ماتا کافرین، لان المصدر انما یدل علی الحدث دون فاعلهٖ، بخلاف اسم الفاعل حیث یدل علی الحدث وفاعلهٖ.

الثانی : أن أبا طالب لما أبیٰ أن یسلم صح اطلاق القول فیه: انه

كافر، لآبائه الاسلام، وأما والداه صلى الله عليه وسلم فلم يابيا كما فعل ابوطالب، لانهما لم يدركاه صلى الله عليه وسلم، لكنهما ماتا على ما كانا عليه في الجاهلية، فحين زاد أبو طالب الإباء فوق الإشراك صح الفرق بينهٗ و بين والديه صلى الله عليه وسلم، وهذا عندى هو الذى جعل الامام أبا حنيفة -والله تعالىٰ أعلم- يفصل بين والدى رسول الله وبين عمه أبى طالب، وهما وجهان وجهيان لا ينكرهما منصف، ولا يوجد دليل يدل على ايمانهما قبل الموت فيقال ماتا عليه، بل الأدلة المستفيضة دالةٌ على خلافهٖ، بل قال الإمام الرازى، والحافظ ابن كثير، والعلامة ابو حيان، والنيسابورى: إن القول بإيمان آبائهٖ صلى الله عليه وسلم قول الرافضة ("تفسير الرازى" :۲۴/۵۳۷، و "البحر المحيط" لأبى حيان :۸/۱۹۸، و "غرائب القرآن" للنيسابورى :۵/۲۸۸)

وهذا يبطل استرواح العلامة الآلوسى فى "تفسيرهٖ" بأن قول الرازى هذا ناشئٌ عن قلة الاطلاع (ينظر: "روح المعانى" للآلوسى : ۴/۱۸۴)

وقد بينا بفضل الله تعالىٰ من الذى لم يطلع.

وأما أقوال الذين حكموا بنجاتهم -أعنى والديه صلى الله عليه وسلم وأهل الفترة- فمضطربة كما سبق، وما رأيت أحداً من أئمتهم استطاع أن يجزم بأيمانهم، فالسيوطى يقول: فلعل حالهما -أى والديه صلى الله عليه وسلم -كحال زيد بن عمرو بن نفيل، اهـ (ينظر: "مسالك الحنفا" للسيوطى ،ص:۷۷)

وابـن حـجرٍ يظن أن يوفقا للإجابه يوم القيامة (ينظر: "مسالک الحنفا" للسيوطى، ص: ٣٣)

وهـذا مـن السيوطى تخَبُّطٌ و اضطراب، ومنه ومن ابن حجر إقرار ضـمنا بعدم إحيائهما، لانهما لو آمنا بعد الموت فلم يرجوانِ لهما الإجـابة يـوم الـقيـامة وهـمـا مومنان؟! وآخر يحسن الظن، وثالثٌ يـقـول: مـحـكـوم بـإيـمانهما وإيمان أهل الفترة وإن غيّرو وبدّلو وعبـدوا الأوثـان، وغيرهُ يجعل احياءَ هُما من الممكنات، والإمام الغزالى يقول: التحقيق أنهم فى معنى المسلم (قاله الغزالى فى "البسيط" كما فى "أدلة معتقد الإمام أبى حنيفة" للقارى، ص: ٩٢)

وبـعـضهـم يـقـول: هـم على الفطرة، وبنو ذلک كلهُ على أنهم ما بلغتهم الدعوة كما هو مذهب اكثر الأشاعرة.

قـال الـعـلامة ابـن عـابـدين رحمه الله تعالىٰ: وأما الاستدلال على نـجـاتهـما بأنهما ماتا فى زمن الفترة: فمبنيٌ على أصول الأشاعرة أن مـن مـات ولـم تبـلـغه الدعوة يموت ناجياً، أما الماتريدية: فأن مـات قبـل مـضيِّ مدةٍ يمكنهُ فيها التأّمل ولم يعتقد إيمانا ولا كفراً فـلا عقاب عليه، بخلاف ما اذا اعتقد كفراً أو مات بعد المدة غير معتقدٍ شيئاً، اهـ (ينظر: "ردالمحتار على الدر المختار": ٣/١٨٥)

وقـد أثبتـنـا بالدلائل البينة التى لا ينكرها الا معاندٌ أنهم قد بلغتهم الدعوة.

وقـول بـعـضهـم بـأنهـا حـرِفـت من "الفطرة" الى "الكفر"، وكذا قـولهـم بـأن الناسخ حذف "ما" النافية ظانّا أنها زائدة كما وقع فى

بعض النسخ قولان متناقضان، لأنه إما أن تكون العبارة "على الفطرة" كما ادّعَوا، وتكون "ما" النافية ثابتة كما زعموا فيبطل ادِّعاؤهم ويصح قولنا، إذ يكون الكلام: "ما ماتا على الفطرة"، وإما أن تكون بحذف "ما"، وأن أصل العبارة: "على الكفر"، فيكون القول الثانی نقضاً للقول بأنها "على الفطرة"، وإن قالو بحذف "ما"، وأن العبارة: "على الفطرة" نقضوا القولين السابقين، وهذا إن دلّ على شيءٍ فإنما يدل على التخبط والتناقض الذی وقعوا فيه، والسببُ فی ذلک أنه قولٌ بلا دليلٍ، وتخمينٌ بعيدٌ عن مذهب الإمام الجليل رضی الله عنه.

**فإن قلتَ** : كلا القولين أثباتاً ونفياً قابلٌ لأن يكون محرفاً، فما الذی رجّح قولک على قولهم؟

**فالجواب** : أنهٗ لو كان لقولهم دليلٌ لأمكن ذلک من النظر فيه، لكنّهٗ ادِّعاءٌ مجرّدٌ عن الدليل، فلا يُلتفتُ إليه، وأما قولنا فمؤيَّدٌ بالأحاديث الصحيحة بخصوصهٖ، وأقوال الأئمة المذكورين، بل بإجماع السلف على ذلک، وهو مذهب الإمام رضی الله عنه، وكلّ خيرٍ فی اتِّباع مَن سَلَفَ.

وأما ما قاله الشيخ الحمَّامیّ، وتبعه الشيخ الغاوجیُّ رحمهما الله تعالیٰ فی مقدِّمة تحقيقه لـ: "شرح الفقه الأكبر" من أن الملا عليا القاری رجع عن قولهٖ فی موت والديه صلى الله عليه وسلم على الكفر: (ينظر: مقدمة "منح الروض الأزهر" للغاوجی، ص: ۱۸)

فتصويرٌ للأمر على أنهٗ قول القاری لا قول أبی حنيفة، فينطبق

علیهما قول القائل: حفظتَ شيئاً و غابت عنك أشياءُ، وقول الشاعر:

ما هٰكذا تُوردُ يا سَعدُ الإِبِل

فحيثُ اقتطعا الكلام اقتطاعاً أوقعهما ذلك فى ذلك، وإليك البيانَ: فقد نقل الغاوجىُّ الحمامىُّ أن القارى قال فى ”شرح الشفا“: وأبو طالبٍ لم يصح إسلامهُ، وأما إسلام أبويه صلى الله عليه وسلم ففيه أقوالٌ، والأصح إسلامهما على ماتفق عليه الأجلة من الأمة كما بينه السيوطى فى رسائلهِ الثلاث المؤلفة، اهـ (ينظر: ”شرح الشفا“ للملا على القارى: ١/٦٠٥)

فظنا أن هذا الكلام من قول القارى، وليس كذلك، لأن القارى إنما ينقل كلام محمد بن محمد الدَّلجيِّ الشافعيِّ المصريِّ شارح ”الشفا“، حيث قال القارى: قال الدلجى: الظاهر أن هذا كان قبل النبوة يعنى فيكون من الإرهاصات...... هذا وأبو طالب لم يصح إسلامهُ، وأما اسلام أبويه صلى الله عليه وسلم ففيه اقوالٌ ...... إلخ، اهـ (ينظر: ”شرح الشفا“ للملا على القارى: ١/٦٠٥)

فما توهماه انه كلام القارى انما هو كلام الدلجى، لكن فرَحهم بهذا الكلام لموافقتهِ رأيهم صرفهم عن النظر الى اول الكلام، فنسبوا كلام الدلجى للقارى، وقد ذكر القارى كلاماً مثله فى موضع آخر، فقال: وأما ما ذكروا من إحيائه عليه الصلاة والسلام أبويه، فالأصح أنه وقع على ما عليه الجمهور الثقات كما قاله السيوطى فى رسائله الثلاث المولفات، اهـ ”فصل فى إحياء

**الموتیٰ و کلامهم**“ (ینظر: ”شرح الشفا“ للملا علی القاری: ۱/۱۵۱)

**وإلیک ما یقطع شغب المشاغبین، وتعَنُّتَ المتعنِّتین، أما نسبتهم النقل الأول إلی القاری: فیبطلهُ قولُ القاری فی آخر الکتاب نفسهٖ عند قول عمر بن عبدالعزیز لکاتبه حین قال له الکاتب: قد کان أبو النبی کافراً، قال: جعلت هذا مثلاً؟! فعزلهُ، وقال لا تکتب لی أبداً“ قال القاری: وهذا یوافق ما قال إمامنا فی ”الفقه الأکبر“ أن والدَی رسول الله صلی الله علیه وسلم ماتا علی الکفر، وقد کتبتُ فی هذه المسألة رسالة مستقلة، ودفعت فیها ما ذکره السیوطی من الأدلة علی خلاف ذلک فی رسائلهٖ الثلاث، اهـ ”فصل أن لا یقصد نقصاً ولا یذکر عیباً ولا سبّاً“** (ینظر: ”شرح الشفا“ للملا علی القاری: ۲/۴۴۷)

**وأما النقل الثانی: فیبطله قول القاری فی الکتب نفسه: وذکر السهیلی أن الله عز و جل أحییٰ للنبی صلی الله علیه وسلم أبویه فآمنا به، ثم أماتهما، وکذلک نقله السیوطی فی ”خصائص النبی صلی الله علیه وسلم“، لکنه حدیث موضوع کما صرح به ابنُ دحیة، وقد بینتُ هذه المسألة فی رسالة مستقلة، اهـ ”فصل: وأما نظافة جسمه وطیب ریحهٖ وعرقة علیه الصلاة والسلام“** (ینظر: ”شرح الشفا“ للملا علی القاری: ۱/۱۷۳)

**فأین الرجوع أیها العقلاء؟!! ولو کان مانسبوه إلی القاری صحیحاً لتناقض کلامهُ تناقضاً لا یقع فیه طالبُ علمٍ فضلا عن القاری، فما هکذا تُقرأُ الکتب، وما هکذا تُورد الإبل، وأنت ذا تری-أیها**

القارئُ الكريم -أن هذا شبيةٌ بما وقع للسيوطى فى نقله عن الرازى، فإنا لله وإنا إليه راجعون، على أن فى كلام سيدنا عمر بن عبد العزيز هذا أن أبا النبى صلى الله عليه وسلم مات على الكفر، لأنه لم ينكر على الكاتب إلا أنهٗ جعل كلامهٗ فى حق والد النبى صلى الله عليه وسلم مثلاً يُضرب، لا لإنه قال: إنه مات كافراً، فلم يقم عليه حدًّا ولم يعزِّرهُ، وإنما منعهٗ من أن يكتب لهٗ، وأى عقوبةٍ هذه لو كان هذا الكاتب يفترى على والد النبى صلى الله عليه وسلم ما ليس فيه ؟! فيُضمُّ كلامُ عمر بن عبدالعزيز رضى الله عنه إلى من نقلنا عنهم من الأئمة، ولله تعالىٰ الحمدُ على منِّهٖ.

هذا واعلم-رحمک الله تعالىٰ-أن كلَّ ما مضى إنما هو بيان للأدلة، وتقريرٌ لمذهبِ إمامنا الاعظم رضى الله عنه الذى غفل عنه الكثير، فوقعوا فيما وقعوا فيه، ثم إننى أقول وبحولِ الله أصولُ وأجولُ: إنهٗ لو ثبت إحياؤُهما معجزةً فعلى العين والراس، ويا حبَّذا ذاک من خبرٍ، ومن مرامٍ هو الغايةُ فى هذا المقام، ومعاذ الله أن نستنكف عن خبرٍ ثبت عن سيد الخلق صلى الله عليه وسلم فيكون حينئذٍ خارجاً عما سبق، وغير داخلٍ فى كلام الأمام أبى حنيفة رضى الله عنه، لأنهٗ ساكتٌ عما بعد موتهما.

تنبيهٌ: إياک إياک -أيها القارئ الكريم -إذا ذكرت هذه المسألة أن يتسلل أو يتسرّب إلى قلبک، أو يجرى على لسانک تنيقص فى حقهما إجلالاً وتعظيماً لحق المصطفىٰ صلى الله عليه وسلم، وأدباً مع حضرتهٖ، وقد بيّنتُ لک أدب أبى حنيفة رضى الله عنه

**مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی أثناء بیان حکم والدیہ صلی اللہ علیہ وسلم، فلربما جرک شیطان الجدل فیھما الی الغضب، فیوصلک وانت لا تشعر الی الطعن بہ صلی اللہ علیہ وسلم، فیوصلک بذلک الی الکفر وغضب اللہ فی الدارین والعیاذ باللہ تعالیٰ، ولولا أخبارٌ ذکرھا سید الأنام صلی اللہ علیہ وسلم، وحکمٌ ذکرہ الإمام رضی اللہ عنہ، لِیَرُدَّ بہ علی الرافضۃ من الشیعۃ، وزللٌ من بعض أھل السنۃ لما تعرّضنا لذلک، فلیس فی ذکر ھذا الأمر فی ذاتہ ثواب، ولا فی ترکہٖ عقابٌ أو عتابٌ** (البدر الانور شرح الفقہ الاکبر، صفحۃ ۴۰۱ الی ۴۴۹، الکلام فی والدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مطبوعۃ: دارالنور المبین للنشر والتوزیع، عمان، الاردن، الطبعۃ الاولیٰ: 2017ء)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ ''اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر پر فوت ہوئے'' یہ شیعوں کے ان روافض پر رد ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کے ایمان کے قائل ہیں، اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے سلف کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس قول پر اجماع ہونے کا ذکر کیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے متعلق ''ائمۂ اشاعرہ'' کا بھی یہی قول ہے، جیسا کہ اس کا امام رازی نے سورہ انعام کی تفسیر کے موقع پر ذکر کیا ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ ''جہاں تک ہمارے اصحاب کا تعلق ہے، تو ان کا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کافر تھے''

اور امام رازی نے اسی پر اپنے اصحاب کے قائم رہنے کا ذکر کیا ہے، اور امام رازی کے اصحاب دراصل ائمۂ اشاعرہ ہیں، جس کی تائید ملا علی قاری کے اس قول سے

بھی ہوتی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سلف میں سے نہ تو کسی نے مخالفت کی، اور نہ امام ابوحنیفہ کے قول پر سلف میں سے کسی نے نکیر کی، بلکہ اس سلسلہ میں صحیح احادیث مروی ہیں، اور جلیل القدر ائمہ میں سے اکثر نے اس کی تصریح کی ہے، جیسا کہ عنقریب آتا ہے، البتہ اس پر اشاعرہ کے صرف بعض متاخرین نے کلام کیا ہے، جو اس درجہ پر نہیں پہنچے کہ اس اہم مسئلہ میں ان کی اقتداء کی جائے، دراں حالیکہ انہوں نے اہلُ السنۃ کے اجماع کی مخالفت کی ہے، اور شیعہ کے رافضی مذہب کی موافقت کی ہے۔ [1]

اور امام بیہقی جو کہ اہلُ السنۃ کے ائمہ میں سے ایک امام ہیں، انہوں نے بھی بعینہٖ وہی بات کہی ہے، جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہی، امام بیہقی نے یہ بات اس حدیث کے ضمن میں کہی ہے کہ ''**لو بلغت معهم الكدى۔ المقابر۔ ما رأيت الجنة حتى يراها جد أبيك**'' چنانچہ امام بیہقی نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ اور دادا، اس صفت پر آخرت میں کیسے محشور نہ ہوں گے، دراں حالیکہ وہ اپنی وفات تک بتوں کی عبادت کرتے رہے، نیز امام بیہقی نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ مشرک تھے۔

اور اسی کے مثل بیشتر ائمہ سے مروی ہے، جیسا کہ گزرا، اور ان شاء اللہ تعالیٰ آگے بھی آپ دیکھیں گے، پس انتہائی تعجب ہے اس شخص پر جو ملا علی قاری کے اوپر نکیر کرتا ہے، اور بغیر کسی حجت اور دلیل کے ملا علی قاری کی ناک رگڑنا چاہتا ہے، حالانکہ اس کا حال یہ ہے کہ وہ خود جلیل القدر ہستیوں کے کلام پر مطلع نہیں ہوا، اور ان جیسے (ملا علی قاری پر نکیر کرنے والے) لوگوں کے ذمہ تھا کہ وہ علم کے شہروں کی جستجو کرتے، اور علم کے شہروں اور سمندروں کی چھان بین کرتے کہ کیا کوئی ان

---

[1] بعض متاخرین، اس موقع پر غلط فہمی کا شکار ہوئے کہ انہوں نے اہلِ تشیع و روافض کے مذہب کو اہل السنۃ کا مذہب سمجھ لیا اور جمہور اہل السنۃ بلکہ اہل السنۃ کے اجماعی قول کو اہل السنۃ کا شاذ قول سمجھ لیا۔ فیا للعجب۔ محمد رضوان خان۔

کے چھٹکارے کا راستہ ہے؟ لیکن افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ اس قسم کے لوگوں نے جو جوابات دیے ہیں، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آباء واجداد کے نسب کی شرافت اور ان کی شان کے بلند ہونے کی خبر دیتے ہیں، اور ان جیسے لوگوں کی بحث کا ثمرہ اور کھیتی کا بیج اور ان کے فیصلوں کے نتائج صرف ملا علی قاری کو رگڑا دینا ہے، یہاں تک کہ ملا علی قاری کی شان میں ان کی طعن وتشنیع بہت زیادہ آگے بڑھ گئی، جو اِن کی کم علمی اور قلتِ مطالعہ کا نتیجہ ہے، (ورنہ اگر ملا علی قاری پر نکیر واعتراض کرنے والے لوگ، دیگر جلیلُ القدر متقدمین کی تصریحات ملاحظہ کر لیتے، تو ایسی جرأت ہرگز نہ کرتے)۔

حمد وصلاۃ کے بعد یہ بات جان لینی چاہیے، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ اس مسئلہ میں جبکہ متاخرین کے اقوال مضطرب ہوگئے، اور قیل وقال کی کثرت ہوگئی، بعض لوگ مثبت اور دافع ہیں، اور بعض لوگ نفی کرنے والے اور مانع بھی ہیں، اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس بندۂ فقیر پر احسان فرمایا، اس چیز کا کہ اس سلسلہ میں قولِ فیصل سامنے آجائے، اور نزاع اور شک رفع ہو جائے، اگر اللہ ملکُ الوہاب نے چاہا (اور کسی کو اس کے سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق دی)۔

پس میں کہتا ہوں کہ بعض متاخرین علماء نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اس جیسا کلام ہو، بلکہ جس نے اس کلام کو ثابت قرار دیا، تو بلا دلیل اور بغیر کسی پیش رو کے انہوں نے اس کی برائی بیان کی، اور بعض نے اس کے مقابلہ میں اس کو ثابت قرار دیا، اور اس کا انکار کرنے والے کی واضح نشان والے دلائل سے تردید کی، اور اس کا انکار کرنے والوں نے تحقیق اور صواب سے بعید تر تعلیلات کو اختیار کیا، اور مکڑی کے جالے کی طرح ضعیف وکمزور دلائل کو پیش کیا، جو ثابت کرنے والے کے قوی اور واضح دلائل کے ساتھ کھڑے نہیں

ہوسکتے، جیسا کہ سورج چوتھائی دن میں (زیادہ وقت ٹھہر نہیں پاتا، اور جلد ہی غروب ہوجاتا ہے) اس نے دلائل تو اکٹھے کیے، لیکن صرف تھکنے والا کام کیا، اور حقیقت سے دوری اختیار کی، حالانکہ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا قول حجت اور دلیل ہے، لیکن تحقیق کی رو سے وہ کمزور ہے۔

پھر ان میں سے بعض نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس کلام کے ثبوت کی نفی کی تاویل کی، جس کے لیے عبارت کے رکیک ہونے کا راستہ اختیار کیا، چنانچہ انہوں نے کہا کہ ان کے گمان کے مطابق اصل عبارت یہ تھی کہ ''ما ماتا'' لکھنے والے نے پہلے لفظ ''ما'' کو زیادہ سمجھا، اور اس نے اس کو حذف کردیا، جس کی تائید میں اس کا قول پیش کیا، جس نے بعض نسخوں میں اس لفظ ''مــا'' کو ثابت رکھا ہے۔

حالانکہ بلاشک وشبہ یہ اٹکل کی باتیں ہیں، اور ان کا ظن وگمان ہے ''إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا'' اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس کو ثابت ماننا نفی ہے، اور اس کی نفی کرنا اثبات ہے، اور حقائق کو ثابت قرار دینا نہ کہ دلالت کرنے والے الفاظ کو ثابت قرار دینا، یقیناً حقائق کی نفی پر مقدم ہوا کرتا ہے، کیونکہ اس کے ساتھ علم کی زیادتی پائی جاتی ہے، لہٰذا اس کی نفی کا قول واجب ہوگا، کیونکہ نفی کا نفی ''اثبات'' ہوا کرتا ہے، اور ''دلالت کرنے والے سے'' میری مراد بعض الفاظ ہیں، نہ کہ کل، کیونکہ ''ما'' کا مدلول یہاں پر عدمی ہے، جس کا اثبات ممکن نہیں، اور اس کے ثبوت کی صراحت علامہ محقق ابنِ عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی کی ہے، چنانچہ انہوں نے (ردالمحتار میں) فرمایا کہ یہ امام ابوحنیفہ کے ''الفقہ الاکبر'' میں اس قول کے بھی منافی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر پر فوت ہوئے۔ [1]

---

[1] لیکن اس کے بعد علامہ ابنِ عابدین شامی نے علامہ سیوطی وغیرہ کی اتباع میں قول کیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ محمد رضوان خان۔

اورعلامہ ابنِ نجیم نے (الاشباہ والنظائر میں) فرمایا کہ جو شخص کفر پر فوت ہوجائے، اس پر لعنت کرنا مباح ہے، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے، کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ فرمایا، یہاں تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ”مناقبِ کردری“ میں اسی طرح سے ہے (علامہ ابنِ نجیم کا کلام ختم ہوا)

پس علامہ ابنِ نجیم کی اس عبارت میں اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر پر فوت ہوئے، لیکن لعنت کے مباح نہ ہونے کی جو علت بیان کی گئی ہے، وہ دو وجہ سے کمزور ہے، ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس حدیث کا ثبوت نہیں پایا جاتا، جیسا کہ عنقریب آپ دیکھ لیں گے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس علت کا مفہومِ مخالف یہ ہے کہ اگر (زندہ کیے جانے کی مذکورہ) حدیث ثابت نہ ہو، تو پھر ان پر لعنت کرنا جائز ہو، حالانکہ پھر بھی ان پر لعنت کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے، جبکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا (سورہ احزاب میں) ارشاد ہے کہ ”بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں، تو ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے، اور ان کے لیے اہانت والا عذاب تیار کر رکھا ہے“ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”تم مُردوں کو برا بھلا مت کہو، جس کی وجہ سے تم زندوں کو ایذا پہنچاؤ گے“ اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے، اور اس کے رجال صحیح ہیں۔ [1]

---

[1] ملحوظ رہے کہ مذکورہ حدیث کی تشریح میں بعض حضرات نے تو مُردوں کو عام رکھا ہے، خواہ وہ مومن ہوں یا کفار ہوں، مگر بعض نے مومنوں کے ساتھ خاص رکھا ہے، لیکن جن کی موت کفر پر یقینی ہو، ان کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے۔

(وعن عائشة قالت :قال رسول الله لا تسبوا الأموات) أى :بالـلعن والشتم وإن كانوا فجارا أو كفارا إلا إذا كان موته بالكفر قطعيا، كفرعون وأبى جهل وأبى لهب .(فإنهم قد أفضوا) أى: وصلوا .(إلى ما قدموا) وفى نسخة :إلى ما قدموه أى :من جزاء أعمالهم، أو مجازاة ما عملوه من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا، جس نے ''درة بنتِ ابی لهب'' کو اس کے والدین کی نسبت سے ایذا پہنچائی تھی، چنانچہ بنی زریق کی بعض عورتوں نے یہ کہہ کر ''درة بنتِ ابی لهب'' کو ایذا پہنچائی تھی کہ تو اس ابولہب کی بیٹی ہے، جس کے بارے میں اللہ نے (سورہ مسد میں) یہ فرمایا ہے کہ ''تَبَّتْ يَدَا أَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ،مَا أَغْنٰی عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ'' ان عورتوں نے کہا کہ تجھ کو تیری ہجرت کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی، یہ سن کر ''درة بنتِ ابی لهب'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، اور ان عورتوں کی شکایت کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تسکین دی، اور فرمایا کہ ''اے لوگو! تم میرے گھر والوں کے متعلق مجھے کیوں ایذا پہنچاتے ہو'' اس کو طبرانی نے متصلاً بسندِ حسن روایت کیا ہے، اس روایت کے راوی ''عبدالرحمن دمشقی'''' مختلَف فيه'' ہیں۔

اور طبرانی نے ہی دوسرے الفاظ کے ساتھ بھی اس کو ''مرسل، صحیح'' سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور اسی طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے آباء میں سے کسی کو برا بھلا کہا تھا،

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الخير والشر .والله تعالى هو المجازى، فإذ شاء عفا عنهم إن كانوا مسلمين، وإن شاء عذبهم بأن كانوا كافرين أو فاجرين، فما لكم وإياهم، ومن حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه، وإنما جوز ذم بعض الأحياء لما ترتب عليه من فائدة ما(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٣،ص ١٢٠٣ ،كتاب الجنائز)

(لا تسبوا الأموات) أى المسلمين كما دل عليه بلام العهد فالكفار سبهم قربة (فإنهم قد أفضوا) بفتح الهمزة والضاد وصلوا (إلى ما قدموا) عملوا من خير وشر والله هو المجازى إن شاء عفا وإن شاء عذب فلا فائدة فى سبهم فيحرم كما قال النووى :سب الأموات بغير حق ومصلحة شرعية كسب أهل البدع والفسقة للتحذير من الاقتداء بهم وكجرح الرواة لابتناء أحكام الشرع على بيان حالاتهم وقد أجمعوا على جواز جرح المجروح من الرواة حيا وميتا(فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج٦، ص٣٩٨، تحت رقم الحديث ٩٧٨٢ ،حرف "لا ")

اس کو یہ کہہ کر منع فرمایا کہ ”تم ہمارے مُردوں کو برا بھلا مت کہو، جس کی وجہ سے تم ہمارے زندوں کو ایذا پہنچاؤ“ اس کو نسائی نے روایت کیا ہے، اور عراقی نے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے، نیز اس کو حاکم نے بھی صحیح قرار دیا ہے، جس کی علامہ ذہبی نے بھی موافقت کی ہے۔

پس صحیح اور صریح تعلیل دراصل ایذا پہنچانا ہے، جس کی علت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے بیان فرمادی ہے کہ ”فتؤذوا الاحیاء“ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

اور ماسبق کی تقریر سے ہم نے امام ابوحنیفہ کے مذہب کو پہچان لیا، جس سے اس سلسلہ میں پائے جانے والے وہم اور گمانوں کا ازالہ ہوجاتا ہے، پس اب ہم ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ کے ساتھ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ انسان کا اپنے رب عزوجل کو اپنی عقل سے اس حیثیت کے ساتھ پہچاننا واجب ہے کہ اس کائنات کا کوئی ”موجِد، علیم“ ہے، اور ”مدبر، قدیر، حکیم“ ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے، چنانچہ امام ابو یوسف اور اور امام محمد رحمہما اللہ نے امام اعظم (ابوحنیفہ) رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر اللہ کچھ لوگوں کے پاس کوئی رسول نہ بھیجے، تب بھی ان لوگوں پر اپنی عقلوں کے ذریعہ سے اللہ کی معرفت واجب ہے، اور کسی کو اپنے خالق کی جہالت میں معذور قرار نہیں دیا جائے گا، کیونکہ اس نے آسمانوں کو اور اپنے آپ کو اور کائنات کی دوسری چیزوں کو دیکھ لیا ہے (جو اللہ کے خالق

---

[1] اور جب اصل علت زندوں کو ایذا پہنچانا ہوا، تو شرعی حکم بیان کرنے کی ضرورت کے وقت میں کسی کے کفر کو بیان کرنا یہ اس طرح کے سب وشتم میں داخل نہیں، جو زندوں کی ایذا کا باعث ہو، جبکہ مقصود بھی شرعی حکم کو بیان کرنا ہو، ایذا پہنچانا نہ ہو، اور حکم بھی وہ بیان کیا جائے، جو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مُردوں کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ محمد رضوان خان۔

ہونے پر دلالت کرتی ہیں) [1]

اس کو حاکم شہید نے "المنتقیٰ" میں اور ناطفی نے "الاجناس" میں، اور ابوزید دبوسی نے "التقویم" میں اور ہمذانی نے "خزانةُ الاکمل" میں اور ابومنصور سمرقندی نے "المیزان" میں روایت کیا ہے، اور آپ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اس تصریح کو دیکھ لیا کہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی معرفت اپنی عقلوں کے ذریعہ سے واجب ہے، اگرچہ ان کے پاس اللہ سبحانہٗ کی طرف سے کوئی رسول نہ آئے، اور بعض حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ یہاں پر وجوب "الانبغاء" کے معنیٰ میں ہے، یعنی امام ابوحنیفہ کا یہ فرمانا کہ واجب ہے، اس کے معنیٰ "ینبغی" کے ہیں، یعنی حقیقت میں واجب نہیں ہے، بلکہ مناسب ہے۔ تو اس کا علامہ بیاضی نے یہ جواب دیا ہے کہ "ایک تو یہ خلافِ ظاہر ہے، جس کے لیے اس کے بعد کا جملہ مانع ہے، اور اس کا اعلان علت کرتی ہے، یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ "لما یری من خلق السماوات ...الخ" یہ مذکورہ حضرات کی تاویل کے خلاف ہے" اس کے علاوہ ائمہ کی تصریح کے بھی خلاف ہے، چنانچہ امام ابوزید دبوسی نے "التقویم" میں اور فخر الاسلام بزدوی نے اپنے "اصول" میں اس شخص کے لیے دائمی عذاب کی تصریح فرمائی ہے، جو کسی دور دراز بیابان پہاڑ میں پیدا ہو، اور اتنی مدت پالے، جس میں وہ اللہ کے خالق ہونے پر استدلال کرسکتا تھا، اور اس نے استدلال نہیں کیا، نیز ماتریدیہ سے جو موافقت کی تفصیل منقول ہے کہ ان کے نزدیک وجوب مذکورہ صورت میں اس پر مبنی ہے کہ "عقل" کو "فعل" پر ترجیح

---

[1] لقوله تعالىٰ:

" وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ " (سورة الذاريات، رقم الآية: ٢١)

وقولهٗ تعالىٰ:

" إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ " (سورة آل عمران، رقم الآية: ١٩٠)

حاصل ہے، اس سے بھی غفلت اختیار کرنا ہے (بیاضی کی ''اشارات المرام'' ملاحظہ فرمائیں)

اور عقل کی ترجیح وہی ''الانبغاء'' ہے، جس کی میں نے آپ کے سامنے تفسیر کی، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کلام عام ہے، اس شخص کو بھی شامل ہے، جو بیابان اور دور دراز پہاڑ میں پیدا ہو، اور ہر اس شخص کو بھی شامل ہے، جس کو دعوت نہ پہنچی ہو، اور امام دبوسی اور امام بزدوی نے دور دراز اور بیابان جنگل میں پیدا ہونے والے کا ذکر بطور مثال کے بیان فرمایا ہے، اور یہی حکم اس شخص کا بھی ہے، جس کو سرے سے (توحید کی) دعوت نہیں پہنچی، پس جس شخص کو ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کا دین پہنچ گیا، اور اس نے مکہ میں بیتِ حرام، کے قریب زندگی گزاری، اور ابراہیم علیہ السلام کے دین کا اعتقاد رکھا، اور بیت اللہ کی تعظیم کی، اور حج کیا، اور طواف کیا، اور سعی کی اور تلبیہ پڑھا، اور عمرہ کیا، پھر اس کے باوجود بتوں کی تعظیم کی، اور ان بتوں کو اللہ کا قرب حاصل کرنے کے طور پر معبود بنالیا، تو اس کا کیا حال ہوگا؟ (یعنی وہ کیونکر دعوت پہنچنے کے بعد شرک میں مبتلا رہنے کی وجہ سے مؤاخذہ وسزا کا مکلّف نہیں ہوگا) [1]

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے، اور میں اللہ سبحانہٗ کے ذریعہ سے اس بات کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میرے دل میں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے حق میں تنقیص کا ادنیٰ شائبہ بھی پایا جائے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا (سورہ احزاب میں) ارشاد ہے کہ ''اِنَّ الَّـذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَـهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ

---

[1] مذکورہ دلیل، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے مشرکینِ مکہ وغیرہ کے مکلّف ہونے کی بڑی اہم دلیل ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصل قول کے مطابق تو توحید کا مکلّف ہونے کے لیے، سرے سے دعوت پہنچنے کی ضرورت نہیں۔ مگر حیرت ہے کہ بعض متاخرین حنفیہ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس اصول کو ملحوظ نہ رکھا۔ محمد رضوان خان۔

وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ''میں رحمان کے ذریعہ سے اس سے پناہ طلب کرتا ہوں، اور یہ بات کیونکر ممکن ہے، جبکہ ہماری تمام جدو جہد کا مآل اللہ عزوجل کے بعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا حاصل کرنا ہے۔

اصل مقصود تو ایک شرعی حکم کو بیان کرنا ہے، اور'' خطاء '' کو'' صواب '' سے ممتاز کرنا ہے، جو کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے ماخوذ ہے۔ [1]

پس ہم واضح طور پر کہتے ہیں، اور اللہ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں کہ اگر ہم جاہلیت کے زمانہ میں اہلِ مکہ کے عقیدہ کی ابتداء پر غور کریں، تو ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ بتوں کی عبادت سے چند لوگ ہی بچ پائے تھے، جن کی تعداد ہاتھوں کی انگلیوں کی تعداد سے زیادہ نہیں پہنچ پاتی، اللہ تعالیٰ کا (سورہ سجدہ میں) ارشاد ہے:

''لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُمْ مِّنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ''

'' تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو کہ نہیں آیا ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے، شاید کہ وہ ہدایت پالیں'' پس یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہدایت پر نہیں تھے، اور اگر وہ ہدایت پر ہوتے، تو اللہ ان کی طرف رسول نہ بھیجتا، بلکہ زید بن عمرو بن نفیل یہ کہا کرتے تھے کہ'' اے قریش کے گروہ! آج کے دن تم میں سے کوئی بھی میرے علاوہ ابراہیم کے دین پر نہیں'' اس کو نسائی نے اپنی'' السنن الکبریٰ'' میں روایت کیا ہے۔

اور ان لوگوں میں سے جنہوں نے بتوں کی عبادت سے نجات پائی ایک زید بن عمرو بن نفیل ہیں، جو فاروق عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے چچا کے بیٹے ہیں، اور ایک جلیل القدر صحابی سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے والد ہیں، جو جنت کی بشارت

---

[1] اس سے ان جذباتی اور فرطِ محبت وعقیدت میں مبتلا لوگوں کا جواب واضح ہوگیا، جو ایسے شرعی حکم کے بیان کرنے پر جھٹ تنقیص کا فتویٰ لگا دیتے ہیں، جو حکم خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں بیان فرمایا، اور اس حکم کے بیان کرنے کے لیے آیاتِ الٰہی کا نزول ہوا۔ محمد رضوان خان۔

پانے والے دس لوگوں میں سے ایک ہیں، جو یہ کہا کرتے تھے کہ اے اللہ میرے معبود، ابراہیم کے معبود، میرا دین، ابراہیم کا دین ہے، اور وہ نماز پڑھا کرتے تھے اور سجدہ کیا کرتے تھے، اس کو بیہقی نے (الأسماء و الصفات میں) روایت کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا کہ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم فرمائے، کیونکہ وہ دینِ ابراہیمی پر فوت ہوئے (اس کو بزار اور طبرانی نے روایت کیا ہے، جیسا کہ فتح الباری میں ہے)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو قیامت کے دن تنہا ایک امت کی شکل میں اٹھایا جائے گا، اس کو ضیاء نے ''المختارۃ'' میں اور نسائی نے ''السنن الکبریٰ'' میں روایت کیا ہے۔

اور ان لوگوں میں سے ایک ورقہ بن نوفل بن اسد ہیں، جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی ہیں، یہ بتوں کی عبادت کو ناپسند کرتے تھے، اور انہوں نے اگرچہ نصرانیت اختیار کرلی تھی، لیکن وہ نصرانیت پر تحریف سے پہلے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق سوال کیا گیا تھا، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس کو روایت کیا ہے کہ لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ کی ورقہ بن نوفل کے بارے میں کیا رائے ہے، کیوں کہ وہ قبلہ کی طرف رخ کیا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ میرا دین زید کا دین ہے، اور میرا معبود زید کا معبود ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں نے ان کو جنت کے بطنان میں چلتا ہوا دیکھا ہے، ان پر سندس کا خوبصورت حلہ تھا، اس کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا، اور جنت کے بطنان سے مراد جنت کا درمیانی حصہ ہے، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے، اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

متعلق یہ کہا، جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوں جب آپ کو آپ کی قوم نکالے گی۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر مجھے آپ کا وہ دن پالے تو میں آپ کی بھرپور نصرت کروں گا (جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے)

اور انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ بے شک آپ کے شوہر نبی ہیں، عنقریب ان کو ان کی امت کی طرف سے آزمائش پہنچے گی، اس کو ابنِ ابی شیبہ نے اپنی ''مصنف'' میں روایت کیا ہے۔ اور ان کو بعض حضرات نے صحابہ کرام میں شمار کیا ہے، اور یہ وہ شخص ہیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

علامہ سندی نے فرمایا کہ راجح یہ ہے کہ ورقہ بن نوفل ایمان لاچکے تھے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ بن نوفل کے متعلق سوال کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہ ان پر سفید لباس ہے، اور میرا گمان یہ ہے کہ اگر وہ اہلِ جہنم میں سے ہوتے، تو ان پر سفید لباس نہ ہوتا (اور یہ بات واضح ہے کہ نبی کا خواب، وحی کا درجہ رکھتا ہے)

اور طبرانی نے اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ بن نوفل کے متعلق سوال کیا گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ انہیں قیامت کے دن تنہا ایک امت کی شکل میں اٹھایا جائے گا۔

اور ان میں سے ایک شخصیت ''قس بن ساعدة ايادى'' ہیں، جن کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان منقول ہے کہ ان کو قیامت کے دن تنہا ایک امت کی شکل میں اٹھایا جائے گا (ملاحظہ ہو: ابنِ جوزی کی المنتظم)

ابوحاتم نے فرمایا کہ یہ تین سو اسی سال حیات رہے، اور بیشتر حضرات نے ان کو

صحابۂ کرام میں شمار کیا ہے۔

اور ان میں سے ایک شخصیت امیہ بن ابی صلت ثقفی کی ہے، جنھوں نے بدرِ کبریٰ کے معرکہ کو پایا، لیکن وہ اسلام نہیں لائے، اور بدر کے معرکہ میں مکہ کے کفار میں سے جو فوت ہو گئے، ان پر انہوں نے مرثیہ کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا کہ قریب تھا کہ امیہ بن ابی صلت اسلام لے آئیں، اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا، اور صحیح مسلم میں ہے کہ یقیناً قریب ہے کہ وہ اپنے شعر میں اسلام لے آئے (کیونکہ ان کے اشعار میں توحید کا ذکر ہے)

اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عبدالمطلب، جن کا نام شیبہ بن ہاشم تھا، وہ اہلِ مکہ کے ایک فرد تھے اور ان کا عقیدہ اہلِ مکہ والا عقیدہ تھا، جس کے دلائل بکثرت ہیں۔

جن میں سے ایک مشہور قصہ ہے کہ جب عبدالمطلب نے یہ نذر مانی کہ وہ اپنی اولاد میں سے ایک کو ذبح کریں گے اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو دس اولادیں عطا کیں، پھر (نذر پوری کرنے کے لیے) عبدالمطلب ''ھبل'' بت کے پاس کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ عبداللہ کے نام کا تیر نہ نکلے، کیونکہ وہ ان کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ محبوب تھے، لیکن عبداللہ ہی کا نام نکل آیا، تو عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا، اور چھری لی، پھر ان کو لے کر ''اساف'' اور ''نائلة'' نامی بتوں کے پاس لائے، جن کے قریب قریش اپنے ذبیحوں کو قربان کیا کرتے تھے، ان کو قریش نے عبداللہ کے ذبح کرنے سے منع کیا، اور قریش نے ان سے کہا کہ تم ایسا نہ کرو، اور حجاز جاؤ، کیونکہ وہاں ایک عرافہ ہے، جس کا نام ''سجاح'' ہے، اس کے پاس جا کر اس سلسلہ میں سوال کرو، تو عبدالمطلب نے اپنے ساتھ اپنے بیٹے عبداللہ کو لیا اور ''سجاح'' کی طرف گئے، سجاح نے ان

سے کہا کہ تم اپنے شہر کی طرف لوٹ جاؤ، اور اپنے ساتھی کو آگے کرو، اور (اس کے بدلہ میں) دس اونٹ قربان کرو، انہوں نے ایسا ہی کیا، اور انہوں نے تیروں کو ھبل کے قریب مار دیا، اس کو ابنِ اسحاق نے ''السیر'' میں روایت کیا ہے، اور اس کو ابنِ ابی شیبہ نے اپنی ''مصنف'' میں مختصر انداز میں روایت کیا ہے، جیسا کہ ابھی آتا ہے۔ اور بیہقی نے ''دلائلُ النبوۃ'' میں ابنِ اسحاق سے روایت کیا ہے، اور اسی طرح ابنِ کثیر وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے، اور انہوں نے اس واقعہ پر نکیر نہیں کی۔ اور اس کو طبری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حاکم نے بھی مختصر طریقہ پر روایت کیا ہے، جس میں یہ ہے کہ ایک دیہاتی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ''یا ابن الذبیحین'' اور دو ذبیحوں میں سے ایک تو اسماعیل علیہ السلام ہیں اور دوسرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ ہیں۔ جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے، جس کو ابنِ جریر نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو کعبہ کے قریب ذبح کرے گی، تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے سو اونٹوں کے ذبح کرنے کا حکم فرمایا، اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اس کے سامنے یہی عبدالمطلب کا واقعہ ذکر کیا۔

اور اسی طریقہ سے ابنِ ابی شیبہ نے اپنی ''مصنف'' میں عامر سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا ، جس نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی تھی، تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ سو اونٹ ذبح کر دیے جائیں، جیسا کہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کے بدلے میں ذبح کیے تھے۔

پھر آپ کے سامنے عبدالمطلب کے مومن نہ ہونے کی زیادہ واضح دلیل وہ ہے،

جس کو بخاری ومسلم نے حضرت مسیّب سے روایت کیا ہے کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا، تو ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ان کے پاس اس وقت ابو جہل بن ہشام اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ، وغیرہ موجود تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب سے فرمایا کہ اے میرے چچا! آپ ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' کہہ دیجیے، جو ایسا کلمہ ہے کہ میں آپ کے لیے اس کی وجہ سے اللہ کے نزدیک گواہی دوں گا، تو ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا کہ اے ابو طالب! کیا آپ عبدالمطلب کے دین سے رُوگردانی کرلیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کے سامنے بار بار یہی بات دہراتے رہے، اور ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی اپنی بات کو دہراتے رہے، یہاں تک کہ ابو طالب نے آخری کلمہ یہی کہا کہ وہ عبدالمطلب کے دین پر ہیں۔

اور انہوں نے ''لا الٰـہ الا اللّٰہ'' کہنے سے انکار کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں آپ کے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا، جب تک کہ مجھے اس سے منع نہیں کیا جائے گا، جس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ کی یہ آیت نازل فرمائی کہ ''ما کان للنبی، الخ''۔

اور اس حدیث میں چند دلالتیں پائی جاتی ہیں۔

پہلی دلالت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل پر اس بات کا انکار نہیں کیا کہ ابو طالب، عبدالمطلب کے دین پر ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت ''تقریری حدیث'' کا درجہ رکھتا ہے۔

اور اس حدیث میں دوسری دلالت یہ پائی جاتی ہے کہ ابو جہل اور ابنِ ابی امیہ نے ابو طالب کو اس بات پر اصرار کیا، اور اس بات پر اُبھارا کہ وہ عبدالمطلب کے دین پر باقی رہیں، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دین وہی تھا، جس سے ابو جہل

اورابن ابی امیہ راضی تھے، اور کیا اس امت کا فرعون شرک اور کفر کے علاوہ کسی اور چیز پر راضی ہوسکتا ہے؟

اوراس حدیث میں تیسری دلالت یہ پائی جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کواس بات کی دعوت دی کہ وہ ’’لا الٰــہ الا اللّٰــہ ‘‘ کہیں، پس اگر ابوطالب ’’لا الٰہ الا اللّٰہ ‘‘(یعنی توحید) کے خلاف پر نہ ہوتے، توان کورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دینا، فعلِ عبث ہوتا، اور نبی اس لیے مبعوث کیا جاتا ہے، تاکہ لوگوں کوظلمات سے نور کی طرف نکالے۔

اورابوطالب کا دین عبدالمطلب کا ہی دین تھا۔

اوراس حدیث میں چوتھی دلالت یہ پائی جاتی ہے کہ ابوطالب نے خوداس بات کا اقرارکیا کہ وہ عبدالمطلب کے دین پر ہیں، اورانہوں نے اسی پر اصرار کیا، اوراسی پران کی موت واقع ہوئی۔

اوراس حدیث میں پانچویں دلالت یہ پائی جاتی ہے کہ انہوں نے ’’لا الٰــہ الا اللّٰہ‘‘ کہنے سے انکار کیا۔

اور اس حدیث میں چھٹی دلالت یہ پائی جاتی ہے کہ وہ (یعنی ابوطالب) عبدالمطلب کے دین پر باقی رہے، اور یہ دونوں (مندرجہ بالا آخری) باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ ابوطالب اس کے خلاف پر تھے، جس کی انہیں دعوت دی گئی، کیونکہ انسان اسی چیز سے انکار کرتا ہے، جو چیز اس کے خلاف ہوتی ہے، جس پر وہ ہوتا ہے۔

اوراس حدیث میں ساتویں دلالت یہ پائی جاتی ہے کہ سورہ توبہ کی آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی، اوراللہ تعالیٰ نے ان کا نام مشرک رکھا، چنانچہ ارشاد ہے کہ ’’ماکان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین‘‘۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کا نام مشرک رکھا، اور اگر اس آیت کا نزول اس وجہ سے ہوتا کہ انہوں نے صرف ’’لا الٰــہ الا اللّٰـہ ‘‘ کہنے سے انکار کیا، تو ان کا نام کافر رکھا جاتا، نہ کہ مشرک، لیکن ان کا نام مشرک رکھنا اس وجہ سے ہے کہ وہ عبدالمطلب کے دین پر قائم رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابو طالب نے کفر کو اس شرک کی طرف مضاف کر دیا، جس پر وہ تھے، پس جب تقلید کرنے والے، جو کہ ابو طالب تھے، وہ مذکورہ آیت کی صراحت کے مطابق مشرک ہونے کی حالت میں فوت ہوئے، تو جن کی انہوں نے تقلید کی، یعنی عبدالمطلب، ان کی کیا حالت ہوگی؟ چنانچہ ابوداؤد اور نسائی اور ابنِ حبان اور حاکم اور بزّار نے روایت کیا ہے، اور الفاظ بزار کے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ انہوں نے اپنی بیٹی فاطمہ کو دیکھا، اور ان سے فرمایا کہ اے فاطمہ آپ کہاں سے آ رہی ہیں، تو انہوں نے جواب میں کہا کہ میں اس آدمی (یعنی ابو طالب) کے جنازے کے پیچھے سے آ رہی ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ان کے ساتھ قبرستان تک پہنچی تھیں، حضرت فاطمہ نے عرض کیا کہ نہیں، میں کیسے قبرستان تک پہنچتی، جب کہ میں نے آپ سے سنا ہے جو کچھ سنا ہے؟ (یعنی وہاں تک پہنچنے کے متعلق سخت وعید کو سنا ہے) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر آپ ان کے ساتھ قبرستان تک پہنچ جاتیں، تو جنت کو اس وقت تک نہ دیکھتیں، جب تک کہ جنت کو آپ کے باپ کا دادا نہ دیکھ لیتا (یعنی آپ کو جنت دیکھنا نصیب نہ ہوتا، جس طرح آپ کے باپ کے داد عبدالمطلب کو دیکھنا نصیب نہ ہوگا) [1]

---

[1] مذکورہ حدیث سے جو اوپر استدلال کیا گیا ہے، ہمارے نزدیک بھی وہی راجح ہے، جبکہ علامہ سیوطی اپنے مخصوص موقف و جذبہ کی وجہ سے اس سے اتفاق نہیں رکھتے۔ محمد رضوان خان۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے، ذہبی نے بھی امام حاکم کی موافقت کی، اور علامہ منذری نے ''الترغیب والترھیب'' میں اس کو حسن قرار دیا۔

امام بیہقی نے (دلائل النبوۃ میں) فرمایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے والد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ''عبدالمطلب بن ھاشم'' ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور دادا آخرت میں اس صفت پر کیونکر نہیں ہوں گے، دراں حالیکہ وہ اپنی وفات تک بتوں کی عبادت کرتے رہے۔

اور ابنِ کثیر نے (السیرۃ النبویۃ میں) فرمایا کہ مقصود یہ ہے کہ عبدالمطلب جاہلیت کے دین پر فوت ہوئے، شیعہ کے ایک فرقہ کا اس میں اختلاف ہے، اور ابو طالب کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والحديث يدل على مشروعية التعزية وعلى جواز خروج النساء لها حتى يراها جد أبيك ظاهر السوق يفيد أن المراد ما رأيت أبدا كما لم يرها فلان وأن هذه الغاية من قبيل حتى يلج الجمل فى سم الخياط (حاشية السندى على سنن النسائى، ج۴، ص ۲۷ و ۲۸، كتاب الجنائز)

قلت القول فى هذا الحديث ما قاله العلامة السندى وأما القول بنجاة عبد المطلب كما هو مذهب السيوطى فكلام ضعيف خلاف لجمهور العلماء المحققين إلا من شذ من المتساهلين ولا عبرة بكلامه فى هذا الباب والله أعلم (عون المعبود، ج۸، ص ۲۷۳، كتاب الجنائز، باب التعزية)

[1] جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک موقع پر یہ فرمانا ہے کہ:

''أنا النبى لا كذب أنا ابن عبد المطلب''

تو اس کا اصل مقصود، عزت وکرامت کا حصول نہیں ہے، جس کی احادیث میں ممانعت آئی ہے، بلکہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود، سوال کے مطابق جواب بیان فرمانا ہے، نیز آپ کے والد کی وفات پہلے ہوگئی تھی، اور آپ کے نسب کی زیادہ شہرت عبدالمطلب کے نام سے تھی، اس موقع کی مناسبت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو ''ابن عبدالمطلب'' قرار دیا، جس سے ''عبدالمطلب'' کے موحد ومومن ہونے کا تعلق نہیں۔

عن أبى ريحانة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من انتسب إلى تسعة آباء كفار يريد بهم كرما وعزا، فهو عاشرهم فى النار (مسند ابى يعلىٰ الموصلى، رقم الحديث ۱۴۳۹)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر کیا عبدالمطلب نے اپنے بیٹے ''ابو لہب'' کا نام ''عبدالعزیٰ'' نہیں رکھا تھا، جب کہ ''عزیٰ'' اس بُت کا نام تھا، جس کی اہلِ عرب پوجا کیا کرتے تھے، اس کا قرآن میں بھی ذکر ہے، اور عبدالمطلب نے اپنے دوسرے بیٹے ''ابوطالب'' کا نام ''عبدمناف'' نہیں رکھا تھا، جب کہ مناف بھی ان کے معبود کا نام تھا، پس اگر عبدالمطلب، بتوں کی تعظیم نہ کرتے، تو وہ اپنے دو بیٹوں میں سے ہر ایک کا نام، ان معبودوں کے عبد ہونے کے ساتھ کیونکر رکھتے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(أنا النبی لا کذب) أی فلا أنهزم لأن الذی وعدنی الله به من النصر حق لا خلف لمیعاده تعالی (أنا ابن عبد المطلب) انتسب لجده لشهرته به کما قال ضمام بن ثعلبة لما قدم أیکم ابن عبد المطلب(إرشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ج۵، ص۸۲، کتاب الجهاد والسیر، باب بغلة النبی -صلی الله علیه وسلم)

(أنا النبی لا کذب)، أی فلست بکاذب فی قولی حتی أنهزم (أنا ابن عبد المطلب) بسکون باء کذب والمطلب وانتسب لجده لشهرته به بخلاف أبیه عبد الله فإنه مات شابا أو لغیر ذلک مما سبق عند ذکره فی الجهاد(إرشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ج۵، ص۱۰۷، کتاب الجهاد والسیر، باب من صف أصحابه عند الهزیمة ونزل عن دابته واستنصر)

رواه أبو داود فی (سننه) من طریق ابن عباس أنه قال :(ایکم ابن عبد المطلب؟ فقال النبی، علیه السلام :انا ابن عبد المطلب) . فقال یابن عبد المطلب وساق الحدیث .ومنها ما قیل :إن النبی صلی الله علیه وسلم کان یکره الانتساب إلی الکفار، فکیف قال فی هذا الحدیث :انا ابن عبد المطلب؟ .وأجیب :بأنه أراد به ههنا تطابق الجواب السؤال .لأن ضماما خاطبه بقوله :(ایکم ابن عبد المطلب؟ فأجاب علیه السلام، بقوله :أنا ابن عبد المطلب) فإن قلت :کیف کان یکره ذلک؟ وقد قال علیه السلام یوم حنین :(أنا ابن عبد المطلب؟) قلت :لم یذکره إلا للإشارة إلی رؤیا رآها عبد المطلب مشهورة، کانت إحدی دلائل نبوته، فذکرهم بها، وبخروج الأمر علی الصدق(عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ج۲، ص۲۳، کتاب العلم، باب القراء ة والعرض علی المحدث)

[1] بعض لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ''عبداللہ'' اور ''آمنة'' کے ناموں سے موحد و مومن ہونے پر استدلال کیا ہے، مگر اس استدلال کو کئی محققین نے راجح قرار نہیں دیا، کیونکہ قرآن مجید کی کئی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکینِ مکہ کو اللہ کے معبود اور خالق وغیرہ ہونے کا اعتراف تھا، لیکن اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے، اور غور کیا جائے، تو ہر مشرک کو اللہ کے معبود و موجود ہونے کا علم واعتراف ہوتا ہے، کیونکہ شرک میں اللہ کے وجود کو تسلیم کرنا لازم ہے، اور دنیا کے تمام مشرکوں کا یہی حال ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ کا تعلق ہے، تو وہ اپنے والد کے دین پر تھے، اس کے خلاف منقول نہیں، بلکہ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

چنانچہ سورہ زمر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (سورة الزمر، رقم الآية ٣)

اور سورہ زمر ہی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ (سورة الزمر، رقم الآية ٣٨)

ان جیسی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکینِ مکہ اور کفارِ قریش کو، اللہ کے معبود و موجود اور خالق ہونے کا علم و اعتراف بلکہ یقین تھا، لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کی قربتِ خاص حاصل کرنے کے لیے دوسروں کو اللہ کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے۔

اسی وجہ سے بعض مشرکینِ مکہ جس طرح بتوں کی طرف نسبت کر کے اپنے نام رکھتے تھے، مثلاً ''عبدالعزیٰ، عبدِ مناف'' اسی طرح اللہ کی طرف منسوب کر کے بھی بعض اپنے نام رکھتے تھے، مثلاً ''عبداللہ'' اور آج بھی مشرکینِ ہند، اللہ کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں، اور اس کی طرف نسبت کر کے اپنے نام بھی رکھتے ہیں، لیکن ساتھ ہی شرک بھی کرتے ہیں، اور اسی وجہ سے اپنے بتوں کی طرف منسوب کر کے بھی اپنے نام رکھتے ہیں۔

اس لیے زمانۂ جاہلیت میں مشرکین کی طرف سے، بعض لوگوں کے، اللہ کے معبود ہونے، یا اللہ پر ایمان ہونے کے معنیٰ پر مشتمل نام رکھنے سے اُن کا مومن ہونا لازم نہیں آتا۔

اور ''آمـنـة'' کے معنیٰ ''امن والی'' کے آتے ہیں، قرآن مجید کی سورہ نحل میں بھی ''قریۃ'' کے بارے میں اس صفت کا ذکر ہے۔

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ (سورة النحل، رقم الآية ١١٢)

(وضرب الله مثلا) ويبدل منه (قرية) هي مكة والمراد أهلها (كانت آمنة) من الغارات لا تهاج (مطمئنة) لا يحتاج إلى الانتقال عنها لضيق أو خوف(تفسير الجلالين، تحت رقم الآية ١١٢، من سورة النحل)

ضرب الله مثلا قرية يعني مكة كانت آمنة يعني ذات أمن لا يهاج أهلها ولا يغار عليهم(تفسير الخازن، ج٣ص ١٠٢، سورة النحل)

كانت آمنة قيل: ذات أمن لا يأتي عليها ما يوجب الخوف كما يأتي على بعض القرى من إغارة أهل الشر عليها وطلب الإيقاع بها(تفسير روح المعاني، ج٧ص ٤٧٦، سورة النحل)

كانت آمنة لا يهاج أهلها ولا يغار عليها(التفسير المظهري، ج٥ص ٣٨٤، سورة النحل)

روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرا والد کہاں ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میں ہے، پھر جب وہ جانے لگا، تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر فرمایا کہ بے شک میرے والد اور تیرے والد جہنم میں ہیں۔

امام بیہقی نے (''السنن الکبریٰ ''میں) فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مشرک تھے، امام بیہقی نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے، اور امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے (صحیح مسلم کی شرح میں) اس حدیث کے ضمن میں فرمایا کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ''جو شخص کفر پر فوت ہو جائے، وہ جہنم میں جائے گا، اور اس کو رشتہ داروں کی شفاعت نفع نہیں پہنچائے گی''۔

اور حافظ ابنِ کثیر نے (''السیرۃ النبویۃ''میں) فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے والدین اور اپنے دادا عبدالمطلب کے بارے میں یہ خبر دینا کہ وہ اہلِ جہنم میں سے ہیں، یہ اس حدیث کے مخالف نہیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اسناد سے مروی ہے کہ اہلِ فترت اور نابالغ بچے اور مجنون اور گونگے، بہرے کا قیامت کے دن جنت میں داخل ہونے سے پہلے امتحان لیا جائے گا، پس ان میں سے بعض امتحان میں کامیاب ہو جائیں گے، اور بعض ناکام ہو جائیں گے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور دادا کامیاب ہونے والوں میں سے نہیں ہوں گے۔

اور امام ابنِ جریر طبری نے (تفسیرِ طبری میں) بھی اسی پر یقین ظاہر کیا ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی گمان کرنے والا یہ گمان کرے کہ جو حدیث محمد بن کعب سے مروی ہے، وہ صحیح ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس بارے میں شک ہونا محال ہے، کہ اہلِ شرک، اہلِ جہنم میں سے ہیں، اور

آپ کے والدین ان ہی میں سے تھے، یہ بات محمد بن کعب کے قول کی صحت کو دفع کرتی ہے۔

پس آپ غور فرمالیجیے، آپ کو اللہ تعالیٰ عافیت عطا فرمائے کہ اس عظیم امام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر شک کرنے کو کیسا محال قرار دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اہلِ شرک اور اصحابِ جہنم میں سے ہوں (اور جب اہلِ شرک میں سے ہونے پر شک محال ہے، تو اس کا یقینی ہونا واجب ہے)

اور محمد بن کعب کی حدیث سے مراد وہ ہے، جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ میرے والدین کے ساتھ کیا کیا گیا؟ تو اس پر (سورہ بقرہ کی) یہ آیت نازل ہوئی ''**ولاتسأل عن أصحاب الجحيم**''۔ [1]

اور امام ابنِ عطیہ نے (''تفسیر ابنِ عطیہ'' میں) فرمایا کہ بے شک ہم اپنی شریعت کو پاتے ہیں کہ وہ یہ خبر دیتی ہے کہ وہ کفار جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تھے، جیسا کہ آپ کے والدین اور ان کے علاوہ دیگر کفار، وہ جہنم میں ہیں، اور اللہ تعالیٰ کسی کو بھی جہنم میں داخل نہیں فرمائے گا، مگر اسی چیز کے ترک کرنے پر، جس کا اس کو مکلّف کیا گیا ہو۔

اور علامہ ابنِ عابدین نے (''**رد المحتار**'' میں) صاحبِ دُرّ کے اس حدیث کے ذکر کے موقع پر کہ ''**وُلِدتُ من نكاح**'' فرمایا کہ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس میں بے ادبی ہے، کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر کفر کا حکم لگایا جائے، باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کردیا، اور یہ نبی صلی اللہ

---

[1] مذکورہ بالا حدیث اور اس کی مختلف روایات سے متعلق ہم نے پانچویں فصل میں تفصیلی کلام ذکر کردیا ہے۔ محمد رضوان خان۔

علیہ وسلم پر ایمان لے آئے، جیسا کہ ضعیف حدیث میں وارد ہوا ہے، کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث عام ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مرنے کے بعد زندہ کیا جانا، اس بات کے منافی نہیں کہ نکاح، کفر کے زمانہ میں منعقد ہوا تھا۔

پس کہاں ہیں وہ لوگ، جو ملا علی قاری پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، لیکن ان جلیل القدر ائمہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ، جب کسی ایسی دلیل کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے، جو ان کے اس گمان کی شہادت دیتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مومن تھے، تو انہوں نے بغیر کسی حجت اور دلیل کے دفاعی اور تاویلی راستہ اختیار کیا، چنانچہ انہوں نے کہا کہ سوال کرنے والے کے اس قول میں کیا مانع ہے کہ ''فأین أبوک'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت انس کی حدیث میں کہ ''ان أبی'' اگر اس کی مراد آپ کے چچا ابو طالب کو مان لیا جائے، نہ کہ آپ کے والد عبداللہ کو؟

لیکن علامہ سیوطی کی یہ تاویل ظاہر سے بعید تر ہے، اور حقیقت سے مجاز کی طرف بلا مانع خروج کرنا ہے، اور ایسا کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ جب کہ ارادہ قصد کا نام ہے، جس کا محل قلب ہے (جس پر کسی دوسرے کا اس وقت تک مطلع ہونا مشکل ہے، جب تک وہ خود اپنی مراد بیان نہ کر دے) اور ہر وہ کلام کہ جس میں ''لعل'' کی آمیزش ہو جائے، تو یہ اوہام کا باعث ہے، پس اگر بغیر قرینے اور بغیر کسی دلیل کے حقیقت کو نظر انداز کر کے، مجاز کو مراد لیا جائے، تو حقائق باطل ہو جائیں گے، کسی کلام پر اعتماد باقی نہیں رہے گا، بلکہ اس حدیث میں مقابلہ کا قرینہ اس دعوے کو باطل قرار دیتا ہے، کیونکہ اس آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے والد کے متعلق سوال کیا تھا، بعد اس کے کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی تھی

کہ اس کا والد جہنم میں ہے، جیسا کہ ابنِ ماجہ کی روایت میں ہے۔ [1]

اور اس شخص نے اپنے چچا کے متعلق سوال نہیں کیا تھا، بلکہ اگر اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ میرا چچا اور آپ کا والد جہنم میں ہے، تو وہ یہ گمان کرتا، جب کہ سوال کرنے والا سوال کے وقت میں کافر تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ استہزاء کر رہے ہیں، بلکہ شاید وہ اگر اس ''توریہ'' کو سمجھ جاتا، جس کا آپ گمان کر رہے ہو، یا مجاز کو سمجھ جاتا، تو وہ اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاتا، اور اسلام نہ لاتا، کیونکہ ابو طالب کی موت کا مشرک ہونے کی حالت میں ہونا واضح تھا، اور یہ بات سب کو معلوم تھی، اس کی تجدیدِ خبر کی احتیاج نہیں تھی۔

پھر وہ بات کیونکر درست ہو سکتی ہے، جو سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، جس کی طرف ان حضرات کی بھی فہم کی رسائی نہیں ہوئی، جن کا ابھی ذکر گزرا، اور عنقریب ائمہ کے اقوال آتے ہیں۔

جہاں تک سیوطی کے (''**الحاوی فی الفتاویٰ**'' میں) اس قول کا تعلق ہے، جس سے انہوں نے صحیح مسلم کی حدیث کے عقدے کو حل کرنا چاہا ہے کہ ''**ان أبی و أباک فی النار**'' کے الفاظ کے ذکر پر، تمام راوی متفق نہیں، ان الفاظ کا ذکر صرف حماد بن سلمہ نے ثابت سے، انہوں نے انس سے کیا ہے، اور یہ وہی سند ہے، جس کو مسلم نے روایت کیا ہے، حماد کی معمر نے ثابت سے مخالفت کی ہے، چنانچہ معمر نے یہ الفاظ ذکر نہیں کیے کہ ''**ان أبی و أباک فی النار**'' بلکہ انہوں

---

[1] جاء أعرابی إلی النبی – صلی اللہ علیہ وسلم – فقال: یا رسول اللہ، إن أبی کان یصل الرحم، وکان وکان، فأین هو؟ قال:" فی النار "قال: فکأنه وجد من ذلک، فقال: یا رسول اللہ، فأین أبوک؟ قال رسول اللہ – صلی اللہ علیہ وسلم –:" حیثما مررت بقبر مشرک فبشرہ بالنار "قال: فأسلم الأعرابی بعد، وقال: لقد کلفنی رسول اللہ – صلی اللہ علیہ وسلم – تعبا، ما مررت بقبر کافر إلا بشرته بالنار (سنن ابن ماجه، رقم الحدیث ۱۵۷۳)

نے یہ کہا کہ ''اذا مررت بقبرِ کافر فبشرہ بالنار'' اوران الفاظ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے معاملے میں ہرگز دلالت نہیں پائی جاتی، اور معمر روایت کے اعتبار سے زیادہ ثبت ہیں، کیونکہ معمر، حماد کے مقابلہ میں زیادہ ثبت ہیں، حماد کے حافظہ کے متعلق کلام کیا گیا ہے، اوراسی وجہ سے بخاری نے حماد کی کسی حدیث کو روایت نہیں کیا، اور مسلم نے بھی ''اصول'' میں معمر ہی کی ثابت سے حدیث کو روایت کیا ہے، اور معمر کے حافظہ کے متعلق کلام نہیں کیا گیا، اور نہ ان کی کسی حدیث کو منکر قرار دیا گیا، اوران کی حدیث کی تخریج پر شیخین متفق ہیں، لہٰذا ان کے الفاظ زیادہ ''ثبت'' ہوں گے (سیوطی کی بات ختم ہوئی)

تو میں نے کسی دن بھی یہ گمان نہیں کیا تھا، اور نہ ہی یہ وہم گزرا کہ امام سیوطی ان جیسے اوہام کا شکار ہو جائیں گے، دراں حالیکہ وہ اس مذکورہ کلام کے بعد یہ بھی کہتے ہیں کہ الحمد للہ میرے پاس حدیث اور فقہ اور اصول اور تمام آلات وغیرہ جمع ہیں، لہٰذا میں اس کی بہت زیادہ معرفت رکھتا ہوں کہ کیسے کلام کروں، اور کیسے استدلال کروں، اور کیسے ترجیح دوں (سیوطی کا کلام ختم ہوا)

اوراللہ کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ سیوطی کے اس کلام کے متعلق کیا کہوں، لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ کاش کہ سیوطی نے یہ بات نہ کہی ہوتی، اور یہ کلام تحریر نہ کیا ہوتا، تو اچھا ہوتا۔

جہاں تک سیوطی کا یہ فرمانا ہے کہ ان الفاظ پر تمام راوی متفق نہیں، تو یہ کلام کو غیر محل میں رکھنا ہے، اور ایک چیز کا ایسا تصور یا تصویر پیش کرنا ہے، جو اس کی حقیقت نہیں، یہ بات صرف اضطراب کے وقت صحیح ہوسکتی ہے، اور اضطراب عام اور خاص میں کہاں ہوسکتا ہے؟

کیونکہ مسلم کی حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے ساتھ خاص ہے، اور جس

روایت کا سیوطی نے ذکر کیا ہے، وہ ہر کافر کے بارے میں عام ہے۔
پھر اہلِ حدیث یا اہلِ فقہ یا ان کے علاوہ میں سے وہ کون لوگ ہیں، جنہوں نے ایک لفظ پر راویوں کے متفق ہونے کی شرط کا حکم لگایا ہے، تاکہ ان کا یہ کہنا صحیح ہو؟
چنانچہ یہ صحیحین کی کتابیں ہیں، اور سنن کی کتابیں ہیں، اور دوسری کتابیں ہیں، جو متقارب اور متباین اور متشابہ اور مختلف اور مضطرب اور عام اور خاص اور مطلق اور مقید الفاظ سے بھری پڑی ہیں، بلکہ بسا اوقات دو راوی بھی ایک ہی لفظ پر متفق نہیں ہوتے، سوائے قلیل کے، اور کسی نے بھی اس بات کا حکم نہیں لگایا، جس کا سیوطی نے حکم لگایا ہے۔
لیکن سیوطی نے ایک ایسی چیز کو اختیار کیا ہے، جو انہی پر لوٹ کر پہنچتی ہے، چنانچہ انہوں نے کہا کہ حماد کی معمر نے ثابت سے مخالفت کی ہے، اور یہ بات انتہائی تعجب خیز ہے، کیونکہ معمر نے اس کو ثابت سے روایت ہی نہیں کیا، بلکہ اس کو زہری سے مرسلاً روایت کیا ہے، جس کو معمر بن راشد نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے، (پھر سیوطی کا مذکورہ دعویٰ کیسے درست ہوسکتا ہے) اور سیوطی کے نزدیک مرسل ضعیف ہوتی ہے (لہٰذا سیوطی، جس روایت کو حجت بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں، وہ خود ہی سیوطی کے قواعد کے مطابق ضعیف ہوئی) ایک بات تو یہ ہوگئی۔
اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم یہ بات فرض بھی کرلیں کہ معمر نے اس کو ثابت سے روایت کیا ہے، تو معمر کی ثابت سے حدیث، ضعیف اور مضطرب ہے۔
چنانچہ ابنِ معین نے فرمایا کہ معمر کی ثابت سے اور عاصم سے اور ہشام بن عروہ سے حدیث، مضطرب اور کثیرُ الاوھام ہے، (ملاحظہ ہو "سیر اعلام النبلاء")
اور ابنِ معین نے دوسری روایت میں فرمایا کہ معمر کی ثابت سے روایت ضعیف ہے، (ملاحظہ ہو "تھذیب الکمال")

اوراس سے سیوطی کا دعویٰ ساقط ہوجاتا ہے (جس میں انہوں نے معمر کی ثابت سے مروی روایت کوزیادہ قوی کہا ہے)

جہاں تک سیوطی کی اس بات کا تعلق ہے کہ معمر، حماد سے زیادہ ثبت ہیں، تو یہ فاحش خطاء ہے، اورحقائق کو پلٹنا ہے، اورتقیید کے مقام میں اطلاق ہے، کیونکہ معمر دراصل زہری کے اصحاب میں سے ہیں اور وہ زہری کے سلسلہ میں تو ثبت ہیں، مالک اورابنِ عیینہ کے بعد، لیکن ثابت کے سلسلہ میں ثبت نہیں ہیں، بلکہ ان کے متعلق یہ ضعیف ہیں، مضطرب ہیں، یحیٰ بن معین نے فرمایا کہ معمر، کی ثابت سے روایت ضعیف ہے (ملاحظہ ہو: تهذيب الكمال)

اورابنِ معین نے یہ بھی فرمایا کہ معمر کی ثابت اور عاصم اور ہشام بن عروہ سے حدیث مضطرب ہے، کثیرُ الاوھام ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

جہاں تک حماد کا تعلق ہے، تو امام احمد نے فرمایا کہ ثابت کی روایت میں حماد، زیادہ ثبت ہیں، معمر کے مقابلہ میں اورامام احمد نے ایک روایت میں فرمایا کہ حماد بن سلمہ، ثابت کوسب لوگوں سے زیادہ جاننے والا ہے (ملاحظہ: الجرح والتعديل، لابنِ ابی حاتم)

اورابنِ معین نے فرمایا کہ ثابت کی روایت میں جوبھی حماد بن سلمہ کی مخالفت کرے، تو اس صورت میں حماد کا قول معتبر ہوگا، ابنِ معین سے سوال کیا گیا کہ ثابت کی روایت کے متعلق، سلیمان بن مغیرہ کا کیا حال ہے؟ توانہوں نے جواب میں فرمایا کہ سلیمان ثبت ہے اورحماد، ثابت کوسب لوگوں سے زیادہ جاننے والا ہے (ملاحظہ ہو: تاريخ يحيىٰ بن معين)

اورابنِ مدینی نے فرمایا کہ ثابت کے اصحاب میں حماد بن سلمہ سے زیادہ ثبت اور کوئی نہیں (ملاحظہ ہو: تهذيب الكمال لابن المزى)

اور سیوطی نے جو بات کہی، وہ ان (محدثین) میں سے کسی نے بھی نہیں کہی (پس سیوطی کی مندرجہ بالا بات کیسے درست ہوسکتی ہے)

جہاں تک سیوطی کی اس بات کا تعلق ہے کہ معمر کے حافظہ کے متعلق کوئی کلام نہیں، تو سیوطی کی یہ بات بھی خلافِ صواب ہے، جس کا بڑا حصہ ریت سے بھرا ہوا ہے (جس میں کوئی قوت و مضبوطی نہیں) اور آپ ابنِ معین کا یہ قول سن چکے ہیں کہ معمر، ثابت کی روایت میں ضعیف ہیں، مضطرب ہیں، کثیرُ الاوھام ہیں اور ابنِ معین نے یہ بھی فرمایا کہ جب معمر آپ کو عراقیین کی کوئی حدیث بیان کریں، تو آپ اسے ہلکا سمجھیں، سوائے زہری اور ابنِ طاوس کی روایت کے، کیونکہ معمر کی ان دونوں حضرات سے مروی حدیث مستقیم ہے، جہاں تک اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ کا تعلق ہے، تو وہ مستقیم نہیں (ملاحظہ ہو: **تاریخ ابنِ ابی خیثمہ**)

اور ابو حاتم نے فرمایا کہ معمر نے بصرہ کی جو حدیث بیان کی، اس میں اغالیط ہیں (ملاحظہ ہو: **الجرح و التعدیل ، لابنِ ابی حاتم**) اور علامہ ذہبی نے فرمایا کہ معمر کے ثقہ اور ثبت ہونے کے باوجود، ان کو اوہام کی شکایت ہے، خاص طور پر، بصرہ میں آنے کے بعد (ملاحظہ ہو: **سیر اعلام النبلاء**)

البتہ اس موقع پر ادنیٰ درجہ کی بات، عبدالرحمٰن بن مہدی کی ان دونوں کے مابین برابری کی ہے، اس طور پر کہ انہوں نے فرمایا کہ جب آپ ان دونوں کی حدیث اس طرح سے یعنی بغیر تنقیہ کے لکھیں گے، تو آپ اس میں اوہام دیکھیں گے، اور جب تم ان دونوں کی حدیث کا تنقیہ کریں گے تو پھر یہ حسن ہو جائیں گی، وہ دونوں حضرات، معمر اور حماد بن سلمہ ہیں (ملاحظہ ہو: **علل الاحادیث لابنِ ابی حاتم**) [1]

---

[1] ملاحظہ فرمائیے کہ سیوطی کا مندرجہ بالا دعویٰ کس قدر کم زور اور واضح خطا پر مبنی ہے، لیکن حیرت ہے کہ ایک عرصہ سے بلا تحقیق اس کو حجت کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے، اور اس کو بہت بڑی دلیل اور حجت سمجھا جا رہا ہے، یہ سب تحقیق کے فقدان اور تقلیدِ جامد کے کرشمے ہیں۔ محمد رضوان خان۔

پھر اب ہم ان حضرات (یعنی سیوطی اور ان کے متبعین) کے پاس وہ بات لاتے ہیں، جو ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگی، پس ہم کہتے ہیں کہ ابنِ ابی حاتم نے (**علل الاحادیث** میں) فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا، جس کو یزید بن ہارون اور محمد بن موسیٰ بن ابی نعیم واسطی نے ابراہیم بن سعد سے، انہوں نے زہری سے، انہوں نے عامر بن سعد سے، انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ایک دیہاتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور اس نے کہا کہ میرا باپ کہاں ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ جہنم میں ہے، پھر اس نے کہا کہ آپ کے والد کہاں ہیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جب بھی کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزرو، تو اس کو جہنم کی بشارت سناؤ، میرے والد نے اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ اس کو یزید بن ہارون اور ابنِ ابی نعیم نے روایت کیا ہے، اور میرے علم میں نہیں کہ ان دونوں کے علاوہ کوئی اور زہری سے آگے بڑھا ہو، دیگر حضرات تو اس کو زہری سے ہی روایت کرتے ہیں کہ زہری نے فرمایا کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، الخ، اور اس کا مرسل ہونا زیادہ راجح ہے (ابنِ ابی حاتم کا کلام ختم ہوا)

اور حافظ دار قطنی نے فرمایا کہ اس حدیث کو محمد بن ابی نعیم نے اور ولید بن عطاء بن أغر نے، ابراہیم بن سعد سے روایت کیا ہے، اور دیگر حضرات نے اس کو ابراہیم بن سعد سے، انہوں نے زہری سے مرسلاً روایت کیا ہے، اور یہی صواب ہے (ملاحظہ ہو **"العلل للدار قطنی"**) [1]

اور سیوطی وغیرہ (شافعیہ) کے نزدیک مرسل ضعیف ہوتی ہے، پس اب ان کو خوش

---

[1] ملحوظ رہے کہ حضرت زہری کی مرسل کے علاوہ، متصلاً بھی یہ حدیث معتبر سند سے مروی ہے، جس کا ذکر ہم نے پانچویں فصل میں کر دیا ہے، اور اصل بات یہ ہے کہ مسلم کی حدیث کی صحت اپنی جگہ ہے، اور یہ حدیث بھی فی الواقع مسلم کی حدیث کے مخالف نہیں۔ محمد رضوان خان۔

کرنے کے لیے کوئی بھی ایسی روایت باقی نہیں رہی، جو مسلم کی روایت کے برابر درجہ کی ہو، کیونکہ تمام روایات زہری سے مروی ہیں، اور مسلم کی حدیث کے ساتھ ہم ان کے سامنے ایک زائد حدیث بھی پیش کرتے ہیں، جس کو عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ان کے والد حصین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور کہا کہ آپ کی اس آدمی کے بارے میں کیا رائے ہے، جو مہمان نوازی اور صلہ رحمی کیا کرتا تھا، اور وہ شخص آپ سے پہلے فوت ہو گیا، اور وہ شخص دراصل آپ کے والد تھے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میرے والد اور تیرے والد اور تو جہنم میں ہیں (اس کو طبرانی نے ''**معجم کبیر**'' میں روایت کیا ہے)

علامہ ہیثمی نے فرمایا کہ اس کے رجال ''**رجالِ صحیح**'' ہیں۔

اور حصین کے اسلام کے بارے میں اختلاف ہے (بعض ان کے اسلام لانے کے قائل ہیں، اور بعض قائل نہیں) جس کا امام طحاوی نے یہ جواب دیا ہے کہ ہم نے ان دونوں قسم کی حدیثوں پر غور کیا، تو ہم نے ان دونوں حدیثوں کو پایا کہ ان کی تخریج میں کوئی اختلاف نہیں، اور یہ بات ممکن ہے کہ عمران دراصل، ابنِ حصین بن حصین بن عبید ہوں، پس جو اسلام لائے، وہ حضرت عمران کے ''**ابِ ادنیٰ**'' ہوں، اور جو اسلام نہیں لائے، وہ ''**ابِ ابعد**'' ہوں، اور اس طرح دونوں حدیثیں ایک ساتھ صحیح ہو جائیں گی، جن میں کوئی تضاد نہیں ہوگا (ملاحظہ ہو ''**شرح مشکل الآثار للطحاوی**'')

اور یہ حدیث سیوطی وغیرہ کے اس قول کو باطل قرار دیتی ہے کہ شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظِ ''اب'' بول کر اپنے ''عم'' (یعنی چچا) کو مراد لیا ہو۔

کیونکہ حصین نے مذکورہ روایت میں یہ کہا کہ وہ شخص آپ سے پہلے فوت ہو گیا، اور

وہ شخص آپ کے والد تھے، دراں حالیکہ ابو طالب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے فوت نہیں ہوئے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں، نبوت کے بعد فوت ہوئے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے فوت ہونے والے، آپ کے والد ''عبداللہ'' ہی تھے۔

پس مذکورہ تفصیل سے مسلم کی حدیث ثابت ہوگئی، اور سیوطی اور دیگر حضرات نے بڑھ چڑھ کر جو تاویلات کی ہیں، وہ باطل قرار پائیں وللّٰہ الحمد والمنۃ [1]

اور اے مخاطب! اللہ تعالیٰ آپ کو علم عطا فرمائے، یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ حضرت انس کی اس حدیث کو تنہا مسلم ہی نے روایت نہیں کیا، جیسا کہ بعض لوگوں کے فہم میں بظاہر یہ بات بیٹھی ہوئی ہے، بلکہ اس حدیث کو ابو داؤد اور احمد اور بزار نے اور ابو یعلیٰ اور ابو عوانہ اور ابنِ حبان نے بھی روایت کیا ہے، اور ابنِ مندہ نے ''الایمان'' میں اور بیہقی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے (لہٰذا اس حدیث کی تخریج پر علامہ سیوطی وغیرہ کی طرف سے مسلم کے تنہا ہونے کا حکم لگانا، خلافِ واقعہ ہے)

اور جہاں تک سیوطی کے اس قول کا تعلق ہے کہ اس لفظ میں ہرگز بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد پر دلالت نہیں پائی جاتی۔

تو یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے متعلق سیوطی کے اعتقاد پر مبنی ہے، اور سیوطی کا یہ اعتقاد حدیث کو ضعیف قرار دینے تک متجاوز ہو چکا ہے، اور اسی وجہ سے انہوں نے مسلم کی حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے ساتھ خاص ہونے سے پھیر دیا، اور دوسری حدیث کو ہر کافر کے بارے میں عام قرار دے دیا، کیونکہ کلمۂ ''مشرک'' حدیث میں نکرہ ہے، اور سیاقِ شرط میں واقع ہے، لہٰذا یہ عام ہوگا۔

---

[1] مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی مبحوث فیہ احادیث میں والد سے، چچا کو مراد لینا، خود احادیث کے بھی خلاف ہے۔

لہٰذا یہ تاویل زیادہ اہمیت کی حامل نہیں۔ محمد رضوان خان۔

لیکن سیوطی کا یہ دعویٰ حدیث کے سبب کے مخالف ہے، کیونکہ یہ دراصل اس شخص کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد سے متعلق کیے گئے سوال کا جواب ہے، اور جواب، سوال کی طرف لوٹایا جاتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ جواب اضافی دیا کرتے تھے، تاکہ اس کا فائدہ زیادہ ہو، اور نفع زیادہ عام ہو۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ سیوطی نے معمر سے اوران کی ثابت سے جس روایت کے ہونے کا ذکر کیا ہے، اس کا کتبِ حدیث میں کوئی وجود نہیں، اوراگر وجود ہوگا بھی، تو وہ ضعیف ہوگا، کیونکہ معمر کو ثابت بنانی کی روایت میں ضعیف قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ [1]

اور جہاں تک سیوطی کی اس بات کا تعلق ہے کہ ثابت بنانی کی کسی حدیث کی نہ تو بخاری نے تخریج کی، اور نہ مسلم نے اصول میں، سوائے معمر کی ثابت سے روایت کے۔

تو یہ اس کا کلام ہوسکتا ہے، جس نے صحیحین کو نہ پڑھا ہو، سیوطی جیسے حافظہ رکھنے والے شخص سے اس کا صدور، مناسب نہیں، کیونکہ بخاری نے حضرت حماد کی ثابت بنانی سے مروی حدیث کو ''بـاب ما يتقىٰ من فتنة المال ''میں روایت کیا ہے۔

چنانچہ فرمایا کہ ہم سے ابوالولید نے فرمایا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حماد بن سلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے ثابت سے روایت کیا، انہوں نے انس سے روایت

---

[1] ہم پانچویں فصل میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت اوراس کے بعد زہری کی مرسل روایت کا باحوالہ ذکر کر چکے ہیں، ہمیں بھی یہ روایت معمر کی ثابت سے سند کے ساتھ کتبِ حدیث میں دستیاب نہیں ہوئی، جس پر علامہ سیوطی نے اپنے دعوے کی بنیاد رکھی، اوراس کو زور شور کے ساتھ چلایا، اور بعد کے حضرات اس بات کو نقل کرتے رہے، جس کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔

معمر نے تو صرف زہری کی مرسل حدیث کو روایت کیا ہے، جس کو عبدالرزاق نے روایت کیا ہے۔ محمد رضوان خان۔

کیا، انہوں نے اُبی سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم اس کو قرآن سمجھا کرتے تھے، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوگئی کہ ''الھاکم التکاثر'' (ملاحظہ ہو''صحیح بخاری'')

اور بخاری کی یہ تعبیر کہ''ہم سے ابوالولید نے فرمایا'' یہ تعلیق کا فائدہ نہیں دیتا، البتہ مزّی کا اس میں اختلاف ہے، کیونکہ انہوں نے''قال لنا''اور''قال فلان''میں برابری کی ہے۔

لیکن حافظ ابنِ حجر نے فرمایا کہ یہ درست بات نہیں ہے، کیونکہ بخاری کا یہ کہنا کہ ''قال لنا'' یہ بظاہر''وصل''میں ہوتا ہے، اگرچہ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ ''اجازۃ'' کے لیے ہوتا ہے، یا''مناولۃ'' کے لیے ہوتا ہے، یا''مذاکرۃ'' کے لیے ہوتا ہے۔

پس یہ تمام الفاظ''موصول'' کے حکم میں ہیں، اگرچہ تحدیث کی تصریح، اتصال کے لیے زیادہ شدید ہوتی ہے، اور حافظ ابنِ حجر نے یہ بھی فرمایا کہ امام بخاری اس صیغے کو موقوف احادیث میں استعمال کرتے ہیں، اور مرفوع احادیث میں بھی استعمال کرتے ہیں، جبکہ سند ایسی ہو کہ ان کے نزدیک قابلِ احتجاج نہ ہو (ملاحظہ ہو''فتح الباری لابن حجر'')

میں کہتا ہوں کہ جس طرح اس بات کا احتمال ہے کہ امام بخاری نے''قال لنا'' کا صیغہ اس لیے ذکر کیا ہو کہ حماد، ان کی شرط پر نہیں ہیں، اسی طرح یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا سبب حدیث کا موقوف ہونا ہو، جس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اسی کے مثل امام احمد کے بارے میں بھی ذکر کیا ہے، چنانچہ فرمایا کہ ہم سے احمد بن حنبل نے فرمایا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی، سفیان کے حوالہ سے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حبیب نے حدیث بیان کی، سعید بن جبیر

کے حوالہ سے، انہوں نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نسب کے سات رشتے حرام ہیں، اور صہر کے بھی سات رشتے حرام ہیں (ملاحظہ ہو: **صحیح بخاری**)

پس یہ قول مذکورہ بات کے بالکل برابر سرابر ہے، جس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابونصر کلاباذی نے حماد بن سلمہ کو "**الھدایة والارشاد**" میں، ان افراد کے اندر شمار کیا ہے، جن کی بخاری نے تخریج کی ہے (ملاحظہ ہو "**الھدایة والارشاد للکلاباذی**")

اور ہماری اس سے مراد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ سیوطی کا اطلاق اور تعمیم، صواب پر مبنی نہیں۔

پھر سیوطی کے قول پر یہ لازم آتا ہے کہ امام احمد بن حنبل، ابوبکر بن عیاش اور فلیح وغیرہ سے بھی زیادہ ضعیف ہوں، اور سیوطی کے قول پر یہ بات بھی لازم آتی ہے کہ امام بخاری ان حضرات سے بھی زیادہ ضعیف ترین ہوں، کیونکہ مسلم نے بخاری کی کسی حدیث کی اپنی صحیح میں تخریج نہیں کی، حالانکہ امام مسلم، امام بخاری کے تلمیذ ہیں۔

پس کیا سیوطی یہ کہنے پر بھی راضی ہوں گے؟

اور بخاری ہی نے حماد بن سلمہ سے اپنی صحیح میں بہت سے مقامات پر استشہاد کیا ہے، تاکہ وہ یہ بات ثابت کردیں کہ وہ (یعنی حماد بن سلمہ) ثقہ ہیں، جیسا کہ حافظ ابنِ حجر نے "**التھذیب**" میں فرمایا۔

جہاں تک امام مسلم کا تعلق ہے، تو انہوں نے ثابت کے علاوہ سے (حماد کی) تقریباً بارہ احادیث کی تخریج کی ہے۔

جن میں سے ایک حدیث "**باب صفة الجلوس فی الصلاة**" میں ہے،

جہاں امام مسلم نے فرمایا کہ ہم سے حماد بن سلمہ نے حدیث بیان کی، ایوب سے، انہوں نے نافع سے، انہوں نے ابنِ عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد میں بیٹھتے تھے، تو اپنے دائیں ہاتھ کو، اپنے گھٹنے پر رکھ لیا کرتے تھے، آخر حدیث تک (ملاحظہ ہو''صحیح مسلم'')

اوران میں سے ایک حدیث''باب استحباب التبکیر بالصبح ''میں ہے (ملاحظہ ہو''صحیح مسلم'')

اوران میں سے ایک حدیث''باب فضل الجماعة ''میں ہے(ملاحظہ ہو ''صحیح مسلم'')

اوران میں سے ایک''باب قضاء الصلاة الفائتة''میں ہے(ملاحظہ ہو ''صحیح مسلم'')

اس کے علاوہ بھی اوراحادیث ہیں۔

پھر میں نے بیہقی کو دیکھا، انہوں نے بھی اسی تعداد کو ذکر کیا ہے۔

جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا تعلق ہے، تو ان کے متعلق امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے، اپنی والدہ کے استغفار کے لیے اجازت طلب کی، جس کی مجھے اجازت نہیں ملی، اور میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی، جس کی مجھے اجازت حاصل ہوگئی (ملاحظہ ہو''صحیح مسلم'')

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس حدیث سے مشرکین کی زندگی میں زیارت کا جواز معلوم ہوا، اوران کی وفات کے بعد ان کی قبروں کی زیارت کا جواز بھی معلوم ہوا، اوراس حدیث سے کفار کے لیے استغفار کا ممنوع ہونا معلوم ہوا

(ملاحظہ ہو"شرح صحیح مسلم، للنووی")

اور امام نسائی نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے"زیارۃ قبر المشرک" اور ابنِ ماجہ نے یہ باب باندھا ہے"زیارۃ قبور المشرکین "اور بیہقی نے یہ باب باندھا ہے"نکاح اھل الشرک "۔

اور ابن ابی شیبہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح فرمایا، تو قبر کے قریب تشریف لے گئے، پھر قبر کے قریب اس طرح تشریف فرما ہوئے، جیسا کہ کوئی کسی سے مخاطب ہو کر بیٹھتا ہے، اور لوگ آپ کے اردگرد بیٹھ گئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، اور آپ اس وقت رو رہے تھے، پھر آپ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملاقات کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بے تکلف تھے، انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کو کس چیز کی وجہ سے رونا آیا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ یہ میری والدہ کی قبر ہے، میں نے اپنے رب سے ان کی قبر کی زیارت کا سوال کیا، جس کی مجھے اجازت حاصل ہوگئی، اور میں نے ان کے لیے استغفار کا سوال کیا، جس کی مجھے اجازت حاصل نہیں ہوئی، تو میں نے ان کو یاد کیا، جس سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے، اور مجھے رونا آیا (ملاحظہ ہو" مصنف ابن ابی شیبۃ")

اور امام احمد اور ابنِ حبان کی روایت میں یہ ہے کہ میری آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے، والدہ پر آگ کے رحم کی وجہ سے، اور اس روایت کے رجال، رجالِ صحیح ہیں، جیسا کہ علامہ ہیثمی نے"مجمع الزوائد"میں فرمایا۔

اور ابنِ حبان، اور حاکم اور طحاوی اور ازرقی اور فاکہی اور شاشی کی روایت میں ہے

کہ مجھے استغفار کی اجازت نہیں ملی، اور مجھ پر (سورہ توبہ کی) یہ آیت نازل ہوئی ''ما کان للنبی والذین آمنو أن یستغفروا للمشرکین'' یہاں تک کہ اس آیت کو مکمل کیا ''وما کان استغفار ابراھیم لأبیه'' تو مجھے اس چیز نے پکڑ لیا، جو اولاد کو والدین کی طرف سے رقت پکڑتی ہے۔

اور امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا رونا اس بنا پر تھا کہ آپ کے والدین، آپ کی نبوت کے زمانہ سے پہلے فوت ہو گئے، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لا سکے (ملاحظہ ہو''اکمال المعلم، للقاضی عیاض'')

اور ابنِ حبان نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے''ذکر ما یستحب للمرء أن یترک الاستغفار لقرابته المشرکین اصلاً''(ملاحظہ ہو''صحیح ابنِ حبان)

اور ابوداؤد طیالسی نے ابی رزین عقیلی سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری والدہ صلہ رحمی کیا کرتی تھیں، اور فلاں فلاں عمل کیا کرتی تھیں، لیکن وہ مشرک ہونے کی حالت میں فوت ہو گئیں، وہ کہاں ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جہنم میں ہیں، میں نے عرض کیا کہ پھر آپ کی والدہ کہاں ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ اس چیز پر راضی نہیں ہیں کہ آپ کی والدہ میری والدہ کے ساتھ ہوں (ملاحظہ ہو''مسند طیالسی'')

علامہ بوصیری نے فرمایا کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں (ملاحظہ ہو''اتحاف الخیرۃ للبوصیری'')

نیز اس کو امام احمد اور طبرانی نے بھی روایت کیا ہے، جس کے متعلق علامہ ہیثمی نے

فرمایا کہ اس کے رجال، رجالِ صحیح ہیں (ملاحظہ ہو"مجمع الزوائد")

اور سرّی بن یحییٰ نے روایت کیا ہے کہ ہم سے قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے سفیان سے روایت کیا، انہوں نے منصور سے روایت کیا، انہوں نے ابراہیم سے روایت کیا، انہوں نے علقمہ سے روایت کیا کہ ملیکہ کے دو بیٹے جعفیانؔ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اورانہوں نے کہا کہ ہماری والدہ نے زمانۂ جاہلیت میں ایک لڑکی کو زندہ درگور کردیا تھا، تو کیا اس کو ہماری نماز کے ساتھ کوئی نماز، اور ہمارے روزوں کے ساتھ کوئی روزہ نفع پہنچائے گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زندہ درگور کرنے والی، اور زندہ درگور کی ہوئی، دونوں جہنم میں ہیں، ملیکہ کے دونوں بیٹے روتے ہوئے جانے لگے، تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر فرمایا کہ میری والدہ بھی آپ دونوں کی والدہ کے ساتھ ہیں (ملاحظہ ہو"احادیث السرّی بن یحییٰ")

اوراس کی سند، متصل صحیح ہے، جس کو ابنِ عساکر نے بھی اپنی معجم میں روایت کیا ہے، اوراس کو حسن قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو"معجم ابنِ عساکر")

اوراس کو بیہقی نے بھی دوسرے طریق سے روایت کیا ہے، جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمد کی ماں بھی ان کے ساتھ ہے، اوران دونوں میں کوئی خیر نہیں ہے (ملاحظہ ہو"القضاء والقدر للبیہقی")

اور یہ تمام روایات، امام احمد اور حاکم کی روایت کی تائید کرتی ہیں، اورامام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو باطل قرار دیتی ہیں۔

اورعلامہ سیوطی نے اس حدیث کی اس طرح تردید کی کہ انہوں نے امام احمد اور حاکم کی روایت پر اکتفاء کیا، اوراس میں عثمان بن عمیر راوی کی تعلیل کو پکڑ لیا، اورعلامہ سیوطی نے یہ نہیں دیکھا کہ ان میں سے بعض روایات صحیح ہیں، اور بعض

حسن ہیں۔

اور بیہقی کی یہ روایت سیوطی کی اس تاویل کو بھی رَد کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ آپ کی والدہ ان کے ساتھ برزخ میں ہیں (کیونکہ حدیث میں مشرک کے ساتھ جہنم میں ہونے کی تصریح ہے)۔

مزید یہ بات بھی ہے کہ مومنین کی ارواح برزخ میں کافروں کی ارواح کے ساتھ نہیں ہوا کرتیں، پس سیوطی کا دعویٰ صحیح نہیں (اور ان کی تاویلات کا متعدد نصوص سے تعارض لازم آتا ہے)۔

اور امام عارف حافظ ابوبکر کلاباذی نے ''بحر الفوائد'' میں اور حافظ ابنِ کثیر نے ''البداية و النهاية'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول، کیا آپ اپنے والدین کے لیے کسی چیز کی امید رکھتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان کے لیے شفاعت کرنے والا ہوں (ہوسکتا ہے) مجھے عطا کر دیا جائے یا منع کر دیا جائے، اور میں ان کے لیے کسی چیز کی امید نہیں رکھتا (اس روایت کو نقل کرنے کے بعد) امام کلاباذی نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے کہ ''میں ان کے لیے شفاعت کرنے والا ہوں'' دنیا میں شفاعت کا ارادہ فرمایا ہو، اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے استغفار کی ممانعت سے پہلے کی بات ہو، جو ممانعت سورہ توبہ کی اس آیت میں مذکور ہے،

''مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى'' آخر آیت تک۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے استغفار کیا تھا، جس کا ذکر سورہ شعراء کی اس آیت میں ہے:

وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّيْنَ ، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''میں

ان دونوں کے لیے کوئی امید نہیں رکھتا'' یہ اس وجہ سے ہو کہ ان کے لیے استغفار ان کی موت کے بعد کرنا اس امید کا باعث نہیں تھا، جبکہ وہ اسلام کے علاوہ پر فوت ہو گئے تھے، اوران کے لیے استغفار، ان پر رقت کی وجہ سے کیا، پھر امام کلاباذی نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والدین کی حالت کا علم رکھتے تھے، جیسا کہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اپنے والد کی حالت کا علم رکھتے تھے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کے حق کوادا کرنا چاہا، جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا

(ملاحظہ ہو **بحر الفوائد للکلاباذی ، البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر** )

یہ چوتھی صدی کے صوفیاء کے جلیل القدر ائمہ میں سے بڑے امام کا کلام ہے۔ کیونکہ امام کلاباذی کی وفات تین سو اسی ہجری میں ہوئی ، اور وہ مشہور کتاب'' **التعرف لمذھب اھل التصوف** '' کے مصنف ہیں، جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ''**لو لا التعرف لما عرف التصوف** ''یعنی اگر کتاب التعرف نہ ہوتی تو تصوف کی معرفت حاصل نہ ہوتی۔

اورابنِ جریر طبری نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والدین کے لیے استغفار کرتے رہے، جبکہ آپ کے والدین مشرک تھے، یہاں تک کہ سورہ توبہ کی یہ آیت نازل ہوگئی:

'' **وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ** '' (ملاحظہ ہو تفسیرِ طبری)

یہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے تصریح ہے، جو مذکورہ حضرات کے قول کو باطل قرار دیتی ہے، اور یہ حدیث اس حدیث کے علاوہ ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سند سے آگے آتی ہے، کیونکہ اس کی سند اور الفاظ دونوں مختلف ہیں۔

اور جو یہ کہا گیا ہے کہ یہ آیت، مکہ میں ابو طالب کی موت کے موقع پر نازل ہوئی، تو اس کی وہ روایت تردید کرتی ہے، جس کو ترمذی نے روایت کیا ہے، اور اس کو حدیثِ حسن قرار دیا ہے، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک آدمی کو اپنے مشرک والدین کے لیے استغفار کرتے ہوئے سنا، میں نے اس بات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا، تو سورہ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

''مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا أَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْا أُوْلِیْ قُرْبٰی'' (ملاحظہ ہو سنن الترمذی)

امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بات ممکن ہے کہ جو آیت ہم نے تلاوت کی اس کا نزول ہماری ذکر کردہ تمام چیزوں کے بعد ہوا ہو، یعنی ابو طالب کے سبب سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سبب سے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کے وقت رب عزوجل سے ان کے لیے استغفار کی اجازت نہ ملنے کے سبب سے، پس ہم نے جو آیت تلاوت کی اس کا نزول ان تمام مواقع کا جواب واقع ہوگا۔ (ملاحظہ ہو شرح مشکل الآثار للطحاوی)

اسی طرح کا جواب حافظ ابنِ حجر نے'' فتح الباری ''میں اور امام نحاس نے'' الناسخ والمنسوخ ''میں، اور علامہ سیوطی نے'' الاتقان ''میں دیا ہے۔ اور علامہ زرکشی نے (البرھان فی علوم القرآن میں) فرمایا کہ بعض اوقات کوئی چیز دو مرتبہ نازل کی جاتی ہے، اس کی تعظیمِ شان کی وجہ سے، اور اس کے سبب کے دوبارہ ظاہر ہونے کے وقت تذکیر کے طور پر، تا کہ اس کو بھولنے کا خوف نہ رہے۔

جہاں تک ان حضرات کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کیے جانے کی حدیث سے استدلال کا تعلق ہے، تو اگر یہ حدیث (بالفرض) ثابت بھی ہو تو یہ خود ان حضرات کے ہی خلاف دلیل بنے گی، ان حضرات کی دلیل نہیں بنے گی،

کیونکہ ان کا اس حدیث سے استدلال کرنا دراصل ان کی طرف سے اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ ان کی وفات ایمان کی حالت میں نہیں ہوئی، پس انہوں نے اپنے تیار کردہ سوت کو ہی توڑ دیا، اور اس چیز میں واقع ہو گئے، جس کا انہوں نے انکار کیا تھا، ورنہ تو ان کے زندہ کرنے کا کیا فائدہ؟ پھر زندہ کیے جانے کی حدیث محدثین کی اتفاقِ رائے کے مطابق ضعیف ہے، جیسا کہ امام سیوطی نے اس کا اقرار کیا ہے۔ شدید منکر ہے، اس کی سند میں مجہول راوی ہیں، حافظ ابنِ کثیر کے قول کے مطابق۔ موضوع و خود ساختہ ہے، جس کی قرآن اور اجماع تردید کرتی ہے، حافظ ابنِ دحیہ کے قول کے مطابق۔ غریب ہے، جس کی سند میں مجاہیل ہیں، سہیلی کے قول کے مطابق۔ باطل ہے، دارقطنی کے قول کے مطابق۔ اور منکر ہے، ابنِ عساکر کے قول کے مطابق۔ حافظ ابنِ جوزی نے ''الموضوعات'' میں اس کو ذکر کیا ہے، اور فرمایا کہ یہ حدیث بلا شک موضوع ہے۔ اور جس نے اس کو وضع کیا ہے وہ قلیلُ الفہم تھا، عدیمُ العلم تھا، اس لیے کہ اگر اس کو علم ہوتا تو اس بات کا بھی علم ہوتا کہ جو کفر کی حالت میں فوت ہو جائے تو اس کو لوٹنے کے بعد ایمان نفع نہیں دیتا، ہمارے شیخ ابوالفضل بن ناصر نے فرمایا کہ یہ حدیث موضوع و منگھڑت ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ''الأبواء'' مقام میں فوت ہوئیں اور وہیں دفن ہوئیں، اور وہ ''الحجون'' میں نہیں ہیں۔ (ملاحظہ ہو ''الموضوعات لابن الجوزی'')

پھر میں یہ چاہتا ہوں کہ اے مکرم قاری، آپ یہ دیکھیں کہ سہیلی نے اس حدیث کی سند کو کس طرح ذکر کیا ہے، اور میرے علم کے مطابق سہیلی وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے اس مسئلے کو چلایا، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ غریب حدیث میں مروی ہے، شاید کہ وہ صحیح ہو، میں نے اپنے دادا ابی عمران احمد بن حسین بن ابی الحسن قاضی رحمہ اللہ

تعالیٰ کے خط میں پایا، جس کی سند میں مجہول راوی ہیں، انہوں نے اس کو ایک کتاب سے نقل کیا ہے جو معوذ بن داود زاہد کی کتاب سے نقل کردہ ہے، جس میں عبدالرحمٰن ابی الزناد تک سند پہنچتی ہے، وہ ہشام بن عروہ سے، وہ اپنے والد سے، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں... الـــــخ ۔(ملاحظہ ہو "الروض الأنف للسهيلي")

میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ کیا اس جیسی سند، احادیثِ صحیحہ اور اجماع کا مقابلہ کرسکتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا سورۃ الاسراء میں ارشاد ہے:

"وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ"

"یعنی آپ اس چیز کے پیچھے نہ ہولیں، جس کا آپ کو علم نہ ہو"

اور ابنِ مبارک کا یہ قول کہاں چلا گیا کہ" الأســنــاد مـن الـديـن ، ولـو لا الأسـناد لقال من شاء ما شاء وقوله ايضا بيننا و بين القوم القوائم "

یعنی سند کا تعلق دین سے ہے، اور اگر سند نہ ہوتی تو جو شخص جس طرح کی چاہتا بات کہہ دیتا، اور ہمارے اور قوم کے درمیان، قولِ فیصل قوی سندیں ہیں (ملاحظہ ہو" صحيح مسلم ")

پھر تمہیں کیا معلوم کہ یہ مجہول راوی شیعہ ہوں، جنہوں نے اس حدیث کو گھڑا ہو، تاکہ وہ اپنے مذہب کو ثابت کریں، اور ساتھ ہی انہوں نے اس کی نسبت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھی کردی ہو، تاکہ ان کی وجہ سے ان اہلِ تشیع سے تہمت ہٹ جائے، اور اس طرح کے واقعے کا اگر وجود ہوتا تو وہ صحابہ کرام اور ان کے بعد کے حضرات میں مشہور ہوتا، اور ان پر مخفی نہ رہتا؟ لیکن ہم صحابہ کرام اور ان کے بعد کے حضرات کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اس کے خلاف احادیث کو روایت کیا ہے، اور اگر یہ واقعہ ان کے نزدیک صحیح ہوتا، تو وہ اس کی ضرور نشر و

اشاعت کرتے، کیونکہ اس کا تعلق واضح معجزات سے ہوتا، جبکہ جلیل القدر صحابہ کرام کا ہزاروں کا لشکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت حاضر تھا، جب آپ نے فتحِ مکہ کے موقع پر اپنی والدہ کی قبر کی زیارت فرمائی، اور آپ کو والدہ کے استغفار کی اجازت حاصل نہیں ہوئی، جس کی وجہ سے آپ کو رونا آیا، اور دوسرے حاضرین کو بھی رونا آیا، پس کیا اگر اس جیسا بڑا واقعہ رونما ہو جاتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام کو اس کی بشارت نہ دیتے، اور ان کے غم کو خوشی سے تبدیل نہ فرماتے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جیسی نعمت کو چھپا سکتے تھے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کا سورۃُ الضحیٰ میں ارشاد ہے:

"وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ"

یعنی "اور آپ اپنے رب کی نعمت کو بیان کیجیے"

یہ بحث تو سہیلی کی روایت کے اعتبار سے تھی۔

جہاں تک ابنِ شاہین کی روایت کا تعلق ہے، تو اس میں ابنِ زیاد نقاش راوی موجود ہے، جو کہ متہم بالکذب ہے، جیسا کہ ابو بکر خطیب اور ابنِ عساکر نے اپنی تاریخ میں فرمایا۔

پھر اس کو ضعیف تسلیم کر لینے کے ساتھ ساتھ، یہ قرآن، سنت اور اجماع کے بھی مخالف ہے، حافظ ابنِ دحیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث موضوع ہے، جس کی قرآن اور اجماع تردید کرتا ہے، نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص کفر کی حالت میں فوت ہو جائے تو اس کو لوٹنے کے بعد ایمان، نفع نہیں پہنچاتا، بلکہ اگر وہ نزع کے وقت ایمان لے آئے تب بھی اس کو یہ نفع نہیں پہنچاتا، پھر لوٹنے کے بعد کیسے نفع پہنچائے گا؟ (ملاحظہ ہو "سبل الھدیٰ والرشاد، لمحمد بن یوسف الصالحی")

جہاں تک ان (علامہ سیوطی اوران کے متبعین) حضرات کے اللہ تعالیٰ کے سورہ اسراء میں مذکوراس قول سے استدلال کا تعلق ہے کہ:

"وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا"

یعنی "اورنہیں ہیں ہم عذاب دینے والے، اس وقت تک جب تک کسی رسول کو نہ بھیج دیں"۔

اوران کا یہ دعویٰ کہ اس کی دلالت قطعی ہے، اور قطعی، ظنی پر مقدم ہوا کرتا ہے، تا کہ وہ اس کی وجہ سے اُن صحیح احادیث کو رَد کردیں، جو ان کے قول کو باطل قرار دیتی ہیں۔

تو یہ بات اس وقت ہے، اگر یہ بات صحیح ہو کہ اس آیت کی دلالت ان کے دعوے پر قطعی ہے، حالانکہ یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے، کیونکہ وہ اس آیت کو اس شخص کے ساتھ خاص کرتے ہیں، جس کو نبیوں میں سے کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔

چنانچہ سیوطی نے فرمایا کہ اگر آپ یہ کہیں کہ یہ مسلک، جس کی آپ نے تقریر کی، کیا وہ تمام اہلِ جاہلیت کے لیے عام ہے؟

میں جواب میں کہوں گا کہ عام نہیں ہے، بلکہ یہ اس شخص کے ساتھ خاص ہے، جس کو کسی نبی کی قطعاً دعوت نہیں پہنچی، لیکن جس کو سابق نبیوں میں سے کسی کی بھی دعوت پہنچ گئی، پھر اس نے اپنے کفر پر اصرار کیا، تو وہ قطعی جہنم میں ہوگا، اوراس میں کوئی نزاع واختلاف نہیں (ملاحظہ ہو"الحاوی للسیوطی")

اور یہ سیوطی کی طرف سے اس بات کا اقرار ہے کہ دعوت، دراصل رسول کے مقابلہ میں عام ہے، کیونکہ انہوں نے یہ کہا کہ "سابق نبیوں میں سے کسی کی دعوت نہیں پہنچی" اور دعوت رسول کے علاوہ ہوتی ہے، اور رسول کے مقابلہ میں عام ہوتی ہے، اور سابق انبیاء علیہم السلام دنیا سے منتقل ہوگئے، اوران کے بعد کوئی بھی

باقی نہیں رہا، سوائے ان کے اصحاب اور ان کی کتب کے، پھر ان کے وارث باقی رہے، پھر ان کی دعوت منتشر ہوئی، پس سیوطی نے رسول کو عام قرار دے دیا، اور اہلِ جاہلیت کو خاص قرار دے دیا، اور تعمیم کی تائید قتادہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے، جو اس کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا کہ بے شک اللہ کسی کو بھی عذاب نہیں دیتا، یہاں تک کہ اس کی طرف اللہ کی طرف سے کوئی خبر یا اللہ کی طرف سے کوئی دلیل نہ آ جائے، اس کو طبری نے اپنی تفسیر میں روایت کیا، اور اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے، جو آخرت میں ان کے امتحان کے متعلق وارد ہوئی ہیں، اگرچہ ہم ان کے قائل نہیں ہیں، لیکن سیوطی وغیرہ ان کے قائل ہیں۔

چنانچہ حاکم کی روایت میں ہے کہ ''وہ لوگ قیامت کے دن کہیں گے کہ آپ نے ہماری طرف کوئی رسول نہیں بھیجا، اور ہمارے پاس کوئی حکم نہیں آیا'' (ملاحظہ ہو ''المستدرک للحاکم'')

اور ابنِ ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ ان کو جہنم میں داخل ہونے کا حکم فرمائے گا''۔

اور ابی یعلیٰ کی روایت میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ ان کو فرمائے گا کہ میں خود تمہاری طرف رسول تھا''۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ ''اللہ ان کی طرف فرشتے کو بھیجے گا کہ تم جہنم میں داخل ہو جاؤ'' (ملاحظہ ہو ''مسند امام احمد، صحیح ابنِ حبان'')

نیز انہوں نے اس آیت کو انسانوں کے ساتھ بھی خاص کیا ہے، بُجیرمی نے رحمانی سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ ''مکلّف ہونا رسولوں کے بھیجنے پر آدمیوں کے ساتھ خاص ہے، اور سورہ اسراء کی یہ آیت ''حتی نبعث رسولا'' یہ انسانوں کے ساتھ خاص ہے'' (ملاحظہ ہو ''حاشیۃ البجیرمی علی الخطیب'')

اوران میں سے بعض نے عذاب کواس شخص کے ساتھ خاص کیا ہے، جس نے دین میں تغییر پیدا کردی، اوراس کو بدل دیا، اور بتوں کی عبادت کی، جن کے بارے میں یہ وارد ہے کہ وہ جہنم میں ہوں گے (ملاحظہ ہو''حاشية العطار على الجمع الجوامع'')

اور جمہور نے اس آیت کو دنیا میں ''عذابِ استئصال'' کے ساتھ خاص کیا ہے، آیت کے سیاق اوراس کے بعد کے عطف کے قرینے کی وجہ سے، چنانچہ ارشاد ہے کہ:

''واذا أردنا أن نهلك قرية امرنا مترفيها، ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا''

آلوسی نے فرمایا کہ''واذا أردنا أن نهلك قرية'' یہ بعثت کے بعد ہلاکت کے وقوع کی کیفیت کا بیان ہے (ملاحظہ ہو''روح المعانی للآلوسی'')

جس کا مطلب یہ ہوا کہ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ:

'' وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا '' و نأمر المترفين فی القرية المراد إهلاكها على لسانِ رسول فيفسقوا عن أمرنا فيحق عليهم العذاب فنهلكهم إهلاكاً نستأصلهم به''

پس یہ اللہ تعالیٰ کے سورہ شعراء میں مذکوراس قول کی طرح ہے کہ:

''وما أهلكنا من قرية الا لها منذرون''

اوراللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے سورہ قصص میں مذکوراس قول کی طرح ہے کہ:

''وما كان ربك مهلك القرىٰ حتى يبعث فی أمها رسولا''

اوراس آیت کے ظنی ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں مقدر ہے۔

چنانچہ علامہ ابوحیان نے فرمایا کہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ:

”حتى نبعث رسولا، فيكذب ولا يومن بما جاء به من عند الله“

(ملاحظہ ہو”البحر المحيط لأبي حيان“)

میں کہتا ہوں کہ اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ مقدر ہو کہ ”فيأمر وينهىٰ فيعصى“۔

کیونکہ اہلِ السنۃ کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ فروع کا مکلّف ہونا رسول کی آمد پر موقوف ہے۔ [1]

اور اس آیت کے قطعی ہونے کے قول کے باطل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے نزدیک اس میں ایک نوع کا اکتفاء ہے، یعنی ” وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ ولا مثيبين حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا “۔

اور عذاب کے ذکر کی وجہ سے، ثواب کے ذکر کی ضرورت نہیں رہی، کیونکہ عذاب تکلیف کے معنیٰ کے تحقق میں ثواب کے مقابلہ میں زیادہ ظاہر ہے، اور ثواب کا اثبات ظنی ہے، غیر منصوص علیہ ہے، اور بعض اشاعرہ نے رسول کی بعثت کو آخرت کے ساتھ خاص کیا ہے، جب ان کا امتحان ہوگا، اور اسی طریقہ سے انہوں نے عذاب کو بھی آخرت کے عذاب کے ساتھ خاص کیا ہے۔

پھر عذاب کس چیز پر ہوگا، اصول پر یا فروع پر؟

علامہ ماوردی نے فرمایا کہ ”اس میں دو وجوہات ہیں۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہم شرائعِ دینیہ پر عذاب نہیں دیتے، یہاں تک کہ ہم بیان کرنے والے رسول کو نہ بھیج دیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم گناہوں میں سے کسی چیز پر عذاب نہیں دیتے، یہاں تک کہ ہم دعوت دینے والے رسول کو نہ بھیج دیں“ (ملاحظہ ہو”تفسير الماوردی“)

---

[1] پھر رسول کی آمد کے بعد اس کی شریعت کے فروع کے مکلّف ہونے کا قول، دلائل کی رُو سے راجح ہے، جس کی تفصیل بندہ محمد رضوان نے اپنی ایک دوسری تالیف ”کفار کے مخاطب بالفروع ہونے کا حکم“ میں ذکر کردی ہے۔

اور ابنِ جوزی نے فرمایا کہ ''یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس بات کا تعلق سننے سے ہو، اس میں اس وقت تک عذاب نہیں دیا جاتا، جب تک کہ رسول کی طرف حجت قائم نہ ہو جائے''۔

اسی وجہ سے انہوں نے فرمایا کہ ''اگر کوئی شخص دارالحرب میں اسلام لائے، اور نماز اور زکاۃ وغیرہ کا نہ سنے، تو اس پر ان میں سے کسی چیز کی قضا لازم نہیں ہوتی'' (ملاحظہ ہو''زاد المسیر لابن الجوزی'')

اور امام رازی نے فرمایا کہ ''اس آیت کے متعلق دو قول ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ ہم آیت کو اپنے ظاہر پر برقرار رکھیں، اور ہم یہ کہیں کہ عقل ہی مخلوق کی طرف، اللہ کا رسول ہے، بلکہ یہ وہ رسول ہے کہ اگر یہ نہ ہوتا، تو نبیوں میں سے کسی کی رسالت کا تقرر نہ ہوتا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ ہم آیت کے عموم کو خاص کریں، اور ہم یہ کہیں کہ مراد یہ ہے کہ ہم ان اعمال پر عذاب نہیں دیتے، جن کے واجب ہونے کی معرفت کا راستہ، شریعت کے علاوہ کوئی اور نہ ہو، مگر اسی صورت میں عذاب دیتے ہیں، جب شریعت آجائے'' (ملاحظہ ہو''تفسیر الرازی'')

اور علامہ آلوسی نے پہلے قول کو صوفیاء کی طرف منسوب کیا ہے (ملاحظہ ہو''روح المعانی للآلوسی'')

اور اس آیت کے قطعی ہونے کے قول کے باطل ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اکثر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ مشرکین کی اولاد جہنم میں ہوگی، اپنے آباء کے تابع ہو کر، اور اگر اس آیت کی دلالت قطعی ہوتی، مشرکین کی اولاد کے متعلق اختلاف نہ ہوتا، حالانکہ ان (مشرکین کی اولاد) کو دعوت نہیں پہنچی۔

اور اس تمام تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ وہ تمام دلائل جن کا انہوں نے اس آیت

سے استدلال کیا ہے، وہ صرف آیت کا ظاہر ہیں، لیکن ہم نے یہ بات ثابت کردی کہ ان کے قول پر اس آیت کی دلالت قطعی نہیں (بلکہ مفسرین کے مندرجہ بالا اقوال سے معلوم ہوا کہ آیت کی دلالت کئی چیزوں کو محتمل ہے، جن میں اصولِ شریعت سے لے کر فروعِ شریعت تک پر عذاب ہونے کا احتمال ہے، پھر یہ آیت توحید کے عقل کی رُو سے مکلّف ہونے کے خلاف کیسے ہوسکتی ہے)

اور ان کے قول کے بطلان کی سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ یہ آیت بالاتفاق مکی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ کے لیے استغفار سے فتح مکہ کے موقع پر منع کیا گیا تھا۔

اور اسی طریقہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے والد اور دادا عبدالمطلب کے بارے میں خبر دینا، مدینے میں تھا۔

کیونکہ انس رضی اللہ عنہ، جو اس حدیث کے راوی ہیں، وہ مدینے میں اسلام لائے تھے، پس اگر یہ حضرات (مذکورہ آیت کا مدلول بن کر) نجات پانے والے ہوتے، جیسا کہ سیوطی وغیرہ کا گمان ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ماں کے استغفار سے منع نہ کیا جاتا، اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی خبر دیتے کہ ''آپ کے والد اور دادا جہنم میں ہیں''، یہ بات اچھی طرح یاد رکھ لینی چاہئے۔

اور جہاں تک اُن اہلِ فترۃ کے متعلق کلام کا تعلق ہے، جنہیں نبیوں میں سے کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی، جس کا سیوطی نے اقرار کیا ہے، تو امام رازی نے فرمایا، اور امام رازی اس کا عمدہ علم رکھتے ہیں کہ ''جو مشرک ہونے کی حالت میں فوت ہوگیا، تو وہ جہنم میں ہوگا، اگرچہ وہ بعثت سے پہلے فوت ہوا ہو، کیونکہ مشرکین نے ابراہیم علیہ السلام کے توحید والے دین کو بدل دیا تھا، اور اس کی جگہ شرک کو اختیار کرلیا

تھا" (ملاحظہ ہو" أدلة معقتد أبی حنيفة للقاری ")

اور امام حلیمی شافعی نے فرمایا کہ بس ہم یہ کہتے ہیں کہ ان (اہلِ جاہلیت) میں سے جو عاقل و ممیّز ہو، جب وہ رائے اور نظر رکھتا ہو، لیکن وہ کسی دین پر اعتقاد نہ رکھتا ہو، تو وہ کافر ہے، کیونکہ اگر اس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو نہیں سنا، تو اس میں شک نہیں کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی کی دعوت کو تو ضرور سنا ہے (ملاحظہ ہو" المناهج فی شعب الايمان للحليمی ")

اور ان (شافعیہ) کے مذہب کے شیخ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص زمانۂ فترۃ میں فوت ہو گیا اور وہ عرب کے بت پرستوں کے مذہب پر تھا، تو وہ جہنم میں جائے گا، اور یہ شریعت کے وارد ہونے سے پہلے مواخذہ نہیں ہے، کیونکہ ان کو حضرت ابراہیم اور دوسرے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی (ملاحظہ ہو" شرح صحيح مسلم، للنووی ")

اور علامہ محلی نے فرمایا کہ جس کو کسی نبی کی بھی دعوت نہیں پہنچی، وہ گناہ گار نہ ہوگا (ملاحظہ ہو" شرح جمع الجوامع للمحلی ") اور محلی کا یہ قول کہ کسی نبی کی، یہ نکرہ ہے، جو سیاقِ نفی میں واقع ہوا ہے، اس لیے یہ عام ہوگا (یعنی کسی بھی نبی کی دعوت نہیں پہنچی)۔

پھر آپ کے لیے زیادہ واضح دلیل یہ ہے کہ اہلِ جاہلیت کو حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی، بلکہ سابق رسولوں کی بھی دعوت پہنچ چکی تھی، اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کی حکایت بیان کرتے ہوئے (سورہ فاطر میں) فرمایا کہ" وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَيَكُونُنَّ أَهْدٰى مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا"

اور (مذکورہ آیت میں) ''احدی الأمم'' یہود ونصاریٰ ہیں۔ اور اللہ جل شانہ، کا سورہ صافات میں ارشاد ہے کہ'' وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ ،لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْأَوَّلِينَ ، لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِينَ ،فَكَفَرُوا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ''

پس یہ آیت سورج کی طرح واضح انداز میں اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ (یعنی اہلِ جاہلیت کے مشرکین) جانتے تھے اور اعتقاد رکھتے تھے، رسولوں کا اور نازل شدہ کتابوں کا، اور وہ یہ تمنا کرتے تھے کہ کاش ان کی طرف وہ کتابیں پہنچ جائیں، اور اسی طریقہ سے وہ (مشرکینِ مکہ) لوگ یہود ونصاریٰ پر نازل شدہ کتاب کو بھی جانتے تھے، اور یہ بات بھی جانتے تھے کہ وہ دینِ سماوی پر ہیں، پھر انہوں نے اللہ کی قسم اٹھائی کہ اگر ان کے پاس اللہ کی طرف سے رسول آ گیا، تو وہ ہدایت پانے میں یہود ونصاریٰ سے آگے بڑھ جائیں گے۔

پس کون سی دلیل اس سے زیادہ واضح ہوگی، اس بات پر کہ ان (اہلِ جاہلیت) کو دعوت پہنچ چکی تھی، اور یہ لوگ جو قسم اٹھاتے تھے اور تمنا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اور کتاب کے آنے کی، وہ مشرکینِ مکہ میں بعد کے لوگ تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قول ''جـــائهـم'' کی ضمیر ان ہی کی طرف لوٹ رہی ہے، ''أقسموا'' کی ضمیر پر مبنی ہوکر۔

اور اسی طریقہ سے اللہ تعالیٰ کے قول'' فكفروا'' کی ضمیر بھی ''يقولون'' کی ضمیر پر مبنی ہوکر ان ہی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

اور عمرو بن نفیل کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے کہ اے قریش کے گروہ، آج کے دن تم میں سے کوئی بھی میرے علاوہ، دینِ ابراہیمی پر نہیں، اس کو نسائی نے'' السنن الکبریٰ'' میں روایت کیا۔

اس حدیث میں بھی ہمارے مذکورہ قول پر دلالت پائی جاتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا سورۃُ الملک میں ارشاد ہے کہ:

”کُلَّمَا أُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ یَأْتِکُمْ نَذِیْرٌ ،قَالُوْا بَلٰی “

علامہ ابوحیان نے فرمایا کہ لفظِ ” کلما “عمومِ ازمانِ القاء پر دلالت کرتا ہے ،لہٰذا یہ تمام ملقین کو عام ہوگا۔ (ملاحظہ ہو”البحر المحیط لأبی حیان “)

(یعنی جو جو فوج بھی جہنم میں جائے گی، ہر مرتبہ داروغۂ جہنم، ان سے سوال کرے گا کہ کیا تمہارے پاس نذیر نہیں آیا تھا، جس کے جواب میں وہ کہیں گے کہ بے شک آیا تھا)

اور اللہ جل شانہٗ کا سورہ فاطر میں ارشاد ہے کہ:

”وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ “

(جس سے معلوم ہوا کہ گزشتہ ہر امت میں نذیر گزرا ہے)

اور جہاں تک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے سورہ نحل میں مذکور اس قول کا تعلق ہے کہ:

” وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوْا الطَّاغُوْتَ “

ان کے سورہ صٓ میں مذکور اس قول کے ساتھ کہ:

” مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ. إِنْ هٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ “

تو یہ اپنے مفہومِ مخالف کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے ملتِ اولیٰ میں اس کو سن لیا تھا، اور ہم ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب بیان کریں گے کہ ان (مشرکینِ مکہ) کے آباء، ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے، یہاں تک کہ ان کے پاس عمرو بن لحی بتوں میں سے ھبل بت کو لے آیا۔

اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کے سورہ یٰس میں مذکور اس قول کا تعلق ہے کہ:

” لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا أُنْذِرَ آبَاؤُهُمْ “

تو یہ محتمل ہے، کیونکہ اس آیت میں لفظِ ''مَا'' یا تو موصولہ ہے یا نکرہ موصوفہ ہے، اور عائد ضمیر مقدر ہے، یعنی ''مَا أنذره آبائهم ''اور '' ما ''اور اس کا صلہ یا اس کی صفت محلِ صفت میں ''لتنذر '' کا مفعول بہٖ ثانی ہے۔اور مطلب یہ بنتا ہے کہ:

'' لِتُنْذِرَ قَوْمًا العذاب الذی أنذره آباؤهم أو شيئا أنذر به آباؤهم ''

یا پھر یہ مصدریہ ہے، اور مطلب یہ بنتا ہے کہ:

'' لتنذر قوما انذار آبائهم ''

پس یہ ان کے آباء کو ڈرانے کا اثبات ہوگا۔

اور یا پھر نافیہ ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ صلہ ہو، یعنی:

'' لتنذر قوما أنذر آباؤهم ''

اور اللہ تعالیٰ کا سورہ مؤمنون میں یہ ارشاد کہ:

'' أَمْ جَاءَ هُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَائَهُمُ الْأَوَّلِينُ ''

یہ اثبات کو ترجیح دیتا ہے، نہ کہ نفی کو، باوجودیکہ آباء کے ڈرانے کی نفی کی تاویل کا امکان بھی پایا جاتا ہے، آبائے اقربین کے ساتھ، اور گزشتہ دونوں آیات اور اللہ تعالیٰ کے سورہ سباء میں مذکور اس قول کہ:

'' وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَکَ مِنْ نَذِيْرٍ ''

اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے سورہ قصص میں مذکور اس قول کہ:

'' لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُمْ مِنْ نَذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِکَ ''

کے مابین کوئی منافاۃ نہیں ہے، کیونکہ پہلی دونوں آیتیں آباء کی طرف ارسال سے متعلق ہیں، اور یہ بعد والی دونوں آیتیں، خود ان کی طرف ارسال سے متعلق ہیں،

نہ کہ ان کے آباء کی طرف ارسال سے۔

پس پہلی آیت میں لفظِ ''ما'' کے موصول یا موصوف یا مصدر یہ یا صلہ ہونے کی صورت میں ''منذر'' خاص ہوگا، جو کہ قریش ہیں، اور نافیہ ہونے کی صورت میں عام ہوگا (اور اس طرح احتمال کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا)

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلاۃ والسلام کی تصویر کو کعبہ میں دیکھا، جن کے ہاتھوں میں ازلام تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''قاتلهم الله أما والله لقد علموا أنهما لم يستقسما بها قط''

(صحيح البخاری)

پس یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اپنے اعتقاد کے مطابق دینِ ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کا اعتقاد رکھتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر یہ بات فرمائی کہ کفارِ قریش یہ بات جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے کبھی ''استقسام بالأزلام'' نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے (دینِ ابراہیمی میں) خود سے تغیر اور تبدل پیدا کر دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اس فعل کی وجہ سے لعنت فرمائی، پس اگر وہ معذور ہوتے، اور اہلِ فترۃ میں سے ہوتے، جیسا کہ علامہ سیوطی وغیرہ کا گمان ہے، تو ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے لعنت فرماتے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بھی تم کسی کافر کی قبر کے قریب سے گزرو، تو اس کو جہنم کی بشارت سناؤ (ملاحظہ ہو''معمر بن راشد، والبزار'')

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (مشرکین) کے کفر کا اور ان کے اہلِ نار میں سے ہونے کا حکم لگایا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ کسی نبی کو بھی کسی قوم کی طرف نہیں بھیجتا، پھر اس کو وفات دیتا ہو، مگر اللہ اس کے بعد فترۃ پیدا کر دیتا ہے، اس فترۃ سے وہ جہنم کو بھر دے گا، اس کو طبرانی نے ''الأوسط'' میں روایت کیا ہے۔ اور علامہ ہیثمی نے فرمایا کہ اس کے رجال، رجالِ صحیح ہیں، سوائے صدقہ بن ثابت کے اور وہ ثقہ ہے۔ (ملاحظہ ہو ''مجمع الزوائد'')

اور (یہ بات طے شدہ اور یقینی ہے کہ) اللہ تعالیٰ کسی کو بھی بغیر گناہ کے جہنم میں داخل نہیں فرمائے گا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میرے بعد کفار ہونے کی حالت میں نہ لوٹ جانا (ملاحظہ ہو ''صحیح بخاری، و صحیح مسلم'')

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ وہ کفر کی طرف لوٹنے کو اس طرح ناپسند کرے، جس طرح آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے، اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا، اور ''رجوع'' اور ''عود'' پہلی حالت کے لیے ہی ہوتا ہے، جو کہ یہاں پر کفر ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مذکورہ احادیث میں) خود فرمایا۔

پس اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اہلِ مکہ، کفر پر تھے، فترۃ پر نہیں تھے، جیسا کہ علامہ سیوطی وغیرہ کا گمان ہے۔

اور صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ابنِ جدعان زمانۂ جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا تھا، اور مسکین کو کھانا کھلاتا تھا، پس کیا یہ اس کو نفع دے گا؟ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو نفع نہیں دے گا، کیونکہ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا کہ:

''رب اغفر لی خطیئتی یوم الدین''

اس کو مسلم نے روایت کیا۔ اور ابنِ جدعان صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چچا زاد بھائی تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مذکورہ حدیث میں) یہ بات واضح فرمادی کہ ابنِ جدعان کو یہ (صلہ رحمی وغیرہ کرنا) اس لیے نفع نہیں دے گا، کہ اس کا آخرت پر ایمان نہیں تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اہلِ فترۃ میں سے ہونے کا حکم نہیں لگایا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں ''انہ لم یقل'' کے الفاظ، نفع نہ ہونے کی علت کے طور پر واقع ہوئے ہیں۔

اور حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے چچا ہشام بن مغیرہ کھانا کھلایا کرتے تھے، اور صلہ رحمی کیا کرتے تھے، اور فلاں فلاں اچھے عمل کیا کرتے تھے، وہ اگر آپ کو پا لیتے، تو اسلام لے آتے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو دنیا کی نعمتیں اور اللہ کی نعمتوں کو یاد دلانے والی چیزیں عطا کی گئی تھیں، لیکن اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا کہ:

''اللهم اغفر لی خطيئتی يوم الدين''

اس کو طبرانی اور ابو یعلیٰ نے روایت کیا، اور علامہ ہیثمی نے فرمایا کہ اس کے رجال، رجالِ صحیح ہیں (ملاحظہ ہو''مجمع الزوائد'')

اور اس حدیث کا مطلب بھی گزشتہ حدیث کی طرح ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مذکورہ حدیث میں اصولی طور پر) یہ بات بھی زائد بیان فرمادی کہ اس (ہشام بن مغیرہ) کا اصول کی طرح فروع پر بھی مواخذہ کیا جائے گا۔

اور اسی طریقہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین اور عبدالمطلب اور عمرو بن لحی وغیرہ کے متعلق یہ خبر دی کہ وہ جہنم میں ہیں۔

اور اسی طریقہ سے بخاری کی حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیرِ مسجد کا ارادہ فرمایا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس (جگہ) میں مشرکین کی قبریں ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبروں اکھاڑنے کا حکم فرمایا (ملاحظہ ہو "صحیح البخاری")

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا "مشرکین" نام رکھا "اھلِ فترۃ" نام نہیں رکھا۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مشرکین، سورج طلوع ہونے سے پہلے مزدلفہ سے کوچ نہیں کرتے تھے، اس کو بخاری نے راویت کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ان کا نام "مشرکین" رکھا۔

اور اس بات کی دلیل کہ جاہلیتِ اولیٰ کے لوگ عمرو بن لحی کے بت لانے سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے، صحیحین کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن لحی خزاعی کو جہنم میں اپنی آنتیں کھینچتے ہوئے دیکھا، اور اسی نے سب سے پہلے بتوں کے لیے جانور مختص کیے (ملاحظہ ہو "صحیح البخاری، صحیح مسلم")

اور ابنِ حبان اور ابنِ حاکم نے روایت کیا ہے، اور امام حاکم نے اس کو مسلم کی شرط پر کہا ہے، جس کی ذہبی نے موافقت کی ہے، اور ابنِ ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے، اور الفاظ ابنِ ابی شیبہ کے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سامنے جہنم کو پیش کیا گیا، پس میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف کو اپنی آنتیں جہنم میں کھینچتے ہوئے دیکھا، یہی پہلا شخص ہے جس نے ابراہیم علیہ السلام کے عہد کو بدل دیا، اور بتوں کے لیے جانور مختص کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔

اور ابنِ اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ پہلا شخص ہے جس نے اسماعیل علیہ السلام

کے دین کو بدل دیا، اور بتوں کو نصب کیا (ملاحظہ ہو ''السیرۃ النبویۃ لابنِ هشام '')

اور عبد بن حمید کی روایت میں ہے کہ لحی وہ پہلا شخص ہے، جس نے عرب کو بتوں کی عبادت پر ابھارا (ملاحظہ ہو ''المنتخب من مسند عبد بن حمید '')

اور ازرقی نے ''اخبارِ مکہ ''میں فرمایا کہ اس نے تیروں کو نصب کیا، اور یہ جزیرہ (عراق) کے مقام ''ھیت'' سے ھبل کو لے کر آیا، اور اہلِ عرب کو اس کی عبادت کا حکم دیا، اس شخص کی اہلِ عرب اطاعت کیا کرتے تھے، اور یہی پہلا شخص ہے، جس نے ابراہیم علیہ السلام کے توحید والے دین کو بدل دیا، صحیح ابنِ حبان میں بھی اسی طرح سے ہے۔

پھر اہلِ جاہلیت، بتوں کی عبادت پر برقرار رہے، ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی باقیات پر رہتے ہوئے، چنانچہ انہوں نے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی تصویروں کو کعبہ مشرفہ میں نصب کر دیا، جیسا کہ پہلے گزرا، اور وہ بیتُ اللہ کا طواف کرتے تھے، اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کیا کرتے تھے، اور حج وعمرہ کیا کرتے تھے، اور ختنہ کیا کرتے تھے، اور عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے، اور اعتکاف کیا کرتے تھے، اور نذر مانا کرتے تھے، اور اشہرِ حرم کو حرام کیا کرتے تھے، اور حاجیوں کو پانی پلایا کرتے تھے، اور مسجدِ حرام کی تعمیر کیا کرتے تھے، اور بیتُ اللہ پر غلاف چڑھایا کرتے تھے، اور بیتُ اللہ کی تعظیم کیا کرتے تھے، اس کے علاوہ بھی اور چیزوں کا قرآن اور صحیحین وغیرہ کی احادیث نے ذکر کیا ہے، اور اسی طرح سے ان کو حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی دعوت بھی پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ یہود ونصاریٰ ان کے درمیان میں رہا کرتے تھے، پس یہ اور ماسبق کے دلائل یہ بات واضح کرتے ہیں کہ ان کو دعوت پہنچ چکی تھی، ورنہ عمرو بن لحی وغیرہ کے جہنم

میں داخل ہونے کا سبب کیا تھا؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی بغیر گناہ کے جہنم میں داخل نہیں فرمائے گا، اللہ تعالیٰ کا سورہ کہف میں ارشاد ہے کہ:

"وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا"

(یعنی انہوں نے جو اعمال کیے، وہ ان کو اپنے سامنے حاضر پالیں گے، اور آپ کا رب، کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا)

اور جب کہ ہم یہ بات ثابت کر چکے کہ مذکورہ آیت کی دلالت ظنی ہے، اور یہ مکی سورۃ کی آیت ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین اور عبدالمطلب کے متعلق مدینہ منورہ میں خبر دی، تو اس سے علامہ سیوطی وغیر کا دعویٰ باطل ہو گیا، اور ہم نے جو کچھ (اس سلسلہ میں) کہا وہ ثابت ہو گیا۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

اور بعض حضرات نے جو مسلم کی اس حدیث کے متعلق کہ "ان أبی و أباک فی النار" یہ کہا ہے کہ یہ منسوخ ہے، تو یہ نہایت تعجب خیز بات ہے، اور کیا کوئی حدیث یا قول اس طرح منسوخ ہو سکتا ہے کہ جس کی وجہ سے پہلی خبر کا باطل ہونا اور اس کی تکذیب لازم آئے، کیونکہ "نسخ" تو "رفع و ازالہ" کا نام ہے، اور نسخ، صرف احکام میں ہوا کرتا ہے، اور کیا پہلی چیز، کسی بعد کی چیز کو منسوخ کر سکتی ہے، جبکہ آیت مکی ہے، اور حدیث مدنی ہے؟ (لہٰذا اس موقع پر نسخ کا دعویٰ، اصول وقواعد کے خلاف ہوا)

پھر ہم تنزلی کر کے کہتے ہیں کہ کہاں مسلم کی حدیث کا درجہ ہے (جس میں اہلِ نار میں سے ہونے کا ذکر ہے) اور کہاں اس حدیث کا درجہ ہے (جس میں زندہ کر کے ایمان لانے کا ذکر ہے) جس کے بارے میں کوئی قول موضوع ہونے کا ہو اور کوئی قول منکر ہونے کا ہو اور کوئی قول باطل ہونے کا ہو، اور زیادہ ترقی کر کے اس کو ضعیف کہا گیا ہو، تا کہ نسخ کا دعویٰ صحیح ہو سکے۔ پس اس مدعی سے کہا جائے گا، کہ آپ عرش کو ثابت کریں، پھر اس کی نفی کر دیں، اور جو اس (وفات کے بعد

زندہ کر کے اسلام لانے کی) حدیث کے صحیح ہونے کا قول ہے، تو وہ شک وشبہ کے بغیر باطل ہے، کیونکہ اس کی سند میں متہم اور مجہول راوی ہیں، جیسا کہ پہلے گزرا۔ پس اس کی سند کہاں سے صحیح ہوسکتی ہے؟ دراں حالیکہ سیوطی خود اس کے ضعف پر اتفاق نقل کر چکے ہیں (لہٰذا جو حضرات مذکورہ حدیث کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ درست نہیں)

اور رہا بیجوری کا یہ قول کہ امام ابوحنیفہ سے ''الفقه الأكبر'' میں جو یہ بات منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر پر فوت ہوئے، تو یہ عبارت مدسوس ہے (یعنی بعد میں اضافہ کی گئی ہے) (ملاحظہ ہو ''تحفة المريد للبيجوری'')

تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، جس کا سبب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب سے ناواقفیت ہے، نیز ائمہ سلف وخلف کے جو اقوال، پہلے گزرے، ان سے بھی ناواقفیت اس کا سبب ہے، بلکہ اہلُ السنۃ کے مذہب اور اس سے بڑھ کر اشاعرہ کے اس مذہب سے بھی ناواقفیت اس کا سبب ہے، جو امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے، کیونکہ یہ (کفر پر فوت نہ ہونے کا) قول تو شیعہ روافض کا ہے، جیسا کہ امام رازی نے فرمایا اور اس کو اپنے اصحاب سے نقل کیا، جو کہ مذہبِ اشاعرہ کے ائمہ ہیں، اور اسی طرح سے ابنِ کثیر اور ابنِ حیان نے بھی فرمایا، جیسا کہ پہلے گزرا اور آگے بھی آتا ہے۔ بلکہ امام رازی نے یہ بھی فرمایا کہ اکثر (اہلُ السنۃ والجماعۃ) حضرات کا قول یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء، کفار تھے (ملاحظہ ہو ''تفسير الرازی'')

پھر ہم کہتے ہیں کہ ماسبق میں جو دلائل گزر چکے، اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے ائمہ کا وہ کلام گزر چکا، جس کو ہم نے نقل کیا، ان کے اقوال ببانگِ دُہل دن کی روشنی کی طرح اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ تم نے جو دعویٰ کیا ہے، دراصل وہی اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نام سے مدسوس (اور گھڑا گیا) ہے، پھر یہ بعض متاخرینِ

اشاعرہ کے اوہام میں سرایت کر گیا، پھر ان کے بعض نے بعض کی تحقیق و تمحیص کے بغیر اتباع کی، اور بیجوریؒ نے وہ بات کیوں نہیں کہی، جو ان کے مذہب کے شیخ امام نوویؒ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''شرح مسلم'' میں فرمائی ہے، بلکہ ان کے شیخ المشائخ بیہقیؒ نے فرمائی ہے، بلکہ ان کے امام اور عمدہ امام رازیؒ نے فرمائی ہے، بلکہ ان کے اصحابؒ نے فرمائی ہے، جو کہ مذہبِ اشعریؒ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ائمہ ہیں، جس کو رازیؒ نے ان سے نقل کیا ہے، اور اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

اور کیا وہ تمام صحیح احادیث جو ذکر کی گئیں، اور ائمہ کے صریح اقوال اس سلسلہ میں ذکر کیے گئے، وہ بھی مدسوس (اور گھڑے گئے) ہیں؟

بلکہ ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ رحمہ اللہ کا جو قول ہے، اس پر سلف کا اجماع ہے، اور اس کی مخالفت سوائے ان بعض متاخرین کے، کسی نے نہیں کی، جنہوں نے اس مسئلہ میں روافض کے مذہب کی اتباع کی ہے، اور انہیں اس بات کا شعور بھی نہیں ہوا، (یعنی انہوں نے غیر شعوری طور پر، بلکہ نیک نیتی سے مذہبِ روافض کی اتباع کی) پھر ان کی باقی حضرات نے تقلید کی (اور امام رازی، جن کے نام سے مسئلہ کو علامہ سیوطی وغیرہ نے چلایا، اس کی خود سے تحقیق بھی نہ کی، اور ان کے نام سے غلط قول منسوب ہوا)

پھر میں نے امام قرافی کا یہ قول دیکھا کہ، جاہلیت کے زمانے میں لوگ بالاجماع مکلّف تھے، اور اسی وجہ سے اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں فوت ہونے والوں کو ان کے کفر کی وجہ سے جہنم کا عذاب ہوگا، اور اگر یہ مکلّف نہ ہوتے، تو ان کو عذاب نہ دیا جاتا (ملاحظہ ہو ''شرح تنقیح الفصول، للقرافی'')

اور اسی وجہ سے ملا علی قاری نے فرمایا کہ یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ یہ اجماع، صحیح

نہیں ہے، کیونکہ اشاعرہ، اہلِ فترۃ کی نجات کے قائل ہیں، کیونکہ رازی نے اپنے ائمہ مذہب کا قول، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے کفر کا نقل کیا ہے، اور اسی پر ان کا برقرار ہونا واضح کیا ہے، اور فرمایا کہ شیعہ کا مذہب اس کے برعکس ہے، جیسا کہ گزرا (ملاحظہ ہو ''تفسیر الرازی'')

اور امام رازی کا یہ قول ابھی گزر چکا ہے کہ اکثر اہلِ سنت کا قول یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء، کافر تھے، اور اسی طریقہ سے بیہقی اور نووی اور حلیمی اور ابنِ کثیر اور قرافی اور ابنِ عطیہ کے حوالے سے بھی گزر چکا ہے، جب کہ یہ تمام حضرات اشعری ہیں، اور بعض متاخرین کی مخالفت مضر نہیں ہے، کیونکہ وہ قرآن وسنت اور اجماع کے مخالف ہے، پس آپ پر بعض متاخرین کا قول، متقدمین کے قول میں التباس پیدا نہ کرے، جس کی وجہ سے آپ تذبذب اور شک وشبہ میں پڑ جائیں۔

اور بیجوری کے قول کی طرح صاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول بھی ہے، انہوں نے مزید یہ بھی فرمایا کہ اس میں شذوذ اختیار کرنے والے کا اختلاف ہے (ملاحظہ ہو ''شرح جوھرۃ، للصاوی'')

میں کہتا ہوں، سبحان اللہ! یہ اتنا سخت کلمہ ہے، جس سے پہاڑ ہل جاتے ہیں، بلاشبہ ان ائمہ سلف اور خلف نے صحیح بات ہی کہی ہے، بلکہ والعیاذ باللہ ان کا قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ذات سے متصل ہے، جو خواہش سے بات نہیں کرتے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی تو یہ بات فرمائی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہی کو ہم نے نقل کیا ہے، پھر ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ شذوذ اختیار کرنے والا پہلا ہے یا بعد کا؟

آپ دیکھ لیجیے کہ یہ لوگ کتنا سخت حکم عائد کرتے ہیں۔ [1]

[1] کہ جمہور متقدمین بلکہ متقدمین کے اجماعی قول پر شذوذ کا حکم لگاتے ہیں، اور یہ غور نہیں فرماتے کہ شذوذ کا قول اس کے برعکس ہے۔ محمد رضوان خان۔

اور جہاں تک بیجوریؒ کے اس قول کا تعلق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء میں کفر داخل نہیں ہوا (ملاحظہ ہو ’’تحفة المريد، للبيجوری‘‘)

پس اس کی تردید ان کے ائمہ مذہب کا قول کرتا ہے، بلکہ ان ائمہ کا قول بھی کرتا ہے، جن کا پہلے ذکر گزرا، بلکہ یہ رافضی شیعہ کا مذہب ہے، اہلِ سنت کا یہ مذہب نہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیعہ کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد میں سے کوئی بھی کافر نہیں تھا (ملاحظہ ہو ’’تفسير الرازی‘‘)

میں کہتا ہوں کہ غالب گمان یہ ہے کہ بیجوریؒ اور صاویؒ نے جو قول اختیار کیا، اور جنہوں نے اس مسئلہ میں ان کی پیروی کی، انہوں نے اس قول کو دراصل سیوطیؒ سے حاصل کیا ہے، اور سیوطی نے اس قول کو امام رازیؒ سے نقل کرنے میں نہایت عظیم خطا کی ہے، کیونکہ رازی نے تو یہ کلام شیعہ سے نقل کیا ہے، جس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا، پھر اس کی تردید کی، اور اس کو باطل قرار دیا، اور اس کے مقابلہ میں اپنے اصحاب کے مذہب کو بیان کیا، اور اسی کو ثابت کیا۔

چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ شیعہ کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد میں سے کوئی بھی کافر نہیں تھا، اور شیعہ نے اس بات کا انکار کیا کہ حضرت ابراہیم کے والد کے کافر ہونے کا حکم لگایا جائے، اور انہوں نے یہ بات ذکر کی کہ آزر، دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے، آپ کے والد نہیں تھے، اور اہلِ تشیّع نے اپنے قول پر چند دلائل پیش کیے ہیں۔

ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ انبیاء کے آباء کافر نہیں تھے، جس کے متعدد دلائل ہیں، جن میں سے ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا سورہ شعراء میں یہ قول ہے کہ:

"الذی یراک حین تقوم، وتقلبک فی الساجدین"

ایک قول کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ "آپ کی روح سجدہ کرنے والے سے، سجدہ کرنے والے کی طرف منتقل ہوئی" اور اس معنیٰ کی رُو سے یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء مسلمان تھے۔

پس اس صورت میں اس بات کا یقین ضروری ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد مسلمان تھے (یہ تو اہلِ تشیع کا قول تھا)

پھر امام رازیؒ نے فرمایا کہ جہاں تک ہمارے اصحاب کا تعلق ہے، تو ان کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کافر تھے، اور ہمارے اصحاب نے یہ بات ذکر کی ہے کہ اس آیت میں قرآن مجید کی نص اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آزرؔ کافر تھے، اور وہ ابراہیم علیہ السلام کے والد تھے، اور اللہ تعالیٰ کا (سورہ توبہ میں مذکور) یہ قول کہ:

"وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيْمَ لِأَبِيْهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ أَنَّهٗ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ"

یہ آیت بھی ہمارے قول پر دلالت کرتی ہے (ملاحظہ ہو "تفسیر الرازی")

اور امام رازی کے اس قول میں کہ "علٰی قولنا" اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اس قول کو برقرار رکھا ہے، اور اپنے اصحاب کی موافقت کی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت عطا فرمائے، سیوطیؒ کی نقل کو دیکھیے کہ انہوں نے فرمایا کہ اس مسلک کی طرف ایک جماعت گئی ہے، جن میں سے امام فخر الدین رازی بھی ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب "اسرار التنزیل" میں فرمایا کہ "یہ بھی کہا گیا ہے کہ آزرؔ ابراہیم کے والد نہیں تھے، بلکہ ان کے چچا تھے" جس کے انہوں نے چند دلائل پیش کیے ہیں۔

جن میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ انبیاء کے آباء کافر نہیں تھے، جس کی چند دلیلیں ہیں، ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا سورہ شعراء میں یہ ارشاد ہے کہ:

"الذی یراک حین تقوم، وتقلبک فی الساجدین"

کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ایک سجدہ کرنے والے سے، دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف منتقل کیا جاتا رہا"، اور اس تقدیر پر یہ آیت اس بات پر دلالت کرے گی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء مسلمان تھے، اور اس صورت میں اس بات کا یقین واجب ہوگا کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کافر نہیں تھے (ملاحظہ ہو"مسالک الحنفا فی والدی المصطفیٰ، للسیوطی")

پس اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے! آپ غور کر لیجیے، پھر آپ امام رازی کے کلام اور سیوطی کی نقل اور ان کے دعوے کے درمیان موازنہ کر لیجیے کہ کیا یہ رازی کا قول ہے؟ اور رازی کی وہ عبارت، جس کو سیوطی نے نقل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ "وقیل، إن آزر الخ" یہ تو دراصل شیعہ کے قول کی نقل ہے، نہ کہ امام رازی کے مذہب کی تقریر۔

پس سیوطی سے تعجب ہے کہ رازی تو شیعہ کے کلام کو یہ کہتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ "قالت الشیعۃ" اور سیوطی ان سے مجہول کے صیغے کے ساتھ "قیل" سے نقل کرتے ہیں۔

اور کلام تو "تفسیر الرازی" میں ہے، اور سیوطی اس کی نسبت "اسرار التنزیل" کی طرف کرتے ہیں، جس میں اس بات کا کوئی وجود نہیں، پھر رازی کے کلام کی تری سے اپنی خشک مٹی کو تَر کرتے ہیں، لیکن ان کا پورا کلام پیش نہیں کرتے، جس میں شیعہ کے کلام کا ابطال ہے، جس کی بناء پر معاملہ الٹ پلٹ

ہو گیا کہ شیعہ کے قول کو رازیؒ کا قول اور رازیؒ کا مذہب قرار دے دیا گیا، پھر سیوطیؒ نے یہ بھی فرما دیا کہ:

**”ھذا کلام الامام فخر الدین بحروفہٖ وناھیک بہ امامۃً و جلالۃً، فانہ امام اھل السنۃ فی زمانہٖ، الخ“**(ملاحظہ ہو **”مسالک الحنفا فی والدی المصطفیٰ، للسیوطی“**)

(یعنی یہ امام فخر الدین کا لفظ بلفظ کلام ہے، اور آپ کی امامت وقیادت، اور جلالتِ شان کے کیا کہنے، واہ! کیونکہ یہ اپنے زمانہ میں اہلُ السنۃ کے امام ہوئے ہیں)

میں کہتا ہوں کہ اگر ہم معاملہ کو پلٹ دیں، اور ہم سیوطیؒ اور ان کے متبعین سے اپنی بیان کردہ بات کے بعد کہیں کہ یہ وہ امام ہیں کہ جن کے ذریعہ سے، آپ ہمارے خلاف استدلال کرتے ہیں، جنہوں نے آپ کے قول کو بیان کیا ہے، وہ تو شیعہ کا مذہب ہے، نہ کہ اہلِ سنت کا مذہب، اور آپ نے ان سے نقل کرنے میں خطا کی، پس کیا اب آپ اس بات سے رجوع کریں گے، جو آپ نے کہی تھی کہ رازیؒ اس فن میں اپنے زمانے والوں کے امام ہیں؟ (اور کیا اپنے بیان کردہ، دعوے کے مطابق، اپنے موقف کو شیعہ کا موقف قرار دیں گے، اور امام رازی کی جلالتِ شان کی بنا پر اپنے موقف کی خطا کا اقرار کریں گے)

پھر سیوطیؒ کی بیجوریؒ اور صاویؒ نے نقل کرنے کی خطا میں اتباع کی، اور ان کے بعد بعض دیگر حضرات نے بھی تحقیق وتمحیص کے بغیر ان کی اتباع کی، پس وہ خود ہی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے، اور انہوں نے معاملے کو الٹ پلٹ کر دیا۔

چنانچہ انہوں نے شیعہ کے مذہب کو اہلِ سنت کا مذہب قرار دے دیا، اور اہلِ سنت کے مذہب کو کبھی شاذ قرار دے دیا، اور کبھی مدسوس قرار دے دیا، اور نتیجتاً یہ حکم شائع ذائع ہو گیا، اور مخطی، مصیب قرار پا گیا، اور مصیب، مخطی قرار پا گیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

پس اے حق کے حریص! آپ امام رازی کے اس کلام کی طرف رجوع کیجیے، جو ''التفسیر الکبیر'' میں سورہ انعام کے اندر اللہ تعالیٰ کے اس قول کے موقع پر مذکور ہے کہ:

''وإذ قال ابراھیم لأبیه آزر، أتتخذ أصناماً آلهة''

بلکہ آپ تفسیر رازی کو شروع سے آخر تک ٹٹولیں، تاکہ آپ کے لیے میرے بیان کردہ قول کی صحت ظاہر ہوجائے، اور امام رازی نے اپنے کلام کا، سورہ شعراء میں اللہ تعالیٰ کے اس قول:

''وتقلبک فی الساجدین''

کے موقع پر بھی اعادہ کیا ہے، جس کو ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

اور جہاں تک سیوطی وغیرہ کے اللہ تعالیٰ کے سورہ شعراء میں مذکور اس قول سے استدلال کا تعلق ہے کہ:

''وتقلبک فی الساجدین''

تو یہ صواب سے بعید تر ہے، کیونکہ یہ استدلال تو شیعہ رافضیوں کا ہے، اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ استدلال نہیں، جس کی ذیل میں تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

امام رازیؒ نے فرمایا کہ یہ بات جان لیجیے کہ رافضی اس طرف گئے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء مومنین تھے، اور انہوں نے اس (سورہ شعراء کی مذکورہ آیت سے استدلال کیا ہے (ملاحظہ ہو ''تفسیر الرازی'')

جہاں تک اہل السنۃ والجماعۃ مفسرین کا تعلق ہے، تو وہ تمام کے تمام جن کے سرے پر ابنِ عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں، اس طرف گئے ہیں کہ اس آیت میں ''الساجدین'' سے مراد انبیاء ہیں یا صحابہ، اور اہل السنۃ والجماعۃ مفسرین میں سے کسی نے بھی شیعہ والا قول اختیار نہیں کیا، البتہ صرف اس کو سیوطی نے بطور خطا

کے نقل کیا ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، یہاں تک کہ علامہ آلوسیؒ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات کے قول میں مبالغہ کرنے والے ہیں، انہوں نے بھی اس بات کا انکار کیا ہے کہ اس مسئلہ پر مذکورہ آیت سے استدلال کیا جائے، اور اس مسئلہ میں شیعہ کے قول کے مطابق ان قائلین کے دعویٰ کرنے اور اس آیت سے استدلال کرنے سے پہلے یہ لازم تھا کہ وہ پہلے یہ بات ثابت کرتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء نماز پڑھا کرتے تھے (کیونکہ مذکورہ آیت میں سجدہ کرنے والوں کی تصریح ہے، لہٰذا پہلے ان کا نماز پڑھنا ثابت کرنا پڑے گا، تب جا کر اگلے استدلال کا نمبر آئے گا) جبکہ اسناد سے دین کا تعلق ہے، اور وہ یہ بات کہاں سے لائیں گے، جس کے سامنے کانٹوں کی باڑ ہے، بلکہ اگر وہ آسمان پر چڑھنے کے زینے کو بھی پالیں، تو اس بات کے ثبوت لیے کوئی راستہ نہیں پا سکتے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار کیوں نہ ہوجائیں، جبکہ علماء کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے عبادت کرنے میں اختلاف ہے، بس آپ کے آباءواجداد میں یہ بات کیونکر ہوسکتی ہے (کہ وہ سب نماز پڑھتے ہوں)

اور جہاں تک ان حضرات کے اس حدیث سے استدلال کا تعلق ہے کہ:

**”لم أزل أتقلب من الاصلاب الطاهرات إلى الأرحام الزاكيات“**

تو یہ شیعہ کا دعوی ہے کہ یہ حدیث ہے۔

حالانکہ یہ بات درست نہیں، اور اس کا اہل السنۃ والجماعۃ کی کتبِ حدیث میں وجود نہیں، اس کو تو امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں شیعہ کی طرف سے ذکر کیا ہے، تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے شیعہ کے استدلال کو باطل قرار دیں۔

چنانچہ امام رازیؒ نے شیعوں کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء میں سے کسی کے مشرک نہ ہونے کی ایک دلیل نبی علیہ السلام کا یہ قول

بھی ہے کہ:

"لم أزل أتقلب من الاصلاب الطاهرات إلى الأرحام الزاكيات"

پھر امام رازیؒ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ جہاں تک نبی علیہ السلام کے اس قول کا تعلق ہے کہ:

"لم أزل أتقلب من الاصلاب الطاهرات إلى الأرحام الزاكيات"

تو (اگر اس کو معتبر مان بھی لیا جائے) یہ اس پر محمول ہے کہ نبی علیہ السلام کے نصب میں کوئی گڑبڑ واقع نہیں ہوئی (ملاحظہ ہو "تفسير الرازی")

اور نیسابوریؒ نے فرمایا کہ شیعہ کے علماء نے اپنے اس مذہب پر کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کفار نہیں تھے، ایک دلیل یہ بیان کی ہے کہ:

**أراد تقلب روحهٖ من ساجدٍ إلى ساجدٍ كما فى الحديث المعتمد عندهم، "لم أزل أتقلب من اصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات"** (ملاحظہ ہو "**غرائب القرآن، للنيسابورى**")

اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے! آپ نیسابوری کے اس قول پر نظر کر لیجیے کہ:

"**الحديث المعتمد عندهم**"

جس سے آپ کے سامنے حق ظاہر ہو جائے گا (کہ انہوں نے اس حدیث کو، اہلِ تشیع کے نزدیک معتمد ہونے کا فرمایا ہے) [1]

جہاں تک اہلُ السنۃ کے نزدیک وارد احادیث کا تعلق ہے، تو اس کو عبدالرزاقؒ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ

"**إنى أخرجت من نكاحٍ ولم أخرج من سفاحٍ**"

اور طبرانیؒ نے اور آجریؒ نے "**الشريعه**" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

---

[1] اور اس حدیث کے "موضوع" ہونے کا پانچویں فصل میں ہم نے بھی باحوالہ ذکر کر دیا ہے۔ محمد رضوان خان۔

روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

**”خرجت من نكاح ولم أخرج من سفاح من لدن آدم إلى أن ولدني أبي و أمي لم يصيبني من سفاح الجاهلية شيءٌ“**

اور ابنِ سعد نے مرسلاً یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ:

**”لم أخرج الا من طهرٍ“**

(ملاحظہ ہو ”**الطبقات الكبرىٰ، لابن سعد**“)

جس کا مطلب ہے ”**من وطء طاهر**“ جو کہ نکاح ہے۔

اور ابنِ عساکر میں ہے:

**”ما ولدتني بغيٌّ قط مذ خرجت من صلب أبي آدم“**

(ملاحظہ ہو ”**تاريخ مدينه دمشق**“)

اور ابنِ ابی حاتم نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے سورہ شعراء میں مذکور اس قول کے موقع پر کہ:

**”وتقلبک في الساجدين“**

روایت کیا ہے کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

**”ما زال رسول الله صلى الله عليه وسلم يتقلب في اصلاب الانبياء حتى ولدته أمه“**

اور ابنِ ابی حاتم نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کیا ہے کہ:

**”من نبي إلى نبي حتى اخرجک نبياً“**

(ملاحظہ ہو ”**تفسير ابن ابي حاتم**“)

(اور یہ بات ظاہر ہے کہ مذکورہ روایت کو سند کے اعتبار سے معتبر مان کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد اور دادا کو العیاذ باللہ تعالیٰ، انبیاء قرار نہیں دیا جا سکتا، لہٰذا ماننا

پڑے گا کہ اس میں تمام آباواجداد داخل نہیں، بلکہ حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہما السلام وغیرہ مراد ہیں) [1]

اور جہاں تک سیوطی اور بیجوری کے اس قول کا تعلق ہے کہ آزر، دراصل ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے، اور آپ کے والد نہیں تھے، اور ابراہیم علیہ السلام نے ان کو "أب" کے لفظ سے اس لیے پکارا کہ عرب کی عادت یہ تھی کہ وہ چچا کو باپ کے نام سے پکارتے تھے (ملاحظہ ہو "تحفة المريد للبيجوري")

پس یہ شیعہ کا قول ہے، جس کی امام رازی نے سورہ انعام میں مذکور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے موقع پر وضاحت کی ہے کہ:

"وإذ قال ابراهيم لأبيه آزر"

---

[1] قلت :وله طريق أخرى عن عكرمة ,يرويه أنس بن محمد قال :حدثنا موسى بن عيسى ,قال: حدثنا يزيد بن أبى حكيم عنه به ولفظه " :لم يلتق أبواى فى سفاح ,لم يزل الله عز وجل ينقلنى من أصلاب طيبة إلى أرحام طاهرة ,صافيا مهذابا ,لا تتشعب شعبتان إلا كنت فى خيرهما ."
أخرجه أبو نعيم ( 1/11ـ 12).
قلت :وإسناده واه ,من دون عكرمة لم أعرفهم.
طريق أخرى عنه موقوفا ,يرويه شبيب عن عكرمة عن ابن عباس " :(وتقلبك فى الساجدين) , قال :من نبى إلى نبى حتى أخرجت نبيا "رواه ابن عساكر.
قلت :وشبيب بن بشر ضعيف ,قال الحافظ فى "التقريب " :"صدوق ,يخطىء ."
وقال الذهبى فى "الضعفاء " :"قال أبو حاتم :لين الحديث ."
قلت :فقول الهيثمى فى "المجمع "(7/86) " : رواه البزار والطبرانى ,ورجالهما رجال الصحيح غير شبيب بن بشر وهو ثقة "ليس منه بجيد ,مع تضعيف من ذكرنا لشبيب هذا.
نعم لم يتفرد به ,فقد رواه سعدان بن الوليد عن عطاء عن ابن عباس به.
أخرجه أبو نعيم (1/12) وابن عساكر (1/267/2).
لكن سعدان هذا لم أعرفه ,والله أعلم(إرواء الغليل فى تخريج أحاديث منار السبيل، ج٦، ص ٣٣١، ٣٣٢، تحت رقم الحديث ١٩١٤، كتاب النكاح، باب نكاح الكفار)
قال الله تعالى :(الذى يراك حين تقوم، وتقلبك فى الساجدين) (يعنى تقلبه فى أصلاب الأنبياء من آبائك الساجدين مثل إبراهيم ونوح عليهم السلام) . قال عبد الله بن عباس -رضى الله عنه -: "من نبى إلى نبى حتى ابتعثه الله عز وجل نبيا(الحجة فى بيان المحجة وشرح عقيدة أهل السنة، لإسماعيل بن محمد بن الفضل الأصبهانى، ج١، ص ١٩٩، ٢٠٠، تحت رقم الحديث ٦٨)

آپ اگر چاہیں تو تفسیرِ رازی کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

اور اس کے ذریعہ سے سیوطیؒ کی وہ نسبت باطل ٹھہرتی ہے، جو انہوں نے رازی کی طرف یہ کہہ کر کی ہے کہ یہ رازیؒ کا قول ہے۔

بلکہ امام رازی نے سابق بات کے نقل کرنے سے، چند سطور پہلے فرمایا کہ ہمیں کون سی ضرورت پیش آئی کہ آپ ہمیں ان تاویلات پر اُبھاریں۔

اور قوی دلیل اس بات کے صحیح ہونے کی یہ ہے کہ اس آیت کا ظاہر، جس بات پر دلالت کرتا ہے، یہ حکم ہے کہ یہود و نصاریٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور آپ کے بغض کے اظہار پر انتہائی حریص تھے۔

پس اگر نسب جھوٹا ہوتا، تو عادتاً یہ بات ممتنع تھی کہ یہود و نصاریٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی (اس بنا پر) تکذیب سے سکوت اختیار کر لیتے، اور جب انہوں نے اس کی تکذیب نہیں کی، تو ہم نے یہ بات جان لی کہ یہ نسب صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابنِ حجر نے فرمایا کہ ابراہیم، آزر کے بیٹے ہیں، جن کا نام ''تارح'' ہے، اس بارے میں جمہور اہلِ نسب کا کوئی اختلاف نہیں، اور نہ ہی اس میں اہلِ کتاب کا کوئی اختلاف ہے، سوائے ان ناموں کے بعض کے اطلاق کرنے اور بولنے میں (ملاحظہ ہو ''فتح الباری لابن حجر'')

پھر جب کہ ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے والد آزر، عرب سے تعلق رکھتے تھے، تاکہ سیوطی کا گمان صحیح ہو جائے۔

اس دعوے کو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول باطل قرار دیتا ہے کہ ''ربیع کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا سورہ ہود میں ارشاد ہے کہ:

''ونادیٰ نوح ابنہ''

اور اللہ عزوجل کا سورہ انعام میں ارشاد ہے کہ:

"وإذ قال ابراهيم لأبيه آزر"

پس اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو ان کے باپ کی طرف منسوب فرمایا، اور آپ کے باپ کافر تھے، اور ابنِ نوح کو، ان کے باپ "نوح" کی طرف منسوب فرمایا، جب کہ ان کا بیٹا کافر تھا" (ملاحظہ ہو "الأم، للإمام الشافعی")

پس امام شافعی نے نوحؑ اور ان کے بیٹے اور ابراہیمؑ اور ان کے باپ کے نسب میں برابری بیان فرمائی، اور واضح فرمادیا کہ ابراہیمؑ کے باپ اور نوح علیہما السلام کا بیٹا، دونوں کافر تھے، اور امام شافعی نے ابراہم علیہ السلام کے نسب کی نسبت، چچا کی طرف نہیں کی، بلکہ یہ فرمایا کہ:

"نسبهٔ إلى أبيه"

پھر "أب" کا لفظ حقیقت میں والد کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور چچا کے لیے مجازی طور پر استعمال ہوتا ہے، اور مجاز کی طرف صرف اسی صورت میں رجوع کیا جاتا ہے، جب کہ حقیقت متعذر ہو جائے۔

پس آپ کو کون سی چیز مجاز کی طرف رجوع کرنے پر آمادہ کرتی ہے، جبکہ کتاب و سنت اور جمہور اہلِ نسب اور اہلِ کتاب یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ آزرؔ، ابراہیم علیہ السلام کے والد تھے، چچا نہیں تھے، اور میرے نزدیک حقیقت سے اس کو پھیرنا سوائے ناواقفیت کے اور کسی چیز پر مبنی نہیں، جیسا کہ پہلے گزرا۔

جہاں تک علامہ کوثری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا تعلق ہے کہ "امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی (الفقه الاکبر میں مذکور) عبارت اس صورت میں رکیک ہے، اور اگر صحیح ہوتی، تو یوں فرماتے کہ:

"ووالدا رسول الله وعمهٔ ابو طالب ماتوا على الكفر"

تو اس فقیر پر اللہ نے اس کا جواب دو طرح سے کھولا ہے، ایک جواب تو یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے والدین کے حق میں ادب کا لحاظ کیا، چنانچہ یہ فرمایا کہ ''**ماتا علی الکفر**'' اور یہ نہیں فرمایا کہ ''**ماتا کافرَین**''، کیونکہ مصدر، دراصل فعل کے حدوث پر دلالت کرتا ہے، نہ کہ فاعل پر، بخلاف اسمِ فاعل کے کہ وہ فعل کے حدوث اور فاعل دونوں پر دلالت کرتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ابو طالب نے جب اسلام لانے سے انکار کر دیا، تو ان کے متعلق یہ قول کرنا صحیح ہو گیا کہ وہ کافر تھے، کیونکہ انہوں نے اسلام لانے سے انکار کیا، اور جہاں تک آپ کے والدین کا تعلق ہے، تو انہوں نے اسلام لانے سے انکار نہیں کیا، جس طرح سے ابو طالب نے انکار کیا، کیونکہ آپ کے والدین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی نبوت) کو نہیں پایا، بلکہ وہ جاہلیت کے زمانے میں فوت ہو گئے، پس جب ابو طالب نے شرک سے بڑھ کر انکار کا بھی ارتکاب کیا، تو ابو طالب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے درمیان فرق صحیح ہو گیا، اور میرے نزدیک اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور آپ کے چچا ابو طالب کے درمیان فرق کر کے حکم بیان فرمایا، **واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔**

اور یہ دونوں وجوہات ایسی ہیں، جن کا کوئی منصِف (یعنی انصاف پسند) انکار نہیں کر سکتا، اور کوئی دلیل ایسی نہیں پائی جاتی، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان پر ان کی موت سے قبل دلالت کرے، اور یہ کہا جائے کہ وہ ایمان پر فوت ہوئے، بلکہ دلائلِ مستفیضہ اس کے خلاف پر دلالت کرتے ہیں، بلکہ امام رازی اور حافظ ابنِ کثیر اور علامہ ابو حیان اور نیسا بوری نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے آباء کے ایمان کا قول دراصل روافض کا قول ہے (ملاحظہ ہو ''تفسیر الرازی والبحر المحیط لأبی حیان و غرائب القرآن للنیسابوری'')

اور اس تفصیل سے علامہ آلوسیؒ کی یہ تاویل بھی باطل قرار پاتی ہے، جوانہوں نے اپنی تفسیر میں فرمائی ہے کہ رازی کا یہ قول قلتِ اطلاع سے ناشی ہے (ملاحظہ ہو ''روح المعانی للآلوسی'')

اور ہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے واضح کر چکے ہیں کہ وہ کون ہے کہ جو مطلع نہیں ہوا (آیا کہ امام رازی، یا خود علامہ آلوسی اور علامہ سیوطی وغیرہ)

جہاں تک ان لوگوں کے اقوال کا تعلق ہے، جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور اہلِ فترۃ کی نجات کا حکم لگایا ہے، تو ان کے اقوال مضطرب ہیں، جیسا کہ گزرا۔

اور میں نے ان کے بڑے حضرات میں سے کسی کو نہیں دیکھا، جس نے ان کے ایمان پر یقینی حکم لگایا ہو، پس سیوطیؒ تو یہ کہتے ہیں کہ شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی حالت، زید بن عمرو بن نفیل کی حالت کی طرح ہو (ملاحظہ ہو ''مسالک الحنفا للسیوطی'')

اور ابنِ حجر ہیثمی یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کو قیامت کے دن اجابت کی توفیق دی جائے گی (ملاحظہ ہو ''مسالک الحنفا للسیوطی'')

اور یہ سیوطیؒ کی طرف سے خبط اور اضطراب ہے، اور سیوطی اور ابنِ حجر ہیثمی کی طرف سے ضمناً اس بات کا اقرار ہے کہ ان دونوں کو زندہ نہیں کیا گیا، کیونکہ اگر وہ موت کے بعد ایمان لا چکے ہوتے، تو پھر ان کے لیے قیامت کے دن، اجابت کی امید کا کیا مطلب تھا، جبکہ وہ پہلے سے ہی مومن تھے، اور دوسرے حضرات حسنِ

ظن کے قائل ہیں، اور تیسرے حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور اہلِ فترۃ کے ایمان کے قائل ہیں، اگرچہ انہوں نے دین میں تغیر اور تبدل کر دیا ہو، اور وہ بت پرستی میں مبتلا ہو گئے ہوں، اور بعض حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ کیے جانے کو ممکنات میں سے فرماتے ہیں۔

اور امام غزالی یہ کہتے ہیں کہ تحقیقی بات یہ ہے کہ وہ مسلم کے معنیٰ میں ہیں (ملاحظہ ہو ''ادلة معتقد ابی حنیفه للقاری، عن البسیط'')

جبکہ ان میں سے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ فترۃ پر تھے۔

اور ان تمام حضرات نے اپنے قول کی بنیاد اس پر رکھی ہے کہ ان کو دعوت نہیں پہنچی، جیسا کہ اکثر اشاعرہ کا مذہب ہے۔ [1]

چنانچہ علامہ ابنِ عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات پر اس بات سے استدلال کا تعلق ہے کہ وہ فترۃ کے زمانے میں فوت ہو گئے، تو یہ اشاعرہ کے اس اصول پر مبنی ہے کہ جو شخص اس حالت میں فوت ہو گیا کہ اس کو دعوت نہیں پہنچی، تو وہ ناجی ہو کر فوت ہوگا، اور ماتریدیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر اتنی مدت گزرنے سے پہلے فوت ہو گیا، جس میں اس کو توحید پر تامل کرنا ممکن تھا، اور اس نے نہ ایمان کا اعتقاد رکھا، اور نہ کفر کا، تو اس پر کوئی عقاب نہیں ہوگا، بخلاف اس صورت کے جب کہ اس نے کفر کا اعتقاد رکھا، یا مذکورہ مدت

---

[1] اور یہ حضرات دعوت نہ پہنچنے والے کے معذور ہونے کے دلائل کو بار بار ذکر کر کے اس بات پر زور دیتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، بلکہ اس زمانہ کے تمام مشرکینِ مکہ وغیرہ، ناجی یا اصحابِ امتحان میں سے ہیں، لیکن ان تمام نصوص کو نظر انداز کر دیتے ہیں، جن میں اس زمانہ میں فوت ہونے والے متعدد لوگوں کے سوال کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم میں ہونے کا حکم لگایا، نیز یہ نہیں سمجھتے کہ اگر کوئی دعوت پہنچنے سے پہلے معذور ہو، تو اس سے اہلِ جاہلیت اور مشرکینِ مکہ کا ناجی ہونا کیسے لازم آتا ہے، کیونکہ اگر نصوص سے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اہلِ جاہلیت اور مشرکینِ مکہ کو دعوت پہنچ چکی تھی، تو وہ دعوت نہ پہنچنے والی نصوص کا مصداق کیسے قرار پا سکتے ہیں، یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے، کیونکہ اس میں کئی اصحابِ علم غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ محمد رضوان خان۔

حاصل ہونے کے بعد کسی چیز کا اعتقاد رکھے بغیر فوت ہوگیا، الخ‘‘ (ملاحظہ ہو’’رد المحتار علی الدر المختار‘‘)

اور ہم نے واضح دلائل کے ذریعے سے، جن کا انکار صرف معاند ہی کرسکتا ہے، یہ بات ثابت کردی ہے، کہ ان (مشرکینِ مکہ) کو دعوت پہنچ چکی تھی۔

اور ان میں سے بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ (الفقہ الاکبر کی عبارت میں) لفظِ’’الفطرۃ‘‘ سے لفظِ’’ الکفر‘‘ کی طرف تحریف ہوگئی، اور اسی طریقہ سے ان کا یہ کہنا کہ کتابت کرنے والے نے لفظِ’’ما‘‘ کو حذف کردیا، جو کہ نافیہ تھا، اور کتابت کرنے والے نے یہ گمان کیا کہ یہ زائد ہے، جیسا کہ بعض نسخوں میں دونوں متناقض قول واقع ہوئے ہیں (یہ بات درست نہیں)

کیونکہ یا تو عبارت’’علی الفطرۃ‘‘ ہوگی، جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا۔

اور’’ما‘‘ نافیہ ثابت ہوگا، جیسا کہ انہوں نے گمان کیا۔

پس ان کا دعویٰ باطل ہوجائے گا، اور ہمارا قول صحیح ہوجائے گا۔

چونکہ کلام اس طرح ہوگا کہ’’ما ماتا علی الفطرۃ‘‘ اور یا’’ما‘‘ کو حذف کرنا ہوگا، اور اصل عبارت’’علی الکفر‘‘ ہوگی۔

پس دوسرا قول اس قول کے مناقض ہوگا کہ اصل عبارت’’علی الفطرۃ‘‘ ہو اور اگر’’ما‘‘ کے حذف کا قول کیا جائے، اور اصل عبارت’’علی الفطرۃ‘‘ ہو، تو ان کا یہ قول سابقہ دونوں قولوں کے مناقض ہوگا۔

اور ان کی یہ تاویل اگر کسی چیز پر دلالت کرتی ہے، تو وہ صرف اس خبط اور تناقض پر دلالت کرتی ہے، جس میں یہ واقع ہوئے ہیں، اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان کا قول بلادلیل ہے، اور امامِ جلیل ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب سے بعید تر اور تخمین پر مبنی ہے۔

پھر اگر آپ یہ کہیں کہ دونوں قول اثبات اور نفی کے اس قابل ہیں کہ ان کو تحریف قرار دیا جائے، تو پھر وہ کون ہوگا، جو آپ کے قول کو ان کے قول پر ترجیح دے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کے قول کی کوئی دلیل ہوتی، تو اس پر غور کرنے کی ضرورت پیش آتی، لیکن ان کا دعویٰ، دلیل سے خالی ہے، لہٰذا اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

اور جہاں تک ہمارے قول کا تعلق ہے، تو وہ خصوصیت کے ساتھ صحیح احادیث سے مؤید ہے (جن میں سے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے ''مسند امام اعظم'' میں بھی مروی ہے) اور ائمہ مذکورین کے اقوال سے بھی مؤید ہے، بلکہ اس پر اجماعِ سلف بھی ہے، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے، اور ہر طرح کی خیر، سلف کی اتباع میں ہے۔

جہاں تک شیخ حمامی اور ان کی اتباع میں شیخ غاوجی رحمہما اللہ تعالیٰ کے اس قول کا تعلق ہے، جو انہوں نے ''شرح الفقہ الاکبر'' کی تحقیق کے مقدمہ میں فرمایا ہے کہ ''ملا علی قاری نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر پر فوت ہوئے'' (ملاحظہ ہو''مقدمة منح الروض الازھر للغاوجی'')

تو یہ ایسی چیز کی تصویر ہے کہ جیسا کہ یہ ملا علی قاری کا قول ہو، امام ابوحنیفہ کا قول نہ ہو (یعنی اصل کلام تو امام ابوحنیفہ کی عبارت پر چل رہا ہے، اور ملا علی قاری کے رجوع کا حکم لگایا جا رہا ہے، اگر کوئی بات امام ابوحنیفہ سے ثابت ہو، تو ملا علی قاری کے رجوع سے اس پر کیا فرق پڑتا ہے، جبکہ خود ملا علی قاری کا بھی رجوع ثابت نہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے)

پس ان دونوں حضرات پر قائل کا یہ قول منطبق ہوتا ہے کہ ''حفظت شیئا و

**غابت عنک اشیاء**"۔

اور شاعر کا یہ قول بھی منطبق ہوتا ہے کہ:

**"ما ھکذا تورد یا سعد الإبل"**

پس جب ان دونوں حضرات نے کلام کو غیر یقینی بنا دیا، تو اس نے ان کو اِدھر اُدھر کی چیزوں میں الجھا دیا، جس کی توضیح یہ ہے کہ غاوجی نے اور ان سے پہلے حمامی نے یہ نقل کیا کہ ملا علی قاری نے "**شرح الشفا**" میں یہ فرمایا ہے کہ "ابو طالب کا اسلام لانا صحیح نہیں، جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے اسلام کا تعلق ہے، تو اس میں مختلف اقوال ہیں، جن میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ دونوں اسلام لا چکے تھے، جیسا کہ اس پر امت کے جلیل القدر حضرات کا اتفاق ہے، جیسا کہ سیوطی نے اپنے تالیف شدہ تین رسائل میں اس کی وضاحت کی ہے" (ملاحظہ ہو "**شرح الشفا للملا علی القاری**")

پس ان دونوں حضرات نے یہ گمان کر لیا کہ یہ ملا علی قاری کا قول ہے، جبکہ واقعہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ ملا علی قاری نے تو "**محمد بن محمد دلجی شافعی مصری**" شارح "**الشفا**" کے قول کو نقل کیا ہے۔

چنانچہ ملا علی قاری نے فرمایا کہ "**دلجی** نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ نبوت سے پہلے کی بات ہے، تو یہ ارہاصات کے قبیل سے ہوگا، اور ابو طالب کا اسلام لانا صحیح نہیں، جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے اسلام کا تعلق ہے، تو اس میں مختلف اقوال ہیں، الخ" (ملاحظہ ہو "**شرح الشفا للملا علی القاری**")

پس غاوجی اور حمامی کو یہ وہم ہو گیا کہ یہ ملا علی قاری کا کلام ہے، حالانکہ یہ **دلجی** کا کلام ہے، لیکن اس کلام کے ان کی رائے کے موافق ہونے کی خوشی نے، کلام کے پہلے حصے سے ان کی نظر کو پھیر دیا، جس کی بنا پر انہوں نے دلجی کے کلام کو ملا علی

قاری کی طرف منسوب کردیا۔

اور ملا علی قاری نے اسی کے مثل، دوسرے مقام پر بھی کلام کیا ہے، چنانچہ ایک مقام پر فرمایا کہ ''نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے والدین کے زندہ کیے جانے کے بارے میں جو بات اہلِ علم حضرات نے ذکر کی ہے، تو اصح یہ ہے کہ یہ بات واقع ہوئی ہے، جیسا کہ جمہور ثقات کا قول ہے، سیوطی نے اپنے تالیف شدہ تین رسائل میں یہ بات کہی ہے'' (ملاحظہ ہو''**شرح الشفا للملا علی القاری، فصل فی احیاء الموتیٰ و کلامهم**'')

اور آپ کی خدمت میں وہ چیز پیش ہے، جو شور وشغب کرنے والے کے شور اور متعنّتین کے تعنت کو قطع کردیتی ہے۔

رہا پہلی عبارت کو ملا علی قاری کی طرف منسوب کرنا، تو اس کو ملا علی قاری کا کتاب کے آخر میں اپنا قول ہی باطل قرار دیتا ہے۔

چنانچہ انہوں نے عمر بن عبدالعزیز کے اس قول کے موقع پر، جب انہوں نے اپنے کاتب سے فرمایا، ''جب ان کے کاتب نے یہ کہا کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد بھی کافر تھے''

کہ تو نے اس کو مثال بنالیا؟

پھر عمر بن عبدالعزیز نے اس کاتب کو معزول کردیا، اور فرمایا کہ تو آئندہ میرے لیے کبھی کتابت مت کرنا۔ [1]

ملا علی قاری نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ''یہ ہمارے امام ابوحنیفہ کے ''**الفقه الاکبر**'' میں مذکور اس قول کے موافق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر پر فوت ہوئے، اور میں نے اس مسئلہ کے متعلق، ایک مستقل

[1] حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اصل روایت کے الفاظ باسند طریقہ پر فصل نمبر 5 میں گزر چکے ہیں، جن میں مندرجہ بالا الفاظ سے کچھ مختلف، الفاظ ہیں۔ محمد رضوان خان۔

رسالہ تحریر کیا ہے، جس میں میں نے اس کے برخلاف سیوطی کے ذکر کردہ دلائل کا جواب دیا ہے، جو انہوں نے اپنے تین رسائل میں بیان کیے ہیں'' (ملاحظہ ہو ''شرح الشفا للملا علی القاری، فصل ان لا یقصد نقصاً ولایذکر عیبا ولا سباً'')

جہاں تک دوسری عبارت کا تعلق ہے (یعنی جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کیے جانے کا ذکر ہے) تو اس کو بھی ملا علی قاری کا اپنی کتاب میں مذکور قول، باطل قرار دیتا ہے۔

چنانچہ ملا علی قاری نے فرمایا کہ سہیلی نے یہ بات ذکر کی ہے کہ ''اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ کے والدین کو زندہ کردیا، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے، پھر ان کو وفات دے دی، اسی طریقہ سے سیوطی نے ''خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم ''میں اس کو نقل کیا ہے، لیکن یہ حدیث موضوع ہے، جیسا کہ اس کی ابنِ دحیہ نے تصریح کی ہے، اور میں نے اس مسئلہ کی ایک مستقل رسالہ میں وضاحت کردی ہے'' (ملاحظہ ہو ''شرح الشفا للملا علی القاری، فصل وأما نظافۃ جسمہٖ وطیب ریحہٖ و عرقہٖ علیہ الصلاۃ والسلام'')

پس اے عقل مندو! رجوع کہاں سے ہوگیا، اور ان مذکورہ حضرات نے (جو ملا علی قاری کے رجوع کے قائل ہیں) ملا علی قاری کی طرف جو نسبت کی ہے، اگر وہ صحیح ہوتی، تو ان کے کلام میں ایسا تناقض واقع ہوجاتا کہ جس کا ایک طالبِ علم سے بھی وقوع نہیں ہوسکتا، چہ جائیکہ ملا علی قاری سے اس کا وقوع ہو، پس کیا آپ اسی طریقہ سے کتابوں کو پڑھتے ہیں، اور کیا آپ اسی طریقہ سے اونٹوں کو ہنکاتے ہیں، اور اے مکرم قاری! آپ دیکھ چکے ہیں کہ یہ (ملا علی قاری کی ''شرح

الشفا‘‘ کی عبارت سے مذکورہ مطلب سمجھنا) اس کے مشابہ ہے، جس میں سیوطی واقع ہوئے تھے، رازی کا قول نقل کرنے میں۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ [1]

اسی کے ساتھ یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ سید عمر بن عبدالعزیز کے کلام میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کفر پر فوت ہوئے، کیونکہ انہوں نے کاتب پر (کفر کا حکم لگانے کی وجہ سے) نکیر نہیں کی، البتہ اس نے اپنے کلام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے حق میں ضرب المثل بنایا، تو اس پر نکیر کی، نہ کہ اس بات پر کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کفر کی حالت میں فوت ہوئے، اسی وجہ سے عمر بن عبدالعزیز نے نہ تو اس کاتب پر حد قائم فرمائی، اور نہ ہی اس پر تعزیر کی، بلکہ اس کو اس بات سے منع کر دیا کہ وہ ان کی کتابت کرے۔

اور اس کی کون سی سزا ہو سکتی تھی، اگر یہ کاتب، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر جھوٹ باندھتا، اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، پس عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے کلام کو، ان ائمہ کے کلام کے ساتھ ملا لیا جائے گا، جن کو ہم نے نقل کیا۔ وللّٰہ تعالیٰ الحمد علی منّہٖ۔

آخر میں یہ بات بھی جان لینی چاہئے، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے کہ گزشتہ تمام تر تفصیل کا مقصد صرف دلائل کو بیان کرنا اور ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب کو ثابت کرنا ہے، جس سے بہت سے لوگ غافل ہو گئے، اور وہ ان چیزوں میں واقع ہو گئے، جن میں کہ واقع ہو گئے، پس بے شک میں اللہ کی طرف رجوع اور متوجہ ہوتے ہوئے کہتا ہوں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا معجزے کے طور پر زندہ ہو جانا ثابت ہوتا، تو ہمارے سر اور آنکھوں پر ہوتا، اور ہمارے لیے اس سے بہتر خوشی کا اور کوئی مقام نہ ہوتا، بلکہ اس مقام پر ہمارا مقصدِ انجام یہی

---

[1] یعنی جس طرح سے علامہ سیوطی کی طرف سے امام رازی کی طرف نسبت کرنے میں عظیم خطا ہوئی، اسی طرح ملا علی قاری کے قول کو سمجھنے میں بھی مذکورہ حضرات سے سخت خطا ہوئی۔ محمد رضوان خان۔

ہوتا، اللہ کی پناہ کہ ہم کسی ایسی حدیث سے کنارہ کشی اختیار کریں، جو سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوجائے، پس اس صورت میں یہ مسئلہ ماسبق کے دلائل سے خارج ہوجاتا، اور امام ابوحنیفہ کے کلام میں داخل نہ ہوتا، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کلام موت کے بعد کی حالت سے ساکت ہے۔

تنبیہ:

اے مکرم قاری! اپنے آپ کو اس بات سے بچایئے، اور اس بات سے بچایئے کہ جب اس مسئلہ کا ذکر کیا جائے، تو آپ کے دل میں کوئی کھٹک پیدا ہو، یا آپ کی زبان پر کوئی نقص والی چیز جاری ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے حق میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی عظیم الشان مقام کی وجہ سے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ادب کی وجہ سے۔

اور میں نے آپ کے سامنے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ادب بیان کر دیا، جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اختیار کیا ہے، آپ کے والدین کے حکم کے بیان کے ذیل میں۔

پس بسا اوقات شیطان آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق غیظ وغضب کی طرف جری کرسکتا ہے، جو آپ کو غیر شعوری طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں طعن کی طرف پہنچا سکتا ہے، اور اس کے نتیجے میں آپ کفر میں اور دارین کے سلسلہ میں، اللہ کے غضب میں مبتلا ہوسکتے ہیں۔ **العیاذ باللہ تعالیٰ۔**

اور اگر وہ احادیث نہ ہوتیں، جن کو سید الانام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا، اور وہ حکم نہ ہوتا، جس کا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا، تاکہ اس کے ذریعہ سے شیعہ رافضی پر تردید کی جاسکے، اور بعض اہلِ سنت کی اس سلسلہ میں لغزش کا ذکر کیا جاسکے، تو ہم اس مسئلہ سے تعرض نہ کرتے، کیونکہ اس مسئلہ کے ذکر

میں بذاتِ خود کوئی ثواب نہیں ہے، اور نہ ہی اس کے ترک میں کوئی عقاب یا عتاب ہے (البدر الانور فی شرح الفقه الاکبر)

آخری عبارت کا مطلب واضح ہے کہ یہ مسئلہ بذاتِ خود اس قابل نہ تھا کہ اس پر تفصیلی کلام کیا جائے، اور اس پر بحث ومباحثہ کیا جائے، لیکن چونکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں صحیح اور معتبر احادیث میں حکم منقول ہے، اور ان صحیح ومعتبر احادیث کے خلاف، اہلِ تشیع کی طرف سے زور وشور کے ساتھ موقف اپنایا جاتا ہے، اور غیر مستند بلکہ جھوٹے اور کذاب راویوں پر مشتمل روایات کو ترجیح دی جاتی ہے، جس سے اہلُ السنۃ والجماعۃ کے ساتھ وابستہ بعض حضرات بھی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں، اور اس سلسلہ میں اہلُ السنۃ والجماعۃ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے موقف میں خلط والتباس پیدا کیا جانے لگا، اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے صحیح و معتبر احادیث ونصوص پر مشتمل موقف پر تنقید ونکیر کی جانے لگی، جس کی وجہ سے اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

## امام طحاوی کا حوالہ

قرآن مجید کی سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيْمِ (سورة التوبة، رقم الآيات، ۱۱۲)

ترجمہ: نہیں حق حاصل ہے نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، یہ کہ وہ استغفار کریں مشرکین کے لیے، اگرچہ وہ ان کے انتہائی قریبی کیوں نہ ہوں، بعد اس کے کہ ظاہر ہو جائے ان کے لیے یہ بات کہ وہ جہنم والے ہیں (سورہ توبہ)

اس آیت میں مشرکین کے لیے استغفار سے منع کیا گیا ہے، اور مذکورہ آیت کے شانِ نزول

کے متعلق مختلف احادیث وروایات وارِد ہوئی ہیں، جن میں سے بعض احادیث وروایات کے مطابق مذکورہ آیت ''ابوطالب'' کے استغفار کی ممانعت کے متعلق نازل ہوئی، اور بعض کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے استغفار کی ممانعت کے متعلق نازل ہوئی، اور بعض کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ کے متعلق نازل ہوئی۔

اس سلسلے میں امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ (المتوفی: 321 ہجری) فرماتے ہیں کہ:

**قد يجوز أن يكون نزول ما قد تلونا بعد أن كان جميع ما ذكرنا من سبب أبي طالب، ومن سبب علي رضى الله عنه فيما كان سمعه من المستغفر لأبويه، ومن زيارة النبي صلى الله عليه وسلم قبر أمه , ومن سؤال ربه عز وجل عند ذلك الإذن له في الاستغفار لها، فكان نزول ما تلونا جوابا عن ذلك كله** (شرح مشكل الآثار للطحاوي، ج٦ ص ٢٨٥، تحت رقم الحديث ٢٤٨٧، باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الاستغفار للمشركين من نهي أو إباحة)

ترجمہ: جو آیت ہم نے تلاوت کی، اس کا نزول اُن تمام واقعات کے بعد ممکن ہے، جو ہم نے ذکر کیے، یعنی ابوطالب کے فوت ہونے کے بعد ان کے لیے استغفار کے موقع پر، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سبب سے، جب انہوں نے ایک شخص کو اپنے مشرک والدین کے لیے استغفار کرتے ہوئے سنا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنے اور رب تعالیٰ عزوجل سے اس موقع پر ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کرنے کی صورت میں، پس ان سب کے نزول کے متعلق ہمارا جواب وہی ہوگا، جو ہم نے ذکر کیا (شرح مشکل الآثار)

امام طحاوی رحمہ اللہ نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کے شانِ نزول کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے لیے استغفار کی ممانعت کے لیے بھی تسلیم کرلیا، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے بحالتِ شرک فوت ہونے کی تائید ہوتی ہے، اور بعد میں زندہ کیا جانا، کسی معتبر دلیل سے

ثابت نہیں، جیسا کہ گزرا۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں جو کچھ فرمایا، اس کی تائید بہت سے مفسرین سے ہوتی ہے، جنہوں نے اس موقع پر اپنی تفاسیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین یا والدہ کے واقعے کو بھی اس آیت کے شانِ نزول میں ذکر کیا ہے، اور انہوں نے اس موقع پر اس کی تردید نہیں کی، اس طرح کی چند تفاسیر کے حوالہ جات ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں، جن میں کئی مفسرین وہ بھی ہیں، جن کا تعلق متقدمین سے ہے۔

## ’’تفسیر مقاتل‘‘ کا حوالہ

مقاتل بن سلیمان بن بشیر ازدی بلخی (المتوفی: 150ہجری) نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا کہ:

’’نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد اپنی والدہ آمنہ بنتِ وہب بن عبد مناف کے لیے استغفار کرنا چاہا، جس کی اللہ کی طرف سے اجازت نہیں ملی، اور سورہ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی ’’مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوا أُولِيْ قُرْبٰى‘‘ [1]

## ’’معانی القرآن وإعرابه للزجاج‘‘ کا حوالہ

ابراہیم بن سری زجاج (المتوفی: 311ہجری) نے اپنی تفسیر میں سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کے

[1] ماكان للنبى والذين آمنو أن يستغفرون للمشركين إلى آخر الآية، وذلك أن النبى -صلى الله عليه وسلم -سأل بعد ما افتتح مكة :أى أبويه أحدث به عهدا؟ قيل له :أمك آمنة بنت وهب بن عبد مناف .قال :حتى أستغفر لها فقد استغفر إبراهيم لأبيه وهو مشرك .فهم النبى -صلى الله عليه وسلم -بذلك فأنزل الله -عز وجل-:
ما كان للنبى يعنى ما ينبغى للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قربى من بعد ما كانوا كافرين(تفسير مقاتل بن سليمان، ج٢،ص ١٩٩ ،سورة التوبة)

ذیل میں فرمایا کہ:

’’مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب پر ان کی وفات کے وقت اسلام پیش کیا، انہوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا، جس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے استغفار کرنے کا ارادہ کیا، تو مذکورہ آیت کے ذریعے، آپ کو ان کے لیے استغفار سے منع کر دیا گیا۔

اور یہ بھی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کیا۔

اور یہ بھی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والد کے لیے استغفار کیا۔

اور یہ بھی مروی ہے کہ مومنین نے زمانۂ جاہلیت میں فوت شدہ اپنے آباء کے محاسن کا ذکر کیا، اور انہوں نے اپنے آباء کے لیے استغفار کا سوال کیا۔

تو اللہ عزوجل نے مذکورہ آیت کے ذریعے اُن کے لیے استغفار کرنے سے منع فرمادیا‘‘۔ [1]

## ’’تفسیر بحرُ العلوم للسمرقندی‘‘ کا حوالہ

نصر بن محمد سمرقندی (المتوفٰی: 373 ہجری) نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا کہ:

---

[1] وقوله :(ماكان للنبى والذين آمنو أن يستغفرون للمشركين .ولو كانوا أولى قربى من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم )

يروى أن النبى -صلى الله عليه وسلم -عرض على عَمِّه أبى طالب الِإسْلامَ عند وَفاتِه، وذكر له وجُوبَ حَقِّه عَليه، فَأبى أبو طَالب فقال النبى -صلى الله عليه وسلم :-لأستغفرنَ لک حتى أُنْهَى عن ذلک.

ويروى أنَّه استغفر لأُمِّه، ويروى إنَّه استغفر لأبيه.

وأنَّ المؤمنين ذكروا محاسن آبائِهم فى الجاهلية وسألوا أن يستغفروا لآبائهم لما كان من محاسنَ كانت لهم، فأعلم اللَّه عزَّ وجلَّ أن ذلک لا يجوز فقال:(ماكان للنبى والذين آمنو أن يستغفرون للمشركين .ولو كانوا أولى قربى )(معانى القرآن وإعرابه للزجاج، ج۲،ص ۴۷۲،۴۷۳،سورة التوبة)

''ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشرک والدین کے لیے استغفار کا ارادہ کیا، اور مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مشرک آباء کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی، تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا، اور یہ آیت نازل فرمائی کہ ''مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى '' اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ''آمنۃ بنتِ وہب بن عبد مناف'' کی قبر پر حاضر ہو کر ان کے لیے اللہ سے استغفار کی اجازت طلب کی، جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی، اور یہ آیت نازل فرمائی ''مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى '' اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے''۔ [1]

## ''تفسیر ثعلبی'' کا حوالہ

احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی (المتوفیٰ: 427ہجری) نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا کہ:

---

[1] ويقال أراد النبى صلى الله عليه وسلم أن يستغفر لأبويه وهما مشركان، واستأذن منه المسلمون أن يستغفروا لآبائهم، فنهاهم الله تعالى عن ذلك، وقال :ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين .وروى مسروق عن عبد الله بن مسعود أنه قال :خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم وخرجنا معه، حتى انتهينا إلى قبر فجلس إليه فناجاه طويلا، ثم رفع رأسه باكيا، فبكينا لبكاء رسول الله صلى الله عليه وسلم .ثم إن النبى صلى الله عليه وسلم أقبل إلينا، فتلقاه عمر رضى الله عنه فقال :ما الذى أبكاك يا رسول الله؟ فأخذ بيد عمر وأقبل إلينا، فأتيناه فقال :أفزعكم بكائى ؟ فقلنا :نعم يا رسول الله .فقال:إن القبر الذى رأيتمونى أناجيه قبر آمنة بنت وهب بن عبد مناف، وإنى استأذنت ربى بالاستغفار لها، فلم يأذن لى، فأنزل الله تعالى ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين فأخذنى ما يأخذ الولد للوالدين من الرقة، فذلك الذى أبكانى .
وروى أبو هريرة، عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال استأذنت ربى أن أستغفر لوالدى، فلم يأذن لى واستأذنته أن أزور قبرهما، فأذن لى فنزلت هذه الآية ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين الآيةَ(تفسيربحر العلوم، ج۲، ص ۹۱، سورة التوبة)

''حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے، تو اپنی والدہ ''آمنہ بنتِ وھب'' کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے، اور اللہ سے ان کے لیے استغفار کی اجازت ملنے کی خواہش کی، جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

''مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى ''

جس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت شدت کے ساتھ رونا آیا۔

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابۂ کرام نے شرک کی حالت میں فوت شدہ لوگوں کے لیے استغفار کیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور قتادہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابۂ کرام نے اپنے آباء کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی، اور ان کے اچھے اعمال کا ذکر کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی، اور فرمایا کہ میں بھی اپنے والد کے لیے استغفار کروں گا، جس طرح سے ابراہیم نے اپنے والد کے لیے استغفار کیا تھا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

''مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى ''. [1]

---

[1] وقال أبو هريرة وبريدة :لـمـا قدم النبى صلى الله عليه وسلم مكة أتى قبر أمه آمنة فوقف عليه حتى حـميـت عـليـه الشمس رجاء أن يؤذن له فيستغفر لها فنزلت ما كان للنبى والذين آمنوا الآية، فقام وبكى وبكى من حوله فقال :إنى استأذنت ربى أن أزورها فأذن لى واستأذنته أن أستغفر لها فلم يأذن لى فزوروا القبور فإنها تذكركم الموت، فلم نر باكيا أكثر من يومئذ.

على بن أبى طلحة عن ابن عباس :كـانوا يستغفرون لأمواتهم المشركين فنزلت هذه الآية فأمسكوا عن الاستغفار فنهاهم ولم ينتهوا أن يستغفروا للأحياء حتى يموتوا.

وقال قتادة :قال رجال من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم :يا نبى الله إن من آبائنا من كان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# ’’تفسیر الماوردی‘‘ کا حوالہ

علی بن محمد بغدادی ماوردی (المتوفیٰ: 450ہجری) نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا کہ:

’’اس آیت کے سببِ نزول میں تین اقوال ہیں۔

پہلا قول ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ’’آمنة بنتِ وھب‘‘ کی قبر پر حاضر ہوکر، رب تعالیٰ سے ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی، جس کی اللہ نے اجازت عطا نہیں فرمائی، اور یہ آیت نازل فرمائی:

’’مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى‘‘

جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وجہ سے رونا آیا، جس وجہ سے ایک اولاد کو اپنی والدہ کے لیے رونا آتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں نازل ہوئی، جب انہوں نے ایک آدمی کو اپنے مشرک والدین کے لیے استغفار کرتے ہوئے سنا، اور اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا‘‘۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يحسن الجوار ويصل الأرحام ويفك العانى ويوفى بالذمم ألا نستغفر لهم؟ فقال النبى صلى الله عليه وسلم :بلى، وأنا والله لأستغفرن لأبى كما استغفر إبراهيم لأبيه ، فأنزل الله تعالى ما كان للنبى أى ما ينبغى للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين(الكشف والبيان عن تفسير القرآن، ج٦،ص١٠٠، ١٠١،سورة التوبة)

[1] قوله عز وجل:(ما كان للنبى والذينآمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قربى)اختلف فى سبب نزولها على ثلاثة أقاويل:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# "تفسیر جرجانی" کا حوالہ

عبدالقاہر جرجانی (المتوفی: 471ہجری) نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو پیش کیا ہے، اور پھر ابوطالب کے واقعہ کے ساتھ اس طرح تطبیق دی ہے کہ ممکن ہے کہ آپ ایک عرصہ تک ابوطالب کے لیے استغفار کرتے رہے ہوں کہ جب آپ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی، تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی، جس کے بعد آپ ابوطالب اور اپنی والدہ کے لیے استغفار کرنے سے رُک گئے۔

اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابۂ کرام اپنے زمانۂ جاہلیت میں فوت شدہ

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أحدها: ما روى مسروق عن ابن مسعود قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى المقابر فاتبعناه فجاء حتى جلس إلى قبر منها فناجاه طويلا ثم بكى فبكينا لبكائه , ثم قام , فقام إليه عمر بن الخطاب رضى الله عنه , فدعاه ثم دعانا فقال: (ما أبكاكم؟) قلنا: بكينا لبكائك , قال: (إن القبر الذى جلست عنده قبر آمنة وإنى استأذنت ربى فى زيارتها فأذن لى , وإنى استأذنت ربى فى الدعاء لها فلم يأذن لى , وأنزل الله على:(ما كان للنبى والذينءآمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قربى) الآية،فأخذنى ما يأخذ الولد للوالد , وكنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها فإنها تذكركم الآخرة)

والثانى: (أنها نزلت فى أبى طالب , روى سعيد بن المسيب عن أبيه قال: لما حضرت أبا طالب الوفاة دخل عليه النبى صلى الله عليه وسلم وعنده أبو جهل وعبد الله بن أبى أمية فقال صلى الله عليه وسلم:) أى عم قل لا إله إلا الله كلمة أحاج لك بها عند الله (فقال أبو جهل وعبد الله بن أمية: أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فكان آخر شيء كلمهم به أن قال: أنا على ملة عبد المطلب .فقال النبى صلى الله عليه وسلم:) لأستغفرن لك ما لم أنه عنك (فنزلت (ما كان للنبى والذينءآمنوا أن يستغفروا للمشركين)الآية .

والثالث: أنها نزلت فيما رواه أبو الخليل عن على بن أبى طالب رضى الله عنه قال: سمعت رجلا يستغفر لأبويه وهما مشركان , فقلت: تستغفر لأبويك وهما مشركان؟ قال: أو لم يستغفر إبراهيم لأبويه؟ فذكرته للنبى صلى الله عليه وسلم , فنزلت(ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين) (تفسير الماوردى، ج۲، ص ۴۰۹، ۴۱۰، سورة التوبة)

مردوں کے لیے استغفار کرتے تھے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

## ''تفسیر سمعانی'' کا حوالہ

منصور بن محمد سمعانی تمیمی حنفی شافعی (المتوفیٰ:489ہجری) نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا کہ:

''اس آیت کے سببِ نزول میں تین اقوال ہیں، پھر انہوں نے وہی تین اقوال ذکر فرمائے ہیں، جو پیچھے ''تفسیر الماوردی'' کے حوالے سے گزرے''۔ [2]

---

[1] وعن عبد الله بن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج يوما وخرجنا معه حتى انتهينا إلى المقابر فأمرنا فجلسنا، ثم تخطى القبور حتى انتهى إلى قبر فجلس إليه فناجاه طويلا، ثم ارتفع نحيب رسول الله صلى الله عليه وسلم بالبكاء فبكينا لبكائه صلى الله عليه وسلم، ثم إن النبى صلى الله عليه وسلم أقبل إلينا فتلقاه عمر فقال: ما الذى أبكاك يا رسول الله فقد أبكانا وأفزعنا؟ فأخذ رسول الله بيد عمر ثم أقبل إلينا،فقال: أفزعكم بكائى؟ فقال: نعم يا رسول الله، فقال: إن القبر الذى رأيتمونى أناجيه قبر آمنة بنت وهب وإنى استأذنت ربى فى الاستغفار لها فلم يأذن لى، وأنزل على:(ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين) الآية، فأخذنى ما يأخذ الولد للوالدين من الرقة.

قال الأمير: ويمكن الجمع بين الروايتين: كان يستغفر لأبى طالب سنين حتى زار قبر أمه يومئذ فأنزل الله الآية فانتهى عن استغفارهما.

قال ابن عباس: كانوا يستغفرون لهم حتى نزلت الآية فلما نزلت أمسكوا عن الاستغفار للأموات ولم ينههم عن الاستغفار للأحياء حتى يموتوا ثم أنزل:(وما كان استغفار إبراهيم لأبيه)الآية، استغفر له ما كان حيا فلما مات أمسك عن الاستغفار له(درج الدرر فى تفسيرِ الآيِ والسور للجرجانى، ج ا، ص ۸۰۰، ۸۰۱،سورة التوبة)

[2] قوله تعالى :(ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قربى من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم) اختلفوا فى سبب نزول هذه الآية على ثلاثة أقوال:

الأول :ما رواه سعيد بن المسيب، عن أبيه " :أن أبا طالب لما حضرته الوفاة دخل عليه النبى وعنده أبو جهل وعبد الله بن أبى أمية، فقال له النبى :أى عم (قل :لا إله إلا الله، كلمة أحاج لک بها عند الله .فقال له أبو جهل وعبد الله بن (أبى) أمية :أترغب عن ملة عبد المطلب؟) فما زالا يكلمانه حتى كان آخر كلمة قالها :على ملة عبد المطلب، فقال النبى :لأستغفرن لک ما لم أنه عنه؛ فأنزل الله تعالى هذه الآية :(ما كان للنبى . ...) إلى آخر الآية ."

والثانى :روى مسروق، عن عبد الله بن مسعود " :أن النبى خرج إلى المقابر فاتبعناه، فأتى قبرا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# ”تفسیر البغوی“ کا حوالہ

امام بغوی شافعی (المتوفیٰ:510ہجری) نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا کہ:

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کے موقع پر ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی، جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی، اور مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

اور حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے والد کے لیے اسی طرح استغفار کروں گا، جس طرح ابراہیم نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کیا تھا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

”مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْا اُولِیْ قُرْبٰی“ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقعد عنده، وناجاه طويلا، ثم بكى وبكينا لبكائه، فقلنا له :يا رسول الله من صاحب هذا القبر؟ فقال :هذه أمي آمنة بنت وهب، استأذنت ربي في زيارتها فأذن لي، ثم استأذنته في أن أستغفر لها فلم يأذن لي، قال :فأخذني عليها الشفقة ما يأخذ الولد للوالدة فبكيت، وأنزل الله تعالى هذه الآية: (ما كان للنبي) إلى آخر الآية ."

والقول الثالث :روي عن علي -رضي الله عنه " :-أنه سمع رجلا يستغفر لأبويه وهما مشركان، فقال له علي :أتستغفر للمشركين؟ فقال ذلك الرجل :قد استغفر إبراهيم لأبيه وهو مشرك، فأتي النبي وأخبره بذلك، فأنزل الله تعالى هذه الآية إلى آخرها ."(تفسير القرآن، ج٢، ص ٣٥٢، ٣٥٣، سورة التوبة)

[1] وقال أبو هريرة وبريدة :لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة أتى قبر أمه آمنة فوقف عليه حتى حميت الشمس رجاء أن يؤذن له فيستغفر لها، فنزلت :ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين الآية.

أخبرنا إسماعيل بن عبد القاهر ثنا عبد الغافر بن محمد ثنا محمد بن عيسى الجلودي ثنا إبراهيم بن محمد بن سفيان ثنا مسلم بن الحجاج ثنا أبو بكر بن أبي شيبة أنبأنا محمد بن عبيد عن يزيد بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

## ”تفسیر الکشاف“ کا حوالہ

علامہ محمود بن عمرو، جار اللہ زمخشری (المتوفیٰ: 538ہجری) نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں وہی تین قول ذکر فرمائے ہیں، جو پیچھے گزرے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے لیے استغفار کی ممانعت کے قول کو اصح قرار دیا ہے۔ [1]

## ”تفسیر ابنِ الفرس اندلسی“ کا حوالہ

ابن الفرس اندلسی (المتوفیٰ: 597ہجری) نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا کہ:

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کیسان عن أبی حازم عن أبی هریرة قال :زار النبی صلى الله علیه وسلم قبر أمه فبکی وأبکی من حوله فقال :استأذنت ربی عز وجل فی أن أستغفر لها فلم یؤذن لی واستأذنته فی أن أزور قبرها فأذن لی فزوروا القبور، فإنها تذکر الموت .

قال قتادة :قال النبی صلى الله علیه وسلم :لأستغفرن لأبی کما استغفر إبراهیم لأبیه ، فأنزل الله تعالى هذه الآیة :ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین ولو کانوا أولی قربی من بعد ما تبین لهم أنهم أصحاب الجحیم(تفسیر البغوی، ج۲،ص۳۹۴،سورة التوبة)

[1] ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین ولو کانوا أولی قربی من بعد ما تبین لهم أنهم أصحاب الجحیم.

قیل قال صلى الله علیه وسلم لعمه أبی طالب :أنت أعظم الناس علی حقا، وأحسنهم عندی یدا، فقل کلمة تجب لک بها شفاعتی، فأبی، فقال :لا أزال أستغفر لک ما لم أنه عنه ، فنزلت.

وقیل :لما افتتح مکة سأل أی أبویه أحدث به عهدا؟ فقیل :أمک آمنة، فزار قبرها بالأبواء ، ثم قام مستعبرا فقال :إنی استأذنت ربی فی زیارة قبر أمی فأذن لی، واستأذنته فی الاستغفار لها فلم یأذن لی، فنزلت .وهذا أصح لأن موت أبی طالب کان قبل الهجرة، وهذا آخر ما نزل بالمدینة .وقیل: استغفر لأبیه.

وقیل :قال المسلمون ما یمنعنا أن نستغفر لآبائنا وذوی قرابتنا وقد استغفر إبراهیم لأبیه، وهذا محمد یستغفر لعمه ما کان للنبی ما صح له الاستغفار فی حکم الله وحکمته من بعد ما تبین لهم أنهم أصحاب الجحیم لأنهم ماتوا على الشرک(الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل،ج۲،ص۳۱۵،سورة التوبة)

”ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ”آمنة بنتِ وهب“ کے لیے استغفار کی ممانعت کے موقع پر نازل ہوئی“۔ [1]

## ”تفسیر زادُ المسیر لابن الجوزی“ کا حوالہ

جمال الدین ابی الفرج عبد الرحمٰن جوزی (المتوفیٰ:597ہجری) نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کے نزول کے سبب میں چار اقوال ذکر کیے ہیں، جن میں ایک قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی والدہ کے لیے استغفار کی ممانعت کا ہے۔ [2]

---

[1] وقيل نزلت بسبب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما فتح مكة أتى قبر أمه آمنة فوقف عليها حتى استحرت عليه الشمس وجعل يرغب فى أن يؤذن له فى الاستغفار، فنزلت الآية ولم يؤذن له، فما رؤى باكيًا أكثر من يومئذ .وقيل نزلت الآية بسبب جماعة من المؤمنين قالوا استغفر لموتانا كما استغفر إبراهيم لأبيه، فنزلت الآية .وعلى هذين القولين فى السبب يترتب القول فى الآية أنها ليست ناسخة(أحكام القرآن، ج۳،ص۱۹۷، سورة التوبة)

[2] قوله تعالى :ماكان للنبى والذين آمنو أن يستغفرون للمشركين فى سبب نزولها أربعة أقوال:
أحدها :أن أبا طالب لما حضرته الوفاة، دخل عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم، وعنده أبو جهل، وعبد الله بن أبى أميّة، فقال :أى عم، قل معى :لا إله إلا الله، أحاجُّ لک بها عند الله ، فقال أبو جهل وابن أبى أمية :يا أبا طالب، أترغب عن ملة عبد المطلب؟ !فلم يزالا يكلّمانه، حتى قال آخر شيء كلمهم به :أنا على ملّة عبد المطلب .فقال النبى صلى الله عليه وسلم :لأستغفرنّ لک ما لم أنه عنک ، فنزلت ما كان للنبى والذين آمنوا الآية، ونزلت :إنک لا تهدى من أحببت، أخرجه البخارى ومسلم فى الصحيحين من حديث سعيد بن المسيب عن أبيه.
وقيل :إنه لمّا مات أبو طالب، جعل النّبىّ صلى الله عليه وسلم يستغفر له، فقال المسلمون :ما يمنعنا أن نستغفر لآبائنا ولذوى قراباتنا، وقد استغفر ابراهيم لأبيه، وهذا محمد يستغفر لعمه؟ فاستغفروا للمشركين، فنزلت هذه الآية .قال أبو الحسين بن المنادى :هذا لا يصح، إنما قال النبى صلى الله عليه وسلم لعمّه لأستغفرنّ لک ما لم أُنهَ عنک قبل أن يموت، وهو فى السياق، فأما أن يكون استغفر له بعد الموت، فلا، فانقلب ذلک على الرواة، وبقى على انقلابه.
والثانى :أنّ النبىّ صلى الله عليه وسلم مرَّ بقبر أمه آمنة، فتوضأ وصلى ركعتين، ثمّ بكى فبكى الناس لبكائه، ثم انصرف إليهم، فقالوا :ما الذى أبكاک؟ فقال :مررت بقبر أمى فصليت ركعتين، ثم استأذنت ربى أن أستغفر لها، فنُهيت، فبكيت، ثم عدت فصلّيت ركعتين، واستأذنت ربى أن أستغفر لها، فزُجرت زجراً، فأبكانى ، ثمّ دعا براحلته فركبها فما سار هنيّة، حتى قامت الناقة لثقل الوحى فنزلت :ما كان للنبى والذين آمنوا والأية التى بعدها، رواه بريدة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور آگے ابنِ جوزی کے حوالے سے ہی آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بحالتِ شرک فوت ہونے پر اجماع ہے۔

## ’’تفسیر البیضاوی‘‘ کا حوالہ

عبداللہ بن عمر بیضاوی (المتوفیٰ: 685ہجری) نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا کہ:

’’مذکورہ آیت کے متعلق ایک قول ابوطالب کی وفات کا ہے۔
اور ایک قول یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا، تو اپنی والدہ کی قبر پر حاضر ہوکر ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی، جس کی آپ کو اجازت نہیں دی گئی، اور مذکورہ آیت نازل ہوئی‘‘۔ [1]

## ’’تفسیر الخازن‘‘ کا حوالہ

ابوالحسن علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بن عمر شیحی، خازن (المتوفیٰ: 741ہجری) نے سورہ

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والثالث :أن رجلاً استغفر لأبويه، وكانا مشركين، فقال له علی بن أبی طالب :أتستغفر لهما وهما مشركان؟ فقال :أو لم يستغفر إبراهيم لأبيه؟ فذكر ذلک علیّ لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فنزلت هذه الآية والتی بعدها، رواه أبو الخليل عن علی عليه السلام.
والرابع :أن رجالا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قالوا :يا نبی الله إن من آبائنا من كان يحسن الجوار، ويصل الرحم، ويفک العانی، ويوفی بالذمم، أفلا نستغفر لهم؟ فقال :بلی، والله لأستغفرن لأبی كما استغفر إبراهيم لأبيه ، فنزلت هذه الآية، وبيَّن عذر إبراهيم، قاله قتادة(زاد المسير فی علم التفسير، ج۲، ص ۳۰۴، ۳۰۵، سورة التوبة)

[1] ما كان للنبی والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين
روی :أنه صلى الله عليه وسلم قال لأبی طالب لما حضرته الوفاة : قل كلمة أحاج لک بها عند الله فأبی فقال عليه الصلاة والسلام :لا أزال استغفر لک ما لم أنه عنه فنزلت.
وقيل لما افتتح مكة خرج إلى الأبواء فزار قبر أمه ثم قام مستعبرا فقال :إنی استأذنت رب فی زيارة قبر أمی فأذن لی واستأذنته فی الاستغفار لها فلم يأذن لی وأنزل علی الآيتين(أنوار التنزيل وأسرار التأويل، ج۳، ص ۹۹، سورة التوبة)

توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا کہ:

''حضرت ابوہریرہ اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ''آمنة بنتِ وهب'' کی قبر پر حاضر ہو کر ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی، جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

''مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى ''.

اور حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے والد کے لیے اس طرح استغفار کروں گا، جس طرح ابراہیم نے اپنے والد کے لیے استغفار کیا تھا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی''۔ [1]

---

[1] وقال أبو هريرة وبريدة لما قدم النبى صلى الله عليه وسلم مكة أتى قبر أمه آمنة فوقف حتى حميت الشمس رجاء أن يؤذن له فيستغفر لها فنزلت ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين الآية وروى الطبرى بسنده عن بريدة :أن النبى صلى الله عليه وسلم لما قدم مكة أتى رسم قال وأكثر ظنى أنه قال قبر أمه فجلس إليه فجعل يخاطب ثم قام مستعبرا فقلنا :يا رسول الله إنا رأينا ما صنعت قال إنى استأذنت ربى فى زيارة قبر أمى فأذن لى واستأذنته فى الاستغفار لها فلم يؤذن لى فما رؤى باكيا أكثر من يومئذ.

وحكى ابن الجوزى عن بريدة قال إن النبى صلى الله عليه وسلم مر بقبر أمه فتوضأ وصلى ركعتين ثم بكى فبكى الناس لبكائه ثم انصرف إليهم فقالوا :ما أبكاك؟ قال :مررت بقبر أمى فصليت ركعتين ثم استأذنت ربى أن أستغفر لها فنهيت فبكيت ثم عدت فصليت ركعتين فاستأذنت ربى أن أستغفر لها فزجرت زجرا فأبكانى ثم دعا براحلته فركبها فما سار إلا هنيهة حتى قامت الناقة لثقل الوحى فنزلت ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قربى الآية (ق) عن أبى هريرة قال زار النبى صلى الله عليه وسلم قبر أمه فبكى وأبكى من حوله فقال استأذنت ربى فى أن أستغفر لها فلم يؤذن لى واستأذنته فى أن أزور قبرها فأذن لى فزوروا القبور فإنها تذكركم الموت.

وقال قتادة قال النبى صلى الله عليه وسلم :لأستغفرن لأبى كما استغفر إبراهيم لأبيه فأنزل الله هذه الآية وروى الطبرى بسنده عنه قال :ذكر لنا أن رجالا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قالوا يا نبى الله إن من آبائنا من كان يحسن الجوار ويصل الأرحام ويفك العانى ويوفى بالذمم أفلا نستغفر لهم فقال النبى صلى الله عليه وسلم بلى والله لأستغفرن لأبى كما استغفر إبراهيم لأبيه فأنزل الله عز وجل ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين الآية ثم عذر الله إبراهيم فقال تعالى وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه الآية( تفسير الخازن ،ج۲،ص ۴۱۱،۴۱۲،سورة التوبة)

# ''تفسیر اللباب لابنِ عادل'' کا حوالہ

عمر بن علی بن عادل حنبلی دمشقی نعمانی (المتوفیٰ: 775ہجری) نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا کہ:

''ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر اپنی والدہ ''آمنة بنتِ وهب'' کی قبر پر حاضر ہو کر ان کے لیے استغفار کی اجازت کی خواہش کی، جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

''مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے''۔ [1]

# ''تفسیر نظم الدرر'' کا حوالہ

ابراہیم بن عمر بن بقاعی (المتوفیٰ: 885ہجری) نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا کہ:

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ''آمنة بنتِ وهب'' کی قبر پر حاضر ہو کر ان کے لیے

---

[1] قوله تعالى :(ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين) الآيات.

لما بين فى أول السورة إلى هذا الموضع وجوب البراءة عن المشركين، والمنافقين من جميع الوجوه، بين فى هذه الآية وجوب البراءة عن أمواتهم، وإن كانوا فى غاية القرب من الإنسان كالأب والأم، كما أوجب البراءة عن الأحياء منهم.

قال ابن عباس :لما فتح رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة، أتى قبر أمه آمنة، فوقف عليه حتى حميت الشمس، رجاء أن يؤذن له ليستغفر لها، فنزلت (ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين) وعن أبى هريرة قال :زار النبى صلى الله عليه وسلم قبر أمه فبكى وأبكى من حوله، فقال: استأذنت ربى فى أن أستغفر لها؛ فلم يؤذن لى واستأذنته فى أن أزور قبرها فأذن لى، فزوروا القبور فإنها تذكر الموت(اللباب فى علوم الكتاب، ج١٠ ،ص٢٢٠ ،سورة التوبة)

استغفار کی اجازت طلب کی، جس کی آپ کو اجازت نہیں ملی، اور یہ آیت نازل ہوئی:

”مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى “

اس حدیث کی سند ”حسن“ ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کی روایت مروی ہے“۔ [1]

## ”تفسیر السراج المنیر“ کا حوالہ

محمد بن احمد خطیب شربینی شافعی (المتوفی: 977ہجری) نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں، حضرت بریدہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما اور حضرت قتادہ کی احادیث کو

---

[1] قال الإمام أبو محمد إسحاق بن إبراهيم بن إسماعيل البستي القاضي في تفسيره: حدثنا حرملة حدثنا ابن وهب أخبرني ابن جريج عن أيوب بن هانيء عن مسروق بن الأجدع عن عبد الله مسعود رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج يوماً وخرجنا معه حتى انتهى إلى المقابر فأمرنا فجلسنا ثم تخطى القبور حتى انتهى إلى قبر منها فجلس إليه فناجاه طويلاً ثم ارتفع نحيب رسول الله صلى الله عليه وسلم باكياً فبكينا لبكاء رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثم أن النبي صلى الله عليه وسلم أقبل إلينا فتلقاه عمر بن الخطاب رضي الله عنه فقال: ما الذي أبكاك يا نبي الله فقد فقد أبكانا وأفزعنا، فأخذ بيد عمر رضي الله عنه ثم أقبل إلينا فأتيناه فقال: أفزعكم بكائي؟ قلنا: نعم يا رسول الله! قال: إن القبر الذي رأيتموني أناجي قبر آمنة بنت وهب وإني استأذنت ربي في الاستغفار لها فلم ياذن لي ونزل عليّ (ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى) حتى ختم الآية (وما كان استغفار إبراهيم لأبية إلا عن موعدة وعدها إياه) فأخذني ما يأخذ الولد من الرقة فذلك الذي أبكاني.

وهذا سند حسن، ولمسلم وأبي داود والنسائي وابن ماجه في الجنائز عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: زار النبي صلى الله عليه وسلم قبر أمه فبكى وأبكى من حوله وقال: استأذنت ربي في أن أستغفر لها فلم يأذن لي واستأذنته أن أزور قبرها فأذن لي، فزوروا القبور فإنها تذكر الموت(نظم الدرر في تناسب الآيات والسور، ج۹، ص ۳۱، ۳۲،،سورة التوبة)

نقل کیا ہے۔ [1]

## فخر الدین رازی کا حوالہ

فخر الدین رازی (المتوفیٰ: 606ہجری) نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا کہ:

''مذکورہ آیت کے سببِ نزول کی مختلف وجوہات ہیں۔

ایک وجہ وہ ہے، جو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے استغفار کی اجازت طلب کی، جس سے آپ کو منع کر دیا گیا۔

دوسری وجہ ابوطالب کے متعلق ہے، جو کہ مشہور ہے۔

تیسری وجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو اپنے مشرک والدین کے لیے استغفار کرتے ہوئے سنا تھا، جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا۔

چوتھی وجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کے زمانۂ جاہلیت میں فوت شدہ اپنے والد کے متعلق سوال کرنے کی ہے، جس کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] وقال بريدة لما قدم النبيّ صلى الله عليه وسلم مكة أتى قبر أمّه آمنة فوقف عليه حتى حميت الشمس رجاء أن يؤذن له يستغفر لها فنزل (ما كان للنبيّ)الآية، وقال أبو هريرة :زار النبيّ صلى الله عليه وسلم قبر أمّه آمنة فبكى وأبكى من حوله وقال :استأذنت ربى أن أستغفر لها فلم يأذن لى واستأذنته أن أزورها فأذن لى فزوروا القبور فإنها تذكر الموت، وقال قتادة :قال النبيّ صلى الله عليه وسلم لأستغفر لأبى كما استغفر إبراهيم لأبيه فأنزل الله تعالى هذه الآية، وقال على بن أبى طالب رضى الله عنه :سمعت رجلاً يستغفر لأبويه وهما مشركان فقلت له :تستغفر لهما وهما مشركان؟ فقال :استغفر إبراهيم عليه السلام لأبيه وهو مشرك فذكرت ذلک للنبيّ صلى الله عليه وسلم فنزلت هذه الآية(السراج المنير فى الإعانة على معرفة بعض معانى كلام ربنا الحكيم الخبير، ج ا، ص ۶۵۴، ۶۵۵، سورة التوبة)

فرمایا کہ میرا اور تمہارا اور ابراہیم کا والد جہنم میں ہے‘‘۔ [1]

مذکورہ تمام مفسرین نے سورہ توبہ کی مندرجہ بالا آیت کے ذیل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ یا والد کے لیے استغفار کی ممانعت کے شانِ نزول کے قول کو اہمیت دی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بحالتِ شرک فوت ہونے کی نہ تو نفی کی، اور نہ ہی اس موقع پر ان

---

[1] قوله تعالى (ما كان للنبى والذين آمنوا إلى قوله أنهم أصحاب الجحيم) اعلم أنه تعالى لما بين من أول هذه السورة إلى هذا الموضع وجوب إظهار البراء ة عن الكفار والمنافقين من جميع الوجوه بين فى هذه الآية أنه تجب البراء ة عن أمواتهم، وإن كانوا فى غاية القرب من الإنسان كالأب والأم، كما أوجبت البراء ة عن أحيائهم، والمقصود منه بيان وجوب مقاطعتهم على أقصى الغايات والمنع من مواصلتهم بسبب من الأسباب وفيه مسائل:

المسألة الأولى :ذكروا فى سبب نزول هذه الآية وجوها .الأول:

قال ابن عباس رضى الله عنهما :لما فتح الله تعالى مكة سأل النبى عليه الصلاة والسلام أى أبويه أحدث به عهدا قيل أمك، فذهب إلى قبرها ووقف دونه، ثم قعد عند رأسها وبكى فسأله عمر وقال :نهيتنا عن زيارة القبور والبكاء ، ثم زرت وبكيت، فقال :قد أذن لى فيه، فلما علمت ما هى فيه من عذاب الله وإنى لا أغنى عنها من الله شيئا بكيت رحمة لها.

الثانى :روى عن سعيد بن المسيب عن أبيه قال :لما حضرت أبا طالب الوفاة قال له الرسول عليه الصلاة والسلام :يا عم قل لا إله إلا الله أحاج لك بها عند الله فقال أبو جهل وعبد الله بن أبى أمية أترغب عن ملة عبد المطلب .فقال :أنا على ملة عبد المطلب فقال عليه الصلاة والسلام: لأستغفرن لك ما لم أنه عنك فنزلت هذه الآية

قوله :إنك لا تهدى من أحببت قال الواحدى :وقد استبعده الحسين بن الفضل لأن هذه السورة من آخر القرآن نزولا، ووفاة أبى طالب كانت بمكة فى أول الإسلام، وأقول هذا الاستبعاد عندى مستبعد، فأى بأس أن يقال إن النبى عليه الصلاة والسلام بقى يستغفر لأبى طالب من ذلك الوقت إلى وقت نزول هذه الآية، فإن التشديد مع الكفار إنما ظهر فى هذه السورة فلعل المؤمنين كان يجوز لهم أن يستغفروا لأبويهم من الكافرين، وكان النبى عليه الصلاة والسلام أيضا يفعل ذلك، ثم عند نزول هذه السورة منعهم الله منه، فهذا غير مستبعد فى الجملة.

الثالث :يروى عن على أنه سمع رجلا يستغفر لأبويه المشركين قال :فقلت له أتستغفر لأبويك وهما مشركان؟فقال :أليس قد استغفر إبراهيم لأبويه وهما مشركان فذكرت ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فنزلت هذه الآية.

الرابع:يروى أن رجلا أتى الرسول عليه الصلاة والسلام وقال :كان أبى فى الجاهلية يصل الرحم، ويقرى الضيف، ويمنح من ماله .وأين أبى؟ فقال :أمات مشركا؟ قال :نعم .قال :فى ضحضاح من النار، فولى الرجل يبكى فدعاه عليه الصلاة والسلام، فقال :إن أبى وأباك وأبا إبراهيم فى النار، إن أباك لم يقل يوما أعوذ بالله من النار(التفسير الكبير، ج١٦، ص١٥٧، ١٥٨، سورة التوبة)

کے فوت ہونے کے بعد دوبارہ ایمان لانے کی بحث کی۔

## فخر الدین رازی کا دوسرا حوالہ

فخر الدین رازی (المتوفیٰ: 606ہجری) اپنی تفسیر میں اہلِ تشیع کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

**”قالت الشيعة: إن أحدا من آباء الرسول عليه الصلاة والسلام وأجداده ما كان كافرا وأنكروا أن يقال إن والد إبراهيم كان كافرا وذكروا أن آزر كان عم إبراهيم عليه السلام .وما كان والدا له واحتجوا على قولهم بوجوه“الخ** (التفسير الكبير،للرازي، ج۱۳،ص ۳۲،سورة الأنعام)

”شیعہ کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد میں سے کوئی بھی کافر نہیں تھا، اور انہوں نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ ابراہیم کے والد کافر ہوں، اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ”آزر“ ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے، اور ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں تھے، اور انہوں نے چند طریقوں سے دلیل پکڑی ہے“

اس کے بعد امام رازی نے اہلِ تشیّع کے مستدلات ذکر کر کے، ان کی تردید کی ہے، چنانچہ ”شیعہ“ کے مذکورہ قول کے جواب میں فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

**وأما أصحابنا فقد زعموا أن والد رسول الله كان كافرا وذكروا أن نص الكتاب فى هذه الآية تدل على أن آزر كان كافرا وكان والد إبراهيم عليه السلام .وأيضا قوله تعالى :وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلى قوله :فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه وذلك يدل على قولنا.**

وأما قوله وتقلبك الساجدين. قلنا :قد بينا أن هذه الآية تحتمل سائر الوجوه .قوله تحمل هذه الآية على الكل، قلنا هذا محال لأن حمل اللفظ المشترك على جميع معانيه لا يجوز، وأيضا حمل اللفظ على حقيقته ومجازه معا لا يجوز.

وأما قوله عليه السلام :لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات.

فذلك محمول على أنه ما وقع في نسبه ما كان سفاحا.

أما قوله التغليظ مع الأب لا يليق بإبراهيم عليه السلام .

قلنا :لعله أصر على كفره فلأجل الإصرار استحق ذلك التغليظ .

والله أعلم(التفسير الكبير،للرازی، ج۱۳،ص ۳۳، ۳۴،سورة الأنعام)

ترجمہ: جہاں تک ہمارے اصحاب (یعنی اہلُ السنۃ) کا تعلق ہے، تو ان کا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کافر تھے، اور انہوں نے یہ بات ذکر کی ہے کہ مذکورہ آیت میں کتابُ اللہ کی نص اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ''آزر'' کافر تھے، اور وہ ابراہیم علیہ السلام کے والد تھے، نیز اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ:

''وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلى قوله :فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه''

یہ بھی ہمارے (یعنی اہلِ تشیع کے مقابلہ میں اہلُ السنۃ کے) قول پر دلالت کرتا ہے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس قول کا تعلق ہے''وتقلبك في الساجدين ''تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ہم بیان کر چکے کہ یہ آیت تمام وجوہات کا احتمال رکھتی ہے، اور یہ کہنا کہ یہ آیت ان تمام وجوہ پر محمول کی جائے گی، تو ہم اس

کے جواب میں کہیں گے کہ یہ محال ہے، کیونکہ لفظِ مشترک کا تمام معانی پر محمول کرنا جائز نہیں، نیز کسی لفظ کو اس کی حقیقت اور مجاز پر بیک وقت محمول کرنا بھی جائز نہیں۔

رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''میں برابر پاک صلبوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا'' تو یہ اس بات پر محمول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں غلط کاری کا شائبہ شامل نہیں ہوا۔

رہا یہ کہنا کہ باپ کے ساتھ اتنی شدت ابراہیم علیہ السلام کی شان کے لائق نہیں۔ تو ہم جواب میں کہیں گے کہ غالباً حضرت ابراہیم کے باپ نے کفر پر اصرار کیا تھا، پس اس اصرار کی وجہ سے وہ اس شدت کے مستحق ہو گئے، واللہ اعلم (تفسیر الرازی)

## فخر الدین رازی کا تیسرا حوالہ

اور امام رازی، سورہ شعراء کی آیت ''وتقلبک فی الساجدین'' کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

**واعلم أن الرافضة ذهبوا إلى أن آباء النبی صلى الله عليه وسلم كانوا مؤمنين وتمسكوا فی ذلک بهذه الآية وبالخبر.**

**أما هذه الآية فقالوا قوله تعالى :وتقلبک فی الساجدين يحتمل الوجوه التی ذكرتم ويحتمل أن يكون المراد أن الله تعالى نقل روحه من ساجد إلى ساجد كما نقوله نحن، وإذا احتمل كل هذه الوجوه وجب حمل الآية على الكل ضرورة أنه لا منافاة ولا رجحان.**

وأما الخبر فقوله عليه السلام :لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات.

وكل من كان كافرا فهو نجس لقوله تعالى :إنما المشركون نجس قالوا :فإن تمسكتم على فساد هذا المذهب بقوله تعالى : وإذ قال إبراهيم لأبيه آزر ،قلنا الجواب :عنه أن لفظ الأب قد يطلق على العم كما قال أبناء يعقوب له :نعبد إلهک وإله آبائک إبراهيم وإسماعيل وإسحاق ،فسموا إسماعيل أبا له مع أنه كان عما له،وقال عليه السلام :ردوا على أبي يعنى العباس، ويحتمل أيضا أن يكون متخذا لأصنام أب أمه فإن هذا قد يقال له الأب قال تعالى :ومن ذريته داود وسليمان إلى قوله :وعيسى.فجعل عيسى من ذرية إبراهيم مع أن إبراهيم كان جده من قبل الأم.

واعلم أنا نتمسک بقوله تعالى :لأبيه آزر وما ذكروه صرف للفظ عن ظاهره.

وأما حمل قوله : وتقلبک فى الساجدين على جميع الوجوه فغير جائز لما بينا أن حمل المشترک على كل معانيه غير جائز.

وأما الحديث فهو خبر واحد فلا يعارض القرآن (التفسير الكبير، ج۲۴،ص۵۳۷،سورة الشعراء )

ترجمہ: اور یہ بات جان لیجیے کہ ''رافضیہ'' اس بات کی طرف گئے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء، مومنین تھے، اوران ''رافضیہ'' نے اس سلسلے میں اسی مذکورہ آیت اور حدیث سے دلیل پکڑی ہے۔

جہاں تک اس آیت سے دلیل پکڑنے کا تعلق ہے، تو انہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ

کا یہ قول "وتقلبک فی الساجدین "اُن وجوہات کا بھی احتمال رکھتا ہے، جو تم نے ذکر کیں، اور اس بات کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ایک سجدہ کرنے والے سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف منتقل ہوتی گئی، جیسا کہ ہم (یعنی رافضیہ ) کہتے ہیں، اور جب ان تمام وجوہ کا احتمال رکھتی ہے، تو ضروری ہوا کہ اس آیت کو تمام وجوہات پر محمول کیا جائے، اس بات کی ضرورت کی وجہ سے کہ نہ تو ان وجوہات میں کوئی منافات ہے، اور نہ کوئی وجہ راجح ہے۔

جہاں تک روافض کے، حدیث سے دلیل پکڑنے کا تعلق ہے، تو وہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ "میں پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا"

اور ہر وہ شخص جو کافر ہو، تو وہ نجس ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا (سورہ توبہ میں) قول ہے "إنما المشركون نجس "رافضیہ کا کہنا یہ ہے کہ اگر تم اس مذہب پر اللہ تعالیٰ کے (سورہ انعام میں) اس قول سے دلیل پکڑو کہ "وإذ قال إبراهيم لأبيه آزر "تو ہم (یعنی رافضیہ) اس کے جواب میں کہیں گے کہ لفظ "اب" کا اطلاق بعض اوقات "چچا" پر بھی کیا جاتا ہے، جیسا کہ (سورہ بقرہ میں) یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ "نعبد إلهك وإله آبائك إبراهيم وإسماعيل وإسحاق "پس انہوں نے اسماعیل کا نام "اب" رکھا، باوجودیکہ وہ ان کے چچا تھے، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "تم میرے اوپر، میرے باپ عباس کو لوٹادو" اور یہ بھی احتمال ہے کہ بتوں کی عبادت کرنے والا ، حضرت ابراہیم کی ماں کا باپ ہو، کیونکہ اس کو بھی بعض اوقات "اب" کہہ دیا جاتا ہے، جیسا کہ (سورہ انعام میں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

''ومن ذریته داود وسلیمان الی قوله وعیسیٰ ''پس عیسیٰ علیہ السلام کو ابراہیم کی ذریت قرار دیا، باوجودیکہ ابراہیم، ماں کی طرف سے اُن کے دادا تھے۔

اور یہ بات جان لیجیے کہ (رافضیہ کے مقابلے میں) ہم (یعنی اہلُ السنۃ) اللہ تعالیٰ کے قول ''لابیہ آزر'' سے استدلال کرتے ہیں، اور رافضیہ نے جو بات ذکر کی ہے، وہ لفظ کو ظاہر سے پھیرنا ہے (جس کی کوئی دلیل نہیں)

اور جہاں تک (رافضیہ کی طرف سے) اللہ تعالیٰ کے قول ''وتقلبک فی الساجدین'' کو تمام وجوہات پر محمول کرنے کا تعلق ہے، تو یہ جائز نہیں، جیسا کہ ہم بیان کر چکے کہ مشترک کو تمام معانی پر محمول کرنا جائز نہیں۔

اور جہاں تک (رافضیہ کی طرف سے پیش کردہ) حدیث کا تعلق ہے، تو وہ خبرِ واحد ہے، جو قرآن کے مقابلے میں نہیں آ سکتی (جبکہ اس کا ایک جواب گزشتہ عبارت میں بھی گزر چکا ہے) (تفسیر الرازی)

امام فخر الدین رازی نے مذکورہ دونوں عبارات میں واضح فرما دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباواجداد اور ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کے کافر نہ ہونے کا قول اور سورہ شعراء کی آیت سے اس پر استدلال، بنیادی طور پر اہلِ تشیع کا ہے، اہلُ السنۃ والجماعۃ کا قول اس سے مختلف ہے۔

فخر الدین رازی ان مفسرین واصحابِ علم سے مقدم ہیں، جو بعد میں ہوئے، اور انہوں نے اہلِ تشیّع کے قول کو اہلُ السنۃ والجماعۃ کے اصحاب کا سمجھ کر نقل کر دیا، جیسا کہ جلال الدین سیوطی ''المتوفیٰ: 911ہجری'' نے، اور یہ سلسلہ پھر آگے چلتا رہا۔

اس سلسلہ میں فخر الدین رازی کی رائے راجح معلوم ہوتی ہے، اور اس کی تائید متعدد مفسرین سے بھی ہوتی ہے، جنہوں نے سورہ توبہ کی آیت کے شانِ نزول میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین یا والدہ کے بحالتِ شرک فوت ہونے کی وجہ سے استغفار کی ممانعت کا قول کیا

ہے، جس کی مزید توضیح آگے آتی ہے، اور پیچھے ''البدر الانور فی شرح الفقہ الاکبر'' کے حوالہ سے بھی گزر چکی ہے، جہاں یہ بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی کو، امام رازی کی مذکورہ عبارت کو سمجھنے میں عظیم خطا ہوئی ہے، جس کی بعد میں متعدد حضرات بلاتحقیق اتباع کرتے رہے، اور معاملہ الٹ پلٹ ہوکر رہ گیا۔

## ''ابو حفص عمر بن علی ابنِ عادل'' کا حوالہ

ابو حفص عمر بن علی ابنِ عادل (المتوفیٰ: 880ہجری) نے بھی اپنی ''تفسیر اللباب'' میں فخر الدین رازی والی تفصیل ذکر کی ہے۔ [1]

---

[1] فصل فی دحض شبهة للشيعة قالت الشيعة :إن أحدا من آباء الرسول وأجداده ما كان كافرا , وأنكروا كون والد إبراهيم كافرا ,وقالوا :إن آزر كان عم إبراهيم ,واحتجوا بوجوه :أحدها : قوله تعالى :(وتقلبك فی الساجدين)

قيل :معناه أنه كان ينتقل روحه من ساجد إلى ساجد فدلت الآية على أن آباء محمد -عليه السلام -كانوا مسلمين.

وحينئذ يجب القطع بأن والد إبراهيم كان مسلما.

فإن قيل :قوله :(وتقلبك فی الساجدين) يحتمل وجوها :منها :أنه لما نسخ فرض قيام الليل طاف الرسول تلك الليلة على بيوت أصحابه لينظر ماذا (يصنعون لشدة) حرصه على ما يظهر منهم من الطاعات ,فوجدها كبيوت الزنابير لكثرة ما سمع من أصوات قراء تهم وتسبيحهم وتهليلهم ,فيحتمل أن يكون المراد من تقلبه فی الساجدين طوافه فی تلك الليلة (على الساجدين) ويحتمل أن يكون المراد صلاته بالجماعة ,واختلاطع بهم حال الصلاة.

ويحتمل أن يكون المراد تقلب بصره فيمن يصلی خلفه لقوله عليه الصلاة والسلام "أتموا الركوع والسجود فإنی أراكم من وراء ظهری ."

ويحتمل أن يكون المراد أنه لا يخفی حالك على الله -تعالى -كلما أقمت وتقلبت فی الساجدين فی الاشتغال بأمور الدين.

وإذا احتمل ظاهر الآية هذه الوجوه سقط ما ذكرتم.

فالجواب :لفظ الآية يحتمل الكل ,ويحصل المقصود حينئذ ,لأن حمل ظاهر الآية على البعض ليس بأولى من البعض ومما يدل على أن أحدا من آباء محمد عليه الصلاة والسلام ما كانوا مشركين قوله عليه الصلاة والسلام " :لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات ."

وقال تعالى :(إنما المشركون نجس)فوجب القول بأن أحدا من أجداده ما كان مشركا ,فوجب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# علامہ ابنِ کثیر کا حوالہ

علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: 774 ہجری) ''السیرۃ النبویۃ'' میں فرماتے ہیں کہ:

**والمقصود أن عبد المطلب مات على ما كان عليه من دين**

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

القطع بأن والد إبراهيم كان إنسانا آخر غير آزر.

الحجة الثانية :أن إبراهيم عليه الصلاة والسلام شافهة بالغلظة والجفاء ,ومشافهة الأب بذلك لا يجوز ,أما مشافهته بالجفاء والغلظة فمن وجهين :

أحدهما :على قراء ة الضم يكون محمولا على النداء ن ونداء الأب بالاسم الأصلى من أعظم أنواع الإيذاء .

وثانهيما :إذا قلنا بأنه المعوج أو المخطء أو اسم الصنم.

فتسميته له بذلك من أعظم أنواع الإيذاء له ,وإنما قلنا :إن مشافهة الآباء بالجفاء والغلظة لا تجوز لقوله تعالى :(وقضى ربك ألا تعبدوا اا إلا إياه وبالوالدين إحسانا)وقال تعالى :(فلا تقل لهمآ أف)وهذا عام فى حق الأب الكافر والمسلم.

وأيضا فلأمره -تعالى -موسى عليه الصلاة والسلام حين بعثه إلى فرعون (بالرفق معه فقال تعالى :) (فقولا له قولا لينا)وذلك لرعاية حق تربية فرعون لموسى فالوالد أولى بالرفق.

وأيضا فالدعوة مع الرفق أكثر تأثيرا فى القلب ,وأما التغليظ فإنه يوجب التنفير والبعد عن القبول ؛ قال تعالى لمحمد عليه الصلاة والسلام (وجادلهم بالتى هى أحسن)فكيف يليق بإبراهيم مثل هذه الخشونة مع أبيه.

وأيضا قال تعالى :(إن إبراهيم لحليم أواه منيب)فكيف يليق بالرجل الحليم مثل هذا الجفاء مع الأب.

الحجة الثالثة :قوله عليه الصلاة والسلام " :ردوا على أبى العباس "يعنى عمه.

الحجة الرابعة :يحتمل أن آزر كان والد أم إبراهيم وقد يقال له :الأب ؛ قال تعالى :(ومن ذريته داوود وسليمان)إلى قوله :(وعيسى)فجعل عيسى من ذرية إبراهيم ,مع أن إبراهيم كان جد عيسى من قبل الأم.

وقال عليه الصلاة والسلام فى حق الحسن "إن ابنى هذا "فثبت بهذه الوجوه ان "آزر "ما كان والد إبراهيم.

والجواب عن الأول أن نص الكتاب يدل على أن آزر كان كافرا وأنه والد إبراهيم ,وقال تعالى : (وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدهآ إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه).

وأما قوله :(وتقلبك فى الساجدين)فقد تقدم أنه يحتمل وجوها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

**الـجـاهـلية خـلافـا لـفـرقة الشيعة فيه وفى ابنه أبى طالب.عـلى ما سيأتى فى وفاة أبى طالب** (السيرة النبوية لابنِ كثير،ج ا ص ۲۳۸، ذكر رضاعه عليه الصلاة والسلام من حليمة بنت أبى ذؤيب السعدية)

ترجمہ: اور مقصود یہ ہے کہ ''عبدالمطلب'' جاہلیت کے دین پر فوت ہوئے ''عبدالمطلب'' کے متعلق شیعوں کے ایک فرقے کا اختلاف ہے، اور ان کے بیٹے ''ابوطالب'' کے متعلق بھی شیعوں کے اس فرقے کا اختلاف ہے، جیسا کہ ''ابوطالب'' کی وفات کے بیان میں اس کا ذکر آتا ہے (السيرة النبوية)

علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: 774ہجری) ''السيرة النبوية'' میں مزید فرماتے ہیں کہ:

**وقـد استـدل بـعض من ذهب من الشيعة وغيرهم من الغلاة إلى أن أبا طالب مات مسلما بقول العباس [فى] هذا الحديث، يا بن أخى لقد قال أخى الكلمة التى أمرته أن يقولها.يعنى لا إله إلا الله.**

**والـجـواب عـن هذا من وجوه: أحـدها: أن فـى الـسـنـد مبهما لا يـعـرف حاله وهو قوله "عـن بعض أهله "وهـذا إبهام فى الاسم والحال** (السيـرة النبوية لابنِ كثير، ج۲ص ۱۲۵، ذكر عزم الصديق على الهجرة إلى أرض الحبشة)

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقولهم " :وتـحـمل الآية على الكل "فنقول :هـذا مـحـال ؛ لأن حـمل اللفظ المشترک على جيمع معانيه لا يجوز ,وأيضا حمل اللفظ على حقييقته ومجازه معا لا يجوز ,وأما قوله عليه الصلاة والسلام " :لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات 234."

فـذلک محمول عل أنه (ما وقع فى نسبه) مـا كان سفاحا ,كـما ورد فى حديث آخر "ولدت من نكاح لا من سفاح ."

وأما قوله :التـغـليـظ مع الأب لا يليق بإبراهيم قلت :إنـمـا أغلظ عليه لأجل إصراره على الكفر , وإلا فهو أول ما رفق به فى المخاطبة ,كما ذكر فى سورة "مريم "(يا أبت إنى قد جآء نى)(يا أبت لا تـعـبـد الشيـطـان)(إنى أخاف أن يمسک عذاب من الرحـمـان)وهذا غاية اللطف والرفق ,فحين أصـر على كفره استحق التغليظ ,وقال :(يـا إبـراهيـم لئن لم تنته لأرجمنک)(تفسير اللباب لابن عادل،لأبى حفص عمر بن على ابن عادل الدمشقى الحنبلى ،ج۸ص ۲۳۳ الىٰ ۲۳۵،سورة الأنعام)

ترجمہ: اور بعض شیعہ اور دوسرے ان غالی لوگوں نے، جو اس طرف گئے ہیں کہ ابو طالب مسلمان ہو کر فوت ہوئے، اس حدیث میں حضرت عباس کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ ''اے میرے بھائی کے بیٹے'' میرے بھائی نے ایک کلمہ ایسا کہا تھا، جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم دیا تھا، یعنی ''لا الٰہ الا اللہ''

لیکن اس کے کئی جواب ہیں، ایک تو یہ ہے کہ اس کی سند ''مبہم'' ہے، اس کا حال معلوم نہیں، اور وہ راوی کا یہ قول ہے کہ ''عن بعض أهله'' اور یہ ''نام'' اور ''حال'' دونوں کا ابہام ہے (السيرة النبوية)

''تفسیر الکبیر'' اور ''تفسیر اللباب'' اور علامہ ابنِ کثیر کی ''السیرۃ النبویۃ'' میں اہلِ تشیع کی طرف جو قول منسوب کیا گیا ہے، اہلِ تشیع کی بعض کتب سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ اہلِ تشیع کی کتاب ''مفتاح الفلاح'' میں ہے:

**قال اصحابنا: إن المراد عمه وهو آزر، والعم يسمى أبا، والا فالانبياء عليهم السلام عندنا منزهون عن وصمة الكفر فى آبائهم عليهم السلام** (مفتاح الفلاح فى عمل اليوم والليلة، تاليف: شيخ بهاؤ الدين محمد بن حسين الحارثى، ص ۱۲۴، ۱۲۵، مطبوعة: مؤسسة النشر الاسلامى، الطبعة الرابعة: 1432هـ)

ترجمہ: ہمارے اصحاب کا قول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ''أب'' سے مراد آپ کے ''چچا'' ہیں، اور وہ ''آزر'' ہیں، اور چچا کا نام بھی ''أب'' رکھا جاتا ہے، ورنہ ہمارے نزدیک تمام انبیاء علیہم السلام، اپنے آباء علیہم السلام سمیت کفر کی گندگی سے پاک ہیں (مفتاح الفلاح)

اور مذکورہ عبارت کی تشریح میں ہے کہ:

وانـمـا صـرنا الى ذلک لاجماعنا على أن آباء نبينا الى آدم كلهم مسـلـمـون مـوحـدون، لـقـولـه: لـم يزل ينقلنى الله من اصلاب الـطـاهـرين الى ارحام المطهرات حتى اخرجنى فى عالمكم هذا. والـكـافـر غيـر مـوصـوف بالطهارة، لقوله تعالى"انما المشركون نـجـس"(......وبـعـد اسـطـر......) وذهب ابو الصلاح الى ان آباء الانبيـاء كـلهم يجب ان يكونوا على التوحيد والاسلام، ولم يفرق بين نبينا وغيره فى وجوب تنزيه آبائه عن الشرک بالله .

ويـؤيـده قول صلى الله عليه وآله فى حديث جابر بن عبدالله "ان الانبيـاء والاوصياء مخلوقون من نور عظمة الله جل ثناؤه ،ويودع الـلـه انـوارهـم اصـلابـاً طيبة وارحاماً طاهرة ، يحفظها بملائكته ، ويربيها بحكمته ، ويغذوها بعلمه،الحديث"

وهـو كـما يدل على اسلام الانبياء وتوحيدهم، كذلک يدل على اسـلام الاوصيـاء وتوحيدهم ، وظاهر شيخنا قدس سرهٗ انه يذهب مـذهـب ابـى الـصـلاح ولكن قوله عندنا يدل على ان ذلک ايضاً اجـمـاعـى وليس كذلک (تعليق مفتاح الفلاح فى عمل اليوم والليلة، ص ۱۲۵، ۱۲۶، مطبوعة: مؤسسة النشر الاسلامى، الطبعة الرابعة:1432هـ)

ترجمہ: اور ہم اس طرف (یعنی ''آزر'' کو ابراہیم علیہ السلام کا ''چچا'' قرار دینے کی طرف) اس لیے متوجہ ہوئے کیونکہ ہمارا اس بات پر اجماع ہے کہ ہمارے نبی کے آباء، آدم علیہ السلام تک تمام کے تمام مسلم موحد تھے، نبی علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے کہ ''مجھے اللہ، برابر پاکیزہ صلبوں سے، پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا، یہاں تک کہ میں تمہارے اس زمانے میں برآمد ہوا'' اور کافر کو طہارت

کے ساتھ متصف نہیں کیا جاتا، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ ''انـــمـــا المشر کون نجس''

(......اور چند سطور کے بعد ہے کہ......) اور ابوالصلاح اس طرف گئے ہیں کہ تمام انبیاء کے آباء کا توحید اور اسلام پر ہونا واجب ہے، ابوالصلاح نے ہمارے نبی اور دوسرے نبی کے آباء کو شرک باللہ سے پاک قرار دینے کے وجوب میں فرق نہیں کیا۔ جس کی تائید نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جابر بن عبداللہ کی حدیث میں اس قول سے ہوتی ہے کہ ''انبیاء اور اوصیاء، اللہ جل ثناؤہ کے نورِ عظمت سے پیدا کیے جاتے ہیں، اور اللہ ان کے انوار کو پاکیزہ صلبوں اور پاکیزہ رحموں میں ودیعت فرماتا ہے، جن کی ملائکہ کے ذریعہ حفاظت کرتا ہے، اور ان کی اپنی حکمت سے تربیت کرتا ہے، اور اپنے علم کے ذریعے غذا فراہم کرتا ہے، الحدیث''

اور یہ قول جس طرح انبیاء کے آباء کے اسلام اور ان کی توحید پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح سے اوصیاء کے آباء کے اسلام اور ان کی توحید پر بھی دلالت کرتا ہے، اور ہمارے شیخ قدس سرہٗ، بظاہر ابوالصلاح کے مذہب کی طرف گئے ہیں، لیکن ان کا ''عندنا'' کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ مسئلہ بھی اجماعی ہے، حالانکہ یہ مسئلہ ہمارے نزدیک اجماعی نہیں ہے (مفتاح الفلاح)

اہلِ تشیع کی مذکورہ عبارت سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام تک، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد کے موحد ہونے کے قائل ہیں، اور اس کی دلیل میں وہی حدیث پیش کرتے ہیں، جس کا امام فخر الدین رازی نے اہلِ تشیع کے حوالے سے ذکر فرمایا ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ بعض اہلِ تشیع کے نزدیک تمام انبیاء علیہم السلام کے آباء واجداد موحد و مسلم ہیں۔

اوراسی بنیاد پر وہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کو مشرک قرار نہیں دیتے، اور ''آزر'' سے، ابراہیم علیہ السلام کے ''چچا'' کو مراد لیتے ہیں۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ بعض اہلِ تشیع کے نزدیک انبیاء کی طرح ''اوصیاء'' کے تمام آباء واجداد بھی موحد و مسلم ہیں۔

اور اہلِ تشیع، چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''اوصیاء'' میں داخل مانتے ہیں، اس لیے وہ ان کے تمام آباء واجداد کے موحد و مسلم ہونے کے قائل ہیں، جن میں ابوطالب اور عبدالمطلب وغیرہ بھی داخل ہیں۔

اور اسی لیے وہ ابوطالب کے ایمان پر بھی زور دیتے ہیں، جس سے بعض سادہ لوح سنی بھی متاثر ہو کر اس قول کو نقل کر دیتے ہیں۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ اہلِ تشیع کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کے متعلق ''اوصیاء'' ہونے کی بعض احادیث کو گھڑا گیا ہے، جن کی رو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا براہِ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہونا لازم آتا ہے۔ [1]

---

[1] قال محمد طاهر الفتنی:

قال جبريل يا محمد إن رب العزة يقرئک السلام ويقول إنه لما أخذ الميثاق من النبيين أخذ ميثاقک وأنت فی صلب آدم فجعلک سيد الأنبياء وجعل وصيک سيد الأوصياء علی بن أبی طالب قال الدارقطنی موضوع (تذکرة الموضوعات، ص ۹۸، باب فضل صحابته وأهل بيته وأويس ورد الشمس علی علی رضی الله عنه وعذاب قاتل الحسين وتاريخ قتله)

وقال ابوحذيفة نبيل بن منصور البصارة الکويتی:

"أنا خاتم النبيين، وعلیّ خاتم الأوصياء"

قال الحافظ: ومن طريق عبد الله بن السائب عن أبی ذر رفعه: فذکره، أورده ابن الجوزی فی "الموضوعات" "موضوع.

أخرجه الجورقانی فی "الأباطيل (262) "وابن الجوزی فی "الموضوعات "(1/ 377)من طريق الحسن بن محمَّد الخلال ثنا الحسن بن أحمد بن حرب ثنا الحسن بن محمَّد بن يحيی العلوی ثنا محمَّد بن إسحاق القرشی ثنا إبراهيم بن عبد الله ثنا عبد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مستند احادیث سے اس طرح کا ثبوت نہیں ملتا۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾الرزاق أنبا مَعْمَر عن محمَّد عن عبد الله بن الصامت عن أبی ذر مرفوعا "أنا خاتم النبيين، كذلک عليّ وذريته يختمون الأولياء إلى يوم القيامة."

قال ابن الجوزی: هذا حديث موضوع انفرد به الحسن بن محمَّد العلوی .قال الحفاظ: كان رافضيا.

وفيه إبراهيم بن عبد الله .قال ابن حبان: كان يسرق الحديث ويروی عن الثقات ما ليس من أحاديثهم واستحق الترک"

وقال الجورقانی: هذا حديث منكر، لا أعلم رواه سوی الحسن بن محمَّد العلوی .وهو منكر الحديث، وكان يميل إلى الرفض"

قلت: ما نقله ابن الجوزی عن ابن حبان فی إبراهيم بن عبد الله إنما هو فی ابن خالد المِصيصی.

وأما إبراهيم بن عبد الله الذی يروی عن عبد الرزاق فقد قال فيه ابن حبان: يروی عن عبد الرزاق المقلوبات الكثيرة التی لا يجوز الاحتجاج لمن يرويها لكثرتها.

وقال الدارقطنی: كذاب.

والحسن بن محمَّد العلوی ذكره الذهبی فی الميزان واتهمه بالكذب(انيس السارى تخريج احاديث فتح البارى، ج٢ص١٠٤٨، ١٠٤٩، تحت رقم الحديث٧٣٥، حرف الهمزة)

وقال ابن حجر:

أخبرنی سعيد بن المسيب فی رجال أهل العلم قد تقدم منهم عروة بن الزبير وكأن عائشة أشارت إلى ما أشاعته الرافضة أن النبی صلى الله عليه وسلم أوصى إلى علی بالخلافة وأن يوفی ديونه وقد أخرج العقيلی وغيره فی الضعفاء فی ترجمة حكيم بن جبير من طريق عبد العزيز بن مروان عن أبی هريرة عن سلمان أنه قال قلت يا رسول الله إن الله لم يبعث نبيا إلا بين له من يلی بعده فهل بين لک قال نعم علی بن أبی طالب ومن طريق جرير بن عبد الحميد عن أشياخ من قومه عن سلمان قلت يا رسول الله من وصيک قال وصيی وموضع سری وخليفتی على أهلی وخير من أخلفه بعدی علی بن أبی طالب ومن طريق أبی ربيعة الإيادی عن بن بريدة عن أبيه رفعه لكل نبی وصی وإن عليا وصيی وولدی ومن طريق عبد الله بن السائب عن أبی ذر رفعه أنا خاتم النبيين وعلی خاتم الأوصياء أوردها وغيرها بن الجوزی فی الموضوعات(فتح البارى لابنِ حجر، ج٨ص١٥٠، قوله باب آخر ما تكلم به النبی صلى الله عليه وسلم)

؎ وهذا الحديث الثابت فی الصحيحين وغيرهما عن علی رضی الله عنه يرد على فرقة الرافضة فی زعمهم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أوصى إليه بالخلافة، ولو كان الأمر كما زعموا لما رد ذلک أحد من الصحابة فإنهم كانوا أطوع لله ولرسوله فی حياته وبعد وفاته من أن يفتاتوا عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اہلِ تشیع کی مذکورہ عبارت سے امام فخر الدین رازی، ابنِ عادل اور ابنِ کثیر کے قول کی صد فیصد تائید ہوتی ہے، اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے ''روح المعانی'' میں جو اس موقع پر امام فخر الدین رازی کی طرف ''قلتِ تتبع'' کی نسبت فرمائی ہے، اس کی طرف ہمارا رجحان نہیں ہوسکا۔ [1]

## ابراہیم بن محمد حلبی کے رسالہ کا حوالہ

ملا علی قاری کے دور سے پہلے، علامہ ابراہیم بن محمد حلبی (المتوفیٰ: 945ہجری) جو سلطان محمد فاتح کی قسطنطنیہ کی جامع مسجد میں امام وخطیب تھے، اور فقہ حنفی میں امتیازی مقام رکھتے تھے، فقہ حنفی میں ان کی ایک کتاب ''ملتقی الابحر'' اور دوسری کتاب ''شرح منیة المصلی'' ہے، جس کا نام ''المتملی فی شرح منیة المصلی'' ہے، اس کے علاوہ بھی ان کی تالیفات ہیں، انہوں نے ایک رسالہ ''رسالة فی حق ابوی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام سے تالیف کیا ہے۔

یہ رسالہ نایاب ہونے کی وجہ سے موجودہ دور کے بہت سے اہلِ علم حضرات کی نظروں سے اوجھل ہے، ہم نے جدوجہد کر کے اس رسالہ کو ''مصر'' کے مطبوعہ نسخہ کی شکل میں حاصل کیا۔

یہ پورا رسالہ ذیل میں ترجمہ سمیت ذکر کیا جاتا ہے، جس کے حواشی بندہ محمد رضوان نے درج کیے ہیں۔

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فيقدموا غير من قدمه ويؤخروا من قدمه بنصه، حاشا وكلا ولم؟ ومن ظن بالصحابة رضوان الله عليهم ذلک فقد نسبهم بأجمعهم إلى الفجور والتواطؤ على معاندة الرسول صلى الله عليه وسلم ومضادته فى حكمه ونصه، ومن وصل من الناس إلى هذا المقام فقد خلع ربقة الإسلام وكفر بإجماع الأئمة الأعلام، وكان إراقة دمه أحل من إراقة المدام(السيرة النبوية لابنِ كثير، ج۴ص ۵۰۰، ذكر اعتراف سعد بن عبادة بصحة ما قاله الصديق يوم السقيفة)

[1] والقول بأن ذلک قول الشيعة كما ادعاه الإمام الرازى ناشىء من قلة التتبع، وأكثر هؤلاء على أن آزر اسم لعم إبراهيم عليه السلام(تفسير روح المعانى، ج۴ص ۱۸۴، سورة الانعام)

علامہ حلبی کے اس رسالے کا مکمل متن مندرجہ ذیل ہے:

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله الذى اظهر بقدرته عجائب الاشياء ، و قدر بحكمته ما تعجز عن ادراكه عقول العقلاء .

اخرج (من بين فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربين ) (سورة النحل ، رقم الأية : ٦٦ )

( يخرج الحى من الميت ويخرج الميت من الحى) (سورة الروم ، رقم الأية : ١٩ ) عبرة للناظرين .

والصلاة والسلام على سيدنا محمد سيد الاولين والآخرين وعلى آله واصحابه والتابعين لهم باحسان الى يوم الدين ، وبعد :

فقد بلغنى ان بعض الناس ابتدع قولا خالف فيه : الكتاب وا لسنة واجماع الامة بان زعم أن آباء النبى صلى الله عليه وسلم وأجداده الى آدم ليس فيهم كافر و أنه يشنع على من اعتقد خلاف ذالك ، ويقول : ان من اعتقد خلافه يستوجب ضرب العنق ، وأن آباء النبى وأجداده أفضل من أبى بكر و عمر !

أما مخالفته للكتاب :

فان القرآن ناطق بأن أبا ابراهيم الخليل كان مشركا فى عدة مواضع .

الاول : قوله تعالىٰ : (وإذ قال إبراهيم لأبيه آزر أتتخذ أصناما آلهة) (الأنعام : ٧٤) .

جمهور المفسرين ، على أن المراد بآزر : أبوه ، على أنه اسمه أو

لقبه ، ولا عبرة بمن خالفهم ، لأنه يصرف نظم القرآن عن وجهه بلا دليل .

والثانى : قوله تعالىٰ : (وما كان إستغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه ) (التوبة : ١١٤ ).

وفى مريم خمسة مواضع :

قوله تعالىٰ :( إذ قال لأبيه ياأبت لم تعبد ما لا يسمع ولا يبصر ولا يغنى عنک شيئا .ياأبت إنى قد جائنى من العلم ما لم يأتک فاتبعنى أهدک صراطا سويا .ياأبت لا تعبد الشيطان إن الشيطان كان للرحمن عصيا .ياأبت إنى أخاف أن يمسک عذاب من الرحمن فتكون للشيطان وليا)( مريم : ٤٢ـ ٤٥ ) .

و ثامنها : قوله تعالىٰ : ( إذ قال لأبيه وقومه ما هذه التماثيل التى أنتم لها عاكفون) ( الأنبياء : ٥٢ ) .

وتاسعها وعاشرها : قوله تعالىٰ : ( إذ قال لأبيه وقومه ما تعبدون.قالوا نعبد أصناما فنظل لها عاكفين) ( الشعراء : ٧٠ـ ٧١ )

وقوله: (واغفر لأبى إنه كان من الضالين) ( الشعراء : ٧٦ ) .

وحادى عشر : قوله تعالىٰ : ( إذ قال لأبيه وقومه ماذا تعبدون . أئفكا آلهة دون الله تريدون ) ( الصافات : ٨٥ـ ٨٦ ).

وثانى عشر : قوله تعالىٰ : (وإذ قال إبراهيم لأبيه وقومه إننى براء مما تعبدون.إلا الذى فطرنى فإنه سيهدين ( الزخرف : ٢٦ـ ٢٧ ).

والقول بأن المراد بالأب فى هذه المواضع كلها : العم والمربى لا يقوله عاقل ، اذ ليس فى لغة العرب فضلا عن أفصح الكلام

الذی أنزل للبیان : اطلاق لفظ الأب وارادة العم فی غیر قرینة !
بل لم یرد فی القرآن ولا فی السنة مفردا ، وانما ورد فی ضمن الجمع بطریق التغلیب بالقرینة الواضحة فی موضع واحد :
قوله تعالیٰ : ﴿ قالوا نعبد إلهک وإله آبائک إبراهیم وإسماعیل وإسحاق ﴾ (البقرة : ۱۳۳) .

وأما السنة :

فمنها ما فی الصحیح ، من حدیث أبی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه قال : یلقی إبراهیم أباه آزر یوم القیامة، وعلی وجه آزر قترة وغبرة، فیقول له إبراهیم: ألم أقل لک لا تعصنی، فیقول أبوه: فالیوم لا أعصیک، فیقول إبراهیم: یا رب إنک وعدتنی أن لا تخزینی یوم یبعثون، فأی خزی أخزی من أبی الأبعد؟ فیقول الله تعالی: " إنی حرمت الجنة علی الکافرین، ثم یقال: یا إبراهیم، ما تحت رجلیک؟ فینظر، فإذا هو بذیخ ملتطخ، فیؤخذ بقوائمه فیلقی فی النار .

ومنها ما فی الصحیح من حدیث أنس : أن النبی صل الله علیه وسلم سأله رجل : أین أبی ؟ فقال : فی النار.

فلما ولی ، دعاه ،فقال : ان أبی و أباک فی النار .

ومنها ما فی الصحیح عن سعید بن المسیب ، عن أبیه ، أنه قال : لما حضرت أبا طالب الوفاة جاء ہ رسول الله صلی الله علیه وسلم، فوجد عنده أبا جهل بن هشام، وعبد الله بن أبی أمیة بن المغیرة، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لأبی طالب: " یا

عم، قل: لا إله إلا الله، كلمة أشهد لک بها عند الله "فقال أبو جهل، وعبد الله بن أبی أمية: يا أبا طالب أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فلم يزل رسول الله صلى الله عليه وسلم يعرضها عليه، ويعودان بتلک المقالة حتى قال أبو طالب آخر ما كلمهم: هو على ملة عبد المطلب، وأبى أن يقول: لا إله إلا الله.... الحديث.

وأما الاجماع : فغير خفى أن الأمة مجمعون من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم الى يومنا هذا على كفر قصى فمن بعده ، و أن أبوى النبى صلى الله عليه وسلم ماتا على الكفر .

وانما ذكر البعض أنهما أحييا بعد الموت ، فآمنا كرامة لرسول الله صلى الله عليه وسلم ، والله أعلم بصحة ذالک .

وسند الاجماع ما تقدم من الأحاديث ، وما أجمع عليه المؤرخون والمفسرون أن قصيا سمى أحد أولاده بعبد العزى ، وأحدهم بعبد مناف . والعزى ومناف اسما صنمين .

وكذالک فعل عبد المطلب ، فانه سمى أحد بنيه ، وهو أبو لهب بعبد العزى ، وأحدهم وهو أبو طالب بعبد مناف .

وسكوته صلى الله عليه وسلم عند قول أبى جهل و صاحبه : أترغب عن ملة عبد المطلب ، أظهر دليل على أن ملة عبد المطلب منافية لقول : لا اله الا الله ، اذ لو كان عبد المطلب مسلما لأخبر عنه بذالک ، خصوصا فى مثل هذا المحل .

وأيضا : لو كان مسلما لما كان أولاده كفارا ، اذ المسلم الذى يخفى ايمانه لا يخفيه عن أولاده ، بل يجهد فى ايمانهم .

ولو كان كذالك ، لبادروا ، الى الايمان بأول دعوة النبى صلى الله عليه وسلم ، ولما تأخر حمزة ، والعباس ، وأصر أبو لهب ، وأبو طالب.

وبالجملة : لو كان أبوه صلى الله عليه وسلم أو جده مسلما ، لوجب أن يخبر بذالك ، لأنه لا يجوز السكوت فى مثله .

الا ترى الى ما ورد عنه صلى الله عليه وسلم فى حق الياس أبى مدركة فى قوله" لا تسبو الياس، فانه كان مؤمنا" [1]

وكذلك قال صلى الله عليه وسلم "لاتسبوا مضر ولا ربيعة ، فانهما كانا مؤمنين" [2]

---

[1] قلت لم اجد هٰذاالحديث. محمد رضوان خان.

[2] حدثنا عبد الله قال :حدثنى أبى، قثنا عبد الله بن يزيد قثنا سعيد، يعنى :ابن أبى أيوب قال :حدثنى عبد الله بن خالد، عن عبد الله بن الحارث بن هشام المخزومى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :لا تسبوا مضر فإنه كان على دين إبراهيم، وإن أول من غير دين إبراهيم لعمرو بن لحى بن قمعة بن خندف، وقال :رأيته يجر قصبه فى النار(فضائل الصحابة،لأحمد بن محمد بن حنبل،رقم الحديث ١٥٢٣ ، مطبوعة : جامعة ام القرىٰ ، السعودية ، الطبعة الاولى : ١٩٨٣ ء ١٤٠٣ هـ)

أخبرنا عبد الباقى بن الحسين بن إبراهيم أبو الحسين النجاد المعروف أبوه بكتيلة بقرائتى عليه ببغداد أبنا أبو جعفر محمد بن أحمد بن محمد بن عمر بن المسلمة الرفيلى قرائة عليه أبنا أبو طاهر محمد بن عبد الرحمن بن العباس بن عبد الرحمن المخلص أبنا أبو عبد الله أحمد بن سليمان بن داود بن محمد الطوسى قال حدثنى الزبير بن أبى بكر بن عبد الله بن مصعب بن ثابت بن عبد الله بن الزبير حدثنى أبو المكرم عقبة بن المكرم الضبى قال حدثنى محمد بن زياد عن ميمون بن مهران عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تسبوا مضر وربيعة فإنهما كانا مسلمين ولا تسبوا قيسا فإنه كان مسلما. محمد بن زياد الميمونى ضعيف جدا (معجم الشيوخ، لابن عساكر، ج ا ص ا ٥٠، رقم الحديث ٦١٢، حرف العين، ذكر من اسمه عبد الباقى)

قال نبيل بن منصور بن يعقوب بن سلطان البصارة الكويتى:

"لا تسبوا مضر فإنّه كان قد أسلم"

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

واما قوله صلى الله عليه وسلم "بعثت فى خير قرون بنى آدم قرنا فقرنا ، حتى كنت فى القرن الذى كنت منه" [1]

وقوله صلى الله عليه وسلم "ان الله خلق الخلق فجعلنى فى خير قرن ، ثم تخير القبائل، فجعلنى فى خير قبيلة ، ثم تخير البيوت فجعلنى فى خير بيوتهم ، فانا خيرهم نفسا وخيرهما بيتا" [2]

وقوله صلى الله عليه وسلم "ان الله اصطفى من ولد ابراهيم: اسماعيل، واصطفى من ولد اسماعيل: بنى كنانة، واصطفىٰ من بنى كنانة: قريشا، واصطفىٰ من قريش: بنى هاشم،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الحافظ: ولابن سعد من مرسل عبد الله بن خالد رفعه: فذكره " ضعيف.

أخرجه ابن سعد (58 /1)عن خالد بن خداش البصرى أنا عبد الله بن وهب أنى سعيد بن أبى أيوب عن عبد الله بن خالد به مرفوعا.

وإسناده معضل لأنّ عبد الله بن خالد الوابصى من أتباع التابعين.

لا تسبوا مضر ولا ربيعة فإنّهما كانا مسلمين"

قال الحافظ: وروى الزبير بن بكار من وجه آخر مرفوعا: فذكره، وله شاهد عند ابن حبيب من مرسل سعيد بن المسيب (انيس السارى تخريج احاديث فتح البارى، ج۹ص۶۱۲۲، رقم الحديث ۴۳۰۲، ۴۳۰۳، حرف اللام الالف)

[1] عن أبى هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :بعثت فى خير قرون بنى آدم قرنا فقرنا، حتى كنت من القرن الذى كنت فيه (مسند أحمد ،رقم الحديث ۹۳۹۲)

قال شعيب الأرنؤوط:إسناده جيد(حاشية مسند أحمد)

[2] عن العباس بن عبد المطلب، قال :قلت :يا رسول الله إن قريشا جلسوا فتذاكروا أحسابهم بينهم، فجعلوا مثلك كمثل نخلة فى كبوة من الأرض، فقال النبى صلى الله عليه وسلم :إن الله خلق الخلق فجعلنى من خيرهم من خير فرقهم وخير الفريقين، ثم تخير القبائل فجعلنى من خير قبيلة، ثم تخير البيوت فجعلنى من خير بيوتهم، فأنا خيرهم نفسا، وخيرهم بيتا :هذا حديث حسن(سنن الترمذى،رقم الحديث۳۶۰۷)

**واصطفانی من بنی هاشم“ ؎۱**

**وقوله صلى الله عليه وسلم”ان الله عزوجل اختار خلقه فاختار منهم بنی آدم، ثم اختار بنی آدم فاختار منهم العرب، ثم اختار العرب فاختار بنی هاشم، ثم اختار بنی هاشم فاختارنی منهم، فمل ازل خيارا من خيار....،الحديث. ؎۲**

---

؎۱ عن واثلة بن الأسقع، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن الله اصطفى من ولد إبراهيم، إسماعيل، واصطفى من ولد إسماعيل بنی كنانة، واصطفى من بنی كنانة قريشا، واصطفى من قريش بنی هاشم، واصطفانی من بنی هاشم :هذا حديث حسن صحيح(سنن الترمذی،رقم الحديث۳۶۰۵)

؎۲ قال المحقق :أحمد بن عطية بن علی الغامدی:

أورده الذهبی فی العلو ص 23، وقال :تابعه حماد بن واقد عن محمد بن ذكوان أحد الضعفاء ، وبعضهم يقول :فيه عبد الله بن دينار، وهو حديث منكر، رواه جماعة فی كتب السنة وأخرجه ابن خزيمة فی التوحيد .اهـ.

قلت :وأخرجه الطبرانی فی الكبير ح (13650) ، 12/455، وأبو نعيم فی دلائل النبوة، ورواه العقيلی فی الضعفاء عن يزيد بن عوانة، عن محمد بن ذكوان وقال :لا يتابع عليه 4/388، وابن عدی فی الكامل 2/555، 6/2207.

وأورده الألبانی فی سلسلة الأحاديث الضعيفة 1/345، وقال :ضعيف جدا .ومحمد بن ذكوان -الذی هو علة الحديث -قال عنه النسائی :ليس بثقة، وقال البخاری :منكر الحديث، وقال الدارقطنی :ضعيف .انظر :الميزان 3/542، والضعفاء الصغير للبخاری/206 ، والضعفاء والمتروكين للدارقطنی ص 348، والتهذيب 9/156.

وأورده الهيثمی فی مجمع الزوائد 8/215، وقال :فيه حماد بن واقد وهو ضعيف، يعتبر به وبقية رجاله وثقوا، وهذا تقصير من الهيثمی فی بيان علة السند، لأن الطرق التی فيها حماد بن واقد كانت رواية حماد عن محمد بن ذكوان أيضا، وهو من سبق يان حاله، فأصبح ثمة علتان لا علة واحدة.

وأخرجه الحاكم فی مستدركه 87-4/86، من طريق أخری من عمرو بن دينار عن سالم بن عبد الله عن ابن عمر مرفوعا مختصرا .قال الألبانی :وفی سنده من لم أجد له ترجمة .سلسلة الأحاديث الضعيفة 1/345.

وساقه ابن أبی حاتم فی العلل 368-2/367من الطريق الأولی -أعنی الطريق التی ساقه بها المصنف، وقال :قال أبی :هذا حديث منكر .ووافقه الذهبی فی الميزان(حاشية إثبات صفة العلو،ص۱۱۷،ذكر أخبار دالة علی ذلك فی الجملة)

وقوله صلى الله عليه وسلم "ان قريشا كانت نورا بين يدى الله عزوجل قبل ان يخلق آدم بألفى عام، يسبح ذلك النور، ويسبح الملائكة بتسبيحه، فلما خلق آدم القى ذلك النور فى صلبه ،فاهبطنى الله تعالىٰ الى الارض فى صلب آدم، وجعلنى فى صلب نوح، وقذف بى فى صلب ابراهيم، ثم لم يزل ينقلنى من الاصلاب الكريمة والارحام الطاهرة ، حتى اخرجنى من بين ابوين لم يلتقيا على سفاح قط " [1]

فالمراد فى جميع ذالك خيرية الجملة التى هو صلى الله عليه وسلم فيها على ما يقابلها . ولا يجوز غير ذالك ،اذ لو أريد تفضيل كل فرد من المفضل على جملة المفضل عليه أو على كل فرد منه ، لزم المحال و الكفر .

اذ يلزم أن يكون أبو جهل و أحزابه خيرا من كل فرد من القرون المتقدمة فى الاحاديث الاربعة ، مع ما فى القرون من الأنبياء .

---

[1] قال المحقق سعد بن ناصر بن عبد العزيز الشّثرى:

الحديث بهذا الإسناد فيه علتان:

- 1عمر بن خالد، قال عنه أبو حاتم :لا أعرفه.

- 2محمد بن عبد الله الحلبى، قال عنه أبو حاتم :لا أعرفه.

وفيه عبد الله بن الفرات وعثمان بن الضحاك لم أجد من ترجم لهما.

وعليه فالحديث بهذا الإسناد ضعيف جدا.

قال محمد حامد فقى فى حاشية الشريعة للآجرى (ص 377) :هذا الإسناد كله مجاهيل، وهو أشبه بالإسرائيليات، التى دس سمومها كعب الأحبار وإخوانه الذين لبسوا الإسلام لأمور الله أعلم بها.!

قلت :كعب الأحبار ممن اختلف فيه(حاشية المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية، ج۷ص ۱۷۹ ،تحت رقم الحديث، ۴۲۰۹، كتاب السيرة والمغازى،باب أولية النبى -صلى الله عليه وسلم -وشرف أصله)

ويلزم أن يكون فى كل فرد من الكفار خيرا من الملائكة فى الحديث الرابع . واللازم ظاهر الفساد ، فكذا الملزوم ، فتعين ما قلناه ، ولا دليل فيه للخصم.

وكذا الحديث الخامس :ليس المرادفيه(من قريش) كل فرد، لاشتمال قريش على الكفار فى جملتهم المشتملة على الدرة اليتمة التى هى النور المنور لها، مع ما اشتملت عليه فى الظلمة الخفية به.

فلما انفصل عنها عاد ما كان منها ظلمة غير قابلة للتنور الى اصله، وما تأثر بالنور منورا .

والنور نور : ﴿ذلک تقدير العزيز العليم﴾ (الأنعام : ٩٦، يس : ٣٨)

والمراد من الأصلاب الكريمة المرضية حسبا و نسبا وعفة عن الفاحشة.

وكذا الأرحام الطاهرة عن خبث السفاح والشبهة ، بدليل سياق الحديث ، وهو قوله : لم يلتقيا على سفاح قط . وتوفيقا بين الأدلة على ما تقدم فى كفر أبى ابراهيم الثابت بنص القرآن و الحديث والاجماع . وكفر قصى و عبد المطلب وعبد الله الثابت بالأحاديث الصحيحة و بالاجماع .

قال أبو الفرج بن الجوزى : ولا يختلف المسلمون أن عبد المطلب مات كافرا ، وكذا قال فى حق عبد الله : لا خلاف أنه مات كافرا .

وبالجملة : فالاجماع على ذالک معلوم بالضرورة فى مذهب

أهل السنة والجماعة . نعم : نقل الفخر عن الرافضة بأنهم يدعون ما قاله الشخص المذكور .

وليس ذالک بأول مكابراتهم كما يدعون عصمة العترة الى غير ذالک من حماقاتهم ، وبالله المستعان ، وعليه التكلان ، ولا حول ولا قوة الى بالله العلى العظيم .

ولا يقال : كيف يمكن أن يكون أصل أفضل الأنبياء عليهم الصلاة والسلام كافرا ، والكافر : نجس و خبيث ؟

لأنا نقول : نجاسته و خباثته من حيث الاعتقاد لا تؤثر فى جسمانيته ، ولا فيما يتصل به ، فالاجماع على أن عرقه وسؤره طاهر ما لم يعرض عليه عارض .

على أن قدرة القدير الحق التى هى تظهر العجائب لا يستبعد منها مثل ذالک ، وهو الذى أخرج من بين فرث ، و دم لبنا خالصا سائغا للشاربين .

(يخرج الحى من الميت ومخرج الميت من الحى، ذلک الله فأنى تؤفكون ) (الانعام : ٩٥ ) .

ولا يقال : وصف أبى النبى صلى الله عليه وسلم بالكفر نقص فى حقه لأنا نقول : كلا وهيهات ذالک فى حق مثلنا لا فى حق مثله ، فان الماء القليل تؤثر فيه النجاسة بخلاف البحر .

وبالله لم يقدره قدره من ظن أن نقص غيره أو كماله يؤثر فيه نقصا أو كمالا .

ومثل عامر بن الطفيل يقول : أبى الله أن ، بأم ولا أب .

ولا يرد كون الأنبياء تبعث فى أنساب قومها لأن شرف النسب بالنظر الى المدعو أدعى الى قبول دعوة الداعى ، والا لأمكن أن يقال : ان الداعى لما لم يكن له شرف حاول بالدعوة اكتساب الشرف ، ولا كذالك اسلام الآباء ، بل ربما أخذ بالرغبة فى القبول بأن يقال : ان مراده يرجح دين آبائه ويظهره ، فلا يلتفت الى دعوته ذالك الالتفات .

وأيضا : اذا عابهم بالاقتداء بآبائهم ربما عارضوه بمثله ، بخلاف ما اذا كان دين آبائه على خلاف ما يدعو اليه ، فانه مما يقبل بالمدعو الى الالتفات الى الدعوة ، بأن يقول : لو لم يكن فيما يدعو اليه مزية ، لما ترك دين آبائه اليه ، ولا تمكنهم تلك المعارضة اذا عابهم بالتقليد .

وفى هذا مقنع للمتبصرين ، والحمد لله رب العالمين ، وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين .

فرغ من كتابتها : محرره أفقر العبيد الى ربه الغنى ابراهيم بن محمد بن ابراهيم الحلبى امام الجامع السلطانى المحمدى بقسطنطينية المحروسة بين الصلاتين يوم الخميس سادس شوال سنة احدى وثلاثين و تسعمائة( رسالة فى حق أبوى الرسول صلى الله عليه وسلم ، ص ۲۱ الىٰ ۳۷ ،مطبوعة : دار المعارج ، الطبعة الاولى : ۱۴۲۹ هـ ، ۲۰۰۸ م، جمهورية مصر العربية ، القاهرة )

ترجمہ: بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے اپنی قدرت سے عجیب اشیاء کو ظاہر کیا، اور اپنی حکمت سے ایسی چیزوں کو مقدر

کیا، جن کے ادراک سے عقل مندوں کی عقلیں عاجز ہیں۔

اس نے نکالا گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ کو، جو پینے والوں کے لیے خوش ذائقہ ہے، وہی نکالتا ہے، زندہ کو مردہ سے، اور نکالتا ہے، مردہ کو زندہ سے، دیکھنے اور غور کرنے والوں کی عبرت کے لیے۔

اور درود وسلام ہو، ہمارے سید محمد پر، جو اولین وآخرین کے سید ہیں، اور ان کی آل واصحاب اور ان کی نیک کاموں میں اتباع کرنے والوں پر، قیامت کے دن تک۔

اس کے بعد عرض ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بعض لوگوں نے ایک ایسے قول کو ایجاد کیا ہے، جو کتاب وسنت اور اجماعِ امت کے خلاف ہے، وہ یہ کہ ان کا گمان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد، حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام تک، میں کوئی کافر نہیں تھا، اور وہ اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والے کی شان میں طعن وتشنیع کرتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ جو اس کے خلاف عقیدہ رکھے گا، تو وہ گردن زدنی کا مستحق ہوگا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد، ابوبکر وعمر سے بھی افضل ہیں۔ [1]

جہاں تک اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد میں سے کسی کے کافر نہ ہونے

---

[1] علامہ ابراہیم حلبی جو کہ 945 ہجری میں فوت ہوئے، انہوں نے اپنے زمانے میں، اس قول کو اسلام میں نو ایجاد قول قرار دیا تھا، جس کی رُو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد، سب مومن وموحد تھے، اور اس زمانے میں اس قول کی مخالفت کرنے والوں پر طعن وتشنیع اور اس پر سخت نکیر کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، اور پھر یہ سلسلہ ترقی کرتے ہوئے آگے بڑھا، اور علامہ جلال الدین سیوطی شافعی کی وفات 911 ہجری میں ہوئی، جس سے بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ علامہ حلبی نے، جلال الدین سیوطی وغیرہ کی طرف سے اس قسم کا موقف سامنے آنے پر بروقت اس کی تردید کی تھی، لیکن افسوس کہ علامہ سیوطی کی تحقیق تو شائع وذائع ہوئی، اور آج تک اس کا چرچا جاری ہے، لیکن ان کے مقابلہ میں ایک حنفی محقق کی تحقیق کو اس درجہ کی شہرت حاصل نہ ہوئی، ہم نے بھی علامہ حلبی کے اس رسالہ کا متعدد اہلِ علم حضرات کی تحریرات میں صرف ذکر ہی ملاحظہ کیا تھا، لیکن مطبوعہ شکل میں اس کو ملاحظہ کرنے میں کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی، تا آنکہ اب جا کر یہ رسالہ، مصر کا طبع شدہ موصول ہوا۔ محمد رضوان خان۔

کے) قول کے کتابُ اللہ کے مخالف ہونے کا تعلق ہے، تو قرآن مجید نے کئی مقامات پر اس بات کی شہادت دی ہے کہ ابراہیم خلیل علیہ الصلاۃ والسلام کے والد مشرک تھے۔

چنانچہ پہلے تو سورہ انعام میں ارشاد ہے:

**"وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً"**

("اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر کو، کیا بناتے ہو تم بتوں کو معبود")

جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ "آزر" سے مراد، حضرت ابراہیم کے والد ہیں، یا تو یہ ان کا نام ہے یا لقب ہے، اور ان لوگوں کا اعتبار نہیں، جنہوں نے اس قول کی مخالفت کی، کیونکہ انہوں نے بغیر دلیل کے نظمِ قرآن کو اپنے طریقہ سے پھیر دیا۔ [1]

دوسرے سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

**"وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ"**

("اور نہیں تھا استغفار ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے، مگر ایک وعدے کے طور پر، جس کا انہوں نے ان سے وعدہ کیا تھا، پھر جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن (یعنی کافر) ہے، تو برائت ظاہر کردی (ابراہیم نے) ان سے")

اور سورہ مریم میں پانچ مقامات پر درجِ ذیل آیات میں ہے:

**"إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَاأَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ**

---

[1] لیکن حیرت ہے کہ بعض متاخرین نے اپنی تفسیر میں جمہور مفسرین کے برعکس قول کو اختیار کیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ موجودہ زمانے کے بہت سے حضرات جمہور مفسرین کے برعکس قول کو ہی جمہور مفسرین کا سمجھنے لگے، اوپر سے بعض نے یہ ظلم بھی کیا کہ ابنِ منذر وغیرہ کے حوالے سے ابنِ جریج کی سند سے یہ حدیث بھی کتابوں میں لکھ دی کہ "آزر" ابراہیم کے والد نہیں تھے، جبکہ اس حدیث کا کسی معتبر سند سے ابنِ منذر کے حوالہ سے وجود نہیں ملتا۔ محمد رضوان خان۔

شَيْئًا. يَاأَبَتِ إِنِّيْ قَدْ جَاءَ نِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْ أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا. يَاأَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا. يَاأَبَتِ إِنِّيْ أَخَافُ أَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا "

(''جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ کو کہ اے میرے باپ! کیوں عبادت کرتے ہو تم اُس کی، جو نہ سنتا ہے، اور نہ دیکھتا ہے، اور نہ ہی فائدہ دے سکتا تمہیں کسی چیز کا۔اے میرے باپ! بلاشبہ آ گئی میرے پاس علم کی وہ چیز، جو نہیں آئی تمہارے پاس ، پس اتباع کرو تم میرا، دکھاؤں گا میں تم کو سیدھا راستہ۔اے میرے باپ! نہ عبادت کرو تم شیطان کی ، بے شک شیطان ہے، رحمٰن کا نافرمان۔اے میرے باپ! بے شک میں خوف کرتا ہوں اس بات کا کہ چھوئے تم کو عذاب ، رحمٰن کی طرف سے، پس ہو جاؤ تم شیطان کے دوست'')

اور آٹھویں سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ کے اس قول میں:

''إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ "

(''جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ کو اور ان کی قوم کو، کیا ہیں یہ مجسمے، کہ تم ان کے لیے ٹھہرے ہوئے ہو'')

اور نویں اور دسویں سورہ شعراء میں اللہ تعالیٰ کے اس قول میں:

''إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ. قَالُوْا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ''

(''جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ اور ان کی قوم کو، کس چیز کی عبادت کرتے ہو تم؟ کہا انہوں نے کہ عبادت کرتے ہیں ہم بتوں کی'')

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں:

"وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّيْنَ"

("اور مغفرت کر دیجیے میرے باپ کی، بے شک وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے")

گیارہویں سورہ صافات میں اللہ تعالیٰ کے اس قول میں:

"إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ . أَئِفْكًا آلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ"

("جب کہا انہوں نے اپنے باپ اور ان کی قوم کو، کس چیز کی عبادت کرتے ہو تم؟ کیا من گھڑت معبودوں کا اللہ کے علاوہ، ارادہ کرتے ہو تم")

بارہویں سورہ زخرف میں اللہ تعالیٰ کے اس قول میں:

"وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ لِأَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ إِنَّنِيْ بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ . إِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ"

("اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ کو اور ان کی قوم کو کہ بے شک میں بری ہوں ان چیزوں سے، جن کی عبادت کرتے ہو تم۔ سوائے اس ذات کے جس نے پیدا کیا مجھ کو")

اور یہ کہنا کہ ان تمام مقامات پر "أب" (یعنی باپ) سے مراد "چچا" اور مربی ہے، تو یہ کسی عاقل کا قول نہیں ہوسکتا، کیونکہ عرب کی لغت میں چہ جائیکہ فصیح ترین کلام میں، جو کہ بیان کے لیے نازل ہوا ہے، باپ کے لفظ کا اطلاق کر کے چچا کو مراد لیا جائے، کسی قرینے کے بغیر، یہ درست نہیں۔

بلکہ قرآن میں اور سنت میں تنہا باپ کا لفظ "چچا" کے معنیٰ میں وارِد نہیں ہوا، البتہ ایک جگہ واضح قرینہ کی وجہ سے تغلیب کے طریقہ پر جمع کے ضمن میں وارِد ہوا ہے، جیسا کہ (سورہ بقرہ میں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

"قَالُوْا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْمَاعِيْلَ وَإِسْحَاقَ"

("انہوں نے کہا کہ ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود کی، اور آپ کے آباء،

ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی'') ¹

جہاں تک اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد میں سے کسی کے کافر نہ ہونے کے) قول کے ''سنت'' کے خلاف ہونے کا تعلق ہے، تو ان میں سے ایک حدیث تو صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''حضرت ابراہیم اپنے باپ آزر سے قیامت کے دن ملیں گے، اور آزر کے چہرے پر (اس وقت) سیاہی اور غبار چھایا ہوگا، تو ان سے حضرت ابراہیم فرمائیں گے کہ میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کرنا، ان کا باپ کہے گا کہ اب میں تمہاری نافرمانی نہ کروں گا، تو حضرت ابراہیم کہیں گے کہ اے میرے رب! تو نے مجھ سے حشر کے دن مجھے رسوا نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا، پس کون سی رسوائی اپنے باپ کی رسوائی سے بڑھ کر ہوگی؟ ²

تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے، پھر حضرت ابراہیم سے کہا جائے گا کہ اے ابراہیم! تمہارے پاؤں کے نیچے کیا ہے؟ وہ دیکھیں گے تو وہ (اپنے باپ کو) ایک مذبوح خون میں لتھڑے ہوئے جانور کی شکل میں پائیں گے، پھر ان کے پیروں کو پکڑ کر جہنم میں ڈالا جائے گا''۔

اور ایک حدیث صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرا باپ کہاں ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ

---

¹ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد آزر کے ہونے کی قرآن مجید نے شہادت دی، جگہ جگہ حضرت ابرہیم کے والد کے طور پر ان کا ذکر کیا، احادیث میں بھی اس کا ذکر آیا، اور کسی ایک معتبر حدیث یا آیت میں چچا ہونے کا ذکر نہیں۔
لیکن ان تمام تصریحات کے برعکس یہ مشہور کر دیا گیا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد ہرگز نہیں تھے، بلکہ چچا تھے، اور بلا دلیلِ شرعی اس پر اتنا زیادہ اصرار شروع کر دیا گیا کہ جو کوئی اس سے اختلاف کرے، اس پر نکیر کی جاتی ہے، اور اس کو جمہور کے خلاف ''تفرد'' کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔ فیا للعجب۔ محمد رضوان خان۔

² حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے یہ الفاظ اور تعلیل، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ''آزر'' ان کے حقیقی والد تھے، چونکہ والد ہی کی وجہ سے رسوائی زیادہ ہوتی ہے۔ محمد رضوان خان۔

وسلم نے فرمایا کہ جہنم میں ہے، پھر جب اس نے پیٹھ پھیری، تو اس کو بلا کر کہا کہ بے شک میرا باپ اور تیرا باپ جہنم میں ہے۔ [1]

اور ایک حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت سعید بن مسیّب کی ان کے والد سے مروی ہے کہ جب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، ابوطالب کے پاس اس وقت ابوجہل بن ہشام اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ بھی موجود تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے فرمایا کہ اے میرے چچا! آپ ''لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ'' پڑھ لیجیے، یہ ایسا کلمہ ہے کہ میں اس کی وجہ سے اللہ کے نزدیک آپ کے لیے گواہی دوں گا، اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا کہ اے ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوطالب کے سامنے بار بار ''لَا اِلٰــہ اِلَّا الـلّٰـہُ'' پڑھنے کا کہتے رہے، یہاں تک کہ ابوطالب نے آخری کلام ان سے یہی کیا کہ وہ عبدالمطلب کے دین پر ہیں، اور انہوں نے ''لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ'' کہنے سے انکار کیا، آخر حدیث تک۔ [2]

جہاں تک اس (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد میں سے کسی کے کافر نہ ہونے کے) قول کے اجماع کے خلاف ہونے کا تعلق ہے، تو یہ بات مخفی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ہمارے آج کے زمانہ تک اس پر امت کا

---

[1] جس طرح موجودہ دور کے بعض حضرات کی طرف سے، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کے متعلق تاویل کر کے اس کو حقیقت سے پھیرا جاتا ہے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق بھی حقیقت سے پھیر کر اس میں غیر ضروری اور غیر متعلقہ تاویلات کی جاتی ہیں۔ محمد رضوان خان۔

[2] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ''عبدالمطلب'' کا دین، ایسا تھا کہ اس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی مقدر تھی، اور وہ کلمۂ توحید کے خلاف تھا، جو کہ شرک والا ہی دین ہوسکتا ہے۔ محمد رضوان خان۔

اجماع ہے کہ ''قصی'' اور ان کے بعد کے لوگ کافر تھے، اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کفر پر فوت ہوئے۔ [1]

البتہ صرف بعض نے یہ بات ذکر کی ہے کہ ان دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام کے لیے مرنے کے بعد زندہ کیا گیا، پھر وہ ایمان لائے، اللہ ہی اس کے صحیح ہونے کو زیادہ جانتا ہے (مگر محققین اصحابُ الحدیث نے اس حدیث کی صحت کو تسلیم نہیں کیا، جیسا کہ اپنے مقام پر ذکر کیا جا چکا ہے) [2]

اور اجماع کی سند وہ احادیث ہیں، جو پہلے ذکر کی جا چکی ہیں، نیز اجماع کی سند وہ بھی ہے، جس پر مورخین اور مفسرین کا اجماع ہے کہ ''قصی'' نے اپنی اولاد میں سے ایک کا نام ''عبدالعزیٰ'' اور ایک کا نام ''عبدِ مناف'' رکھا تھا، اور ''عزیٰ'' اور ''مناف'' ان کے دو بتوں کے نام تھے۔

اور یہی طرزِ عمل ''عبدالمطلب'' نے بھی اختیار کیا کہ انہوں نے اپنے دو بیٹوں میں سے ایک کا نام جو کہ ''ابولہب'' تھا ''عبدالعزیٰ'' رکھا، اور ان میں سے ایک کا نام جو کہ ''ابو طالب'' تھے ''عبدِ مناف'' رکھا۔ [3]

اور ابوجہل اور ان کے ساتھی عبداللہ بن ابی امیہ کی اس بات کے وقت میں کہ کیا تم

---

[1] لیکن حیرت ہے کہ آج کے دور میں اس اجماع کو بہت سے اصحابِ علم تسلیم وقبول کرنے کے لیے تو کیا آمادہ ہوتے، اس قول کو اہل السنۃ والجماعۃ کا ماننے کے لیے بھی تیار نہیں، اسی کے ساتھ اس قول کے مطابق موقف اختیار کرنے والے پر شدید نکیر بھی کرتے ہیں۔ محمد رضوان خان۔

[2] مطلب یہ ہے کہ کفر کی حالت میں فوت ہونے پر تو اجماع ہے، البتہ کفر پر فوت ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جا کر، ایمان لانے کا بعض حضرات نے ذکر کیا ہے، لیکن اس کو قبول کیا جانا، اس کی صحت پر موقوف ہے، اور اس کا صحیح ہونا بھی ثابت نہیں، پس کفر پر فوت ہونے کے بعد اس پر برقرار رہنا ثابت ہوا۔ محمد رضوان خان۔

[3] من عجائب الاتفاق أن الذين أدركهم الإسلام من أعمام النبى صلى الله عليه وسلم أربعة لم يسلم منهم اثنان وأسلم اثنان وكان اسم من لم يسلم ينافى أسامى المسلمين وهما أبو طالب واسمه عبد مناف وأبو لهب واسمه عبد العزى بخلاف من اسلم وهما حمزة والعباس(فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج٧،ص١٩٦،قوله باب قصة أبى طالب)

عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاموش رہنا اس بات کی مضبوط دلیل ہے کہ ''عبدالمطلب'' کا دین ''لا الٰـہ الا اللہ'' کے قول کے منافی تھا، اس لیے کہ اگر ''عبدالمطلب'' مسلم ہوتے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی خبر دیتے، بالخصوص اس جیسے مقام پر (جہاں اس کی خبر دینے کی زیادہ ضرورت تھی)

اس کے علاوہ اگر ''عبدالمطلب'' مسلم ہوتے، تو ان کی اولاد ہرگز کافر نہ ہوتی، کیونکہ جو مسلم اپنے ایمان کو مخفی رکھتا ہے، وہ اپنی اولاد سے ایمان کو مخفی نہیں رکھتا، بلکہ وہ اپنی اولاد کے ایمان کی بھی کوشش کرتا ہے۔

اور اگر ایسا ہی ہوتا، تو یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی دعوت پر ہی ایمان کو قبول کر لیتے، اور حضرت حمزہ اور حضرت عباس سے پیچھے نہ رہتے، اور ابولہب اور ابوطالب کفر پر اصرار نہ کرتے۔

خلاصہ یہ کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد یا دادا مسلم ہوتے، تو یہ بات ضروری تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی خبر دیتے، کیونکہ اس جیسی چیز میں (نبی کا) سکوت اختیار کرنا جائز نہیں۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ نبی صلی علیہ وسلم نے الیاس کے بارے میں فرمایا کہ ''الیاس کو برا بھلا نہ کہو، کیونکہ وہ مومن تھا'' [1]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مضر اور ربیعہ کو برا بھلا نہ کہو، کیونکہ یہ دونوں مومن تھے''

اور جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ ''مجھے بنی آدم کے بہترین زمانوں میں سے قرناً قرناً بھیجا گیا ہے، یہاں تک کہ میں اس زمانے میں آیا، جس

---

[1] ملاحظہ فرمائیے کہ علامہ حلبی جس قول کو اجماع کے خلاف قرار دے رہے ہیں، آج وہی قول اہل السنۃ والجماعۃ کا مشہور کر دیا گیا ہے۔ محمد رضوان خان۔

میں میں ہوں‘‘

اور جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ ’’اللہ نے مخلوقات کو پیدا کیا، تو مجھے بہترین زمانے میں رکھا، پھر قبائل کو چنا، پس مجھے بہترین قبیلہ میں رکھا، پھر گھروں کو چنا، پس مجھے بہترین گھر میں رکھا، پس میں نفس کے اعتبار سے بہترین ہوں اور گھر کے اعتبار سے بھی بہترین ہوں‘‘

اور جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ ’’بے شک اللہ نے ابراہیم کی اولاد میں اسماعیل کو منتخب فرمایا، اور اسماعیل کی اولاد میں سے ’’بنی کنانہ‘‘ کو منتخب فرمایا، اور بنی کنانہ میں سے قریش کو منتخب فرمایا، اور قریش میں سے بنو ہاشم کو منتخب فرمایا، اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا‘‘

اور جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ ’’اللہ عزوجل نے اپنی مخلوقات کو چنا، اور اس میں بنی آدم کو منتخب فرمایا، پھر بنی آدم کو چنا، اور اس میں عرب کو منتخب کیا، پھر عرب کو چنا اور اس میں بنو ہاشم کو منتخب کیا، پھر بنی ہاشم کو چنا اور اس میں مجھے منتخب کیا‘‘

اور جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ ’’قریش، حضرت آدم کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے، اللہ عزوجل کے سامنے نور تھے، اور اس نور کی تسبیح پڑھی جاتی تھی، اور فرشتے بھی اس نور کی تسبیح پڑھتے تھے، پھر جب حضرت آدم کو پیدا کیا، تو اس نور کو اللہ نے ان کی پشت میں ڈال دیا، پھر اللہ نے اس نور کو آدم کی پشت میں زمین کی طرف بھیج دیا، پھر مجھے حضرت نوح کی پشت میں رکھا، اور وہاں سے حضرت ابراہیم کی پشت میں بھیجا، پھر اسی طرح مجھے برابر معزز پشتوں اور پاک رحموں میں منتقل کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ سے نکالا، جنہوں نے کبھی زنا نہیں کیا تھا‘‘

ان تمام روایات (کو اگر معتبر بھی تسلیم کرلیا جائے، تب بھی ان) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے خاندان کے بالمقابل، اپنے خاندان کے فی الجملہ سب سے بہتر ہونے کی خبر دینا مراد ہے، اور (مذکورہ احادیث کی) اس کے علاوہ کوئی اور مراد جائز نہیں، کیونکہ اگر ہر فرد کی فضیلت کو تمام مفضولین یا ان کے ہر فرد پر فضیلت دینا مراد لیا جائے، تو محال اور کفر لازم آئے گا، کیونکہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ مذکورہ (پہلی) چاروں احادیث میں ابو جہل اور ان کی جماعت پہلے زمانوں کے ہر فرد سے بہتر ہے، حالانکہ پہلے زمانوں میں انبیاء بھی ہوئے ہیں، نیز اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ چوتھی حدیث میں کفار کا ہر فرد فرشتوں سے بہتر ہے، اور یہ لازم آنے والی بات واضح طور پر فاسد ہے، پس اسی طریقہ سے ملزوم بھی فاسد ہوگا، اور جو ہم نے کہا وہ متعین ہو جائے گا، اور اس میں مقابل کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔

اور اسی طریقہ سے پانچویں (اور آخری) حدیث میں بھی قریش کا ہر فرد مراد نہیں ہے، کیونکہ قریش میں کفار بھی پائے جاتے ہیں، اور قریش ان چنے ہوئے موتیوں پر مشتمل ہیں، جو ایسا نور ہیں، جن سے روشنی ہوتی ہے، اور جو گھٹا ٹوپ اندھیرے ہیں (یعنی ان میں اعلیٰ درجے کے مومن بھی ہیں، اور اعلیٰ درجے کے کافر بھی ہیں)

پس جب ان سے وہ نور دور ہو جائے گا، تو وہ اپنی اصل کے اعتبار سے نور کے اور نور سے منور ہونے کے قابل نہیں رہیں گے، اور اندھیرے کی طرف لوٹ جائیں گے، اور نور تو روشنی کا نام ہے "ذٰلِکَ تَقْدِیرُ الْعَزِیزِ الْعَلِیمِ"

اور مکرم پسندیدہ پشتوں سے، حسب اور نسب کا مکرم ہونا اور بدکاری سے پاک ہونا مراد ہے۔

اور اسی طریقہ سے پاک رحموں سے، زنا اور اس کے شبہ سے پاک ہونا مراد ہے، جس کی دلیل سیاقِ حدیث میں یہ الفاظ ہیں "**لم یلتقیا علی سفاح قط**" جس کی گزشتہ دلائل کے درمیان موافقت بھی ضروری ہے، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے کفر کے بارے میں گزرا، جو کہ نصِ قرآن اور نصِ حدیث اور اجماع سے ثابت ہے، نیز "**قصی**" اور عبدالمطلب اور عبداللہ کا کفر صحیح احادیث اور اجماع سے ثابت ہے۔

ابوالفرج بن جوزی نے فرمایا کہ مسلمانوں کا اس بارے میں اختلاف نہیں کہ عبدالمطلب کفر کی حالت میں فوت ہوئے، اور عبداللہ کے متعلق بھی ان کے کافر ہونے کی حالت میں فوت ہونے پر اختلاف نہیں۔

بہرحال اہلُ السنۃ والجماعۃ کے مذہب میں اس پر اجماع ضروری طور پر معلوم ہے۔ [1]

البتہ فخرالدین رازی نے روافض سے نقل کیا ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں، جو مذکورہ شخص نے دعویٰ کیا ہے (کہ انبیاء کے تمام آباءواجداد مومن تھے، علامہ جلال الدین سیوطی نے رازی کے کلام کو غلط سمجھ کر اس کو اہلُ السنۃ کا قول سمجھ لیا، اور پھر آگے یہ غلط فہمی چل پڑی) [2]

اور روافض کی طرف سے یہ کوئی پہلا مکابرہ نہیں ہے، جیسا کہ وہ "**عترۃ**" کی عصمت کا دعویٰ کرتے ہیں، اس کے علاوہ بھی ان کی دوسری حماقتیں ہیں، اور اللہ

---

[1] مگر آج، اس کو بعض لوگ اجماع ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں، بلکہ اجماع کے مطابق موقف اختیار کرنے والے پر نکیر بھی کرتے ہیں۔ محمد رضوان خان۔

[2] علامہ حلبی نے فخرالدین رازی کی طرف جو بات منسوب فرمائی ہے، فخرالدین رازی کی "تفسیر الکبیر" سے اس کی تائید ہوتی ہے، اور اس کے برخلاف جو علامہ جلال الدین سیوطی اور ان کے متبعین نے جو اہلِ تشیع کے بجائے، خود فخرالدین رازی کی طرف اس قول کو منسوب کردیا، اور اس کو اہلِ تشیع کے بجائے، اہلُ السنۃ کا قول سمجھ لیا، یہ غلط فہمی پر مبنی ثابت ہوا، جیسا کہ باحوالہ دوسرے مقام پر ذکر کردیا گیا ہے۔ محمد رضوان خان۔

ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے، اور اسی پر بھروسہ کیا جاتا ہے''**ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم**''

اور یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام میں سے سب سے افضل نبی کی اصل (یعنی والدین) کا کافر ہونا، کیونکر ممکن ہے، جبکہ کافر نجس اور خبیث ہوتا ہے؟

کیونکہ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ کافر کی نجاست اور خباثت اعتقاد کے اعتبار سے ہے، جو اس کی جسمانیت میں مؤثر نہیں، اور نہ ہی اس سے متصل چیزوں میں مؤثر ہے، چنانچہ اس بات پر اجماع ہے کہ کافر کا پسینہ اور اس کا جوٹھا (یعنی پس خوردہ) پاک ہے، جب تک کہ اس پر دوسرا ناپاک عارض پیش نہ آئے۔ [1]

اس کے علاوہ اللہ، قدیر اور برحق کی قدرت وہ ہے، جس سے عجائب ظاہر ہوتے ہیں، اور اس سے اس کے مثل بعید نہیں ہے، اور وہی ہے جو گوبر اور خون کے درمیان میں سے خالص دودھ کو نکالتا ہے، جو پینے والوں کے لیے مزیدار ہے (سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے''**یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ**'') [2]

اور یہ شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کو کفر کے ساتھ متصف کرنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کوئی نقص وعیب ہے، کیونکہ ہم کہیں

---

[1] اور جب کافر کا پسینہ اور جوٹھا، پاک ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ کافر کی ہر چیز کا نجس وناپاک ہونا ضروری نہیں، اسی وجہ سے اس کے نسب کا نجس ہونا بھی ضروری نہیں، جیسا کہ بعض نے سمجھ لیا، اور اس کی وجہ سے پھر نصوص کے انکار یا بے جا تاویلات کی ضرورت پیش آئی۔ محمد رضوان خان۔

[2] بعض روایات سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے، اس کا مصداق کافر سے مومن وموحد کا پیدا ہونا بھی ہے، جیسا کہ آگے ملا علی قاری رحمہ اللہ کی ایک عبارت کے ضمن میں آتا ہے۔ محمد رضوان خان۔

گے کہ ہرگز اور کبھی بھی یہ ہم جیسوں کے حق میں بھی لازم نہیں آتا، چہ جائیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ذات کے حق میں لازم آئے، کیونکہ تھوڑے پانی میں نجاست مؤثر ہوتی ہے، سمندر میں مؤثر نہیں ہوتی (اور جب ہم میں سے کسی کے باپ کے کافر ہونے سے ہمارے حق میں نقص ثابت نہیں ہوتا، جو کہ ماءِ قلیل کے مثل ہیں، تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں، جو کہ سمندر کے مثل ہیں، کیسے نقص ثابت ہوجائے گا)

اور اللہ نے اپنی قدرت سے اس کو مقدر نہیں کیا، جو یہ گمان کرتا ہے کہ نبی کے غیر کا نقص یا نبی کے غیر کا کمال، نبی کے اندر کسی نقص کا باعث یا کمال میں اثر انداز ہوتا ہے۔

اور عامر بن طفیل کے مثل کہ ”اللہ نے اس بات سے انکار کردیا ہے کہ میں ماں باپ کے ساتھ نام رکھوں۔ [1]

اور انبیاء کے اپنی قوم کے خاندانوں میں سے ہونے کا شبہ بھی وارد نہیں ہوتا، کیونکہ نسب کی شرافت دعوت دیئے جانے والے لوگوں کی نسبت سے داعی کی دعوت کو قبول کرنے کے لیے زیادہ مؤثر ہوتی ہے، ورنہ تو یہ کہنا ممکن ہے کہ دعوت دینے والے کو جب کوئی شرف حاصل نہیں، تو دعوت کو شرف حاصل کرنے کی ضرورت ہوگی، اور آباء واجداد کا اسلام اس طرح سے نہیں، بلکہ بعض اوقات یہ قبولیت میں زیادہ رغبت کا باعث ہوتا ہے، کیونکہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا مقصد تو اپنے آباء

---

[1] حدثنا محمد بن یونس، نا الأصمعی؛ قال:أنشدنا أبو عمرو بن العلاء لعامر بن الطفیل، قال: وهو من جید شعره:

(إنی وإن كنت ابن سید عامر ...وفارسها المشهور فی كل موكب)

(فما سودتنی عامر عن وراثة ...أبى الله أن أسمو بأم ولا أب)

(ولكننی أحمی حماها وأتقی ...أذاها وأرمی من رماها بمنكب)(المجالسة وجواهر العلم لابكر الدینوری المالکی، ج۳ص ۱۶۱، رقم الروایة ۹۸۹)

واجداد کے دین کو راجح قرار دینا اور اس کو غالب کرنا ہے، لہٰذا اس کی دعوت کی طرف اس طرح کی توجہ نہیں کی جاتی۔

نیز جب دعوت دیئے جانے والے پر اپنے آباء واجداد کی اقتداء کا عیب دلایا جاتا ہے، تو دعوت دینے والے کو بھی اس کے مثل عیب دلایا جاتا، لیکن جب دعوت دینے والے کے آباء واجداد اس کے خلاف ہوں گے، جس کی طرف وہ ان کو دعوت دے رہا ہے، تو یہ دعوت دیئے جانے والے کے دعوت کی طرف توجہ اور قبولیت کا باعث ہوگا، اور وہ یہ کہے گا کہ اگر اس کی دعوت دیئے جانے والی چیز میں خوبی نہ ہوتی، تو یہ اپنے آباء واجداد کا دین ترک نہ کرتا، اور جب تقلید کا عیب مقابلہ میں آ جائے، تو ایسا نہیں ہوتا۔

اور ہمارے اس مضمون میں غور کرنے والوں کے لیے کافی دلیل ہے۔

**والحمد لله رب العالمين ، وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.**

اس مضمون کو تحریر کرنے والا بندہ جو اپنے غنی رب کا پوری طرح محتاج ہے، اور اس کا نام ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی ہے، جو قسطنطنیہ کی جامع مسجد سلطانی محمدی کا امام ہے، اور دو نمازوں کے درمیان کے وقت میں محبوس ہے، بروز جمعرات چھ شوال 931 ہجری کو اس مضمون کی کتابت سے فارغ ہوا (رسالة في حق أبوى الرسول)

علامہ حلبی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجداد کے کافر نہ ہونے کے قول کو ایک نیا قول قرار دیا ہے، جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سے پہلے یہ قول اہلِ تشیع ہی کے یہاں معروف ومقبول تھا، کیونکہ بنیادی طور پر یہ قول ان ہی کا ہے، بعد میں یہ قول اہلُ السنۃ میں منتقل ہوا، اور غلط فہمی کا باعث بن گیا، اور یہ غلط فہمی تا حال جاری ہے۔

موجودہ دور کے اہلِ علم حضرات کو علامہ حلبی کے مذکورہ رسالہ کو ملاحظہ کرنا چاہیئے، اور اس

رسالہ میں مذکور مستدلات کا بغور جائزہ لے کر موجودہ دور میں پائے جانے والی غلط فہمیوں، بطورِ خاص اہلُ السنۃ والجماعۃ کے اصل قول کے متعلق غلط فہمی کا ازالہ کرنا چاہیئے۔

## علامہ ابنِ تیمیہ کا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 728ہجری) نے ایک سوال کے جواب میں اپنے فتاویٰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے متعلق تفصیلی بحث کی ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے مروی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے زندہ کیے جا کر ایمان لانے کی یہ حدیث ''غیر صحیح'' ہے۔
اہلِ معرفت کی اتفاقِ رائے کے مطابق یہ حدیث ''جھوٹی اور گھڑی ہوی'' ہے، اگر یہ حدیث معتبر ہوتی، تو اس کا مشہور محدثین ضرور ذکر کرتے، کیونکہ یہ معاملہ انتہائی اہم ہے، ایک تو مُردوں کے زندہ ہونے کی حیثیت سے، دوسرے موت کے بعد ایمان لانے کی حیثیت سے (جو عام نصوص کے مخالف ہے، تیسرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی حیثیت سے بھی اہم ہے، ناقل) اس کے علاوہ مذکورہ حدیث، کتابُ اللہ، سنتِ صحیحہ اور اجماع کے بھی خلاف ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا (سورہ نساء میں) ارشاد ہے کہ:

''إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّيْ تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ''

پس اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ جو کفر کی حالت میں فوت ہوجائے، اس کے

لیے توبہ نہیں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا (سورہ غافر میں) ارشاد ہے کہ:

”فَلَمْ یَکُ یَنْفَعُهُمْ إِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِکَ الْکَافِرُوْنَ“

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دے دی کہ اپنے بندوں کے متعلق اللہ کی سنت وعادت یہ ہے کہ رؤیتِ بأس (یعنی نزع) کے وقت میں ایمان نفع نہیں دیتا۔

پس موت کے بعد کیسے نفع دے گا؟

اس طرح کی اور بھی نصوص ہیں۔

اور صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرا باپ کہاں ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا باپ جہنم میں ہے، پھر جب وہ جانے لگا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔

اور صحیح مسلم میں ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی، جس کی مجھے اجازت دے دی گئی، اور میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کے استغفار کی اجازت طلب کی، جس کی مجھے اجازت نہیں دی گئی، پس تم قبروں کی زیارت کیا کرو (اگرچہ وہ کافر ومشرک کی قبر کیوں نہ ہو) کیونکہ یہ آخرت کو یاد دلاتی ہے۔

اور مسند وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ماں آپ کی ماں کے ساتھ جہنم میں ہے۔

اگر کہا جائے کہ یہ حدیث تو فتحِ مکہ کے سال سے متعلق ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے والدین کو زندہ کیے جانے کا واقعہ اس کے بعد حجۃ الوداع کے موقع کا ہے، جیسا کہ اس کا ذکر کرنے والوں نے ذکر کیا ہے، اور اسی تاویل کا ''صاحبُ التذکرۃ'' (یعنی علامہ قرطبی) نے ذکر کیا ہے۔

تو یہ تاویل چند وجوہات کی بناء پر باطل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے متعلق مذکورہ تاویل کے باطل ہونے کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ جس خبر کا تعلق گزشتہ یا آئندہ کے زمانے سے ہوتا ہے، اس میں نسخ داخل نہیں ہوتا، جیسا کہ (قرآن مجید کی سورہ لہب میں) ابولہب کے بارے میں ہے کہ:

''سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ''

(یعنی عنقریب ہم اس (ابولہب) کو لپٹوں والی آگ میں پہنچائیں گے)

اور جیسا کہ ''ولید'' کے بارے میں (قرآن مجید کی سورہ مدثر میں) ہے:

''سَأُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا''

(یعنی عنقریب ہم اس کافر کو مکلّف کریں گے، مشقت والے عذاب کا)

اور اسی طریقہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ:

''ان ابی واباک فی النار، وان امی وامک فی النار''

(یعنی بے شک میرا باپ اور تمہارا باپ، اور بے شک میری ماں اور تمہاری ماں جہنم میں ہیں)

اور یہ خبر اس جہنم کے عذاب سے متعلق نہیں ہے، جس سے جہنم والے کو نکال لیا جائے گا، جیسا کہ اہلِ کبائر، اس لیے کہ اگر یہ بات ہوتی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے لیے استغفار جائز ہوتا (اس لیے یہ خبر اہلِ کفر سے متعلق ہے)

اور اگر پہلے سے اللہ کے علم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کا ایمان لانا

ہوتا (خواہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے ہی کیوں نہ ہو) تو اللہ، ان کے لیے استغفار سے منع نہ فرماتا، کیونکہ اعتبار تو خاتموں کا ہوا کرتا ہے (جیسا کہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث میں یہ مضمون آیا ہے) اور جو شخص مومن ہونے کی حالت میں فوت ہو جائے، اللہ اس کی مغفرت فرما دیتا ہے، اور اس کے لیے استغفار ممنوع نہیں ہوتا (لہٰذا استغفار کا ممنوع ہونا بوجہ کفر کے ہے)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے متعلق مذکورہ تاویل کے باطل ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کی، جو کہ مکہ کے فتح ہونے کے سال کے وقت میں آپ کے راستہ میں ''حجون'' میں واقع تھی، جہاں تک آپ کے باپ کا تعلق ہے، تو وہ قبر وہاں پر نہیں ہے، اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زیارت کی، اس لیے کہ آپ کے باپ شام میں مدفون ہیں، جو اِس راستہ کے علاوہ میں ہے، تو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ کے والد کو زندہ کیا گیا۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے متعلق مذکورہ تاویل کے باطل ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ اگر اس طرح سے مومن ہوتے کہ ان کا ایمان نفع بخش ہوتا، تو وہ اپنے چچا حمزہ اور عباس کے ذکر کے مقابلہ میں زیادہ شہرت کے مستحق ہوتے (کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے مقابلہ میں والدین کا ذکر زیادہ اہم ہے) اور یہ اس سے بھی زیادہ بعید بات ہے، جس کو جاہل رافضیوں وغیرہ نے اختیار کیا ہے کہ ابو طالب ایمان لے آئے تھے، اور وہ اس کی دلیل سیرت کی اس ضعیف حدیث سے پکڑتے ہیں، جس میں یہ بات آئی

---

[1] بلکہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اصل سند میں والدین کا ذکر ملتا ہی نہیں، صرف والدہ کا ذکر ملتا ہے، بعد کے لوگوں نے والدہ کے ساتھ والد کو بھی یہی حکم دے دیا، اور اس کا حدیث کے حوالہ سے بھی ذکر کر دیا، جو کہ درست معلوم نہیں ہوا۔ محمد رضوان خان۔

ہے کہ ابوطالب نے موت کے وقت میں خاموشی سے کوئی کلام کیا۔

حالانکہ صحیح احادیث میں صاف تصریح ہے کہ ابوطالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کونہیں مانا، اور انہوں نے ابوجہل کی منشا کے مطابق آخری کلام کیا، اور وہ کفر پرفوت ہوئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے متعلق مذکورہ تاویل کے باطل ہونے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا (سورہ ممتحنہ میں) ارشاد ہے کہ:

”قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ إِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ (الىٰ قوله)لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ “

اور اللہ تعالیٰ کا (سورہ توبہ میں) ارشاد ہے کہ:

” وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيْمَ لِأَبِيْهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ“

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اور آپ کے ساتھیوں کے طریقہ کو اختیار کرنے کا حکم فرمایا، سوائے ابراہیم کے اپنے باپ کے لیے استغفار کرنے کے وعدہ میں، اور اس بات کی بھی اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی کہ جب حضرت ابراہیم کو یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن (یعنی کافر ومشرک) ہے، تو انہوں نے اپنے باپ سے برائت ظاہر کردی۔ واللہ اعلم۔ [1]

---

[1] سئل الشيخ -رحمه الله تعالى : -

هل صح عن النبي صلى الله عليه وسلم أن الله تبارك وتعالى أحيا له أبويه حتى أسلما على يديه ثم ماتا بعد ذلك ؟

فأجاب :لم يصح ذلك عن أحد من أهل الحديث ؛ بل أهل المعرفة متفقون على أن ذلك كذب مختلق وإن كان قد روى في ذلك أبو بكر -يعني الخطيب -في كتابه "السابق واللاحق "وذكره أبو القاسم السهيلي في "شرح السيرة "بإسناد فيه مجاهيل وذكره أبو عبد الله القرطبي في

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# علامہ ابنِ جوزی کا حوالہ

علامہ ابنِ جوزی (المتوفیٰ: 597ہجری) نے اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں فرمایا کہ:

مسلمانوں کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا) عبدُ المطلب کی وفات کفر کی حالت میں ہوئی، اس وقت رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال کی تھی، اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبدُ اللہ کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

"التذكرة "وأمثال هذه المواضع فلا نزاع بين أهل المعرفة أنه من أظهر الموضوعات كذبا كما نص عليه أهل العلم وليس ذلك فى الكتب المعتمدة فى الحديث ؛ لا فى الصحيح ولا فى السنن ولا فى المسانيد ونحو ذلك من كتب الحديث المعروفة ولا ذكره أهل كتب المغازى والتفسير وإن كانوا قد يروون الضعيف مع الصحيح .لأن ظهور كذب ذلك لا يخفى على متدين فإن مثل هذا لو وقع لكان مما تتوافر الهمم والدواعى على نقله فإنه من أعظم الأمور خرقا للعادة من وجهين: من جهة إحياء الموتى :ومن جهة الإيمان بعد الموت .فكان نقل مثل هذا أولى من نقل غيره فلما لم يروه أحد من الثقات علم أنه كذب .والخطيب البغدادى هو فى كتاب "السابق واللاحق " مقصوده أن يذكر من تقدم ومن تأخر من المحدثين عن شخص واحد سواء كان الذى يروونه صدقا أو كذبا وابن شاهين يروى الغث والسمين .والسهيلى إنما ذكر ذلك بإسناد فيه مجاهيل .ثم هذا خلاف الكتاب والسنة الصحيحة والإجماع .قال الله تعالى :( إنما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب فأولئك يتوب الله عليهم وكان الله عليما حكيما ) ( وليست التوبة للذين يعملون السيئات حتى إذا حضر أحدهم الموت قال إنى تبت الآن ولا الذين يموتون وهم كفار ) . فبين الله تعالى :أنه لا توبة لمن مات كافرا .وقال تعالى :( فلم يك ينفعهم إيمانهم لما رأوا بأسنا سنة الله التى قد خلت فى عباده وخسر هنالك الكافرون ) فأخبر أن سنته فى عباده أنه لا ينفع الإيمان بعد رؤية البأس ؛ فكيف بعد الموت ؟ ونحو ذلك من النصوص .وفى صحيح مسلم " :( أن رجلا قال للنبى صلى الله عليه وسلم أين أبى ؟ قال :إن أباك فى النار .فلما أدبر دعاه فقال :إن أبى وأباك فى النار ) . " وفى صحيح مسلم أيضا أنه قال " :( استأذنت ربى أن أزور قبر أمى فأذن لى واستأذنته فى أن أستغفر لها فلم يأذن لى .فزوروا القبور فإنها تذكر الآخرة ) . "وفى الحديث الذى فى المسند وغيره قال " :( إن أمى مع أمك فى النار )

" فإن قيل :هذا فى عام الفتح والإحياء كان بعد ذلك فى حجة الوداع ولهذا ذكر ذلك من ذكره وبهذا اعتذر صاحب التذكرة وهذا باطل لوجوه - :

( الأول :إن الخبر عما كان ويكون لا يدخله نسخ كقوله فى أبى لهب :( سيصلى نارا ذات لهب )

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وفات بھی کفر کی حالت میں اُس وقت ہوئی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حمل کی حالت میں تھے، اور اسی طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ’’آمنة بنتِ وهب‘‘ کی وفات اُس وقت ہوئی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھ سال کے تھے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے زندہ کیے جانے، اور رسول اللہ صلی اللہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكقوله في الوليد :( سأرهقه صعودا ) . وكذلك في " :( إن أبي وأباك في النار ) " و "( إن أمي وأمك في النار ) " وهذا ليس خبرا عن نار يخرج منها صاحبها كأهل الكبائر ؛ لأنه لو كان كذلك لجاز الاستغفار لهما ولو كان قد سبق في علم الله إيمانهما لم ينهه عن ذلك فإن الأعمال بالخواتيم ومن مات مؤمنا فإن الله يغفر له فلا يكون الاستغفار له ممتنعا .

( الثاني :أن النبي صلى الله عليه وسلم زار قبر أمه لأنها كانت بطريقه "بالحجون "عند مكة عام الفتح وأما أبوه فلم يكن هناك ولم يزره إذ كان مدفونا بالشام في غير طريقه فكيف يقال :أحيي له؟ .

( الثالث :إنهما لو كانا مؤمنين إيمانا ينفع كانا أحق بالشهرة والذكر من عميه :حمزة والعباس ؛ وهذا أبعد مما يقوله الجهال من الرافضة ونحوهم.من أن أبا طالب آمن ويحتجون بما في "السيرة "من الحديث الضعيف وفيه أنه تكلم بكلام خفي وقت الموت .ولو أن العباس ذكر أنه آمن لما كان ( قال للنبي صلى الله عليه وسلم عمك الشيخ الضال كان ينفعك فهل نفعته بشيء ؟ فقال : وجدته في غمرة من نار فشفعت فيه حتى صار في ضحضاح من نار في رجليه نعلان من نار يغلي منهما دماغه ولولا أنا لكان في الدرك الأسفل من النار ) . " هذا باطل مخالف لما في الصحيح وغيره فإنه كان آخر شيء قاله :هو على ملة عبد المطلب وأن العباس لم يشهد موته مع أن ذلك لو صح لكان أبو طالب أحق بالشهرة من حمزة والعباس فلما كان من العلم المتواتر المستفيض بين الأمة خلفا عن سلف أنه لم يذكر أبو طالب ولا أبواه في جملة من يذكر من أهله المؤمنين كحمزة والعباس وعلي وفاطمة والحسن والحسين رضي الله عنهم كان هذا من أبين الأدلة على أن ذلك كذب .

( الرابع :أن الله تعالى قال ( قد كانت لكم أسوة حسنة في إبراهيم والذين معه إذ قالوا لقومهم إنا برآء منكم ) - إلى قوله -( لأستغفرن لك وما أملك لك من الله من شيء ) الآية .وقال تعالى ( وما كان استغفار إبراهيم لأبيه إلا عن موعدة وعدها إياه فلما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه ) . فأمر بالتأسي بإبراهيم والذين معه ؛ إلا في وعد إبراهيم لأبيه بالاستغفار .وأخبر أنه لما تبين له أنه عدو لله تبرأ منه والله أعلم(مجموع الفتاوى،لا بن تيمية، ج۴،ص ۳۲۴ الیٰ ۳۲۷، کتاب مفصل الاعتقاد، فصل في ان افضل الانبياء بعد محمد صلى الله عليه وسلم ابراهيم عليه السلام)

علیہ وسلم پر ایمان لانے کی حدیث بلاشک وشبہ موضوع ومَن گھڑت ہے، اور یہ صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ ۱؎

---

۱؎ ولا يختلف المسلمون أن عبدالمطلب مات كافرا ، وكان لرسول الله صلى الله عليه وسلم يومئذ ثمان سنين .وأما عبدالله فإنه مات ورسول الله صلى الله عليه وسلم حمل ولا خلاف أنه مات كافرا ، وكذلك آمنة ماتت ولرسول الله صلى الله عليه وسلم ست سنين .فأما فاطمة بنت أسد فإنها أسلمت وبايعت ولا تختلط بهؤلاء .
باب إسلام آمنة بنت وهب أنبأنا يحيى بن على المدبر قال أنبأنا أبو بكر أحمد بن على بن ثابت قال أنبأنا القاضى أبو العلاء الواسطى قال حدثنا الحسين بن على بن محمد الحنفى قال حدثنا أبو طالب عمر بن الربيع الزاهد قال حدثنا عمر بن أيوب الكعبى قال حدثنى محمد بن يحيى الزهرى أبوغزنة قال حدثنى عبد الوهاب بن موسى قال حدثنى مالك بن أنس عن أبى الزناد عن هشام بن عروة عن عائشة قالت " :حج بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حجة الوداع فمر بى على عقبة الحجون وهو باك حزين مغتم .
فبكيت لبكاء رسول الله صلى الله عليه وسلم ، ثم إنه نزل فقال :يا حمير استمسكى فاستندت إلى جنب البعير فمكث عنى طويلا ثم إنه عاد إلى وهو فرج مبتسم ، فقلت له بأبى أنت وأمى يا رسول الله نزلت من عندى وأنت باك حزين مغتم فبكيت لبكائك ثم إنك عدت إلى وأنت فرح مبتسم فعم ذا يا رسول الله ؟ فقال ذهبت لقبر أتى آمنة فسألت الله أن يحييها فأحياها فآمنت بى وردها الله عزوجل . "
هذا حديث موضوع بلا شك والذى وضعه قليل الفهم عديم العلم إذ لو كان له علم لعلم أن من مات كافرا لا ينفعه أن يؤمن بعد الرجعة لا بل لو آمن عند المعاينة لم ينتفع ، ويكفى فى رد هذا الحديث قوله تعالى :( فيمت وهو كافر ) وقوله فى الصحيح " :استأذنت ربى أن أستغفر لابى فلم يأذن لى "ومحمد بن زياد هو النقاش وليس بثقة وأحمد بن يحيى ومحمد بن يحيى مجهولان وقد كان أقوام يضعون أحاديث ويدسونها فى كتب المغفلين فيرويها أولئك .قال شيخنا أبو الفضل بن ناصر :هذا حديث موضوع وأم رسول الله صلى الله عليه وسلم ماتت بالابواء بين مكة والمدينة ودفنت هناك وليست بالحجون .
باب ذكر أبيه وعمه أبى طالب أنبأنا أبو منصور عبدالرحمن بن محمد قال أنبأنا أبو بكر أحمد بن على ابن ثابت قال أنبأنا أبو نعيم الحافظ قال حدثنا أبو بكر محمد بن فارس بن حمدان العبدى قال حدثنى خطاب بن عبد الدايم الارسوفى قال حدثنا يحيى ابن المبارك عن شريك عن منصور عن ليث عن مجاهد عن ابن عباس قال :سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول ": شفعت فى هؤلاء النفر :فى أبى وعمى أبى طالب وأخى من الرضاعة يعنى ابن السعدية ليكونوا من بعد البعث هباء . "هذا حديث موضوع بلا شك .فأما ليث فضعيف ، ومنصور لم يرو عنه شيئا لضعفه ، ويحيى بن المبارك شامى مجهول ، وخطاب ضعيف.
قال أبو الحسن بن الفرات :ومحمد بن فارس ليس بثقة ولا محمود المذهب .قال أبو نعيم :كان رافضيا غاليا فى الرفض ضعيفا فى الحديث .وفى الصحيحين أن أبا طالب ذكر لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال " :هو فى ضحصاح ( ضحضاح ) من النار(الموضوعات لابن الجوزى، ج ا ،ص ۲۸۳ الیٰ ۲۸۵ ،كتاب الفضائل والمثالب،باب فى إكرام أبويه وجده)

## شیخ عبدُ المحسن العباد کا حوالہ

**شیخ عبدُ المحسن العباد** لکھتے ہیں:

**وعلٰی هذا فالثابتُ عن رسول الله صلی الله علیه وسلم کون أَبوَیه ماتا مشرکَین، وأنّهما فی النّار، ولَم یثبت شیءٌ یدلُّ علی خلاف ذلک، وما ذکره مَن قال بإحیائهما له صلی الله علیه وسلم وإسلامِهما لیس بصحیح؛ لعدم ثبوته من حیث الإسناد؛ لأنَّ فیه مجاهیل، کما ذکر ذلک ابنُ کثیر وغیرُه**(الرد علی الرفاعی والبوطی فی کذبهما علی أهل السنة ودعوتهما إلی البدع والضلال،ص ۹۰، مطبوعة: دار ابن الأثیر، الریاض، المملکة العربیة السعودیة، الطبعة الاولیٰ: 1421ھ، 2000ء)

ترجمہ: خلاصہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ آپ کے ماں باپ مشرک ہونے کی حالت میں فوت ہوئے، اور وہ دونوں جہنم میں ہیں، اور کوئی چیز ایسی ثابت نہیں، جو اس کے خلاف پر دلالت کرے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ کے ماں باپ کو زندہ کیے جانے اور ان کے اسلام لانے کی جو بات بعض حضرات نے ذکر کی ہے، وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ سند کے اعتبار سے ثابت نہیں، اس میں مجہول (اور بعض جھوٹے) راوی بھی پائے جاتے ہیں، جیسا کہ ابنِ کثیر وغیرہ نے ذکر کیا ہے(الرد علی الرفاعی والبوطی)

## شیخ ابو اسحاق حوینی کا حوالہ

عرب کے شیخ ابو اسحاق حوینی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کو زندہ کیے جانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

یہ حدیث باطل ہے، اس روایت میں ایک راوی ''ابو غزیۃ'' متروک ہے، ابنِ کثیر نے ''البدایۃ والنھایۃ'' میں فرمایا کہ یہ حدیث ''شدید منکر'' ہے، اور علامہ ذہبی نے ''میزان'' میں فرمایا کہ ''یہ حدیث جھوٹی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی صحیح حدیث کے مخالف ہے، جس میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے اپنی ماں کے استغفار کے لیے اجازت طلب کی، جس کی آپ کو اجازت نہیں دی گئی''

صالحین نے فرمایا کہ اس حدیث کے موضوع ہونے کا حافظ ابوالفضل بن ناصر اور جورقانی اور ابنِ جوزی اور ذہبی نے حکم لگایا ہے، اور حافظ ابنِ حجر نے ''لسان'' میں اسی کو برقرار رکھا ہے۔

اور ابنِ شاہین اور ان کے متبعین نے اس حدیث کو استغفار سے ممانعت کی احادیث کے لیے ناسخ قرار دیا ہے، مگر یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے لیے استغفار کی ممانعت کی احادیث کے بعض طرق صحیح ہیں، جن کو مسلم اور ابنِ حبان نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے، اور یہ (ماں باپ کو زندہ کیے جانے کی) حدیث ضعیف ہے، جو صحیح احادیث کے منسوخ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی، اور ابوالخطاب ابنِ دحیۃ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کو زندہ کیے جانے کی حدیث موضوع ومنگھڑت ہے، جس کی قرآن اور اجماع سے تردید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید (کی سورہ نساء) میں ارشاد ہے کہ:

''وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ''

(اور نہ ان لوگوں کے لیے توبہ ہے، جو کفر کی حالت میں فوت ہوگئے)

اور ایک دوسرے مقام پر (سورہ بقرہ میں) ارشاد ہے کہ:

"فَیَمُتْ وَهُوَ کَافِرٌ"

(پھر وہ مر گیا، اس حال میں کہ وہ کافر تھا)

پس جو شخص کافر ہونے کی حالت میں مر گیا، اس کو رجوع کرنے کے بعد ایمان فائدہ نہیں دے گا، بلکہ موت کے آثار کا معائنہ کرتے وقت ایمان لائے، تب بھی اس کو فائدہ نہیں دے گا، پھر مر کر لوٹنے کے بعد کیسے فائدہ دے گا؟

اور اہلِ علم حضرات نے جن دلائل سے اس حدیث کے موضوع ومنگھڑت ہونے پر استدلال کیا ہے، ان میں ایک دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں ''آمنة بنتِ وهب'' کی قبر ''ابواء'' مقام پر ہے، جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے، اور اس روایت کے راوی ''ابو غزية'' کا گمان یہ ہے کہ وہ ''حجون'' مقام میں ہے۔

اور علامہ قرطبی نے اپنی کتاب ''التذكرة'' میں اس (غیر مستند) حدیث کے دفاع کی پوری کوشش کی ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کا زندہ کیا جانا اور ان کا ایمان لانا، نہ تو عقلاً ممتنع ہے، اور نہ شرعاً، کیونکہ کتابُ اللہ میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کے قتل کیے جانے اور اپنے قاتل کی خبر دیے جانے کا ذکر آیا ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے، اور اسی طریقہ سے ہمارے نبی علیہ السلام کے ذریعہ سے بھی مُردوں کی ایک جماعت کو زندہ کیا گیا، پس جب یہ بات ثابت ہوگئی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کو زندہ کیے جانے کے بعد ایمان لانے میں کون سی چیز مانع ہے؟ (قرطبی کی بات ختم ہوئی)

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ یہ چیز مانع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کو زندہ کیے جانے کی حدیث ثابت نہیں ہے، اور یہاں عقل کا کوئی دخل

نہیں، اور شریعت کی طرف سے ہمارے پاس اس سلسلہ میں کوئی ایسی معتبر و مستند خبر نہیں آئی، جس سے دلیل پکڑی جا سکے، آپ کے لیے اس کے بعد کون سی دلیل باقی رہ گئی؟ (جبکہ نصوص اپنے اطلاق کے ساتھ اس دعوے کے مخالف ہیں)

اور علامہ قرطبی کا یہ دعویٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے مُردوں کی ایک جماعت کو زندہ فرمایا ہے، یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں، اور معتبر و مستند دلیل پر مبنی نہیں، اور مقابل کے لیے یہ بات کہنا ممکن ہے کہ وہ اس کے برعکس کا دعویٰ کرے، اور یہ مسئلہ غیب کے باب سے تعلق رکھتا ہے، جس کے لیے صحیح مضبوط دلیل کی ضرورت ہے، جو کہ ندارد ہے۔ [1]

---

[1] [حديث: سألت ربى –عز وجل– فأحيا لى أمى، فآمنت بى ثم ردها]

قال القرطبى فى "تفسيره" :(2/ 92) "وقد ذكرنا فى "التذكرة :(59 - 58 /1) "أن الله أحيا له أبويه حتى آمنا به " . .اهـ.

قلت: وذكر حديثا أخرجه ابن شاهين فى "الناسخ والمنسوخ (656) "من طريق أحمد بن يحيى الحضرمى، والمحب الطبرى فى "سيرته- "كما فى "سبل الهدى والرشاد (2/165) " للصالحى– من طريق القاضى أبى بكر محمد بن عمر بن محمد بن الأخضر، قالا: ثنا أبو غزية محمد بن يحيى الزهرى: ثنا عبد الوهاب بن موسى الزهرى: ثنا عبد الرحمن بن أبى الزناد، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة –رضى الله عنها–: أن النبى –صلى الله عليه وسلم– نزل إلى الحجون، كئيبا حزينا، فأقام به ما شاء الله –عز وجل–، ثم رجع مسرورا، فقلت: يا رسول الله نزلت إلى الحجون كئيبا حزينا فأقام به ما شاء الله، ثم رجعت مسرورا! قال: " سألت ربى –عز وجل– فأحيا لى أمى فآمنت بى ثم ردها ."

وهذا حديث باطل .وأبو غزية متروك كما قال الدارقطنى، وضعفه الأزدى.

قال ابن كثير فى "البداية والنهاية" :(2/ 281) "حديث منكر جدا."

وقال الذهبى فى "الميزان . ." :(2/ 684) "فإن هذا الحديث كذب مخالف لما صح أنه –عليه السلام– استأذن ربه فى الاستغفار لها فلم يأذن له ."انتهى.

قال الصالحين: " وهذا الحديث قد حكم بوضعه الحافظ أبو الفضل بن ناصر والجورقانى وابن الجوزى والذهبى وأقره الحافظ فى "اللسان"، وحكم بوضعه جماعة؛ وجعله ابن شاهين ومن تبعه ناسخا لأحاديث النهى عن الاستغفار، وهذا غير جيد؛ لأن أحاديث النهى عن الاستغفار لهما، بعض طرقها صحيح رواه مسلم وابن حبان فى "صحيحيهما"، وهذا الحديث على تسليم ضعفه لا يكون ناسخا للأحاديث الصحيحة .وقال أبو الخطاب بن دحية: الحديث فى إحياء أبيه وأمه موضوع يرده

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شیخ ابو اسحاق حوینی نے ایک اور مقام پر اس مسئلے پر تفصیلی کلام کیا ہے، جس میں انہوں نے علامہ جلال الدین سیوطی کی طرف سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح مسلم کی ایک صحیح سند والی حدیث پر اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ:

صحیح مسلم میں حماد بن سلمہ کی حضرت ثابت اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پر علامہ سیوطی کا شبہ درست نہیں، کیونکہ محدثین کی تصریح کے مطابق حماد بن سلمہ، حضرت ثابت بنانی سے روایت کرنے والے تمام راویوں میں سب سے زیادہ ''ثبـــت'' ہیں، اور حماد بن سلمہ اور ان کی سند سے مروی اس حدیث پر کیے جانے والے اعتراضات درست نہیں۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

القرآن والإجماع .قال تعالى: (ولا الـذين يموتون وهم كفار)وقال: (فيـمت وهو كافر)فمن مات وهـو كـافـر لـم يـنـفعه الإيمان بعد الرجعة، بل لو آمن عند المعاينة لم ينفعه فكيف بعد الإعادة " . . انتهى.

ومما استدل به أهل العلم على وضع هذا الحديث أن قبر "آمنة "أم النبى –صلى الله عليه وسلم– بالأبواء، كما ثبت فى "الصحيح "وأبو غزية هذا زعم أنه بالحجون.

وحـاول القرطبى فى "التذكرة "الـدفـاع عن هذا الحديث، فقال: " ولـيـس إحيـاؤهما وإيمانهما بـمـمـتـنـع عقلا ولا شرعا، فقد ورد فى "الكتاب "إحيـاء قتيـل بـنـى إسرائيل وإخباره بقاتله، وكان عيسـى –عـلـيـه السـلام– يـحيـى الـموتى، وكذلک نبينا عليه الصلاة والسلام أحيا الله على يديه جماعة من الموتى، وإذا ثبت هذا فما يمنع من إيمانهما بعد إحيائهما " . .اهـ.

*قلت: يـمـنـع من ذلک أن الخبر لم يثبت، ولا دخل للعقل هنا، والشرع فلم يأتنا خبر ناهض تقوم به حجة، فماذا بقى لک؟

ودعـواه أن النبى –صلى الله عليه وسلم– أحيا الله على يديه جماعة من الموتى، دعوى لا تصح ولا تـقوم على ساق العلم، وللمعارض أن يدعى عكس هذا الكلام، ولا ينبغى ولوج هذا الباب لأنه غيب إلا ببـرهـان صـحيح(نثل النبال بمعجم الرجال الذين ترجم لهم فضيلة الشيخ المحدث أبو إسحاق الحوينى، الألقاب والإنساب على حروف المعجم ، تحت رقم الترجمة ٥١٢٩)

[1] يسـأل الـقارى:هل صحيح ما ذكره الحافظ جلال الدين السيوطى فى (( كتاب الحاوى )) أن حديث : (( أبـى وأبـوک فـى الـنـار )) مـن جـمـلـة الأحـاديث الضعيفة برغم أن مسلما رواه فى (( صحيحه )) ؟ نريد جوابا شافيا ، وهل توافقونه فى هذا التضعيف ؟

والجواب بحول الملک الوهاب : نعم !فقد أورد السيوطى فى (( مسالک الحنفا فى والدى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر اس کے بعد شیخ ابو اسحاق حوینی نے فرمایا کہ:

علامہ سیوطی نے صحیح احادیث کے مقابلہ میں منکر اور باطل احادیث کو پیش کیا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المصطفى )) (435 -2/432)سؤالا فى مسألة إيمان والدى النبى صلى الله عليه وسلم فقال : (فإن قلت : بقيت عقدة واحدة وهى ما رواه مسلم عن أنس أن رجلا قال : يا رسول الله ، أين أبى ؟ قال : (( فى النار )) ، فلما قفى دعاه ، فقال : (( إن أبى وأباك فى النار )) .وحديث (( مسلم )) و(( أبى داود )) عن أبى هريرة أنه صلى الله عليه وسلم استأذن فى الاستغفار لأمه فلم يؤذن له . فاحلل هذه العقدة .

قلت : على الرأس والعين ، والجواب : أن هذه اللفظة ، وهى قوله : (( إن أبى وأباك فى النار )) لم يتفق على ذكرها الرواة ، وإنما ذكرها حماد بن سلمة عن ثابت ، عن أنس ، وهى الطريق التى رواه مسلم منها ، وقد خالفه معمر عن ثابت ، فلم يذكر : (( إن أبى وأباك فى النار )) ، ولكن قال : ((إذا مررت بقبر كافر فبشره بالنار )) ، وهذا اللفظ لا دلالة فيه على والده صلى الله عليه وسلم بأمر البتة ، وهو أثبت من حيث الرواية ، فإن معمرا أثبت من حماد ، فإن حمادا تكلم فى حفظه ووقع فى أحاديثه مناكير ذكروا أن ربيبه دسها فى كتبه ، وكان حماد لا يحفظ فحدث بها فوهم ، ومن ثم لم يخرج له البخارى شيئا ، ولا خرج له مسلم فى الأصول إلا من حديثه عن ثابت ..وأما معمر فلم يتكلم فى حفظه ، ولا استنكر شىء من حديثه ، واتفق الشيخان على التخريج له ، فكان لفظه أثبت ...ثم ذكر السيوطى شاهدا لحديث معمر من حديث سعد بن أبى وقاص رضى الله عنه ...وقد ألف السيوطى فى هذه المسألة مؤلفات سبعة ، وهو يكرر فى كل جزء ما يكون مذكورا فى جزء آخر ، وقلما يأتى بزيادة نافعة ، بل التكلف هو السمة الظاهرة فيها ، بحيث يقلب المرء كفيه عجبا من ضياع المنهج العلمى الرصين فى سائرها ، وقد وقع السيوطى فى سائرها فى تكلف مدهش ، حتى وصل به الحال أن خالف قانون العلم فى مسائل يطول الأمر بذكرها ، ومنها هذه المسألة التى يسأل عنها القارء ، وسأجعل هذه المسألة آية يقيس عليها القارء ما غاب عنه من جواب السيوطى رحمه الله ...والجواب من وجوه :

الأول : أن السيوطى ضعف حديث مسلم ، وبنى تضعيفه على مقدمة وهى أن معمر بن راشد خالف حماد بن سلمة فى لفظه ، ومعمر بن راشد أوثق من حماد بن سلمة ، وهذه المقارنة حيدة مكشوفة ، فإن الأمر لا يخفى على أحد من المشتغلين بالحديث ، ومنهم السيوطى نفسه ، فإن أهل العلم بالحديث قالوا : أثبت الناس فى ثابت البنانى هو حماد بن سلمة ، ومهما خالفه من أحد فالقول قول حماد .فقال أبو حاتم الرازى – كما فى (( العلل )) :- (2185)(حماد بن سلمة أثبت الناس فى ثابت وفى على بن زيد ) .وقال أحمد بن حنبل : ( حماد بن سلمة أثبت فى ثابت من معمر ) .وقال يحيى بن معين : ( من خالف حماد بن سلمة فالقول قول حماد .قيل : فسليمان بن المغيرة عن ثابت ؟ قال : سليمان ثبت ، وحماد أعلم الناس بثابت ) .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جو شخص صحیح احادیث سے استدلال کرتا ہے، اس کو سوءِ ادب سے متصف نہیں کیا جاسکتا (خواہ کسی کو اس میں سوءِ ادب محسوس ہوتا ہو) اور اللہ کی قسم! اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے اسلام لانے کی احادیث صحیح ہوتیں، تو ہم دوسرے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال ابن معين مرة : ( أثبت الناس فى ثابت : حماد بن سلمة ) .وقال العقيلى فى (( الضعفاء )) : (2/291)( أصح الناس حديثا عن ثابت : حماد بن سلمة ) ، وقد أكثر مسلم من التخريج لحماد بن سلمة عن ثابت فى الأصول ، أما معمر بن راشد فإنه وإن كان ثقة فى نفسه إلا أن أهل العلم بالحديث كانوا يضعفون روايته عن ثابت البنانى ولم يخرج له مسلم شيئا فى (( صحيحه )) عن ثابت إلا حديثا واحدا فى المتابعات ، ومقرونا بعاصم الأحول ، وهذا يدلك على مدى ضعف رواية معمر عن ثابت .ولذلك قال ابن معين : ( معمر عن ثابت : ضعيف ) .وقال مرة : ( وحديث معمر عن ثابت ، وعاصم بن أبى النجود ، وهشام بن عروة وهذا الضرب مضطرب كثير الأوهام ) .وقال العقلى فى (( الضعفاء )) : (2/291)( أنكر الناس حديثا عن ثابت : معمر بن راشد ) .

وبعد هذا البيان فما هى قيمة المفاضلة التى عقدها السيوطى بين الرجلين ، فالصواب : رواية حماد بن سلمة ، ورواية معمر بن راشد منكرة .

الثانى : قول السيوطى : إن ربيب حماد بن سلمة دس فى كتبه أحاديث مناكير وانطلى أمرها على حماد لسوء حفظه .وهذه تهمة فاجرة ، كما قال الشيخ المعلمى رحمه الله فى (( التنكيل )) (1/243)، ومستند كل من تكلم بهذه التهمة ما ذكره الذهبى فى (( ميزان الاعتدال )) (1/593) من طريق الدولابى قال : حدثنا محمد بن شجاع بن الثلجى ، حدثنى إبراهيم بن عبد الرحمن بن مهدى ، قال : كان حماد بن سلمة لا يعرف بهذه الأحاديث – يعنى أحاديث الصفات – حتى خرج مرة إلى عبادان ، فجاء وهو يرويها ، فلا أحسب إلا شيطانا خرج إليه من البحر فألقاها إليه .قال ابن الثلجى : فسمعت عباد بن صهيب يقول : إن حمادا كان لا يحفظ ، وكانوا يقولون إنها دست فى كتبه .وقد قيل : إن ابن أبى العوجاء كان ربيبه فكان يدس فى كتبه ، وعلق الذهبى على هذه الحكاية بقوله : ( ابن الثلجى ليس بمصدق على حماد وأمثاله ، وقد اتهم .نسأل الله السلامة ) . انتهى .

وابن الثلجى هذا كان جهميا عدوا للسنة ، وقد اتهمه ابن عدى بوضع الأحاديث وينسبها لأهل الحديث يثلبهم بذلك ، فالحكاية كلها كذب ، فكيف يثلب حماد بن سلمة بمثل هذا ، ولو جاز لنا أن نرد على السيوطى بمثل صنيعه لذكرنا ما روى عن أبى حامد بن الشرقى – كما فى (( تاريخ بغداد )) - (4/42)أنه سئل عن حديث أبى الأزهر ، عن عبد الرزاق ، عن معمر فى فضائل على بن أبى طالب ، فقال أبو حامد : هذا حديث باطل ، والسبب فيه أن معمرا كان له ابن أخ رافضى ، وكان معمر يمكنه من كتبه ، فأدخل عليه هذا الحديث ، وكان معمر رجلا مهيبا لا يقدر أحد عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لوگوں کے مقابلہ میں ان کو قبول کر کے زیادہ سعادت حاصل کرنے والے شمار ہوتے، اور یہ بات کیونکر ممکن نہیں، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریب ترین رشتہ دار ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، اور اللہ، ہماری اس بات پر نگہبان ہے (خواہ کسی کو یقین نہ آئے، لیکن اللہ، قیامت کے دن اس کا خود فیصلہ فرمادے گا)

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی السؤال والمراجعة ، فسمعه عبد الرزاق فی كتاب ابن أخی معمر ) .فعلق الذهبی فی (( السير)) (9/576)قائلا : ( هذه حكاية منقطعة ، وما كان معمر شيخا مغفلا يروج عليه هذا ، كان حافظا بصيرا بحديث الزهری ) .ولكننا لا نستجيز أن نطعن على الثقات بمثل هذه الحكاية .

الوجه الثالث : قوله : ( ولم يخرج له البخاری شيئا ) ، وقد تقرر عند أهل العلم أن ترک البخاری التخريج لراو لا يعنی أنه ضعيف ، وقد عاب ابن حبان على البخاری أنه ترک حماد بن سلمة وخرج لمن هو أدنى منه حفظا وفضلا ، فقال : ( ولم ينصف من جانب حديث حماد بن سلمة ، واحتج بأبی بكر بن عياش ، وبابن أخی الزهری ، وبعبد الرحمن بن عبد الله بن دينار ، فإن كان تركه إياه لما كان يخطىء ، فغيره من أقرانه مثل الثوری وشعبة وذويهما كانوا يخطئون ، فإن زعم أن خطأه قد كثر من تغير حفظه ، فقد كان ذلک فی أبی بكر بن عياش موجودا ، وأنى يبلغ أبو بكر حماد بن سلمة فی إتقانه ، أم فی جمعه ؟ أم فی عمله ؟ أم فی ضبطه ) .انتهى .

الوجه الرابع : فی ذكر الشاهد الذی احتج به السيوطی لتقوية لفظ معمر بن راشد ، فهذا الحديث أخرجه البزار -27)مسند سعد ) ، وابن السنی فی (( اليوم والليلة )) (600)، والطبرانی فی (( الكبير )) ( ج /1رقم 326) ، والبيهقی فی (( الدلائل )) (1/191، 192) ، وأبو نعيم فی (( المعرفة )) ( ج /1رقم 540) ، والضياء المقدسی فی (( المختارة )) - (1/333)كما فی (( الصحيحة )) - (18)من طريق زيد بن أخزم ، ثنا يزيد بن هارون ، ثنا إبراهيم بن سعد ، عن الزهری ، عن عامر بن سعد عن أبيه أن أعرابيا قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم : أين أبی ؟ قال : (( فی النار )) .قال : فأين أبوک ؟ قال : (( حيثما مررت بقبر كافر فبشره بالنار )) .قال السيوطی : ( وهذا إسناد على شرط الشيخين ) ، وليس كما قال لما يأتی .

وذكر ابن كثير هذا الحديث فی (( البداية والنهاية )) (2/280)، وقال : ( غريب ) .وقد خولف زيد بن أخزم فی إسناده .فخالفه محمد بن إسماعيل بن البختری الواسطی ، فرواه عن يزيد بن هارون عن إبراهيم بن سعد ، عن سالم ، عن أبيه .فذكره .أخرجه ابن ماجه . (1573)قال البوصيری فی (( الزوائد )) : (1/515)(هذا إسناد صحيح رجاله ثقات .ومحمد بن إسماعيل وثقه ابن حبان والدارقطنی والذهبی ، وباقی رجال الإسناد على شرط الشيخين ) .

قلت : ولا شک فی تقديم رواية زيد بن أخزم لأمرين :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر ہم ایسے قول پر کوئی بنیاد قائم نہیں کر سکتے، جس کی کوئی صحیح دلیل نہ ہو، البتہ بہت سے لوگ شرعی محبت سے تجاوز کر جاتے ہیں، اور شرعی دلیل کی مخالفت اور اس کا مقابلہ کرتے ہیں (جبکہ محبت میں شرعی حدود سے تجاوز کرنا اور خود نبی صلی اللہ علیہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الأول : أنه أثبت من محمد بن إسماعيل بن البختري .

الثاني : أنه توبع عليه كما في رواية البزار ، والذى تابعه هو محمد بن عثمان بن مخلد ، وقد سئل عنه أبو حاتم – كما في (( الجرح والتعديل )) - (4/1/25)فقال : ( شيخ ) ، وقال ابن أبي حاتم : ( صدوق ) ، ووثقه ابن حبان (9/120)، وقد ذكر البزار أن يزيد بن هارون تفرد به ، وليس كما قال ، فقد تابعه محمد بن أبي نعيم الواسطي قال : ثنا إبراهيم بن سعد ، عن الزهري ، عن عامر بن سعد ، عن أبيه أخرجه الطبراني في (( الكبير )) (326)قال : حدثنا علي بن عبد العزيز ، نا محمد بن أبي نعيم .وهذه متابعة جيدة ، وابن أبي نعيم وثقه أبو حاتم وابن حبان ، وكذا صدقه أحمد بن سنان القطان .وكذبه ابن معين وأبعد في ذلك .وقد أعل أبو حاتم هذا الحديث بقوله : ( كذا رواه يزيد وابن أبي نعيم ، ولا أعلم أحدا يجاوز به الزهري غيرهما ، إنما يرونه عن الزهري ، قال : جاء أعرابي إلى النبي صلى الله عليه وسلم ...والمرسل أشبه ) .ذكره ولده في (( العلل )) (ج/2رقم 2263) .

قلت : وقول أبي حاتم متعقب أيضا بأنه قد رواه اثنان آخران متصلا وهما : الوليد بن عطاء بن الأغر ، عن إبراهيم بن سعد به .ذكره الدارقطني في (( العلل )) . (4/334)والوليد صدوق .

والثاني : الفضل بن دكين عن إبراهيم بن سعد .أخرجه البيهقي في (( الدلائل )) (1/191)، وسنده صحيح .وقد رجح الضياء المقدسي الرواية المتصلة .بينما رجح أبو حاتم الرواية المرسلة ، وقول أبي حاتم هو الصواب ، وهذه الرواية المرسلة أخرجها عبد الرزاق في (( المصنف)) (ج /10رقم 19687) عن معمر بن راشد ، عن الزهري قال : جاء أعرابي ...وساق الحديث .فهكذا اختلف إبراهيم بن سعد ومعمر بن راشد ، ولا شك عندنا في تقديم رواية معمر المرسلة ؛ لأن معمرا ثبتا في الزهري ، وأما إبراهيم بن سعد فقال قال صالح بن محمد الحافظ : ( سماعه من الزهري ليس بذاك ؛ لأنه كان صغيرا حين سمع من الزهري ) .وقال ابن معين وسئل : إبراهيم بن سعد أحب إليك في الزهري أو ليث بن سعد ؟ قال : كلاهما ثقتان .فإذا تدبرت قول يعقوب بن شيبة في الليث : ( ثقة وهو دونهم في الزهري – يعني : دون مالك ومعمر وابن عيينة – وفي حديثه عن الزهري بعض الاضطراب ) .علمت أن قول ابن معين لا يفيد أنه ثبت في الزهري مثل معمر .

فالذي يتحرر من هذا البحث أن الرواية المرسلة هي المحفوظة ، وهي التي رجحها أبو حاتم الرازي والدارقطني ، فلا معنى للقول أنه على شرط الشيخين بعد ثبوت هذه المخالفة (الفتاویٰ الحديثية للحويني، ج ۱ ص ۳۶۴ الیٰ ۳۷۲،أسئلة عام 1421)

وسلم کی پیش فرمودہ ہدایات کو نظر انداز کر کے اپنی طرف سے محبت کے پیمانے قائم کرنا درست نہیں)

اور امام بیہقی نے ''دلائلُ النبوة'' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو مرنے تک بت پرست قرار دیا ہے، اور اسی کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے نکاح کے درست ہونے کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں کسی قسم کے عیب ہونے کی نفی کی ہے۔

اور امام نووی نے مسلم کی شرح میں فرمایا کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو شخص کفر کی حالت میں فوت ہوجائے، وہ جہنم کا مستحق ہوگا، جس کو اس کے مقربین کی قرابت اور رشتہ داری فائدہ نہیں دے گی، اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جو شخص زمانۂ فترت میں اس حالت پر فوت ہوگیا، جس پر عرب کے بت پرست تھے، تو وہ اہلِ جہنم میں سے ہوگا، اور یہ دعوت کے پہنچنے سے پہلے مؤاخذہ (نہ ہونے کے منافی) نہیں، کیونکہ ان (عرب کے بت پرستوں) کو حضرت ابراہیم اور دوسرے انبیاء (مثلاً حضرت اسماعیل، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ) علیہم الصلاۃ والسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی۔

جہاں تک صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کا تعلق ہے کہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں کے لیے استغفار سے منع فرمادیا، تو علامہ سیوطی نے اس سے تعرض نہیں کیا، سوائے مجمل جواب کے، حالانکہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے ایمان نہ لانے کے متعلق صریح ہے، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

''مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُوْلِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيْمِ''

اور یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی، جس کے بعد حافظ ابنِ کثیر نے ''السیرۃ النبویۃ'' میں فرمایا کہ اگر اللہ عزوجل مشرکین کے لیے استغفار سے منع نہ فرماتا، تو ہم ابوطالب کے لیے بھی استغفار کرتے، اور ان کے لیے رحمت کی دعاء بھی کرتے۔

پس مذکورہ جواب سے اختصار کے ساتھ یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی دونوں احادیث صحیح ہیں، جن میں علامہ جلال الدین سیوطی کی طرف سے پیش کردہ ''طعن'' کی گنجائش نہیں۔ [1]

---

[1] وبعد ؛ فهذا مثال واحد بين لک كيف عالج السيوطى المسألة ، وما تركته أعجب وأعجب ، وهكذا عارض السيوطى هذه الأحاديث الصحيحة بأحاديث منكرة وباطلة ، ومن التجنى أن يوصف من يتمسک بالأحاديث الصحيحة بسوء الأدب ، ووالله لو صحت الأحاديث فى إسلام والدى النبى صلى الله عليه وسلم لكنا أسعد الناس بها ، كيف وهم أقرب الناس لرسول الله صلى الله عليه وسلم الذى هو أحب إلى من نفسى ، والله على ما أقول وكيل .

ولكننا لا نتبنى قولا ليس عليه دليل صحيح ، لكن كثيرا من الناس من يتخطى المحبة الشرعية ، ويخالف الحجة ويحاربها .والله المستعان لا رب سواه .وهو أعلى وأعلم .

وقد قال البيهقى فى (( الدلائل )) ( 1/192، 193) بعد تخريجه لهذا الحديث : ( وكيف لا يكون أبواه وجدُّه بهذه الصفة فى الآخرة ، وكانوا يعبدون الوثن حتى ماتوا ، ولم يدينوا دين عيسى ابن مريم عليه السلام ، وأمرُهم لا يقدح فى نسب رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم ؛ لأن أنكحة الكفار صحيحة ، ألا تراهم يسلمون مع زوجاتهم ، فلا يلزمهم تجديد العقد ، ولا مفارقتهن ؛ إذ كان مثلُه يجوز فى الإسلام .وباللّٰه التوفيق ) .انتهى .

وقال النووى فى (( شرح مسلم )) : (3/79) ( فيه أن من مات على الكفر فهو فى النار ولا تنفعه قرابة المقربين ، وفيه أن من مات فى الفترة على ما كانت عليه العربُ من عبادة الأوثان فهو من أهل النار ، وليس هذا مؤاخذة قبل بلوغ الدعوة ، فإن هؤلاء كانت قد بلغتهم دعوة إبراهيم وغيره من الأنبياء صلوات اللّٰه وسلامه عليهم ) .انتهى .

أما حديث أبى هريرة رضى اللّٰه عنه وهو فى (( صحيح مسلم )) أيضًا ، وفيه أن اللّٰه نهى نبيه صلى اللّٰه عليه وسلم عن الاستغفار لأمه ، فلم يتعرض له السيوطى إلا بجواب مجملٍ ، وهذا الحديث صريح فى عدم إيمانها ؛ لأن اللّٰه عز وجل قال :(ماكان للنبى والذين آمنو أن يستغفرون للمشركين .ولو كانوا أولى قربى من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم )، وقد نزلت هذه الآية فى أبى طالبٍ ، فعقب الحافظ ابنُ كثيرٍ فى (( السيرة النبوية )) ( -2/132البداية ) قائلاً : ( ولولا ما نهانا اللّٰه عزٍ وجل عنه من الاستغفار للمشركين لاستغفرنا لأبى طالب وترحمنا عليه ) .اهـ .

فقد تبين من هذا الجواب – على اختصاره – أن الحديثين صحيحان لا مطعن فيهما ، والحمد للّٰه رب العالمين (الفتاویٰ الحدیثیة للحوینی، ج ا ص ۳۷۲، ۳۷۳،أسئلة عام 1421)

# علامہ زبیدی کا حوالہ

علامہ زبیدی نے ''احیاءُ علوم الدین '' کی احادیث کی تخریج وشرح میں اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس حدیث کی سند میں ''مجہول '' راوی ہیں، اور ابنِ کثیر کے بقول یہ حدیث ''شدید منکر '' ہے، اگرچہ اللہ عزوجل کی قدرت سے زندہ کیا جانا ممکن ہے، لیکن اصل کلام اس کے ثبوت میں ہے، اور حافظ سیوطی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات کے متعلق سات رسائل تالیف کیے ہیں، جن کی اُن کے زمانہ میں اور اُن کے بعد متعدد اہلِ علم حضرات نے تردید کی ہے (جن میں علامہ حلبی اور ملا علی قاری بھی داخل ہیں) اور میرا بھی اس سلسلہ میں ایک رسالہ ہے، اور میری رائے یہ ہے کہ اس سلسلہ میں نفیاً اور اثباتاً تعرُّض سے سکوت اختیار کیا جائے۔ [1]

---

[1] (استأذن أن يزور قبر أمه) آمنة بنت وهب وذلك بالأبواء (ويستغفر لها فأذن له فى الزيارة ولم يؤذن له فى الاستغفار فجلس يبكى على قبر أمه لرقته لها بسبب القرابة حتى أبكى من حوله)
قال العراقى :رواه مسلم من حديث أبى هريرة اهـ.
وفى الوسيط للواحدى عند قوله تعالى ولا تسأل عن أصحاب الجحيم قال قرأ نافع بفتح التاء الفوقية وجزم اللام على النهى للنبى -صلّى الله عليه وسلم -وذلك أنه سأل جبريل عليه السلام عن قبر أبيه وأمه فدله عليهما فذهب إلى القبرين ودعا وتمنى أن يعرف حال أبويه فى الآخرة فنزلت اهـ.
قلت :وروى عبد الرزاق وابن جرير وابن المنذر عن محمد بن كعب القرظى قال قال رسول الله -صلّى الله عليه وسلم -ليت شعرى ما فعل أبواى فنزلت فما ذكرهما حتى توفاه الله وروى ابن جرير عن داود بن أبى عاصم أن النبى -صلّى الله عليه وسلم -قال ذات يوم أين أبواى فنزلت وأما حديث إحيائهما حتى آمنا به فأورده السهيلى فى الروض من حديث عائشة وكذا الخطيب فى السابق واللاحق وقال السهيلى فى إسناده مجاهيل وقال ابن كثير إنه حديث منكر جداً وإن كان ممكناً بالنظر إلى قدرة الله عز وجل وقد ألف الحافظ السيوطى فى نجاة الأبوين سبع رسائل ورد عليه فيها غير واحد من علماء عصره ومن بعدهم ولى فى هذا الشأن جزء لطيف سميته الانتصار لوالدى النبى المختار -صلّى الله عليه وسلم -والذى أراه الكف عن التعرض لهذا نفياً وإثباتاً والله أعلم(اتحاف السادة المتقين ،ج۸ص ۴۴۰، كتاب ذم الغرور،مطبوعة: مؤسسة التاريخ العربى، بيروت، لبنان، تاريخ طبع:1414هـ، 1994ء)

علامہ زبیدی کے کلام سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور پھر فوت کر دیئے جانے کی حدیث کا ثبوت محلِ نظر ہے، اور علامہ سیوطی نے جو اس سلسلہ میں سات رسائل تالیف کیے ہیں، ان کی متعدد اہلِ علم حضرات نے تردید کی ہے۔ [1]

جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے معاملہ سے سکوت کا تعلق ہے، تو اس کے متعلق پہلے بھی ذکر کیا جا چکا، اور آگے بھی آتا ہے کہ ''سکوت'' کا مطلب یہ ہے کہ نہ نفیاً تعرض کیا جائے، اور نہ اثباتاً، لیکن اگر پہلے سے نفیاً و اثباتاً طولِ لاطائل تعرّض اور افراط وتفریط جاری ہو، تو پھر اہلِ تحقیق و اہلِ علم کے لیے معتدل اور صحیح تحقیق ضروری ہو جاتی ہے، تاکہ اس سلسلہ میں فاسد افکار وعقائد کی اصلاح کی جا سکے۔

## علامہ ابنِ عابدین شامی کا حوالہ

علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''ردُّ المحتار'' میں ایک مقام پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی

---

[1] علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے ان سات رسائل کے نام درجِ ذیل ہیں:

(1)...... المقامُ السندسية فى النسبة المصطفوية (جو 20 صفحات پر مشتمل ہے)

(2)...... تنزيه الانبياء عن تشبيه الاغبياء (جو 19 صفحات پر مشتمل ہے)

(3)...... السبيل الجلية فى الآباء العلية (جو 17 صفحات پر مشتمل ہے)

(4)...... مسالک الحنفاء فى والدى المصطفىٰ (جو 56 صفحات پر مشتمل ہے)

(5)...... نشر العلمين المنيفين فى احياء الأبوين الشريفين (جو 18 صفحات پر مشتمل ہے)

(6)...... الدرج المنيفة فى الآباء الشريفة (جو 18 صفحات پر مشتمل ہے)

(7)...... التعظيم والمنة فى أن ابوى رسول الله فى الجنة (جو 49 صفحات پر مشتمل ہے)

مذکورہ رسائل کو 1316 ہجری میں ''مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدر آباد دکن'' نے شائع کیا تھا۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے مذکورہ رسائل میں جن مختلف طریقوں سے استدلال کیا ہے، ان سب کا جواب، ہمارے اس مضمون میں مختلف مقامات پر ذکر کیا جا چکا ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے جن دلائل کو اپنے مذکورہ رسائل میں جمع کیا ہے، وہ زیادہ تر دور دراز کے دلائل، اور مختلف تاویلات پر مشتمل اور مخدوش ہیں، جس کی بظاہر وجہ یہ ہے کہ یہ دلائل، مبحوث فیہ مسئلے میں صحیح احادیث کے مقابل ہیں۔ محمد رضوان خان۔

’’الفقهُ الاکبر‘‘ کے حوالہ سے یہ بات ذکر کی ہے کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر کی حالت میں فوت ہوئے، اور پھر صحیح مسلم کی حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث کا ذکر کیا ہے، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ ملنے اور ایک شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرمانے کا ذکر ہے کہ میرے اور آپ کے والد جہنم میں ہیں۔

(اسی کے ساتھ علامہ ابنِ عابدین شامی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کیے جانے اور اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی حدیث کا ذکر کیا ہے، اور اس کو سند کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ)

اس بات کا امکان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو فوت ہونے کے بعد زندہ کیا جانا، مذکورہ احادیث کے بعد کے زمانہ پر محمول کیا جائے، کیونکہ یہ زندہ کیے جانے کا واقعہ حجۃ الوداع کے موقع کا ہے۔ [1]

(پھر علامہ شامی نے فرمایا کہ) اگرچہ نزع کے وقت ایمان لانا مفید نہیں، تو موت کے بعد کیونکر مفید ہوگا۔ لیکن یہ حکم عام لوگوں کے لیے ہے، اس خصوصیت کے

---

[1] علامہ ابنِ عابدین شامی کے مذکورہ بالا موقف سے توافق مشکل ہے، کیونکہ جب صحیح احادیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے لیے استغفار وشفاعت کی اجازت نہ ملنا اور مبتلائے عذاب ہونا ثابت ہو گیا، اور امام ابوحنیفہ جیسے اجل مجتہد سے بھی کفر کی حالت میں فوت ہونا وارِد ہو گیا، تو ایک ’’ضعیف‘‘ حدیث سے ان ’’صحیح‘‘ احادیث کی مخالفت اور اس کے علاوہ مرنے کے بعد توبہ اور دنیا میں ایمان واعمالِ صالحہ کے لیے لوٹائے جانے کی اجازت نہ ملنے کی نصوص کا اس حدیث سے معارضہ کیسے کیا جا سکتا ہے، بالخصوص جب کہ مذکورہ حدیث کا ’’ضعیف‘‘ کے بجائے ’’شدید ضعیف‘‘ بلکہ ’’موضوع‘‘ ہونا محقق ہو، اور جب تک نصوصِ کثیرہ واحادیثِ صحیحہ کے مقابلہ میں دوبارہ زندہ کیے جانے کا معتبر سند سے ثبوت نہ پایا جائے، اس وقت تک پہلے یا بعد کے زمانے پر محمول کرنے کی بحث مفید نہیں ہو سکتی، اور اس صورت میں یہ طریقہ ’’بناءُ الفاسد علی الفاسد‘‘ کے قبیل سے کہلائے جانے کا مستحق ہوگا۔

واللہ اعلم۔ محمد رضوان خان۔

علاوہ ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی۔ [1]

(پھر علامہ شامی نے فرمایا کہ) جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات کے لیے اس بات سے استدلال کرنے کا تعلق ہے کہ وہ زمانۂ فترت میں فوت ہوئے، تو وہ اشاعرہ کے اصول پر مبنی ہے، جو یہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس حالت میں فوت ہو جائے کہ جس کو دعوت نہ پہنچی ہو، تو وہ ناجی ہو کر فوت ہوگا۔

لیکن ماتریدیہ کا کہنا یہ ہے کہ اگر اتنا وقت حاصل ہونے سے پہلے فوت ہو جائے کہ جس میں اس کو (توحید کے مسئلہ میں) تأمل کرنا ممکن تھا، اور اس نے نہ ایمان کا عقیدہ اختیار کیا، اور نہ کفر کا، تو اس پر عقاب نہیں ہوگا، لیکن اگر کفر کا عقیدہ رکھا، یا مذکورہ تأمل کا وقت حاصل ہونے کے بعد کسی عقیدہ کے بغیر فوت ہوا، تو عقاب ہوگا۔

البتہ بخاریٰ کے ماتریدیہ نے اشاعرہ کی موافقت کی ہے، اور انہوں نے امام ابوحنیفہ کے قول کو اس پر محمول کیا ہے کہ بعثت کے بعد خالق سے جہالت میں کسی کو عذر نہیں ہوتا، اسی کو محقق ابنِ ہمام نے تحریر میں اختیار کیا ہے، مگر یہ حکم اس وقت ہے، جب کہ وہ کفر کا عقیدہ اختیار کیے بغیر فوت ہو۔ [2]

---

[1] لیکن سوال یہ ہے کہ نصوصِ کثیرہ کے مقابلہ میں اس خصوصیت کا ثبوت کیا ہے؟ جب تک اس خصوصیت کا معتبر طریقہ پر ثبوت نہ ہو، تو نصوصِ کثیرہ کا اصولی وعمومی حکم برقرار رہے گا، اور اسی کے مطابق عقیدہ رکھنے کا حکم ہوگا۔ محمد رضوان خان۔

[2] البتہ ابوزید عبداللہ بن عمر الدبوسی حنفی (المتوفیٰ: 430ہجری) نے امام ابوحنیفہ کے اس قول میں یہ مراد ہونے کا احتمال ظاہر کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تأمل کی مہلت مل جائے، اس صورت میں خالق سے جہالت کسی کے لیے عذر نہیں۔

اس سلسلہ میں ''البدر الأنور، شرح الفقه الأكبر'' کے حوالہ سے مدلل بحث پہلے گزر چکی ہے اور مزید بحث آگے ملا علی قاری کے حوالہ سے آتی ہے۔

ويحكى عن أبي حنيفة رضى الله عنه أنه قال: لا عذر لأحد فى الجهل بالخالق، لما يرى فى العالم من آثار الخلق. ويحتمل أن يكون المراد به: بعد إمهال الله تعالى لا لابتداء العقل فقد حكينا عنهم أنهم عذروا الصبى بجهله، والتحديد بالبلوغ ثبت شرعاً فلا يلزم إلا بعد السماع (تقويم الأدلة فى أصول الفقه للدبوسى الحنفى، ص ۴۴۳، باب القول فى الحجج العقلية)

چونکہ نوویؒ اور رازیؒ نے تصریح کی ہے کہ جو بعثت سے پہلے شرک کی حالت میں فوت ہو جائے، تو وہ جہنم میں ہوگا (بالخصوص وہ مشرکینِ مکہ، جن کو حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی) اور اسی پر بعض مالکیہ نے اُن صحیح احادیث کو بھی محمول کیا ہے، جو اہلِ فترت کے عذاب کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، بخلاف ان لوگوں کے جو ان میں سے مشرک نہیں تھے، اور انہوں نے بعثت کے زمانہ کو نہیں پایا، بلکہ ان کی عمر غفلت میں گزر گئی، تو ان کے متعلق اختلاف ہے، اسی طریقہ سے جنہوں نے ان میں سے اپنی عقل سے (توحید کی) ہدایت پائی، جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل، تو ان کی نجات میں اختلاف نہیں۔

لہٰذا اس بناء پر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس بات کا گمان کیا جاسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، ان دونوں قسموں میں سے کسی قسم سے تعلق رکھتے ہوں (یعنی یا تو وہ مشرک نہیں تھے، یا پھر انہوں نے اپنی عقل سے توحید کی ہدایت پائی) [1]

بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد موحّد تھے، اللہ تعالیٰ کے (سورۃ الشعراء میں مذکور) اس قول کی وجہ سے کہ ''**وتقلبک فی الساجدین**'' لیکن ابوحیانؒ نے اپنی تفسیر میں اس کی تردید کی ہے، اور اس کو روافض کا قول

---

[1] لیکن جونسا بھی قول لیا جائے، جس شخص یا جن اشخاص کے متعلق متعین طور پر کفر وشرک پر فوت ہونا، ان کا عذابِ جہنم میں مبتلا ہونا، ان کے لیے استغفار وشفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ممنوع ہونا، معتبر نصوص سے ثابت ہو، ان کے متعلق ایمان وتوحید پر فوت ہونا اور ان کے نجات کا عقیدہ رکھنا درست نہ ہوگا، اور جب نصوص اور صحیح احادیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق مذکورہ امور ثابت ہوگئے، اور خود بھی یہ اعتراف کرلیا کہ اگرچہ کفر کی حالت میں وفات ہوئی تھی، لیکن بعد میں زندہ کرکے ایمان سے مشرف کیا گیا، تو پھر ''زمانۂ فترت'' میں موحد یا ناجی ہو کر فوت ہونے کا دعویٰ، خود اپنے ہی اس دعوے کے متعارض ہوگیا، جس پر اصل مسئلہ کی بناء رکھی گئی تھی، اور صحیح احادیث اور نصوص کی مخالفت کو گوارا کیا گیا تھا۔ محمد رضوان خان۔

قرار دیا ہے۔ [1]

(پھر اس کے بعد علامہ ابنِ عابدین شامی نے فرمایا کہ) بعض محققین کا قول یہ ہے کہ اس مسئلہ کا ذکر خاص ادب کے ساتھ ہی کرنا مناسب ہے، اور یہ ان مسائل میں سے نہیں کہ جن سے ناواقف ہونا نقصان دہ ہو، یا اس کے متعلق قبر یا آخرت میں سوال کیا جائے (علامہ ابنِ عابدین شامی کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا) [2]

---

[1] محققین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد کے موحّد ہونے کی تردید کی ہے، اور اس کو اہل السنة والجماعة کے بجائے اہلِ روافض کا قول قرار دیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، اور خود علامہ ابنِ عابدین شامی نے بھی ابوحیان سے اس کی تردید ہونے اور اس کے اہلِ روافض کا قول ہونے کا اعتراف کرلیا۔ محمد رضوان خان۔

[2] (قوله ولدت من نكاح لا من سفاح) أى لا من زنا، والمراد به نفى ما كانت عليه الجاهلية من أن المرأة تسافح رجلا مدة ثم يتزوجها، وقد استدل بالحديث المذكور فى الفتح أيضا .ووجهه أنه -صلى الله عليه وسلم -سمى ما وجد قبل الإسلام من أنكحة الجاهلية نكاحا.

مطلب فى الكلام على أبوى النبى -صلى الله عليه وسلم -وأهل الفترة.

ولا يقال :إن فيه إساءة أدب لاقتضائه كفر الأبوين الشريفين مع أن الله تعالى أحياهما له وآمنا به كما ورد فى حديث ضعيف .لأنا نقول :إن الحديث أعم بدليل رواية الطبرانى وأبى نعيم وابن عساكر خرجت من نكاح ولم أخرج من سفاح من لدن آدم إلى أن ولدنى أبى وأمى لم يصبنى من سفاح الجاهلية شيء وإحياء الأبوين بعد موتهما لا ينافى كون النكاح كان فى زمن الكفر.

ولا ينافى أيضا ما قاله الإمام فى الفقه الأكبر من أن والديه -صلى الله عليه وسلم -ماتا على الكفر، ولا ما فى صحيح مسلم استأذنت ربى أن أستغفر لأمى فلم يأذن لى وما فيه أيضا .أن رجلا قال يا رسول الله أين أبى؟ قال :فى النار، فلما قفا دعاه إن أبى وأباك فى النار، لإمكان أن يكون الإحياء بعد ذلك لأنه كان فى حجة الوداع.

وكون الإيمان عند المعاينة غير نافع فكيف بعد الموت فذاك فى غير الخصوصية التى أكرم الله بها نبيه -صلى الله عليه وسلم.

وأما الاستدلال على نجاتهما بأنهما ماتا فى زمن الفترة مبنى على أصول الأشاعرة أن من مات ولم تبلغه الدعوى يموت ناجيا، أما الماتريدية، فإن مات قبل مضى مدة يمكنه فيها التأمل ولم يعتقد إيمانا ولا كفرا فلا عقاب عليه، بخلاف ما إذا اعتقد كفرا أو مات بعد المدة غير معتقد شيئا.

نعم البخاريون من الماتريدية وافقوا الأشاعرة، وحملوا قول الإمام لا عذر لأحد فى الجهل بخالقه على ما بعد البعثة، واختاره المحقق ابن الهمام فى التحرير، لكن هذا فى غير من مات معتقدا للكفر، فقد صرح النووى والفخر الرازى بأن من مات قبل البعثة مشركا فهو فى النار، وعليه حمل بعض المالكية ما صح من الأحاديث فى تعذيب أهل الفترة بخلاف من لم يشرك منهم ولم يوجد بل بقى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ ابنِ عابدین شامی نے ''رُدُّالمحتار'' ہی میں ایک اور موقع پر بھی اس موضوع پر کلام فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اہلِ حق کے نزدیک نزع کی حالت کا ایمان فائدہ نہیں دیتا، اور نہ ہی ہلاکت والے عذاب کا معائنہ کرنے کے وقت کا ایمان لانا فائدہ دیتا، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ''فلم یک ینفعھم إیمانھم لما رأوا بأسنا'' اور اسی وجہ سے فرعون کے کفر پر اجماع ہے، اگرچہ اس کی امام عارف، محقق سیدی محی الدین ابنِ عربی نے اپنی کتاب ''الفتوحات'' میں مخالفت کی ہے۔

علامہ ابنِ حجر (ہیثمی) نے ''الزواجر'' میں فرمایا کہ اگرچہ ہم ابنِ عربی کی جلالتِ شان کے قائل ہیں، لیکن ان کا یہ قول مردود ہے، کیونکہ عصمت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے (ابنِ عربی یا کسی اور کو عصمت کا مقام حاصل نہیں) باوجودیکہ انہوں نے اپنی بعض کتب میں فرعون کے متعلق یہ تصریح کی ہے کہ وہ جہنم میں ھامان اور قارون کے ساتھ ہوگا، اور جب کسی امام کا کلام مختلف ہو، تو پھر اس قول کو لیا جاتا ہے، جو قوی دلائل کے موافق ہو، اور قوی دلائل کے مخالف قول کو رَد کر دیا جاتا ہے، پھر علامہ ابنِ حجر نے ابنِ عربی کی تردید میں لمبا کلام کیا ہے۔

پھر علامہ ابنِ عابدین شامی نے فرمایا کہ حالتِ نزع کے ایمان سے یونس علیہ

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عمره فی غفلة من هذا كله ففيهم الخلاف، وبخلاف من اهتدى منهم بعقله كقس بن ساعدة وزيد بن عمرو بن نفيل فلا خلاف فی نجاتهم.

وعلى هذا فالظن فی كرم الله تعالى أن يكون أبواه -صلى الله عليه وسلم- من أحد هذين القسمين، بل قيل إن آباءه -صلى الله عليه وسلم- كلهم موحدون لقوله تعالى (وتقلبك فی الساجدين) لكن رده أبو حيان فی تفسيره بأن قول الرافضة ومعنى الآية وترددك فی تصفح أحوال المتهجدين فافهم.

وبالجملة كما قال بعض المحققين: أنه لا ينبغی ذكر هذه المسألة إلا مع مزيد الأدب. وليست من المسائل التی يضر جهلها أو يسأل عنها فی القبر أو فی الموقف، فحفظ اللسان عن التكلم فيها إلا بخير أولى وأسلم (رد المحتار، ج۳، ص ۱۸۴، ۱۸۵، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر)

السلام کی قوم کو مستثنیٰ کیا جائے گا، سورہ یونس میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ''الا قوم یونس '' اس پر مبنی کرتے ہوئے کہ استثناء متصل ہے، اور قومِ یونس کا ایمان ہلاکت والے عذاب کے معائنہ کے وقت تھا، بعض مفسرین کا یہی قول ہے، جنہوں نے اس کو قومِ یونس کی خصوصیت وکرامت قرار دیا ہے، لہٰذا ان پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔

پھر اس کے بعد علامہ ابنِ عابدین شامی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو بطور کرامت دوبارہ زندہ کیے جا کر ایمان لانے کے واقعہ کے مستثنیٰ ہونے کو قومِ یونس کے ایمان کی نظیر میں پیش کیا، اور علامہ قرطبی وغیرہ کے حوالہ سے اس حدیث کا صحیح ہونا نقل کیا۔ [1]

اور اس موقع پر علامہ شامی نے قرطبی وغیرہ کی اتباع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مؤمن ہونے کو ترجیح دی ہے، اور دوبارہ زندہ ہونے کی نظیر میں بنی اسرائیل کے مقتول کے زندہ ہونے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مُردوں کو زندہ کیے جانے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصر کی نماز کے لیے سورج لوٹائے جانے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے بعض مُردوں کے زندہ کیے جانے کا ذکر کیا ہے (علامہ ابنِ عابدین شامی کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا) [2]

---

[1] اس سے پہلے خود علامہ ابنِ عابدین شامی کے حوالہ سے اس حدیث کا ''ضعیف'' ہونا اور دیگر جید ومحقق اصحابِ علم سے اس کا ''شدید ضعیف'' بلکہ ''موضوع'' ہونا گزر چکا ہے، پس ایک جگہ ''ضعیف'' اور دوسری جگہ ''صحیح'' قرار دینا، باہم معارض ہوا، اور اس سلسلہ میں راجح حکم وہی ہوگا، جس کو محققین اور اصحابِ فنِ حدیث نے اختیار فرمایا۔ محمد رضوان خان۔

[2] مطلب أجمعوا على كفر فرعون وأما إيمان اليأس، فذهب أهل الحق أنه لا ينفع عند الغرغرة، ولا عند معاينة عذاب الاستئصال، لقوله تعالى -(فلم يک ينفعهم إيمانهم لما رأوا بأسنا) - ولذا أجمعوا على كفر فرعون كما رواه الترمذى فى تفسيره فى سورة يونس وإن خالف فى ذلک الإمام العارف المحقق سيدى محيى الدين بن عربى فى كتابه الفتوحات.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ نے جو یہ بات نقل فرمائی ہے کہ فرعون کے کفر پر امت کا اجماع ہے، لہٰذا ابنِ عربی کا اس کے برخلاف قول معتبر نہیں ہوگا، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی اور ذات معصوم نہیں کہ اس کی ہر بات حجت ہو۔

علامہ ابنِ عابدین شامی کی اس بات سے اتفاق میں شبہ نہیں۔

اسی وجہ سے ابنِ عربی نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو کافر کہنے والے کو ملعون قرار دیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، اگر یہ ان سے ثابت اور مطلق ہو، اور اس کی بنا صرف کافر قرار دینا ہو، تو محققین کو قرآن وسنت کی نصوص اور جمہور متقدمین کے قول کی رُو سے ابنِ عربی کے اس قول سے اتفاق نہیں۔

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال العلامة ابن حجر فی الزواجر :فإنا وإن كنا نعتقد جلالة قائله فهو مردود، فإن العصمة ليست إلا للأنبياء مع أنه نقل عن بعض كتبه أنه صرح فيها بأن فرعون مع هامان وقارون فی النار .وإذا اختلف كلام إمام فيؤخذ بما يوافق الأدلة الظاهرة ويعرض عما خالفها ثم أطال فی بيان رده.

مطلب فی استثناء قوم يونس وذكر أيضا أنه يستثنى من إيمان اليأس قوم يونس -عليه السلام -، لقوله تعالى -(إلا قوم يونس) الآية، بناء على أن الاستثناء متصل، وأن إيمانهم كان عند معاينة عذاب الاستئصال، وهو قول بعض المفسرين بجعله كرامة وخصوصية لنبيهم فلا يقاس عليها.

مطلب فی إحياء أبوی النبی -صلى الله عليه وسلم -بعد موتهما ألا ترى أن نبينا -صلى الله عليه وسلم -قد أكرمه الله تعالى بحياة أبويه له حتى آمنا به كما فی حديث صححه القرطبی وابن ناصر الدين حافظ الشام وغيرهما، فانتفعا بالإيمان بعد الموت على خلاف القاعدة إكراما لنبيه -صلى الله عليه وسلم -كما أحيا قتيل بنی إسرائيل ليخبر بقاتله .وكان عيسى -عليه السلام -يحيی الموتى، وكذلك نبينا -صلى الله عليه وسلم -أحيا الله تعالى على يديه جماعة من الموتى. .وقد صح أن الله تعالى رد عليه -صلى الله عليه وسلم -الشمس بعد مغيبها حتى صلى علی كرم الله وجهه العصر، فكما أكرم بعود الشمس والوقت بعد فواته فكذلك أكرم بعود الحياة ووقت الإيمان بعد فواته .وما قيل إن قوله تعالى -(ولا تسأل عن أصحاب الجحيم) نزل فيهما لم يصح وخبر مسلم أبی وأبوك فی النار "كان قبل علمه اهـ ملخصا وقدمنا تمام الكلام على ذلك فی باب نكاح الكافر(رد المحتار على الدر المختار، ج۴،ص ۲۳۱، كتاب الجهاد،باب المرتد)

پھر علامہ ابنِ عابدین شامی نے نزع کے وقت ایمان کے معتبر نہ ہونے سے قومِ یونس کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

علامہ قرطبی نے بھی ''التذکرۃ'' میں اسی استدلال کو ذکر کیا ہے۔ [1]

لیکن یہ قول محققین جمہور علما اور اکثر مفسرین کے مطابق راجح نہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں امام رازی نے ''التفسیر الکبیر'' میں فرمایا کہ:

قومِ یونس نے اس وقت توبہ کی تھی، جب ان کے سامنے ایسی علامات ظاہر ہوگئی تھیں، جو عذاب کے قریب ہونے پر دلالت کرتی تھیں، اور انہوں نے فرعون کی طرح، حالتِ نزع کا مشاہدہ نہیں کیا تھا، جس کا تعلق آخرت کے عذاب سے ہے، لہٰذا دونوں کے ایمان کے معتبر ہونے نہ ہونے میں فرق ظاہر ہوگیا۔ [2]

اور تفسیر معارفُ القرآن ادریسی میں ہے:

یہاں پہنچ کر علمائے سلف کے دو قول ہیں:

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ ہنوز عذابِ الٰہی نازل نہ ہوا تھا، صرف اس کے ابتدائی آثار نمودار ہوئے، ان کو دیکھ کر قومِ یونس ایمان لے آئی اور ایسے وقت کا ایمان شرعاً معتبر اور نافع ہے۔ زجاج کا بھی یہی قول ہے کہ عذاب ابھی نازل نہ ہوا تھا، انہوں نے فقط علاماتِ عذاب دیکھ کر توبہ کرلی اور ایمان لے آئے، اور اگر عین

---

[1] فكذلك يكون إحياء أبوى النبى صلى الله عليه و سلم نافعا لإيمانهما و تصديقهما بالنبى صلى الله عليه و سلم و قد قبل الله إيمان قوم يونس و توبتهم مع تلبسهم بالعذاب فيما ذكر فى بعض الأقوال و هو ظاهر القرآن و أما الجواب عن الآية فيكون ذلك قبل إيمانهما و كونهما فى العذاب و الله بغيبه أعلم و أحكم (التذكرة بأحوال الموتى وأمور الآخرة، ص ۱۴۲، باب فى أمور تذكر الموت والأخرة ويزهد فى الدنيا)

[2] المسألة الثالثة :إن قال قائل إنه تعالى حكى عن فرعون أنه تاب فى آخر الأمر ولم يقبل توبته وحكى عن قوم يونس أنهم تابوا وقبل توبتهم فما الفرق؟

والجواب :أن فرعون إنما تاب بعد أن شاهد العذاب، وأما قوم يونس فإنهم تابوا قبل ذلك فإنهم لما ظهرت لهم أمارات دلت على قرب العذاب تابوا قبل أن شاهدوا فظهر الفرق(التفسير الكبير،للرازى، ج۱۷،ص۳۰۳،سورة يونس)

عذاب کو دیکھ لیتے، تو پھر ایمان لانا کچھ نفع نہ دیتا، اور اسی کو امام قرطبی نے اختیار کیا ہے (دیکھو: تفسیر قرطبی، ج۸ص۳۸۴) [1]

اور طبری اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ قومِ یونس عذابِ الٰہی کو دیکھ کر ایمان لے آئی۔ جیسے فرعون غرق ہونے کے وقت ایمان لایا، عام قاعدہ تو یہ ہے کہ ایسے وقت کا ایمان معتبر نہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے قومِ یونس کو اس عام قاعدہ سے مستثنیٰ کر دیا۔ اور ایسے وقت کا ایمان ان کا معتبر قرار دیا اور فرعون کے ایمان کی طرح اس کو رَد نہیں کیا، یہ قومِ یونس کی خصوصیت تھی۔

مگر محققین کے نزدیک راجح پہلا ہی قول ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ ساری قوموں میں سے صرف ایک قومِ یونس ایسی تھی کہ وہ لوگ عذاب کے آثار دیکھ کر ڈر گئے تھے، مگر اور کافر ایسے سخت دل تھے کہ علامات عذاب دیکھ کر بھی نہ ڈرے (تفسیر معارف القرآن ادریسی، ج۳ص۶۳۴، سورہ یونس، رقم الآیۃ ۹۸، مطبوعہ: مکتبۃ المعارف، شہداد پور، سندھ، طبع دوم 1422 ہجری) [2]

---

[1] قلت :قول الزجاج حسن، فإن المعاينة التي لا تنفع التوبة معها هي التلبس بالعذاب كقصة فرعون، ولهذا جاء بقصة قوم يونس على أثر قصة فرعون لأنه آمن حين رأى العذاب فلم ينفعه ذلك، وقوم يونس تابوا قبل ذلك .ويعضد هذا قوله عليه السلام :(إن الله يقبل توبة العبد ما لم يغرغر .(والغرغرة الحشرجة، وذلك هو حال التلبس بالموت، وأما قبل ذلك فلا .والله أعلم . وقد روى معنى ما قلناه عن ابن مسعود، أن يونس لما وعدهم العذاب إلى ثلاثة أيام خرج عنهم فأصبحوا فلم يجدوه فتابوا وفرقوا بين الأمهات والأولاد، وهذا يدل على أن توبتهم قبل رؤية علامة العذاب .وسيأتي مسندا مبينا في سورة "والصافات. إن شاء الله تعالى .ويكون معنى (كشفنا عنهم عذاب الخزي) أي العذاب الذي وعدهم به يونس أنه ينزل بهم، لا أنهم رأوه عيانا ولا مخايلة، وعلى هذا لا إشكال ولا تعارض ولا خصوص، والله أعلم(تفسير القرطبي، ج۸، ص۳۸۴، ۳۸۵،سورة يونس)

[2] قال ابن جرير :خص قوم يونس من بين الأمم بأن تيب عليهم من بعد معاينة العذاب، وحكى ذلك عن جماعة من المفسرين .وقال الزجاج :إنه لم يقع العذاب، وإنما رأوا العلامة التي تدل على العذاب، ولو رأوا عين العذاب لما نفعهم الإيمان، وهذا أولى من قول ابن جرير .والمراد بعذاب الخزي :الذي كشفه الله عنهم، وهو العذاب الذي كان قد وعدهم يونس أنه سينزل عليهم ولم يروه، أو الذي قد رأوا علاماته دون عينه(تفسير فتح القدير،للشوكاني،ج۲،ص۵۳۹،سورة يونس)

اور تفسیر معارف القرآن عثمانی میں ہے:

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ .

جس کا مفہوم صاف یہ ہے کہ دنیا کے عام بستی والوں کے متعلق بطور اظہارِ افسوس یہ ارشاد ہے کہ وہ ایسے کیوں نہ ہوگئے کہ ایمان اس وقت لے آتے، جس وقت تک ایمان مقبول اور نافع ہوتا ہے، یعنی عذاب میں یا موت میں مبتلا ہونے سے پہلے پہلے ایمان لے آتے، تو ان کا ایمان قبول ہو جاتا، مگر قوم یونس اس سے مستثنیٰ ہے کہ وہ آثارِ عذاب دیکھ کر عذاب میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی ایمان لے آئی، تو ان کا ایمان اور توبہ قبول ہوگئی۔

آیت کا یہ واضح مفہوم خود بتلا رہا ہے کہ یہاں کوئی خدائی قانون نہیں توڑا گیا، بلکہ عین خدائی دستور کے مطابق ان کا ایمان اور توبہ قبول کر لی گئی ہے۔

اکثر مفسرین بحر محیط، قرطبی، زمخشری، مظہری، روح المعانی وغیرہ نے آیت کا یہی مفہوم لکھا ہے، جس میں قومِ یونس کی توبہ قبول ہونا عام قانونِ الٰہی کے تحت ہے۔............

فرعون کا ایمان ابتلائے عذاب کے بعد تھا، بخلاف قوم یونس کے کہ وہ، وقوعِ عذاب سے پہلے ہی ایمان لے آئی، اس بات کی تائید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا ہے، جب تک وہ غرغرہ کی حالت میں نہ پہنچ جائے، اور غرغرہ موت کے وقت طاری ہونے والے سکرات کو کہتے ہیں، اور یہی بات حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت سے معلوم ہوتی ہے، جس میں بتلایا ہے کہ قوم یونس نے وقوعِ عذاب سے پہلے توبہ کر لی تھی۔

قرطبی فرماتے ہیں کہ اس تقریر و تفسیر پر نہ کوئی اشکال ہے، نہ تعارض، نہ قوم یونس کی

تخصیص (تفسیر معارف القرآن عثمانی، ج۴ص۵۷۱، ۵۷۲، سورہ یونس، رقم الآیۃ ۹۸، مطبوعہ: مکتبہ معارف القرآن، کراچی) ؎

لہٰذا علامہ ابنِ عابدین شامی کا مذکورہ قول، محققین جمہور علما اور اکثر مفسرین کے مطابق اور راجح

---

؎ إلا قوم یونس استثناء منقطع یعنی لکن قوم یونس أمنوا فنفعهم ایمانهم .
وجاز ان تكون الجملة فی معنی النفی لتضمن حرف التحضیض معناه فیكون الاستثناء متصلا- والمعنی ما أمن أحد من اهل قریة عاصیة قبل معائنة العذاب الأخروی حالة الغرغرة الا قوم یونس فانهم أمنوا قبل حالة الغرغرة وقبل رؤیة العذاب الأخروی لما آمنوا فی حالة الاختیار قبلنا منهم الایمان اخرج ابن مردویة عن عائشة عن النبی صلی الله علیه وسلم فی هذه الایة قال لما أمنوا دعوا وكشفنا عنهم عذاب الخزی فی الحیاة الدنیا ومتعناهم فی الدنیا إلی حین ای وقت معین معلوم عند الله تعالی وهو وقت اجالهم -وقال البغوی تأویل هذه الایة انه لم یكن قریة امنت عند معائنة العذاب فنفعها إیمانها فی حالة البأس الا قوم یونس -فانهم نفعهم ایمانهم فی ذلک الوقت -ثم قال واختلفوا فی انهم هل رأوا العذاب عیانا اولا -فقال بعضهم راوا دلیل العذاب والأكثرون علی انهم راوا العذاب عیانا -بدلیل قوله تعالی كشفنا عنهم عذاب الخزی -والكشف یكون بعد الوقوع.
وكلام البغوی هذا یفید ان الایمان فی حالة العذاب الدنیوی لا یقبل ولم یقبل الا من قوم یونس وتسمی تلک الحالة حالة البأس.
والصحیح ان المراد برؤیة العذاب الألیم المانع من قبول الایمان رؤیة العذاب الأخروی عند حضور الموت حین یری ملائكة الموت -الا تری ان الكفار عذبوا یوم بدر بالعذاب الدنیوی من القتل والاسر وغیر ذلک ثم أمن بعض من بقی منهم حیا -وكذا كان حال قوم یونس انهم أمنوا قبل رؤیة العذاب الأخروی. فقبل الله تعالی ایمانهم بعد ما رأوا العذاب فی الدنیا -ثم لما أمنوا كشف الله عنهم عذاب الخزی فی الحیوة الدنیا.
واما ایمان فرعون فلم یقبل اما لكونه عند الغرغرة واما لعدم خلوصه الی قلبه بسبب دعاء موسی اشدد علی قلوبهم -وقد كان من عادة فرعون وقومه انهم كلما وقع علیهم الرجز قالوا یا موسی ادع لنا ربک بما عهد عندک لئن كشفت عنا الرجز لنؤمنن لک ولنرسلن معک بنی إسرائیل وكان كلما كشف الله عنهم الرجز إلی أجل هم بالغوه إذا هم ینكثون فلعله أمن فرعون حینئذ ایضا بلسانه دون قلبه فلم یقبل منه(التفسیر المظهری، ج۵، ص۵۵، ۵۶، سورة یونس)
بقی قوم یونس فالنص شاهد علی اعتبار إیمانهم بعد مشاهدة عذاب الاستئصال أیضا، فإما أن یقال بالتخصیص، أو تحرر المسألة علی نحو آخر، وهو علی ما أقول :إن قوما إذا آمنوا عند إحاطة عذاب الاستئصال، فلا یخلو إما أن یكشف ذلک العذاب عنهم، أو لا، فإن كشف كما كشف عن قوم یونس علیه السلام یعتبر به، وإن لم یكشف حتی هلكوا فیه لا یعتبر، نحو فرعون، وحینئذ یندفع الإشكال(فیض الباری علی صحیح البخاری، ج۵، ص۲۸۴، ۲۸۵، كتاب تفسیر القرآن، سورة یونس، باب: وجاوزنا ببنی إسرائیل البحر فأتبعهم فرعون وجنوده بغیا وعدوا، الخ)

نہیں، کیونکہ محققین جمہور علما اور اکثر مفسرین کے قول کے پیشِ نظر، قومِ یونس کے ایمان کو شریعت کے عام ضابطہ سے مستثنیٰ کرنے کی ضرورت نہیں۔

اور علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے سلسلہ میں جو کچھ نقل و اختیار فرمایا، دلائل کے پیشِ نظر اس سے بھی اتفاق مشکل ہے، اور اس کے متعلق کچھ کلام پہلے گزر چکا ہے، اور کچھ کلام آگے ملا علی قاری وغیرہ کے حوالہ سے آتا ہے۔

اور پہلے یہ بھی گزر چکا ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کے متعلق، اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق جو حکم بیان فرمایا، اس کو بیان و نقل کرنا اور اس کے مطابق عقیدہ رکھنا ادب کے خلاف نہیں، بلکہ دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات کو نظر انداز کرنے میں نبی صلی علیہ وسلم کا سوئے ادب پایا جاتا ہے، اگرچہ کسی کو طبعی وجذباتی طور پر اس کے برخلاف محسوس ہوتا ہو، لیکن ادب کا مدار شریعت کے اصولوں پر مبنی ہے، اس کے مقابلہ میں کسی کا طبعی جذبہ وداعیہ شریعت کی نظر میں اہمیت نہیں رکھتا۔

جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے سورج لوٹائے جانے والی حدیث کا تعلق ہے، تو اس کی سند پر بھی محدثین نے کلام کیا ہے۔ [1]

---

[1] قلت: وخلاصة ما تقدم يتبين لنا أنّ جميع طرق الحديث ضعيفة فهى لا تخلو من متروك أو ضعيف أو مجهول أو غال فى التشيع.

قال الذهبى فى "تلخيص الموضوعات": "أملى أبو القاسم الحسكانى مجلسا فى رد الشمس فقال: روى ذلک عن أسماء بنت عميس وعلى وأبى هريرة وأبى سعيد بأسانيد متصلة. قلت: لكنها ساقطة ليست بصحيحة "تنزية الشريعة 379 /1

هذا بالنسبة للإسناد أما المتن ففيه اختلاف كثير بينه شيخ الإسلام فى "منهاج السنة" وابن كثير فى "الشمائل" فليراجع.

وحكم الإمام أحمد (المقاصد ص 226) وابن المدينى (شمائل ابن كثير ص 160) على هذا الحديث بأنّه لا أصل له.

وقال الحافظ أبو بكر محمد بن حاتم بن زنجويه البخارى فى كتابه "إثبات إمامة الصديق": "الحديث ضعيف جدا لا أصل له "الشمائل ص 148

وحكم عليه غير واحد بأنّه موضوع وكذب، منهم:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر بنی اسرائیل کے مقتول کا زندہ کیا جانا، توبہ وایمان کے لیے نہیں تھا، بلکہ قاتل کی خبر دینے کے لیے تھا، جبکہ کافر ومشرک کو توبہ وایمان کے لیے لوٹائے جانے کی نصوص میں نفی پائی جاتی ہے، لہٰذا یہ قیاس بھی مع الفارق ہوا، اور اصل بات تو یہی ہے کہ جس کا دوبارہ زندہ ہونا شریعت کے مضبوط دلائل سے ثابت ہو، اس کو قبول کیا جائے گا، ورنہ نہیں۔

اور ابھی تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا زندہ کیا جانا شریعت کے معتبر دلائل سے ثابت ہی نہیں، پھر اس کے نظائر کہاں تک درست ہو سکتے ہیں۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ کسی کے فوت ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا تعلق عقیدہ سے ہے، جس کے لیے ''ضعیف'' حدیث بھی کافی نہیں۔

بہر حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین سے متعلق جس موقف کو علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا ہے، اور بہت سے فتاویٰ میں بھی اسی کی اتباع کی گئی ہے، محققین کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

1-ابن الجوزی حیث ذکرہ فی "الموضوعات "وجزم بوضعه.
2-قال محمد بن ناصر البغدادی الحافظ :هذا الحدیث موضوع"
3-قال الذهبی :وصدق ابن ناصر "الشمائل لابن کثیر ص 147
4-شیخ الإسلام ابن تیمیة فی "منهاج "السنة(195 - 185 /4) "
5-محمد ویعلی ابنی عبید الطنافسی .الشمائل ص 149
6-أبو الحجاج المزی .حکاہ ابن کثیر (الشمائل ص 160)
7-ابن القیم، فإنّه جعله من أمثلة الموضوع فی کتابه "المنار المنیف.

وأما کلام أحمد بن صالح الذی تقدم فقد أجاب عنه شیخ الإسلام بقوله :قلت :أحمد بن صالح رواہ من الطریق الأول ولم یجمع طرقه وألفاظه التی تدل من وجوہ کثیرة علی أنّه کذب، وتلک الطریق راویها مجهول عنده لیس معلوم الکذب عنده فلم یظهر له کذبه، والطحاوی لیست عادته نقد الحدیث کنقد أهل العلم ولهذا روی فی "شرح معانی الآثار "الأحادیث المختلفة، وإنما یرجح ما یرجحه منها فی الغالب من جهة القیاس الذی رآہ حجة ویکون أکثرها مجروحا من جهة الإسناد لا یثبت، ولا یتعرض لذلک فإنّه لم تکن معرفته بالإسناد کمعرفة أهل العلم به وإنْ کان کثیر الحدیث فقیها عالما "منهاج السنة 194 /4(أنیس الساری تخریج احادیث فتح الباری ،لأبی حذیفة نبیل بن منصور البصارة الکویتی،تحت رقم الحدیث، ۲۰۶۷، ج۴،ص ۳۰۸۴،۳۰۸۵، حرف الدال)

نزدیک اس کا دلائلِ صحیحہ وقویہ سے راجح ہونا ظاہر نہ ہوسکا۔

## محمد عبد الغنی مجددی حنفی کا حوالہ

محمد عبدالغنی مجددی حنفی (المتوفیٰ:1296ہجری)''سنن ابنِ ماجہ'' کی شرح ''انجاح الحاجۃ'' میں فرماتے ہیں:

**فسأل عن النبی صلی الله علیه وسلم ان أباه مع هذه الأوصاف الجمیلة أین مدخله أی فی الجنة أم فی النار فأجابه صلی الله علیه وسلم بأنه فی النار ثم فسره ورفع حزنه بأن المشرک لا ینفعه شیء من الصدقات والمبرات .**

**وأما والدا النبی صلی الله علیه وسلم ففیهما أقوال:**

**المتقدمون بأجمعهم علی أنهما ماتا علی الکفر وهو مروی عن أبی حنیفة وتمسکوا بحدیث الباب وغیره.**

**وبعض المتأخرین اثبتوا اسلامهما.**

**فتارة یقولون انهما احییا وأسلما.**

**وهذا القول واه. حیث رده القرآن والأحادیث الصحیحة. قال الله تعالی :فلما رأوا بأسنا قالوا آمنا بالله وحده وکفرنا بما کنا به مشرکین فلم یک ینفعهم ایمانهم لما رأوا بأسنا .**

**وقال تعالی: ولیست التوبة للذین یعملون السیئات حتی إذا حضر أحدهم الموت قال انی تبت الان ولا الذین یموتون وهم کفار.**

**وأما حدیث ذهبت بقبر أمی فسألت ان یحییها الخ رواه الخطیب عن عائشة مرفوعا ورواه بن شاهین عنها.**

**قال بن الباجی هو موضوع وفی إسناده محمد بن زیاد النقاش**

**ليس بثقة وأحمد بن يحيى البيرمى ومحمد بن يحيى البيرمى مجهولان.**

**وقد أطال فى اللالى الكلام على هذا الحديث وقال الصواب الحكم عليه بالضعف لا بالوضع.**

**وحديث شفعت فى هؤلاء النضر أمى وأبى وعمى أبى طالب وأخى من الرضاعة يعنى بن السعدية رواه الخطيب عن بن عباس مرفوعا وقال باطل ذكره الشوكانى.**

**وتارة بأن أهل الفترة ما كانوا مشركين ولا يخفى سخافة هذا القول.**

**وقد صنف الحافظ السيوطى رسالة مختصرة فى هذا الباب.**

**قلت والقول الثالث السكوت فى هذا البحث فإن الكلام فيه ربما يطول فيخل بحضرة النبوة بما هو أهل لذلك صلوات الله وسلامه عليه.**

**وتأول حديث الباب من قال بإسلامهما بأن المراد من أبيه أبى طالب عمه.**

**والحديث الأول بأنها ماتت معصومة فلا تحتاج الى الاستغفار كما ان الصبى لا يستغفر له** (إنجاح الحاجة، لمحمد عبد الغنى المجددى الحنفى، ص ۱۱۳، باب ما جاء فى التقليس، مشمولة : شرح ابنِ ماجه)

ترجمہ: پس اس اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ اس کا والدان عمدہ اوصاف کے باوجود کہاں داخل ہوگا، جنت میں یا جہنم میں؟ تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا کہ وہ جہنم میں داخل ہوگا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس کی تفسیر فرمائی، اوراس کے غم کو دور فرمایا کہ مشرک کو کوئی چیز خواہ وہ صدقات میں سے ہو یا دوسرے نیک اعمال میں سے، نفع نہیں پہنچائے گی۔

جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا معاملہ ہے، تو ان کے متعلق مختلف اقوال ہیں:

تمام متقدمین اس بات پر ہیں کہ اُن کی وفات کفر کی حالت میں ہوئی، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے، جنہوں نے حدیثِ باب سے دلیل پکڑی ہے۔ [1]

اور بعض متاخرین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے اسلام کو ثابت قرار دیا ہے۔

پھر یہ مذکورہ بعض متاخرین کبھی تو یہ تاویل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کیا گیا، اور وہ اسلام لائے۔

لیکن یہ تاویل انتہائی رکیک ہے، جس کی قرآن اور صحیح احادیث سے تردید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا (سورہ غافر میں) ارشاد ہے کہ:

"فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِيْنَ. فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا"

اور (سورہ نساء میں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

"وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّيْ تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ"

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنی

---

[1] اور ہم نے یہ بات اپنے مقام پر ذکر کر دی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے مذکورہ حدیث مروی ہے، جو "مسند امام ابی حنیفة" میں موجود ہے، اور "الفقه الاکبر" میں بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے یہی حکم منقول ومروی ہے، اور اس عبارت کو "مدسوس" قرار دینا درست نہیں، خود علامہ عبدالغنی مجددی نے بھی مذکورہ بالا عبارت میں اس کا اعتراف فرمایا ہے، بلکہ اسی کے ساتھ اس قول کو تمام متقدمین کی طرف منسوب کیا ہے۔ محمد رضوان خان۔

ماں کی قبر کے پاس جا کر ان کے زندہ کیے جانے کا سوال کیا، الخ ،جس کو خطیب نے حضرت عائشہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، اور ابنِ شاہین نے بھی حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے۔

تو ابنِ باجی نے فرمایا کہ یہ حدیث ''موضوع'' ومن گھڑت ہے،اور اس کی سند میں ''محمد بن زیاد نقاش'' ثقہ راوی نہیں،اور احمد بن یحییٰ بیرمی،اور محمد بن یحییٰ بیرمی ''مجہول'' راوی ہیں۔

اور ''اللآلی'' میں اس حدیث پر لمبا کلام کیا ہے،اور کہا کہ درست بات یہ ہے کہ اس حدیث پر ''ضعیف'' ہونے کا حکم لگایا جائے،نہ کہ ''موضوع'' ومن گھڑت ہونے کا۔ [1]

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) میں ان افراد کی شفاعت کروں گا،ایک اپنی ماں کی،اور ایک اپنے باپ کی،اور ایک اپنے چچا ابوطالب کی،اور ایک اپنے رضاعی بھائی ابنِ سعدیہ کی،جس کو خطیب نے ابنِ عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے،تو اس حدیث کے بارے میں خطیب نے فرمایا کہ یہ باطل ہے،جس کا شوکانی نے ذکر کیا ہے۔ [2]

اور مذکورہ بعض متاخرین کبھی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ''اہلِ فترۃ'' مشرک نہیں

[1] تاہم اس بات سے اتفاق مشکل ہے،کیونکہ اس روایت کے راویوں پر شدید جرح کی گئی ہے،جس میں ''متہم بالکذب'' ہونے کی جرح بھی شامل ہے،اور ایسی حدیث کو ضعیف کے بجائے ''موضوع'' یا ''شدید ضعیف'' قرار دیا جاتا ہے، بالخصوص جب اس طرح کی سند پر مشتمل حدیث نصوصِ صحیحہ کے خلاف ہو،تو اس کا ''موضوع'' ہونا ہی راجح ہوا کرتا ہے،اور اگر بالفرض ''ضعیف'' قرار دیا جائے،تو صرف فضائل کے باب سے اس کا تعلق نہیں بنتا، بلکہ اہم عقیدے کے ساتھ اس کا تعلق ہے، کیونکہ اس میں فوت شدہ کے زندہ کیے جانے اور بحالتِ کفر فوت ہونے والے کو بھی ایمان کی اجازت حاصل ہونے کا ذکر ہے۔محمد رضوان خان۔

[2] اس حدیث کے غیر معتبر سند پر مشتمل ہونے اور اس کے صحیح احادیث کے خلاف ہونے پر کلام، اسی رسالہ میں بھی فصل نمبر پانچ کے ذیل میں گزر چکا ہے۔محمد رضوان خان۔

تھے، لیکن اس قول کی کمزوری بھی مخفی نہیں ہے۔ [1]

اور اس موضوع پر حافظ سیوطی نے مختصر رسالہ تصنیف کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ تیسرا قول اس بحث سے سکوت اختیار کرنے کا ہے، کیونکہ اس میں کلام بعض اوقات طویل ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شایانِ شان جو طرزِ عمل ہے، اس میں خلل واقع ہوتا ہے۔ [2]

اور جن حضرات نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے مسلمان ہونے کا قول کیا ہے، انہوں نے اس باب کی حدیث کی تاویل یہ کی ہے کہ اس حدیث میں باپ سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب ہیں۔

اور پہلی حدیث کے متعلق (جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں کے استغفار کی ممانعت کے بارے میں ہے) ان حضرات نے یہ تاویل کی کہ وہ معصوم تھیں، لہٰذا ان کو استغفار کی ضرورت نہیں تھی، جیسا کہ بچے کو استغفار کی ضرورت نہیں ہوتی (انجاح الحاجۃ)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ تمام متقدمین کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، کفر کی حالت میں فوت ہوئے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے، البتہ بعض متاخرین کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مسلمان ہیں، جس کی وجہ بعض حضرات یہ قرار دیتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو دوبارہ زندہ کر کے اسلام سے مشرف کیا گیا، لیکن یہ بات نصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے نہایت کمزور ہے، اور اس سلسلہ میں پیش کی جانے والی حدیث ''**شدید ضعیف**'' یا ''**موضوع**'' ہے، کیونکہ اس میں ''**متھم بالکذب**'' راوی ہیں، اور اس سلسلہ کی دوسری روایت بھی سند کے اعتبار سے غیر معتبر ہے۔

---

[1] کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں جن مشرکینِ مکہ کو حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام کی دعوت پہنچی، لیکن وہ پھر بھی بت پرستی میں مبتلا رہے، تو ان کا حنفیہ کے ساتھ ساتھ شافعیہ کے نزدیک بھی مشرک ہونا ہی راجح ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا، اور آگے بھی آتا ہے۔ محمد رضوان خان۔

[2] لیکن اگر پہلے سے مختلف جہات سے طولِ لاطائل بحثیں جاری ہوں، تو تحقیق کے لیے ان سب کا ''الم نشرح'' کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ محمد رضوان خان۔

اور اہلِ فترت کے مشرک نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان ہونے کا حکم لگانے کی تاویل بھی کمزور ہے، جیسا کہ ملا علی قاری کے حوالہ سے آگے آتا ہے، اور پیچھے امام نووی اور ''البدر الأنور شرح الفقه الأكبر'' وغیرہ کے حوالہ سے بھی گزر چکا ہے۔

جہاں تک اس سلسلہ میں مروی احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ سے، چچا مراد لینے کا تعلق ہے، تو یہ بات بھی انتہائی کمزور ہے، کیونکہ حقیقت سے مجاز کی طرف پھیرنے کی کوئی معقول و مستند دلیل نہیں، اور احادیث میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کا ذکر ''باپ'' کے بجائے ''عـــــم'' یعنی چچا کے الفاظ سے فرمایا ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے حوالہ سے پہلے گزرا۔

پھر اس طرح کی تاویل کرنے والے اپنے مقصد و منشاء کے مطابق اس حدیث میں مذکور ان ہی الفاظ کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کو زندہ کیے جانے کا ذکر ہے۔

حالانکہ وہ حدیث نا قابلِ اعتبار ہے۔

جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے لیے استغفار کی ممانعت کی اس تاویل کا تعلق ہے کہ وہ معصوم ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت مند نہیں تھیں، تو یہ تاویل بھی احادیثِ صحیحہ کی تصریحات کی رُو سے قابلِ اعتبار معلوم نہیں ہوئی، کیونکہ احادیث میں استغفار کی اجازت نہ ملنے کی وجہ شرک کی حالت میں فوت ہونا اور اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا غمگین ہونا، اور رونا وغیرہ مذکور ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ معصوم ہونے کی بناء پر رونے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ خوش ہونے کی ضرورت تھی۔ واللہ اعلم۔ [1]

---

[1] پھر اس کے بعد ''مرعاۃ المفاتیح'' میں بھی اس کی توضیح دستیاب ہوئی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کیے جانے کی حدیث ''شديد ضعيف'' ہے، جس پر بعض نے ''موضوع'' ہونے کا حکم لگایا ہے، اور بعض نے اس کو صرف ''ضعيف'' کہنے پر اکتفاء کیا ہے، اور رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا آخرت میں امتحان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# ”بذلُ المجھود“ کا حوالہ

”سنن ابی داؤد“ کی شرح ”بذلُ المجھود“ میں ہے:

**عن أبی هريرة قال: أتـى رسول الله – صلى الله عليه وسلم – قبر أمـه فبـكـى وأبكى من حوله، فقال: استـأذنـت ربى تعالى على أن أستـغفر لها فلم يأذن لى، فاستأذنت) ربى (أن أزور قبرها فأذن لى، فزوروا القبور فإنها تذكر بالموت).**

**قـال الـنووى:قولـه: استـأذنـت ربى ...إلخ: فيــه جـواز زيارة الـمشـر كيـن فـى الـحيـاة، وقبـورهـم بعد الوفاة؛ لأنه إذا جازت**

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

میں مبتلا ہونا، تو یہ دعویٰ، دلیل سے خالی ہے، جس کی طرف التفات نہیں کیا جا سکتا۔ ملاحظہ ہو مندرجہ ذیل عبارت:

انتهى كلام السندى .ولا يـخـفـى ما فى الوجوه الثلاثة من الضعف؛ لأن حديث إحياء أبويه – صلى الـله عليه وسلم – ضعيف جدا، حتى حكم عليه بعض الأئمة بالوضع كالدارقطنى والجوزقانى وابن الـجوزى وابن دحية، وصرح بضعفه فقط غير واحد كابن شاهين والخطيب وابن عساكر والسهلى والمحب الطبرى وابن سيد الناس، وقد اعترف بضعفه السيوطى أيضا حيث قال: وروى ابن شاهين حـديثا مسـندا فى ذلـک لکن الحديث مضعف .وأمـا الآية الكريمة }ومـا كـنـا معذبين حتى نبعث رسولا {فهـى مـكية، وزيـارتـه – صـلـى الـلـه عـليه وسلم – لقبر أمه كانت عام الفتح .وقيل: عام الـحديبية سنة ست من الهجرة .وقيل: الآية فـى حـق الأمم السالفة السابقة خاصة .وقيل: المنفى فيهـا عذاب الاستئصال فى الدنيا لا عذاب الآخرة .وقيل: الـمراد وما كنا معذبين فى الأعمال التى لا سبيل إلى معرفتها إلا بالشرع إلا بعد مجىء الشرع من أنواع العبادات والحدود .وأما القول بأنه تـعـالـى يـوفـقهما للخير عند الامتحان فى يوم القيامة فهى دعوى مجردة من غير برهان .فلا يلتفت إليه .قـال النووى فى شرح حديث أنس "إن رجـلا قال يا رسول الله! أين أبى؟ قال: فى النار، قال: فلما قفى دعاه .فقال: إن أبى وأباک فى النار، فيه أن من مات على الفترة على ما كانت عليه العرب مـن عبـادة الأوثـان فهـو من أهل النار، وليس هذا مؤاخذة قبل بلوغ الدعوة .فإن هؤلاء قد بلغتهم دعـوة إبـراهيـم وغيـره من الأنبياء صلوات الله وسلامه عليهم–انتهى .وهـذا يدل على أن النووى يـكـتـفـى فـى وجوب الإيمان على كل أحد ببلوغه دعوة من قبله من الرسل، وإن لم يكن مرسلا إليه، وإلـى ذلـک ذهـب الـحـليـمـى، كما صرح به فى منهاجه(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۵ص ۵۱۲،۵۱۳، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور)

زيـارتهـم بـعـد الـوفـاة فـفـي الـحيـاة أولـى، وقـد قـال الله تـعـالـى: (وصـاحبهـمـا فى الدنيا معروفا) وفيه النهى عن الاستغفار للكفار، انتهى.

وقد بالغ السيوطى فى إثبات إيمان أبوى رسول الله – صلى الله عليه وسلم.

قال القارى: ثم الجمهور على أن والديه – صلى الله عليه وسلم – ماتا كافرين، وهذا الحديث أصح ما روى فى حقهما .

وأما قول ابن حجر: وحديث إحيائهما حتى آمنا به ثم توفيا؛ حديث صحيح، وممن صححه الإمام القرطبى والحافظ ابن ناصر الدين.

فعلى تقدير صحته لا يصلح أن يكون معارضا لحديث مسلم، مع أن الحفاظ طعنوا فيه، ومنعوا جوازه لأن إيمان اليأس غير مقبول إجماعا، كما يدل عليه الكتاب والسنة، وبأن الإيمان المطلوب من المكلف إنما هو الإيمان الغيبى، وقد قال تعالى: (ولو ردوا لعادوا لما نهوا )

وهذا الحديث الصحيح صريح أيضا فى رد ما تشبث به بعضهم بانهما كانا من أهل الفترة ، ولا عذاب عليهم، مع اختلاف فى المسألة (بذل المجهود فى حل سنن ابى داؤد، ج۱۰ ص۵۲۴، ۵۲۵، كتاب الجنائز، باب: فى زيارة القبور)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ماں کی قبر پر تشریف لائے، پھر رونا شروع کیا، اور آپ کے اردگرد کے افراد

نے بھی رونا شروع کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب تعالیٰ سے اس بات کی اجازت طلب کی کہ میں اپنی ماں کے لیے استغفار کروں، تو مجھے رب تعالیٰ نے اجازت مرحمت نہیں فرمائی، پھر میں نے اپنے رب سے اس بات کی اجازت طلب کی کہ میں اپنی ماں کی قبر کی زیارت کروں، تو اس کی مجھے رب تعالیٰ نے اجازت دے دی، پس تم قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ یہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔

نووی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ''استأذنت ربی... الخ'' کے متعلق فرمایا کہ اس میں زندگی کے اندر مشرکین کی زیارت کا جواز پایا جاتا ہے، اور وفات کے بعد ان کی قبروں کی زیارت کا بھی جواز پایا جاتا ہے، کیونکہ جب ان کی زیارت وفات کے بعد جائز ہے، تو زندگی میں بدرجۂ اولیٰ جائز ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''وصاحبهما في الدنيا معروفا'' اور اس حدیث میں کفار کے لیے استغفار کی ممانعت پائی جاتی ہے، نووی کا کلام ختم ہوا۔

لیکن سیوطی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے ایمان کو ثابت کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔

ملا علی قاری نے فرمایا کہ جمہور کا قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علہ وسلم کے والدین کافر ہو کر فوت ہوئے، اور یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے حق میں مروی تمام احادیث میں صحیح تر ہے۔

رہا ابنِ حجر مکی کا یہ قول کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کر کے ایمان لانے اور پھر فوت کر دیئے جانے کی حدیث صحیح ہے، جس کو امام قرطبی اور حافظ ابنِ ناصر الدین نے صحیح قرار دیا ہے''

تو اگر اس کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے، تو اس میں مسلم کی حدیث کے معارضہ کی

صلاحیت نہیں پائی جاتی، باوجودیکہ حفاظ نے زندہ کیے جانے کی حدیث پر طعن بھی کیا ہے، اوراس کے جواز سے منع کیا ہے، کیونکہ حالتِ نزع کا ایمان بالاجماع قبول نہیں، جس پر کتابُ اللہ اورسنتِ رسول اللہ دلالت کرتی ہے (پھراس کے بعدکا کیونکرقبول ہوگا) اورایک وجہ یہ بھی ہے کہ مکلّف سے جوایمان مطلوب ہے، وہ صرف ایمانِ غیبی ہے، اوراللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اگران کولوٹا دیا جائے، تو جن چیزوں سے انہیں منع کیا گیا، وہ یقیناً ان ہی کودوبارہ کریں گے''

اور یہ صحیح حدیث اس کے رَد میں بھی صریح ہے، جس پر بعض نے یہ بحث کی ہے کہ وہ اہلِ فترَت میں سے تھے، اوران پر عذاب نہیں ہے، باوجودیکہ خوداس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے (بذلُ المجهود)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں صاحبِ ''بذلُ المجهود'' کا رجحان، ملاعلی قاری کے موقف کی طرف ہے۔

## ''عونُ المعبود'' کا حوالہ

''سنن ابی داوٗد'' کی شرح ''عونُ المعبود'' میں ہے:

**وكل ما ورد بإحياء والديه صلى الله عليه وسلم وإيمانهما ونجاتهما أكثره موضوع مكذوب مفترى وبعضه ضعيف جدا لا يصح بحال لاتفاق أئمة الحديث على وضعه كالدارقطني والجوزقاني وبن شاهين والخطيب وبن عساكر وبن ناصر وبن الجوزى والسهيلي والقرطبي والمحب الطبرى وفتح الدين بن سيد الناس وإبراهيم الحلبي وجماعة.**

**وقد بسط الكلام في عدم نجاة الوالدين العلامة إبراهيم الحلبي**

فـی رسـالة مستـقـلة والـعلامة علی القاریء فی شرح الفقه الأکبر وفی رسالة مستقلة .

ویشهد لصحة هذا المسلک هذا الحدیث الصحیح.

والشیـخ جـلال الـدیـن السیـوطـی قـد خـالف الـحـافظ والعلماء الـمـحـققین وأثبت لهما الإیمان والنجاة فصنف الرسائل العدیدة فـی ذلک مـنهـا رسـالة التعظیم والمنة فی أن أبوی رسول الله فی الجنة.

قلت العلامة السیوطی متساهل جدا لا عبرة بکلامه فی هذا الباب ما لم یوافقه کلام الأئمة النقاد.

وقـال السندی من یقول بنجاة والدیه صلی الله علیه وسلم یحمله عـلـی الـعـم فإن اسم الأب یطلق علی العم مع أن أبا طالب قد ربی رسـول الـلـه صـلی الله علیه وسلم فیستحق إطلاق اسم الأب من تلک الجهة انتهی.

وهذا أیضا کلام ضعیف باطل.

وقـد مـلأ مـؤلف تـفسیـر روح البیـان تفسیره بهذه الأحـادیـث الـمـوضـوعة الـمـکـذوبة کما هو دأبه فی کل موضع من تفسیره بـإیـراده لـلـروایـات الـمـکـذوبة فصار تفسیره مخزن الأحادیث الموضوعة.

وقـال بـعض العلماء التوقف فی الباب هو الأسلم وهو کلام حسن والـلـه أعلم (عون الـمـعـبود شـرح سـنـن أبی داود، لمحمد أشرف بن أمیر، العظیم آبادی، ج۱۲، ص۳۲۴، کتاب السنة، باب فی ذراری المشرکین)

ترجمہ: اور وہ سب روایات جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ کیے جانے اوران کے ایمان لانے اوران کی نجات کے متعلق وارِد ہوئی ہیں، اُن میں سے اکثر موضوع اور جھوٹی اور خود ساختہ ہیں، اور بعض ان میں سے سخت ضعیف ہیں، جو کسی حال میں بھی صحیح نہیں، کئی ائمہ حدیث کا اُن کے خود ساختہ ہونے پر اتفاق ہے، جیسا کہ دارقطنی اور جورقانی اور ابنِ شاہین اور خطیب اور ابنِ عساکر اورابنِ ناصر اورابنِ جوزی اور سہیلی اور قرطبی اور محبّ طبری اور فتح الدین بن سید الناس اورابراہیم حلبی اورایک جماعت کے نزدیک۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ''ناجی'' نہ ہونے پر علامہ ابراہیم حلبی نے اپنے مستقل رسالہ میں تفصیلی کلام کیا ہے، اور ملا علی قاری نے ''شرح الفقہ الاکبر'' میں اوراپنے ایک مستقل رسالہ میں بھی اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔

اوراس مسلک کے صحیح ہونے کی یہ صحیح حدیث شہادت دیتی ہے۔

اور شیخ جلال الدین سیوطی نے حفاظ اور علمائے محققین کی مخالفت کی ہے، اورانہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے لیے ایمان اور نجات کو ثابت کیا ہے، جس پرانہوں نے چند رسائل تصنیف کیے ہیں، ان میں سے ایک رسالہ اس نام سے ہے ''التعظیم والمنة فی أن أبوی رسول اللہ فی الجنة''

میں کہتا ہوں کہ علامہ سیوطی بہت زیادہ متساہل ہیں، اس باب میں ان کے کلام کا اعتبار نہیں، جب تک کہ ان کی موافقت ائمہ نقاد کے کلام سے نہ ہو۔

اور علامہ سندھی نے فرمایا کہ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات کے قائل ہیں، وہ اس حدیث میں ''باپ'' کے لفظ کو ''چچا'' پر محمول کرتے ہیں، کیونکہ ''باپ'' کا نام ''چچا'' پر بھی بولا جاتا ہے، باوجو یکہ ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت فرمائی ہے، اس جہت سے وہ ''باپ'' کے نام کے

اطلاق کے مستحق ہوئے، سندھی کا کلام ختم ہوا۔

لیکن یہ کلام بھی ''ضعیف'' اور ''باطل'' ہے۔ [1]

اور ''تفسیر روح البیان'' کے مؤلف نے ان من گھڑت اور جھوٹی احادیث سے اپنی تفسیر کو بھر دیا ہے، جیسا کہ ان کی اپنی تفسیر میں ہر جگہ عادت ہے کہ وہ جھوٹی روایات کو لاتے ہیں، اس لیے ان کی تفسیر ''موضوع'' احادیث کا خزانہ بن گئی۔

اور بعض علماء نے اس سلسلہ میں توقف کو زیادہ سلامتی کا باعث قرار دیا ہے، اور یہ اچھا کلام ہے۔ واللہ اعلم (عونُ المعبود)

## شیخ ناصر الدین البانی کا حوالہ

عرب کے شیخ ناصر الدین البانی صاحب کے حوالہ سے زیرِ بحث مسئلہ پر کچھ کلام پہلے گزر چکا ہے، ایک اور مقام پر شیخ ناصر الدین البانی صاحب نے اس مسئلہ پر قدرے تفصیلی گفتگو کی ہے، جس میں ''اھلِ فترۃ'' کے مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''میرے نزدیک اہلِ فترۃ ہر وہ شخص ہے، جس کو شریعت کی صحیح دعوت نہیں پہنچی، لیکن یہ بات بشری قدرت میں نہیں کہ اہلِ فترۃ میں سے ہر ایک فرد کی تحدید و تعیین اور تشخیص کی جائے، اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بھی اس طرح کی تحدید وارد نہیں ہوئی۔

پھر جن کو دعوت نہیں پہنچی، ان کا نام ''اھلِ فترۃ'' ایک خاص علمی اصطلاح ہے، جس کو اختیار کرنے میں کوئی مانع نہیں، کیونکہ ہر قوم کو اپنی چاہت کے مطابق اصطلاح کا مقرر کرنا جائز ہے، بشرطیکہ ان کی اصطلاح میں کتاب اللہ یا سنتِ

---

[1] جس کی تفصیل دوسرے مقام پر ذکر کی جا چکی ہے۔ محمد رضوان خان۔

رسول اللہ میں سے کسی نص کی مخالفت لازم نہ آئے۔ [1]

قرآن مجید کی سورہ اسراء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

”وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا“

”اور ہم نہیں عذاب دیتے یہاں تک کہ کسی رسول کو نہ بھیج دیں“

لیکن ہمارے لیے یہ کہنا امرِ محال ہے کہ فلاں زمانہ کے تمام افراد یا فلاں گروہ کے لوگ، سب کے سب اہلِ فترۃ میں سے ہیں، کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ اہلِ فترۃ ہر زمانہ میں ہوں، خواہ وہ زمانہ اسلام سے پہلے کا ہو یا اسلام کے بعد کا، البتہ ہم یہ کہیں گے کہ جو شخص اس معنیٰ کر اہلِ فترۃ میں سے ہو، جس کی طرف مذکورہ آیت میں اشارہ ہے، یعنی اس کو کسی نبی یا رسول کی دعوت نہیں پہنچی، تو اس کے بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسے قیامت کے دن عذاب نہیں دیا جائے گا۔

عرب جاہلیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی سب لوگوں کے متعلق یہ کہنا ممکن نہیں کہ وہ ان اہلِ فترۃ میں سے تھے، جن کو دعوت نہیں پہنچی تھی، یا وہ سب کے سب ان لوگوں میں داخل تھے، پس جس کے متعلق اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے نص میں متعین طور پر یہ بات آگئی کہ اس کو دعوت نہیں پہنچی تھی، تو ہم اس کے مطابق اپنا عقیدہ رکھیں گے، اور جس کے متعلق یہ بات آگئی کہ اس کو دعوت پہنچ چکی تھی تو اسی کے مطابق عقیدہ رکھیں گے، یا ہمارے پاس اس کا لازم آگیا، یعنی یہ کہ وہ اہلِ نار میں سے ہے تو بھی ہم اسی کے مطابق عقیدہ رکھیں گے کہ اس کو دعوت پہنچ چکی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ابھی گزر چکا ہے:

---

[1] یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی کہ بہت سے محدثین نے اہلِ جاہلیت کو ہی اہلِ فترۃ کہا ہے، اور دونوں میں کوئی فرق نہیں کیا، البتہ بعض حضرات نے اہلِ فترۃ کے آخرت میں امتحان ہونے کی وجہ سے اور بعض دوسری وجوہات سے اہلِ فترۃ کی اصطلاح کو اِن افراد کے ساتھ خاص کیا ہے، جن کو دعوت نہیں پہنچی، خواہ کسی بھی زمانے میں ہوں، ناصر الدین البانی صاحب نے اپنے اس مضمون میں اہلِ فترۃ کے دوسرے معنیٰ یا دوسری اصطلاح کے اعتبار سے بحث کی ہے۔ محمد رضوان خان۔

"وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا"

''اور ہم نہیں عذاب دیتے یہاں تک کہ کسی رسول کو نہ بھیج دیں'' [1]

اور نبی صلی اللہ علیہ کی بعثت سے پہلے عرب میں، حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی رسالت اور اس کے آثار قائم تھے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطورِ خاص مکہ مشرفہ میں موجود تھے، چنانچہ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی تعمیرِ بیتُ اللہ اور اس میں اللہ عزوجل کی عبادت کے آثار موجود تھے، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تک بھی قائم تھے، اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے، جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے تھے، اگرچہ اہلِ عرب کی اکثریت شرک میں مبتلا ہوگئی تھی، اور اہلِ عرب کے شرک میں مبتلا ہونے اور غیرُ اللہ کی عبادت کرنے کا معاملہ زیادہ بحث کا محتاج نہیں ہے، کیونکہ اس کے دلائل واضح ہیں۔

---

[1] سؤال :شيخ من أهل الفترة؟ وما حكمهم فى الآخرة؟ وهل أهل الجاهلية يعتبرون من أهل الفترة؟

الشيخ :نعم.

المراد بأهل الفترة كل من لم تبلغه الدعوة على الوجه الصحيح الذى جاء فى الشرع، ولكن ليس من المستطاع تحديد كل فرد من أفراد أهل الفترة؛ لأن هذا أولاً ليس بالمستطاع بالنسبة للبشر، وثانياً لم يرد مثل هذا التحديد عن الله ورسوله.

ثم هذه التسمية أهل الفترة وإطلاقها على من لم تبلغهم الدعوة هو اصطلاح علمى لا مانع منه؛ لأن لكل قوم أن يصطلحوا على ما شاؤوا بشرط أن لا يكون فى اصطلاحهم شيء من المخالفة لنص من نصوص الكتاب أو السنة، نحن نجد فى القرآن مثل قوله عليه الصلاة والسلام، مثل قول رب الأنام: (وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا)ولله الحجة البالغة ولو شاء الله لهدى الناس جميعاً.

أما أن نقول :إن العصر الفلانى أو الزمن الفلانى هم كلهم أفراداً وجماعات هم من أهل الفترة هذا أمر مستحيل، لكننا نقول :من كان من أهل الفترة بالمعنى الذى أشارت إليه الآية أى لم تبلغه الدعوة ولن تبلغه دعوة نبى أو رسول فهو الذى نستطيع أن نقول :إنه لا يعذب يوم القيامة من لم تبلغه الدعوة، أما من هم وفى أى زمن هم؟ هذا لا سبيل إلى تحديده، بل قد يمكن أن يوجد أهل فترة فى كل زمان سواء كان هذا الزمان قبل الإسلام أو بعد الإسلام(موسوعة الألبانى فى العقيدة ،ج٥،ص٨٠٧،كتاب أهل الأعذار فى التوحيد،جماع أبواب أحكام أهل الفترة ومن فى حكمهم،والكلام على مصير أبوى النبى -صلى الله عليه وآله وسلم،باب بيان من هم أهل الفترة)

اور یہ کہنا درست نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تمام لوگ اہلِ فترۃ میں داخل تھے، کیونکہ بہت زیادہ احادیث اس بات کی تصریح کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جاہلیت کے زمانہ کے بہت سے لوگ اہلِ نار میں سے ہیں، جن میں سے بعض احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب، بلکہ تمام لوگوں میں قریب ترین شخصیات سے بھی متعلق ہیں، لیکن بعض لوگ ان احادیث کی یہ کہہ کر تردید کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کے لوگ اہلِ فترۃ میں سے تھے، جو عذاب کے مستحق نہیں، اور وہ اس سلسلہ میں سورہ اسراء کی اس آیت کو ہی پیش کرتے ہیں کہ ''وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ''

حالانکہ اس آیت کے محکم ہونے کے باوجود اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل تمام لوگوں پر اطلاق کرنا، درست نہیں، بالخصوص اُن لوگوں پر جن کے متعلق صحیح احادیث میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ وہ اہلِ نار میں سے ہیں، ان کے متعلق یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ وہ اُن اہلِ فترۃ میں سے ہیں، جن کو دعوت نہیں پہنچی۔ [1]

---

[1] أما الذين كانوا قبل بعثة النبى عليه الصلاة والسلام من العرب فى الجاهلية فهو مما يدخل فى كلامى السابق لا يمكن أن نقول :إنهم جميعاً ليسوا من أهل الفترة الذين لم تبلغهم الدعوة أو إنهم من أهل الفترة كلهم لم تبلغهم الدعوة، لا يمكن أن يقال :لا هذا ولا هذا بهذا الإطلاق والعموم والشمول، ولكننا نعتقد أن كلاً من النوعين كان موجوداً، أى كان فى العرب من بلغتهم الدعوة وكان فيهم من لم تبلغهم الدعوة، فإذا جاء النص عن الله ورسوله يحدد أن فلاناً لم تبلغه الدعوة قلنا فى عينه بأنه لم تبلغه الدعوة، والعكس بالعكس تماماً، إذا جاء النص عن شخص معين إما أنه لم تبلغه الدعوة أو جاء نا لازم ذلك أى :إنه من أهل النار فذلك يستلزم أن يكون قد بلغته الدعوة؛ لأن الله يقول كما ذكرنا آنفاً :(وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا) فقبل بعثة النبى -صلى الله عليه وآله وسلم -كانت هناك رسالة إبراهيم وإسماعيل وكانت آثارها فى العرب لا تزال قائمة وبخاصة فى مكة المشرفة والمقدسة من الله تبارك وتعالى ببناء إبراهيم الكعبة فيها وعبادته لله عز وجل فيها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ صحیحین میں یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت میں فوت ہونے والے لوگوں کو عذابِ قبر ہوتے ہوئے سنا، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جاہلیت کے زمانہ میں فوت ہونے والے ایسے لوگوں کے متعلق سوال کیا گیا،

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هو وابنه إسماعيل ومن استجاب لدعوتهما، فإسماعيل عليه السلام كان قد أرسل إلى العرب ودعوته استمرت ظاهرة جلية فى البلاد العربية وبخاصة فى عاصمتها مكة، واستمرت هذه الدعوة فى العرب ما شاء الله وكان فيهم إلى قدوم بعثة الرسول عليه السلام من يعبد الله وحده لا شريك له وإن كان غالبية العرب قد وقعوا فى الشرك وهذا أمر أعنى وقوعهم فى الشرك وعبادتهم لغير الله عز وجل هذا أمر لا يحتاج إلى كثير من البحث، وإنما البحث الذى ينبغى أن نوجه الكلام فيه هو :هل كل من كان قبل الرسول عليه السلام لم تبلغه الدعوة من هؤلاء العرب فهم غير مؤاخذين وغير مخلدين فى النار؟ الجواب :هذه الكلية باطلة لا يجوز إطلاقها، أن يقول قائل :كل من كان قبل بعثة النبى -صلى الله عليه وآله وسلم -فهو من أهل الفترة، ذلك لأن لدينا أحاديثاً كثيرة وكثيرة جداً تصرح بأن بعض من كانوا فى الجاهلية قبل بعثة الرسول عليه -صلى الله عليه وآله وسلم -هم من أهل النار، وأظن أن مثل هذه الأحاديث لا تخفى على أحد من الحاضرين، بل ولا على أحد من طلاب العلم من غيرهم.

إلا أن بعض هؤلاء المشار إليهم من غير الحاضرين إن شاء الله عندهم بعض الشبه والإشكالات حول هذه النصوص التى أشرت إليها بأن النبى -صلى الله عليه وآله وسلم -قد أخبر عن بعض من كان قبل بعثته من العرب وقد يكونون أو يكون بعضهم من أقاربه عليه الصلاة والسلام بل من أقرب الناس إليه وقد شهد النبى -صلى الله عليه وآله وسلم -بأنه فى النار، فيأتى هنا الإشكال ويحاول بعض الناس بالإطاحة بالإشكال من أصله بالحكم على الأحاديث التى وردت بعدم صحة ذلك بزعمهم لأنها تتنافى مع كون العرب الذين كانوا قبل النبى -صلى الله عليه وآله وسلم -هم من أهل الفترة.

فلذلك فأنا أريد أن ألفت النظر إلى شيئين قد سبق أن ذكرت آنفاً أحدهما وهو أنه لا يمكن أن يقال قولاً مطلقاً بأن كل من كانوا قبل بعثة الرسول عليه السلام من العرب كانوا من أهل الفترة أى من الذين لم تبلغهم الدعوة، وحين ذاك لا يصح الاستنزال لرد هذه الأحاديث التى أشرت إليها وسيأتى التنصيص على بعضها لا يجوز ردها بمثل الآية السابقة (وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا)؛ لأننا سنقول :هذه الآية محكمة، ولكن تطبيقها على كل فرد من الأفراد الذين كانوا فى أمة قد أرسل إليهم رسول لا يمكن إلا أن نقول :إن كل فرد لم تبلغه الدعوة أو على العكس من ذلك والعكس ليس موضع إشكال وهو أن كل فرد قد بلغتهم الدعوة، لا نقول بلغتهم الدعوة فرداً فرداً كما أننا لا نقول :لم تبلغهم الدعوة فرداً فرداً، من لم تبلغه الدعوة فهو من أهل الفترة الذين لا يعذَّبون بكفرهم وضلالهم فحينئذ إنما نقف أمام أحاديث صحيحة يصرح فيها النبى -صلى الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جن کی سخاوت اور اخلاقِ عالیہ کی مثالیں دی جاتی تھیں کہ کیا اُن کو اِن کے یہ اعمال نفع دیں گے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، کیونکہ انہوں نے ایک دن بھی نہیں کہا کہ:

”رَبِّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ “

اسی طرح سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کے استغفار کی اجازت طلب کی، جس کی آپ کو اجازت نہیں دی گئی، پس یہ حدیث، سیدُ البشر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ سے متعلق ہے، اس لیے بعض لوگ اس کو قبول نہیں کرتے، اور اللہ تعالیٰ کے سورہ نساء میں اس ارشاد کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ:

”فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا“

اسی طرح سے وہ صحیح مسلم کی اس مشہور حدیث کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ”جس کا عمل سست ہوگا، اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکے گا“

اور اللہ تعالیٰ کے سورہ مومنون میں اس ارشاد کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں کہ:

”فَإِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَا أَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَاءَ لُوْنَ“

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے استغفار کا سوال کیا، جس کی مجھے اجازت نہیں ملی، یہ اس بات کی بہت واضح دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ اہلِ نار میں سے ہیں، باوجودیکہ یہ نبی صلی اللہ

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علیه وآله وسلم -بأن فلاناً وفلاناً من أهل النار فلا یجوز أن یقال فی هذه الحالة :بأن هذا لیس صحیحاً لأنه کان من أهل الفترة؛ لأننا سنقول :ما یدریک أنه من أهل الفترة وقد قال علیه الصلاة والسلام فیهم :أنهم من أهل النار(موسوعة الألبانی فی العقیدة ،ج۵،ص۸۰۸ الیٰ ۹۱۰،کتاب أهل الأعذار فی التوحید،جماع أبواب أحکام أهل الفترة ومن فی حکمهم،والکلام علی مصیر أبوی النبی -صلی الله علیه وآله وسلم،باب بیان من هم أهل الفترة)

علیہ وسلم کے جوان ہونے سے پہلے ہی زمانۂ جاہلیت میں وفات پا گئی تھیں، پس اگر یہ ان اہلِ فترۃ میں سے ہوتیں، جن کو دعوت نہیں پہنچی، تو اللہ تبارک وتعالیٰ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے استغفار سے منع نہ فرماتا، لیکن جب وہ شرک کی حالت میں فوت ہوگئیں، تو ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہیں پہنچائے گی۔

اسی طریقہ سے صحیح مسلم کی ایک دوسری حدیث بھی مشہور ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ''ان ابی و اباک فی النار'' یعنی ''میرے اور آپ کے والد جہنم میں ہیں'' پس اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والد کے متعلق بھی اہلِ نار میں سے ہونے کا حکم فرمادیا، جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ کے والدان اہلِ فترۃ میں سے نہیں ہیں، جن کو دعوت نہیں پہنچی تھی، کیونکہ اگر ایسا ہوتا، وہ اہلِ نار میں سے نہ ہوتے۔ [1]

---

[1] كما جاء فى الصحيحين مثلاً :أن النبى -صلى الله عليه وآله وسلم -مر ذات يوم راكباً على دابته فشمست به وكادت أن ترميه فنظر فوجد قبرين فسأل من كان معه من الصحابة :متى مات هؤلاء ؟ قالوا :فى الجاهلية، فقال عليه الصلاة والسلام :لولا أن تدافنوا لأسمعتكم عذاب القبر .

والشاهد من هذا الحديث أن النبى -صلى الله عليه وآله وسلم -شهد بأن هذين المقبورين ماتا فى الجاهلية ومع ذلك فإنهما يعذبان ولو قال عليه السلام :لولا أن تدافنوا لأسمعتكم عذاب القبر هذا العذاب الذى شمست به دابته خوفاً من هذا العذاب الذى سمعته الدابة وهذا العذاب كان منصباً على رجلين ماتا فى الجاهلية.

فحينئذ لازم هذا الحديث وأمثاله أنهما ماتا على الشرك وعلى الضلال من جهة وأنهما ليسوا ممن لم تبلغهم الدعوة؛ لأنهم لو كانوا كذلك لم يستحقوا العذاب بصريح الآية السابقة (وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا)

كذلك قد جاء فى غير ما حديث :أن النبى -صلى الله عليه وآله وسلم -سئل عن بعض الأجواد الكرماء الذين كان يضرب بهم المثل بجودهم وكرمهم ممن ماتوا فى الجاهلية، هل نفعهم شىء من ذلك؟ قال :لا إنه لم يقل يوماً ما :رب اغفر لى خطيئتى يوم الدين .

وأخيراً :نأتى إلى مشكلة المشاكل بالنسبة لبعض الكتاب المعاصرين الذين يتكؤون على قاعدة أن أهل الفترة غير معذبين فيردون هذا الحديث الأخير، مع ما سبق ذكره من أحاديث فلا يهمهم أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر یہ بات یادرکھنی چاہیے کہ سورہ اسراء کی مذکورہ آیت میں رسول کی بعثت کا ہر شخص کے پاس پہنچنا ضروری نہیں، بلکہ اس رسول کے اصحاب یا ان کے بعد میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يتعرضوا لذكرها سلباً أو إيجاباً؛ لأنها لا علاقة لها بعواطفهم بخلاف الحديث الذى سأذكره آتياً ألا وهو قوله عليه الصلاة والسلام :إنى استأذنت ربى فى أن أزور قبر أمى فأذن لى واستأذنته فى أن أستغفر لها فلم يأذن لى .

فهذا الحديث باعتباره يتعلق بوالدة النبى -صلى الله عليه وآله وسلم -الذى هو سيد البشر فكثير من الناس الذين يستسلمون لعواطفهم دون أن يحكموا فيها شريعة ربهم وأن يسلموا لها تسليما يكبر عليهم جداً أن يتقبلوه كما هو واجب كل مسلم فى أن يكون موقفه تجاه حكم من أحكام الله عز وجل كما قال تبارك وتعالى :(فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا فى أنفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما )، فهم لا يسلمون لهذا الحديث تسليماً كما أمرهم الله عز وجل فى الآية المذكورة؛ لأنهم لا تتسع عقولهم لأن يعتقدوا بأن أم سيد البشر هى من أهل النار، مع علمهم أن النبى -صلى الله عليه وآله وسلم -كان يقول فى حديث معروف فى صحيح مسلم من :من بطأ به عمله لم يسرع به نسبه والله عز وجل يقول :(فإذا نفخ فى الصور فلا أنساب بينهم يومئذ ولا يتساء لون)، فالأنساب يوم القيامة بالنسبة لمن مات على الشرك فلا فائدة منه إطلاقاً، وهذا الحديث بخصوصه يدخل فى هذا العموم أن النسب لا يفيد صاحبه إذا لم يكن مؤمناً بالله ورسوله.

فقوله -صلى الله عليه وآله وسلم :-واستأذنت ربى فى أن أستغفر لها فلم يأذن لى دليل واضح جداً أن والدة النبى -صلى الله عليه وآله وسلم -هى من أهل النار مع أنها ماتت قبل أن يشب النبى -صلى الله عليه وآله وسلم -فضلاً عن أنها ماتت قبل بعثته -صلى الله عليه وآله وسلم -فهى إذاً ماتت فى الجاهلية فهل هى من أهل الفترة أى :الذين لم تبلغهم الدعوة؟ الجواب :لو كانت كذلك لمَا أبى الله تبارك وتعالى أن يأذن للنبى -صلى الله عليه وآله وسلم -بأن يستغفر لها، فإذاً هى ماتت على الشرك ومن مات على الشرك فلا تنفعه شفاعة الشافعين.

كذلك الحديث الآخر ولعله عند بعض الناس أشهر وهو أيضاً فى صحيح مسلم من حديث أنس بن مالك رضى الله تعالى عنه :أن رجلاً جاء إلى النبى -صلى الله عليه وآله وسلم -فقال :يا رسول الله !أين أبى؟ قال :فى النار، ثم انصرف الرجل.

قال عليه الصلاة والسلام :هاتوا الرجل، فلما رجع قال له -صلى الله عليه وآله وسلم :-إن أبى وأباك فى النار،فحكمه أيضاً عليه الصلاة والسلام فى هذا الحديث على والده الذى كان سبب وجوده أنه من أهل النار لدليل واضح أنه ليس من أهل الفترة الذين لم تبلغهم الدعوة؛ لأنه لو كان كذلك لم يكن أيضاً من أهل النار (موسوعة الألبانى فى العقيدة ،ج٥،ص ٨١٠ الیٰ ٨١٢،كتاب أهل الأعذار فى التوحيد،جماع أبواب أحكام أهل الفترة ومن فى حكمهم،والكلام على مصير أبوى النبى -صلى الله عليه وآله وسلم،باب بيان من هم أهل الفترة)

آنے والے متبعین کی وساطت سے دعوت کا پہنچنا بھی کافی ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت تک آنے والے عرب وعجم کے سب لوگوں کے لیے عام ہے، لیکن یہ بات واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی براہِ راست دعوت قیامت تک آنے والے سب لوگوں کو پہنچنا ممکن نہیں، ورنہ تو آج کے دور میں کوئی بھی اس قابل نہ ہوتا، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ودعوت کا مکلّف ہوتا، اور یہ بات باطل ہے، لہٰذا یہ بھی باطل ہے کہ نبی کی براہِ راست ہر شخص کو شخصی دعوت کے پہنچنے کو ضروری قرار دیا جائے۔

پس اس بناء پر زمانۂ جاہلیت میں جن کو حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما الصلاۃ والسلام کی وفات کے بعد ان کی دعوت پہنچ گئی، تو وہ بھی دعوت پہنچنے والوں میں داخل ہوگئے، اور وہ مکلّف ہوگئے۔ [1]

---

[1] لهذه الأحاديث لا يجوز لنا أن نقول :إن كل من كان قبل بعثة الرسول عليه السلام من المشركين هو من أهل الفترة؛ لأننا بذلك نضرب أحاديث الرسول -صلى الله عليه وآله وسلم - دونما حجة من عند أنفسنا إلا التمسك بعمومات لا تفيد بالنسبة للنصوص الخاصة، وحينئذ وجب الجمع بين ما دلت عليه الآية وما فى معناها، أن الله عز وجل لا يعذب أحداً من عباده إلا بعد إرسال الرسول إليه.

ولعل من المفيد أن نذكر هنا شبهة أخرى تعترض سبيل أولئك الشاكّين فى بعض هذه الأحاديث المقطوع بصحتها عند أهل العلم حينما يقولون :إن هؤلاء الأفراد الذين جاء ت الأحاديث لتصرح بأنهم من أهل النار لم تبلغهم الدعوة، فنقول حين ذاك :ما هو الدليل عندكم أن هذا الجنس من الناس المعذبين ممن ماتوا فى الجاهلية، ما هو الدليل عندكم فى النفي الذى تذكرونه أى :قولهم: لم تبلغهم الدعوة؛ لا يجدون جواباً إلا أن يقولوا :نحن نعلم يقيناً إن أبوى الرسول مثلاً وبعض أولئك الكرام الذين ماتوا فى الجاهلية نعلم يقيناً أنه ما أرسل إليهم رسولاً، هنا لا بد من أن نقف قليلاً:

(وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا ) هل المقصود ببعثة الرسول التى تقوم الحجة بها على الناس الذين جحدوها وكفروا بها أن يأتيهم الرسول بشخصه ومعه الدعوة من ربه إليهم، أم يكفى أن تصل دعوة الرسول إلى أولئك الناس ولو بواسطة بعض أصحاب ذلك الرسول أو الذين جاء وا من بعدهم، هنا دقة فى الموضوع، وأظن أنه لا يستطيع أحد أن يفسر الآية :(وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا) أن المقصود بعثة الرسول بشخصه فقط، أى :بمعنى أنه إذا مات الرسول ماتت الدعوة،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر رسول کی دعوت پہنچنے کا پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ شخصی طور پر اس رسول کی دعوت پہنچے، یہ تو دعوت پہنچنے کا قوی ترین طریقہ ہے، اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ رسول کی دعوت اس کے متبعین میں سے کسی کے ذریعہ سے بھی پہنچ جائے۔

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأن هذه الدعوة لو بلغت ناساً بواسطة أتباع الرسول الأولين أو أتباع أتباعهم وهكذا فلا تقوم حجة الله على الناس إلا في حالة بعثة الرسول بشخصه فقط.

لا أعتقد أن أحداً يضيق معنى هذه الآية فيقول :(وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا) بشخصه، أي: كل قوم لا بد أن يأتيهم الرسول بشخصه وبدعوته، ذلك؛ لأن من المعلوم أولاً بالنص قوله عليه الصلاة والسلام :فضلت على الأنبياء قبلي بخمس خصال -وذكر فيها عليه الصلاة والسلام قوله: وأنه كان النبي يبعث إلى قومه خاصة وبعثت إلى الناس كافة ، قوله عليه السلام :وبعثت إلى الناس كافة مع قوله تعالى :(وما أرسلناك إلا كافة للناس بشيرا ونذيرا)، وقوله :(وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين)، كل هذا وذاك يدل على أن بعثة الرسول عليه السلام ليست فقط بشخصه بل وببلوغ الدعوة إلى من بعد وفاته عليه الصلاة والسلام.

كذلك نقول حينما قال عليه السلام :وكان النبي يبعث إلى قومه خاصة لا يعني :يبعث بشخصه فقط بل وبدعوته بعد وفاته عليه الصلاة والسلام.

هذه حقائق باعتقادي لا يمكن لأحد أن يماري أو يجادل فيها؛ لأنه سيلزمه محظوران اثنان:

المحظور الأول :أن يعتقد أن بعثة الرسول -صلى الله عليه وآله وسلم -إلى الناس كافة محصورة بالعرب الذين دعاهم الرسول عليه الصلاة والسلام مباشرةً إلى الإسلام، أما بعد وفاته فقد انتهت دعوته عليه السلام وبعثته ورسالته، وهذا بلا شك باطل.

والشيء الآخر مثله وهو :أن يعتقد أولئك الشاكين المرتابين في صحة تلك الأحاديث وهي صحيحة دون خلاف بين العلماء أن يعتقدوا أننا نحن اليوم معشر المسلمين وعددهم يبلغ عشرات الملايين، لم تبلغنا الدعوة، لماذا؟ لأنه ما جاءنا رسول مباشرةً، فهل من عاقل يقول بمثل هذا القول الذي يلزمهم أن يقولوا به إذا ما قالوه في العرب الذين كانوا قبيل بعثة الرسول عليه السلام؛ لأنهم يقولون :هؤلاء ما جاءهم رسول لكنهم يعلمون أنهم جاءتهم دعوة إبراهيم وإسماعيل عليهما الصلاة والسلام، وهي دعوة التوحيد فكفر من كفر بها وآمن من آمن بها، فإذًا :لا فرق بين دعوة إبراهيم وإسماعيل من حيث شمولها لكل من بلغته الدعوة ولو بعد وفاة الرسول المرسل إليهم مباشرةً؛ لأنه ليس المقصود من بعثة الرسول هو الشخص، وإنما المقصود دعوته ورسالته.

ذلك لأننا لو فرضنا إنسانًا في زمن الرسول المبعوث مباشرةً إلى قومٍ ما كان أصم أبكم، التقى مع الرسول المبعوث ولكنه هو لا يفقه شيئًا مما يقول لما به من صمم وبكم، فهذا لم تبلغه الدعوة وإن كان قد بلغه الرسول بشخصه، والعكس كذلك حينما نتصور قومًا جاءتهم دعوة الرسول عليه السلام دون أن يروا الرسول وبعينه وشخصه فقد قامت الحجة عليهم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن جو دوسرا طریقہ ہے، اس کے متعلق میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اگر نبی کی صاف ستھری دعوت پہنچے، جس میں کوئی تغیر وتبدل اور تحریف نہ ہوئی ہو، تو وہی دعوت پہنچنا معتبر ہے، اور اگر تغیر وتحریف شدہ دعوت پہنچی ہو، تو وہ میرے نزدیک دعوت پہنچنے میں داخل نہیں۔ ۱

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إذا كـان الأمـر كـذلك وهـو كـذلك دون خلاف بين مسلمين فحينئذٍ لا محظور بالنسبة لتلك الأحـاديث الـصـحيـحة التى تشهد بأن أولئك الأشخاص هم من أهل النار، فلازم ذلك أنهم قد بلغتهم الدعوة، وأقيمت عليهم الحجة، فلا جرم أن النبى -صلى الله عليه وآله وسلم -حكم عليهم بـأنهـم مـن أهـل الـنـار، فـقـول من يقول بدفع هذه الأحاديث أن إسماعيل أو إبراهيم أو غيرهما من الأنبيـاء الـذيـن أرسلوا إلى العرب ما جاء هم رسول مباشرةً، هذا كما لو قال قائل اليوم :أن التابعين وأتبـاع التـابعين إلى هذا الزمان وإلى آخر الزمان الذى لا يبقى على وجه الأرض من يشهد ألا إله إلا الـلـه إلا جـاء ت ريـح طيبة وقبضت أرواحهم، كل هؤلاء من المسلمين أتباع الصحابة ومن بعدهم نقول :لم تبلغهم الدعوة؛ لأنهم ما جاء هم الرسول، فهل من عاقل يقول بمثل هذه الكلمة؟

ظنى أن لا أحد يقول، إذًا :نحن نلزمهم بأن يقولوا نفس الكلمة معنا :بأنه ليس المقصود من إرسال الـرسـل فيـما قبل الرسول عليه السلام هو أشخاصهم فقط، بل المقصود :دعوتهم أيضًا، فسواء لا فـرق بيـن قـوم جـاء هـم الـرسـول مباشرةً بدعوته، وبين قوم أو أقوام آخرين جاء تهم دعوة الرسول بـوسـاطة أتبـاع الـرسـول، فـكـل مـن هؤلاء وهؤلاء قد قامت حجة الله عز وجل على الناس جميعًا بطريق من هاتين الطريقتين :إما وصول دعوة الرسول بواسطته هو مباشرةً، أو وصول دعوة الرسول بـواسـطة غيـره مـن أتبـاعـه الـذين آمنوا به، فحينئذٍ نعرف من هم أهل الفترة (مـوسوعة الألبانى فى العقيدة ،ج۵،ص ۸۱۲الـى ۸۱۶،كتـاب أهل الأعذار فى التوحيد،جماع أبواب أحكام أهل الفترة ومـن فى حكمهم،والكلام على مصير أبوى النبى -صـلى الله عليه وآله وسلم،باب بيان من هم أهل الفترة)

۱ وخلاصة ذلك :أن أهل الفترة هم الذين لم تبلغهم دعوة الرسول -صلى الله عليه وآله وسلم -مباشرةً منه إليهم، أو بواسطة أحد أتباع هذا الرسول.

إلى هـنـا فيـمـا يبـدو لـى ينـتهى الجواب عن السؤال السابق، ولكن لا بد لى من كلمة قصيرة حول الـدعوة التى يجب أن تبلغ ناسًا لتكون حجة الله قائمةً عليه؛ لأنهم قد تكون جاء تهم الدعوة بطريق غيـر طـريـق الـرسـول، فلا تكون الحجة قائمةً فى هذه الحالة، لتقصير وقع من هؤلاء المبلغين، فقد ذكرت آنفًا أن الرسالة قد تبلغ بطريق من طريقتين:

الطريقة الأولى :بشخص الرسول، وهذه بلا شك ولا ريب أقوى من الطريقة الأخرى.

وهى :أن تصل الدعوة إلى قوم ما بواسطة أتباع الرسول، سواء كان هؤلاء الأتباع من أتباع الرسول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ ناصر الدین البانی صاحب، نبی کی دعوت کے پہنچنے سے قبل مکلّف ہونے کے قائل نہیں، لیکن ساتھ ہی ان کے نزدیک زمانۂ جاہلیت کے وہ لوگ، جن کو کسی نبی کی دعوت پہنچ چکی تھی، وہ مکلّف تھے، اور اس زمانہ کے فوت شدہ جن افراد وشخصیات کے متعلق دعوت پہنچنے یا اہلِ نار میں سے ہونے کی نصوص میں تصریح آ گئی، ان کو دعوت پہنچنے والے افراد میں شمار کیا جائے گا، جن میں ان کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین بھی داخل ہیں، اور ان کے نزدیک ایسے افراد پر اھلِ فترۃ ہونے کی وجہ سے غیر معذب وغیر مکلّف ہونے کا حکم لگانا درست نہیں۔

اور ناصر الدین البانی صاحب، نبی کی دعوت پہنچنے کے لیے شخصی دعوت پہنچنے کو تو ضروری قرار نہیں دیتے، بلکہ بالواسطہ دعوت پہنچنے کو بھی کافی قرار دیتے ہیں، لیکن بالواسطہ پہنچنے کے لیے وہ صاف ستھری اور تغیر وتبدل کے بغیر دعوت پہنچنے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مباشرةً، أو على التسلسل كما نقول فی فهم حديث الرسول :خير الناس قرنی ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم فخير الناس أصحابه عليه السلام؛ لأنهم هم الذين أرسل إليهم الرسول مباشرةً، ثم التابعون لهؤلاء الأصحاب، ثم أتباعه.

فالطريقة الأخرى أن تصل الدعوة إلى ناس ما بطريق أتباع الرسول، سواء التابعين للصحابة أو أتباعهم، أو من جاء وا من بعدهم كما هو واقعنا اليوم.

الذی أريد الآن أن أذكر به إتمامًا للفائدة :أن الدعوة التی تصل إلى قوم ما بالطريقة الأخرى، ليس بطريقة الرسول مباشرةً يجب أن تكون هذه الدعوة قد بلغتهم صافيةً نقية، لا تغيير فيها ولا تبديل ولا تحوير، لأنها فی هذه الحالة إذا بلغتهم كذلك تكون بلوغ الدعوة إليهم بواسطة الأتباع كما لو كانت وصلت إليهم بواسطة الرسول مباشرةً، أما إذا كان الأمر على خلاف ذلك، أی :إن قومًا ما أو ناسًا ما بلغتهم دعوة الإسلام محرفةً ..مغيرةً ..مبدلةً، وبخاصة ما كان منها متعلقًا فی أصولها وفی عقيدتها، فهؤلاء الناس أنا أول من يقول إنهم لم تبلغهم الدعوة؛ لأن المقصود ببلوغ الدعوة على صفائها وبياضها ونقائها، أما والفرض الآن أنها بلغتهم مغيرةً مبدلة، فهؤلاء لم تبلغهم الدعوة وبالتالی لم تقم حجة الله تبارك وتعالى عليهم.

هذا الذی أردت أن أضيفه إلى ما سبق من البيان لتتم الفائدة إن شاء الله (موسوعة الألبانی فی العقيدة ،ج٥،ص ٨١٦، ٨١٧،كتاب أهل الأعذار فی التوحيد،جماع أبواب أحكام أهل الفترة ومن فی حكمهم،والكلام على مصير أبوی النبی -صلى الله عليه وآله وسلم،باب بيان من هم أهل الفترة)

جبکہ دیگر فقہائے کرام نے یہ فرمایا کہ نماز، روزہ وغیرہ کے احکام کا مکلّف ہونے کے لیے بھی دعوت پہنچنا ضروری ہے، خواہ بالفعل دعوت پہنچے، یا بالقوۃ، یعنی اس طرح سے کہ وہ دارالاسلام میں یا ایسی جگہ ہو، جہاں اس کو اِن احکام کا علم حاصل کرنا ممکن ہو، جیسا کہ گزرا۔

## ملاعلی قاری کا حوالہ

ملاعلی قاری رحمہ اللہ، جو کہ فقہ حنفی میں، امتیازی مقام رکھتے ہیں، اور احادیث وفقہ میں ان کی خدمات کا دائرہ، وسیع ہے، انہوں نے ''مشکاۃُ المصابیح '' کی شرح ''مرقاۃُ المفاتیح '' کے نام سے تالیف فرمائی، جو اہلِ علم حضرات میں غیر معمولی شہرت کی حامل کتاب ہے، اس کے علاوہ بھی انہوں نے مختلف کتب تالیف فرمائیں، جن میں ایک کتاب ''شرح مسند ابی حنیفة '' بھی ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے سلسلے میں ایک مستقل رسالہ تالیف کیا ہے، جس میں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے شرک کی حالت میں فوت ہونے کے دلائل تحریر کیے ہیں، اور اس کے خلاف پائے جانے والے شکوک وشبہات اور اعتراضات ومغالطات کے جوابات بھی بیان کیے ہیں۔

ملاعلی قاری رحمہ اللہ کے حوالہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے فوت ہونے کے بعد زندہ کیے جانے کی حدیث کے متعلق تفصیل پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

اپنے اس مذکورہ رسالہ میں ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے ایک مقام پر جلال الدین سیوطی پر رد کرتے ہوئے فرمایا:

> جلال الدین سیوطی نے احادیثِ صحیحہ وکثیرہ اور تمام اجلِ ائمہ اور جمہور اہلِ علم کی اتباع کو نظر انداز کر کے کمزور اور بے جا دلائل کی اتباع کی ہے (جن کی آج تک بعض لوگ اتباع کر رہے ہیں) جن میں سے ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کے والدین بعثت سے پہلے فوت ہوگئے، اور وہ ''اصحابِ فترۃ'' میں سے ہونے کی وجہ سے قابلِ مؤاخذہ نہ تھے، لہٰذا وہ ''ناجی'' شمار ہوں گے۔

لیکن جلال الدین سیوطی کی یہ دلیل کتاب وسنت کے خلاف ہے، کیونکہ صحیح احادیث میں ان کے بحالتِ شرک فوت ہونے، اوران کے لیے استغفار وشفاعت کی ممانعت کا ذکر ملتا ہے، خود جلال الدین سیوطی بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کو فوت ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے مشرف بہ اسلام کیا گیا، حالانکہ اگر وہ ''اصحابِ فترَۃ'' میں سے ہونے کی وجہ سے ناجی تھے، تو پھر وہ ویسے ہی نجات کے مستحق تھے، ان کو دوبارہ زندہ کر کے اسلام قبول کرانے کی کیا ضرورت تھی؟

پھر خود اس مسئلہ میں معتزلہ کا اکثر اہلُ السنۃ والجماعۃ سے اختلاف ہے، یہاں تک کہ بعض محققین کا تو یہ فرمانا ہے کہ ''صاحبِ فترۃ'' صرف ایسے بیابان جنگل میں پیدا ہونے والے کو کہا جاتا ہے، جس کو صاحبِ نبوت کی بعثت کی خبر نہ پہنچے، اسی کے ساتھ اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا مذکورہ شخص بھی عقل کی وجہ سے ''توحیدِ رب اور شکرِ نعمتِ رب'' اور ''صنعتِ رب'' میں غور کرنے کے وجوب کا مکلّف ہے یا نہیں؟ جس پر پھر دعوت سے قبل قتال کے جائز ہونے اور اس کے قتل پر دیت اور کفارہ کے واجب ہونے نہ ہونے کے مسائل بھی متفرع ہوتے ہیں۔

اور اصل بات تو یہ ہے کہ ''اھلِ فترَۃ'' وہ شخص ہے کہ جو ''اصل فطرتِ توحید'' پر ہو، اور اس سے کفر ظاہر نہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ ''فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِی فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ'' اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ''کل مولود، یولد علی الفطرۃ'' جس میں اس بات کی

دلیل پائی جاتی ہے کہ ہر بچہ اپنی عقل کی حالت میں اور اپنی کامل حالت میں جب وہ خالی الذہن ہو، توحید کو اختیار کرتا ہے، جیسا کہ ''میثاق'' کے واقعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ [1]

اور اس کی تائید امام فخر الدین رازی کے کلام سے بھی ہوتی ہے، اور اس بات سے بھی تائید ہوتی ہے کہ بعثت سے قبل، بعض اربابِ فترت کے متعلق مبتلائے عذاب ہونے کی متعدد احادیث میں تصریح آئی ہے، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور آپ کے دادا عبدالمطلب کے متعلق بھی تصریح ہے، اور ابوطالب کے، عبدالمطلب کے دین پر فوت ہونے اور اس دین کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے خلاف ہونے کی وجہ سے مبتلائے عذاب ہونے کی صحیح احادیث میں تصریح ہے۔ [2]

---

[1] یعنی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی تمام ذریت سے اپنے رب ہونے کا عہد لیا تھا، اور یہ فرمایا تھا کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ عذر پیش نہ کرو کہ ہم تو اس سے غافل تھے، یا پھر یہ کہو کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اس سے پہلے شرک کرتے ہوئے پایا تھا، پس جب اللہ نے شرک سے برائت کا پہلے ہی عہد لیا تھا، تو اب ہر عاقل و بالغ اس عہد کو نباہنے کا مکلّف ہوگیا، خواہ اس کو دعوتِ توحید بھی نہ پہنچی ہو، البتہ احکامِ شرائع کا وہ اس وقت مکلّف ہوگا، جب اسے کسی حیثیت سے بھی یہ پہنچ جائیں، یا احکامِ شرائع معلوم کرنے کے ذرائع اس کو میسر ہوں'' کما هو مذکور فی الاصول''

عن ابن عباس، عن النبی صلى الله عليه وسلم قال " :أخذ الله الميثاق من ظهر آدم بنعمان -يعني عرفة -فأخرج من صلبه كل ذرية ذرأها، فنثرهم بين يديه كالذر، ثم كلمهم قبلا "قال :(ألست بربكم قالوا بلى شهدنا أن تقولوا يوم القيامة إنا كنا عن هذا غافلين أو تقولوا إنما أشرك آباؤنا من قبل وكنا ذرية من بعدهم أفتهلكنا بما فعل المبطلون)(مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ۲۴۵۵)

قال شعيب الارنؤوط:رجاله ثقات رجال الشيخين غير كلثوم بن جبر، فمن رجال مسلم، ووثقه أحمد وابن معين، وذكره ابن حبان فی "الثقات"، وقال النسائی :ليس بالقوی .ورجح الحافظ ابن كثير فی "تفسيره 3/501 "وقفه على ابن عباس(حاشية مسند احمد)

[2] عن ابن شهاب، قال: أخبرنی سعيد بن المسيب، عن أبيه أنه أخبره: أنه لما حضرت أبا طالب الوفاة جاءه رسول الله صلى الله عليه وسلم، فوجد عنده أبا جهل بن هشام، وعبد الله بن أبی أمية بن المغيرة، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأبی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان سب باتوں سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے۔

اورجلال الدین سیوطی کا یہ کہنا بھی کمزور ہے کہ ''اهـلِ فتـرَة'' کو بروز قیامت صرف آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا۔

اگر ان کے اس دعوے کی صحت کو دلیلِ معتبر سے ثابت بھی مان لیا جائے، تب بھی یہ اُن ''اهـلِ فتـرَة '' کے ساتھ خاص ہوگا، جن سے فطرتِ توحید یا شرک کا احداث، ظاہر و معلوم نہ ہو، لیکن جن کا کفر کتاب وسنت اور ائمہ کے اتفاق سے ثابت ہو (جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور ابو طالب اور عبدالمطلب وغیرہ کا) ان کو ''اصحابِ امتحان ''میں داخل کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

طالب: " يا عم، قل: لا إله إلا الله، كلمة أشهد لك بها عند الله "فقال أبو جهل، وعبد الله بن أبي أمية: يا أبا طالب أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فلم يزل رسول الله صلى الله عليه وسلم يعرضها عليه، ويعودان بتلك المقالة حتى قال أبو طالب آخر ما كلمهم: هو على ملة عبد المطلب، وأبى أن يقول: لا إله إلا الله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أما والله لأستغفرن لك ما لم أنه عنك فأنزل الله تعالى فيه:ما كان للنبي (صحيح البخاري، رقم الحديث ١٣٦٠)

عن ابن شهاب قال: أخبرني سعيد بن المسيب، عن أبيه، قال: لما حضرت أبا طالب الوفاة جائه رسول الله صلى الله عليه وسلم، فوجد عنده أبا جهل، وعبد الله بن أبي أمية بن المغيرة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " يا عم، قل: لا إله إلا الله، كلمة أشهد لك بها عند الله "، فقال أبو جهل، وعبد الله بن أبي أمية: يا أبا طالب، أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فلم يزل رسول الله صلى الله عليه وسلم يعرضها عليه، ويعيد له تلك المقالة حتى قال أبو طالب آخر ما كلمهم: هو على ملة عبد المطلب، وأبى أن يقول: لا إله إلا الله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أما والله لأستغفرن لك ما لم أنه عنك، فأنزل الله عز وجل: (ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم)، وأنزل الله تعالى في أبي طالب، فقال لرسول الله صلى الله عليه وسلم:(إنك لا تهدي من أحببت ولكن الله يهدي من يشاء وهو أعلم بالمهتدين)(صحيح مسلم، رقم الحديث ٢٤"٣٩")

[1] والعجب من الشيخ جلال الدين السيوطي مع إحاطته بهذه الآثار التي كادت أن تكون متواترة في الأخبار أنه عدل عن متابعة هذه الحجة وموافقة سائر الأئمة وتبع جماعة من العلماء المتأخرين وأورد أدلة واهية في نظر الفضلاء المعتبرين........... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر اس کے بعد ملا علی قاری نے انبیائے کرام علیہم السلام کے آباءواجداد کے کفار نہ ہونے کی تردید کی ہے، اور اس سلسلہ میں پیش کردہ دلائل کا رَد کیا ہے، جن میں آیت ''وتقلبک فی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومنها قول السيوطى إنهما ماتا قبل البعثة وإنهما كانا من أصحاب الفترة.

وهذا كما لا يخفى معارضة لما ثبت فى الكتاب والسنة ومناقضة لما صرح بإشتراكهما فيما سبق من صاحب النبوة فما ذكره من تطويل البحث وتكثير الأدلة غير مفيد له فى هذه القضية مع ظهور التناقض فى كلامه لتحصيل مرامه فإنهما لو كانا من أهل الفترة لما احتاج إلى الإحياء والإيمان بالنبوة بناء على أنهما من أهل النجاة فى الفطرة.

ثم هذه المسألة فيها خلاف المعتزلة وأكثر أهل السنة حتى قال بعض المحققين لا يوجد صاحب الفترة إلا من ولد فى مفازة خالية عن سماع بعثة صاحب النبوة بالكلية. على خلاف فى أنه هل هو مكلف بالعقل توحيد الرب وشكر نعمته ووجوب النظر فى صنعته أم لا.

ومما يتفرع عليه ما ذكره البغوى فى التهذيب. أما من لم تبلغه الدعوة فلا يجوز قتله قبل أن يدعى إلى الإسلام فإن قتل قبل أن يدعى إلى الإسلام وجب فى قتله الدية والكفارة وعند أبى حنيفة رضى الله عنه لا يجب الضمان بقتله.

وقال الغزالى فى البسيط. من لم تبلغه الدعوة يضمن بالدية والكفارة لا بالقصاص على الصحيح لأنه ليس مسلما على التحقيق وإنما هو فى معنى المسلم قال ابن الرفعة فى الكفاية لأنه مولود على الفترة ولم يظهر منه عناد انتهى.

ولا يخفى ما فيه من الدلالة على أن أهل الفترة هو الذى يكون على اصل الفطرة من التوحيد ولم يظهر منه من الكفر ما ينافى التفريد كما يدل عليه قوله سبحانه (فطرة الله التى فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله)

وكما ورد فى حديث كل مولود يولد على الفطرة فأبواه يهودانه وينصرانه ويمجسانه الحديث.

وفيه دليل على أن كل مولود فى حال عقله وكمال حالة إذا خلى هو من طبعه اختار التوحيد لله فى الذات والتفريد له فى الصفات كما يدل عليه قصة الميثاق الذى وقع عليه الاتفاق على ما هو مقرر فى محله الأليق. ولهذا قال الإمام فخر الدين. من مات مشركا فهو فى النار وإن مات قبل البعثة لأن المشركين كانوا قد غيروا الحنيفية دين إبراهيم واستبدلوا بها الشرك وارتكبوه وليس معهم حجة ولم يزل معلوما من دين الرسل كلهم من أولهم إلى آخرهم قبح الشرك والوعيد عليه فى النار وأخبار عقوبات الله لأهله متداولة بين الأمم قرنا بعد قرن فلله الحجة البالغة على المشركين فى كل وقت وحين ولو لم يكن إلا ما فطر الله عباده عليه من توحيد ربوبية وأنه يستحيل فى كل فطرة وعقل أن يكون معه إله آخر وإن كان سبحانه لا يعذب بمقتضى هذه الفطرة وحدها فلم تزل دعوة الرسل إلى التوحيد فى الأرض معلومة لأهلها فالمشرك مستحق للعذاب فى النار لمخالفته دعوى الرسل وهو مخلد فيها دائما كخلود أهل الجنة فى الجنة انتهى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

الساجدين‘‘ سے استدلال کا رَد بھی ہے، اور ساتھ ہی ان احادیث وروایات سے استدلال کا رَد بھی ہے، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کی طہارت وشرافت کا ذکر ہے، اور حضرت آدم تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آبا واجداد کے کافر نہ ہونے کے

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولا يخفى أن ما ورد عنه صلى الله عليه وسلم فى حق بعض أرباب الفترة من التعذيب يدل دلالة صريحة للرد على ما عليه بعض الشافعية من أن أهل الفترة لا يعذبون مطلقا قال وأصله أنه عندهم محجوح عليه بعقله وعندنا هو غير محجوج عليه قبل بلوغ الدعوة إليه.

ومنها قول السيوطى .إنه ورد فى أهل الفترة أحاديث أنهم يمتحنون يوم القيامة بأن ترفع لهم نار فيقال لهم ادخلوها فيدخلها من كان فى علم الله سعيدا لو أدرك العمل ويمتنع من دخولها من كان فى علم الله شقيا لو أدرك العمل فيقول تبارك وتعالى إياى عصيتم فكيف برسلى بالغيب.

ولا يخفى أن هذا على تقدير صحته وقوته لمعارضة مخالفته.

وإنما يكون فيمن مات من أهل الفترة ولم يعلم حاله من إحداث الشرك أو التوحيد على الفطرة وأما من ثبت كفره بالكتاب والسنة واتفاق الأئمة فلا وجه لإدخاله فى أصحاب الأمتحان للطاعة كورقة بن نوفل وقس بن ساعدة وغيرهما ممن ثبت توحيدهما ولا نحو صاحب المحجن وغيره ممن ثبت شركهما.

وأغرب من هذا أنه استدل بقول الحافظ ابن حجر العسقلانى فى بعض كتبه الظن بآله صلى الله تعالى عليه وسلم يعنى الذين ماتوا قبل البعثة أنهم يطيعون عند الامتحان إكراما له صلى الله عليه وسلم لتقر بهم عينه انتهى.

ووجه الغرابة أن هذه القضية بالطريقة الظنية فى أهل الفترة الحقيقية المبهمية لا تفيد فى المسألة العينية.

وكذا من العجيب ما نسب إلى العسقلانى فى قوله ونحن نرجو أن يدخل عبد المطلب وآل بيته فى جملة من يدخل طائعا فينجو إلا ابا طالب فإنه أدرك البعثة ولم يؤمن وثبت فى الصحيح أنه فى ضحضاح من نار انتهى.

ولا يخفى أن إدخال عبد المطلب فى القصة خارج عن الصحة لما ورد فى صحيح البخارى ومسلم وغيرهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل على أبى طالب عند موته وعنده أبو جهل وابن أبى أمية قائلين أترغب عن ملة عبد المطلب فلم يزل رسول الله صلى الله عليه وسلم يعرضها عليه ويعيدانه بتلك المقالة حتى قال أبو طالب آخر ما كلمهم أنا على ملة عبد المطلب وأبى أن يقول لا إله إلا الله فنزل (إنک لا تهدى من أحببت ولكن الله يهدى من يشاء )

فهذا يقتضى أن عبد المطلب مات على الشرک بلا شک(أدلة معتقد أبى حنيفة فى أبوى الرسول عليه الصلاة والسلام،للملا على القارى،ص٨٥ الىٰ ٩٩،الرد على السيوطى)

استدلال کا رَد بھی ہے۔ ؎

؎ ثـم دعـوة أن آباء الأنبياء عليهم السلام لم يكونوا كفارا تحتاج إلى برهان واضح ودليل لائح فـاستـدلاله بقوله تعالى (وتقلبک فی الساجدين) بـنـاء على قيل فى غاية من السقوط كما يعلم من قـول سـائر المفسرين فى الآية.فقد ذكر البيضاوى وغيره فى تفاسيرهم أن معنى الآية وترددک فى تـصـفح أحوال المتهجدين كما روى أنه لما نسخ فرض قيام الليل طاف تلک الليلة بيوت أصحابه لينظر ما يصنعون حرصا على كثرة طاعاتهم فوجدها كبيوت الزنابير لما سمع لها من دندنتهم بذكر الـلـه تـعـالـى.ونـقـل الإمـام أبو حيان فى البحر عند تفسير قوله تعالى (وتقلبک فى الساجدين) أن الـرافـضة هـم الـقـائـلـون إن آبـاء الـنـبـى صـلـى الله عليه وسلم كانوا مؤمنين مستدلين بقوله تعالى (وتقلبک فى الساجدين) وبقوله عليه الصلاة والسلام لم أزل انقل من اصلاب الطاهرين الحديث.

الرد على ابن حجر المكى:

وأمـا قـول ابن حجر المكى فلک رد قول أبى حيان بأن مثله إنما يرجع إليه فى علم النحو وما يتعلق بـه فـظـاهـر الـبـطـلان لـلإجـمـاع على قبول شهادة النحويين وروايتهم عن المحدثين إذا لم يكن فيه ضـعف فـى الـديـن كيف ولـه ثـلاثة مـن التـفـاسير وله فى السير كتاب كبير مع أن الشيعة بأجمعهم مقرون بأن هذا قاعدة مذهبهم.

ولـه أن يـعـارضـهـا ويـقـول وأنـت فـقـيـه صـرف لـم تـعـرف إلا رؤوس الـمسائل الفقهية المتعلقة بالخصومات العرفية.

وبهـذا يـظهـر أيـضـا بـطـلان قول ابن حجر وأما من أخذه كالبيضاوى وغيره فقد تساهل واستروح انتهى.

فكيف يصح قول الراوى إن جميع آباء محمد صلى الله عليه وسلم كانوا مسلمين مع حديث مسلم وإجماع جمهور المسلمين.

ثم أغرب فى قوله.وحينئذ يجب القطع بأن والد إبراهيم عليه السلام ما كان من الكافرين انتهى.

ولا يخفى أنه لم يثبت به الظن فضلا عن القطع بل إنما هو فى مرتبة الشک أو الوهم.

ثم الاستدلال على أن آباء محمد صلى الله عليه وسلم ما كانوا مشركين بقوله صلى الله عليه وسلم ولـم أزل أنـقـل مـن أصـلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات إلى آخر ما ذكره مردود عليه بما أشرنا إليه وبأن المراد بالحديث ما ورد من طرق متعددة.

مـنهـا ما أخرجه البيهقى فى دلائل النبوة عن أنس رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال ما افتـرق الـنـاس فـرقتين إلا جعلنى الله تعالى فى خيرهما فأخرجت من بين أبوين فلم يصبنى شىء من عهـر الـجـاهـلية وخرجت من نكاح ولم أخرج من سفاح من لدن آدم عليه السلام حتى انتهيت إلى أبى وأمى فأنا خيركم نفسا أى روحا وذاتا وخيركم أبا أى نسبا وحسبة.

ومـنهـا مـا أخـرجـه أبو نعيم فى دلائل النبوة من طرق عن ابن عباس رضى الله عنهما مرفوعا لم يلتق أبـواى قـط عـلـى سـفـاح لم يزل الله عز وجل يتقلبنى من الأصلاب الطيبة والأرحام الطاهرة صافيا مهذبا لا يتشعب شعبتان إلا كنت فى خيرهما.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

## ملا علی قاری کا دوسرا حوالہ

ملا علی قاری رحمہ اللہ اپنے مذکورہ رسالہ میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

**أقول له (اى للسيوطى رحمه الله تعالى)بطريق المجادلة على أسلوب الجدل هل يعارض حديث مسلم المجمع على صحته الدال على كفر أبويه صلى الله عليه وسلم بحديث إحيائهما وإيمانهما به بعد بعثهما والحال أنه ضعيف باتفاق المحدثين بل موضوع باطل لا أصل له عند المحققين مع أنه مخالف للآيات السابقة والأحاديث اللاحقة ولكلام الأئمة الأربعة وغيرهم من**

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومنها ما أورده البيهقى فى سننه ما ولدنى من سفاح الجاهلية شىء ما ولدنى إلا نكاح كنكاح الإسلام.

وأما ما ذكر ابن حجر المكى تبعا للسيوطى من أن الأحاديث مصرحة لفظا فى أكثره ومعنى فى كله أن آباء النبى صلى الله عليه وسلم غير الأنبياء وأمهاته إلى آدم وحواء ليس فيهم كافر لأن الكافر لا يقال فى حقه إنه مختار ولا كريم ولا طاهر فمردود عليه إذ ليس فى الأحاديث لفظ صريح يشير إليه وأما المعنى فكأنه أراد به لفظ المختار والكريم والأطهار وهو لا دلالة فيه على الإيمان أصلا وإلا فيلزم منه أن تكون قبيلة قريش كلهم مؤمنين لحديث إن الله اصطفى بنى كنانة من ولد إسماعيل واصطفى قريشا من كنانة ولم يقل به أحد من المسلمين.

وكذا حديث فاختار منهم العرب.

ولا يصح عموم إيمانهم قطعا بل لو استدل بمثل هذا المبنى لزم أن لا يوجد كافر على وجه الأرض لقوله تعالى (ولقد كرمنا بنى آدم) إلى أن قال (وفضلناهم على كثير ممن خلقنا تفضيلا)

فتأمل فإنه موضع زلل ومقام خطل واحذر أن تكون ضالا مضلا فى الوحل.

ثم ما أبعد قوله فى حديث مسلم إن أبى وأباک فى النار وقصد بذلک تطييب خاطر ذلک الرجل خشية أن يرتد إن قرع سمعه أولا أن أباه فى النار انتهى.

وهذا نعوذ بالله وحاشاه صلى الله عليه وسلم أن يخبر بغير الواقع ويحكم بكفر والده لأجل تألف واحد يؤمن به او لا يؤمن فهذه زلة عظيمة وجرأة جسيمة حفظنا الله عن مثل هذه الجريمة(أدلة معتقد أبى حنيفة فى أبوى الرسول عليه الصلاة والسلام، للملا على القارى،ص ١١٢ الىٰ ١١٩،الرد على ابن حجر المكى)

أكابر هذه الأمة وعلماء أهل السنة والجماعة وإنما هو على الأصول الباطلة للطائفة الرافضة.

أو نقول إذا صح الحديث عن الرسول وتلقته الأمة بالقبول فهل يحل لأحد من أرباب الفضول أن يرد عليه ويقول إنهما ماتا فى الفترة قبل البعثة أو يمتحنان يوم القيامة.

أفليس هذا معارضة بالتعليل فى مقابلة النص من الدليل ما ذكر أرباب الأصول فى الحديث والفقه الجامعون بين المنقول والمعقول أن الحديث إذا ثبت فى الصحيحين أو أحدهما فلا يعارضه حديث غيرهما ولو صح من طريقهما وإن كان من بقية صحاح الست.

فكيف إذا أخرجه أصحاب الكتب غير المعتبرة من الطرق غير المشهورة وصرح الحفاظ بضعف طرقه كلها بل بوضعها والحال أنه لم يقل بهذه الرواية إلا جمع من المقلدين لم يصلوا إلى مرتبة المجتهدين كابن شاهين والخطيب البغدادى والسهيلى والقرطبى والمحب الطبرى وابن المنير وأمثالهم.

وهل يحل لأحد من الحنفية وغيرهم أن يقلدوا هؤلاء المذكورين ويتركوا الاقتداء بأئمتهم المعتبرين مع ظهور أدلة الجمهور من علماء الأمة لا سيما والمسألة من الاعتقاديات التى لا بد لها من الأدلة اليقينية .

لا من الفروع الفقهية التى تغلب مدارها على القواعد الظنية.

انتهى ما تعلق بزبدة كلامه وخلاصة مرامه وعدلنا عن التعرض لما

ذكره من التطويل الذى لا يفيد التعليل فى مقام التحصيل وإنما هو بيان قال وقيل والله هو الهادى إلى سواء السبيل.

وبهذا يتبين أنه كحاطب ليل وخاطب ويل فتارة يقول إنهما مؤمنان من أصلهما فإنهما من أهل الفترة أو لكونهما من آباء أرباب النبوة .

وأخرى يقول إنهما كانا كافرين لكنهما أحياهما الله وآمنا.

ومرة يقول ما كانا مؤمنين وما كانا كافرين بل كانا فى مرتبة المجانين جاهلين فيمتحنان يوم القيامة وبالظن يحكم أنهما ناجيان.

فانظر إلى هذه المعارضات الواضحة والمناقضات اللائحة فهل تثبت المسائل الاعتقادية بأمثال هذه الاحتمالات العقلية (أدلة معتقد أبى حنيفة فى أبوى الرسول عليه الصلاة والسلام، للملا على القارى، ص ۱۳۲، ۱۳۳، عود الرد على السيوطى)

ترجمہ: میں علامہ سیوطی کی بات کے جواب میں ''جدَل'' کے طریقہ پر کہتا ہوں کہ کیا مسلم کی وہ حدیث، جس کے صحیح ہونے پر اجماع ہے، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر پر دلالت کرتی ہے، اس کا مقابلہ وہ حدیث کرسکتی ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کیے جانے کے بعد ان کے ایمان لانے کا ذکر ہے؟ جس کی حالت یہ ہے کہ محدثین کی اتفاقِ رائے کے مطابق یہ ضعیف ہے، بلکہ محققین کے نزدیک موضوع اور باطل ہے، جس کی کوئی اصل نہیں، اس کے ساتھ ساتھ یہ حدیث سابقہ آیات اور اس کے بعد ذکر کی گئی احادیث کے بھی مخالف ہے، نیز ائمۂ اربعہ اور ان کے علاوہ اس امت کے اکابر اور علمائے اہلِ

السنۃ والجماعۃ کے کلام کے بھی مخالف ہے، اور یہ رافضیوں کی ایک جماعت کے باطل اصول پر مبنی ہے (جو تمام انبیاء کے آباء واجداد کو مومن وموّحد قرار دیتے ہیں)

یا ہم یہ کہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث منقول ہو، اور اس کو امت نے قبول بھی کرلیا ہو، تو کیا اہلِ فضل حضرات میں سے کسی کے لیے یہ بات حلال ہے کہ اس کو رَد کیا جائے، اور یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین بعثت سے پہلے، زمانۂ فترَت میں فوت ہوگئے، یا قیامت کے دن ان کا امتحان لیا جائے گا، کیا یہ ایسی تعلیل کے ساتھ اس نص کا مقابلہ نہیں ہے، جس کو حدیث اور فقہ کے اربابِ اصول نے ذکر کیا ہے، جو منقولات اور معقولات کے جامع ہیں کہ حدیث جب صحیحین یا ان میں سے کسی ایک میں ثابت ہو، تو اس کا ان دونوں کے علاوہ کی حدیث سے معارضہ نہیں کیا جاسکتا، اگرچہ ان دونوں کی سند سے ہی مروی ہو، اور اگرچہ باقی صحاحِ ستہ سے تعلق رکھتی ہو۔

پس اس صورت میں کیا حالت ہوگی، جبکہ اس کو غیر معتبر کتابوں والوں نے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہو، جو کہ مشہور نہیں ہے، اور حفاظِ حدیث نے ان تمام اسناد کے ضعیف ہونے، بلکہ موضوع ہونے کی تصریح کی ہو، اور صورتِ حال یہ ہو کہ اس روایت کے مطابق صرف مقلدین کی ایک جماعت نے ہی قول کیا ہے، جو مجتہدین کے درجہ میں نہیں پہنچے، جیسا کہ ابنِ شاہین اور خطیب بغدادی اور سہیلی اور قرطبی اور محبّ طبری اور ابنِ منیر اور ان کے مثل دیگر حضرات، بلکہ ان حضرات میں سے بھی متعدد نے اس حدیث کی تردید کردی۔

اور کیا حنفیہ اور دیگر حضرات میں سے کسی شخص کے لیے یہ بات حلال ہے کہ وہ ان مذکورہ حضرات کی تقلید کرے، اور صرف ان حضرات کی وجہ سے معتبر ائمہ کی اقتداء

کو ترک کر دے، باوجودیکہ جمہور علمائے امت کے دلائل انتہائی واضح اور مضبوط ہیں، خاص طور پر جبکہ یہ مسئلہ ان اعتقادی مسائل میں سے ہے، جن کے لیے یقینی دلائل ضروری ہوتے ہیں (اور اگرچہ یہ احادیث اخبارِ آحاد ہوں، لیکن دوسرے اصولی دلائل اور نصوص سے مل کر ان میں مزید قوت آ جاتی ہے، اور کم از کم عقدِ قلب کے طور پر عقیدہ بنانے کے لیے کافی ہو جاتی ہیں)

فقہ کے فروعی مسائل سے اس مسئلہ کا تعلق نہیں ہے، جن کا غالب مدار ظنی قواعد پر ہوتا ہے۔

علامہ سیوطی کے کلام اور ان کی مراد کے خلاصہ سے متعلق گفتگو ختم ہوئی، اور ہم ان کی طویل غیر مفید باتوں کے تعرض سے اعراض کرتے ہیں، جو علامہ سیوطی نے اس مقام پر ذکر کی ہیں، کیونکہ ان کی حیثیت صرف ''قیل و قال'' کی ہے، اور اللہ ہی سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔ [1]

اور اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ علامہ سیوطی ''حاطبُ اللیل'' اور ''خاطبُ الویل'' ہیں، بعض اوقات وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شروع سے مومن تھے، پس وہ ''اھلِ فترَۃ'' میں سے ہیں، یا وہ اہلِ نبوت کے آباء واجداد کے قبیل سے ہیں۔

اور بعض اوقات یہ کہتے ہیں کہ وہ کافر تھے، لیکن ان کو اللہ نے زندہ کیا، اور وہ ایمان لائے۔

اور بعض اوقات یہ کہتے ہیں کہ وہ نہ تو مومن تھے، اور نہ ہی کافر تھے، بلکہ وہ مجنون اور ناواقف درجہ کے لوگوں میں تھے، جن کو قیامت کے دن امتحان میں مبتلا کیا

---

[1] ہم نے بھی اس سلسلہ میں علامہ سیوطی کے رسائل میں بعض ایسے دلائل کو ملاحظہ کیا، جن کی حیثیت واقعی ملا علی قاری کے بقول ''قیل و قال'' کی ہے، اور ان کے اندر وزن نہیں، بعض دیگر اہلِ علم حضرات کی طرف سے بھی ان میں سے متعدد دلائل کے جوابات گزر چکے ہیں۔ محمد رضوان خان۔

جائے گا، اوراس گمان کے مطابق علامہ سیوطی ان کے ناجی ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔

پس آپ ان واضح معارضات اور صاف مناقضات کو دیکھ لیجیے، کیا اعتقادی مسائل، ان جیسے عقلی احتمالات سے ثابت ہوسکتے ہیں؟ (ادلۃ معتقد ابی حنیفۃ)

ملاعلی قاری رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کیے جا کر ایمان لانے یا ان کے موحد و ناجی ہونے کے متعلق جو دلائل ذکر فرمائے ہیں، وہ ملاعلی قاری کے نزدیک مخدوش ہیں، اوراس طرح کے عقیدے کے لیے موضوع یا شدید ضعیف حدیث سے استدلال کرنا، اوراس کے مقابلہ میں صحیح احادیث اور مطلق نصوص کی تردید کرنا درست نہیں۔

## ملاعلی قاری کا تیسرا حوالہ

ملاعلی قاری اپنے مذکورہ رسالہ میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

**ثم من الوقائع الغريبة فی الأزمنة القريبة أن بعض علماء الحنفية مع انه بلغ الغاية القصوى فی مرتبة الفتوى أفتى تبعا للسيوطى وجمع من الشافعية مع اطلاعه على عقيدة إمام الملة الحنيفية حيث قال المشهور عند العلماء ما ذكره الإمام الأعظم ولم يرجع عنه غير أن العلامة السيوطى أخرج بسنده حديثا يصلح التمسک به مضمونه أن الله أحيى أبويه فآمنا به.ثم قال فی آخره.وهو الذى نعتقده وندين الله به.**

**ثم إنه تعارض حديث ابن مسعود وحديث ابن عباس رضی الله عنهما وأمكن الجمع بينهما بأنه منع من الاستغفار أولا وهو**

مضمون حديث ابن مسعود ثم أذن له ثانيا وهو مضمون حديث ابن عباس الذى أخذ به الجلال السيوطى انتهى ملخصا.

وأنت عرفت أن الحديث الأول الذى تمسک به السيوطى ليس بإسناده ولا يصح بالاتفاق بل هو ضعيف كما اعترف به السيوطى أو موضوع كما صرح به غيره.

وأما ما نسبه إلى ابن عباس فلا أصل له لا عند السيوطى ولا عند غيره والله أعلم.

وكان الواجب عليه حيث لا دليل قدامه أن يقتفى إمامه ولا يعتدى أمامه تصديقا لقول القائل:

إذا قالت حذام فصدقوها ...فإن القول ما قالت حذام (أدلة معتقد أبى حنيفة فى أبوى الرسول عليه الصلاة والسلام، للملا على القارى، ص ۱۴۲، ۱۴۳، واقعة غريبة)

ترجمہ: پھر قریب زمانہ کے عجیب واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ بعض علمائے حنفیہ جو فتویٰ کے مرتبہ میں انتہائی درجہ تک پہنچ چکے ہیں، انہوں نے علامہ سیوطی اور شافعیہ کی ایک جماعت کی اتباع میں فتویٰ دے دیا، باوجودیکہ ان کو حنفیہ کے امامِ ملت کے عقیدہ کا علم تھا، اس طور پر کہ انہوں نے کہا کہ علماء کے نزدیک مشہور وہ ہے، جس کو امام اعظم نے ذکر کیا ہے، اور اس سے امام اعظم نے رجوع بھی نہیں کیا، البتہ علامہ سیوطی نے اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث کو روایت کیا ہے، جو دلیل پکڑنے اور امام اعظم کے قول کو ترک کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کیا، پھر وہ ایمان لائے، پھر آخر میں ان حضرات نے یہ بھی فرمادیا کہ ہم اسی کے مطابق عقیدہ رکھتے ہیں، اور

اسی کے مطابق اللہ کے نزدیک جواب دہ ہیں۔

پھر ان حضرات نے اس کا ابنِ مسعود کی حدیث اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے تعارض کیا، اور ان دونوں کے درمیان اس طرح سے جمع کرنے کی کوشش کی کہ اولاً استغفار سے منع کیا گیا تھا، جو ابنِ مسعود کی حدیث سے ثابت ہے، پھر اس کی اجازت دے دی گئی، جو ابنِ عباس کی حدیث سے ثابت ہے، اس کو جلال الدین سیوطی نے اختیار کیا ہے۔

اور آپ اس بات کو پہچان چکے ہیں کہ پہلی حدیث جس سے سیوطی نے دلیل پکڑی ہے، اس کی سند بالاتفاق صحیح نہیں ہے، بلکہ وہ ضعیف ہے، جس کا خود سیوطی نے اعتراف کیا ہے، یا وہ موضوع ہے، جس کی سیوطی کے علاوہ دیگر حضرات نے تصریح کی ہے۔

اور سیوطی نے جس حدیث کی نسبت ابنِ عباس کی طرف کی ہے، اس کی کوئی اصل نہیں، نہ تو سیوطی کے نزدیک، اور نہ ان کے علاوہ دیگر حضرات کے نزدیک۔

واللّٰہ اعلم۔ [1]

اور جس کے سامنے کوئی دلیل نہ ہو، تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے امام کی اتباع کرے، اور امام کے قول کو ترک نہ کرے، قائل کے اس قول کی وجہ سے کہ ”جب ماہرین کوئی بات کریں، تو تم اس کی تصدیق کرو، کیونکہ قول ماہرین ہی کا معتبر ہوتا ہے“ (ادلۃ معتقد ابی حنیفۃ)

ملا علی قاری نے جو بعض علمائے حنفیہ واصحابِ افتاء کے متعلق شکایت ذکر کی ہے، اس میں وزن معلوم ہوتا ہے، علامہ ابنِ عابدین شامی نے بھی اس سلسلہ میں سیوطی اور ان کے ہمنوا دیگر حضرات کے مطابق موقف اختیار کیا، اور اس سلسلہ میں متقدمین جبالِ علم کے قول کو یا تو

---

[1] حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب، اس حدیث کی سند پر کلام ہم نے پہلے کر دیا ہے، جس کے پیشِ نظر یہ حدیث شدید ضعف سے خالی نہیں، بلکہ بہت سے حضرات کی تصریح کے مطابق منکر اور جھوٹی ہے۔ محمد رضوان خان۔

اہمیت نہیں دی گئی، یا ان کے قول کی کمزور تاویل کی گئی، جس کے نتیجہ میں بعض فتاویٰ ورسائل میں بھی اسی کے مطابق پُر زور انداز میں مضامین تحریر کیے گئے ہیں۔
مگر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ حق جہاں بھی ہو، اس کو قبول کیا جائے، اور اس سلسلہ میں بے جا تعصب وتحزب سے اپنے آپ کو بچایا جائے۔

## ملا علی قاری کا چوتھا حوالہ

ملا علی قاری اپنے مذکورہ رسالہ میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

پھر ابنِ کمال نے (اپنے مضمون میں) فرمایا کہ اس بات میں کوئی خفاء نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے حق میں شرک کو ثابت کرنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ نسب میں خرابی لازم آتی ہے۔
(ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ اس کا پاکیزہ نسب میں کوئی دخل نہیں، بلکہ یہ اس چیز کو ثابت کرنا ہے، جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پاکیزہ ذات کے لیے ثابت کیا۔
ہاں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں پر تہمت لگائے، تو اس کو قتل کیا جائے گا۔
اور ماں کا بطورِ خاص اس لیے ذکر کیا گیا، کیونکہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی والدہ سے ولادت نکاح کے طور پر ہوئی ہے، غیر نکاح کے طور پر نہیں ہوئی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ چیز کا انکار کرنا کفر ہے۔
اور کردری نے ''مناقب'' میں جو یہ بات ذکر کی ہے کہ جس شخص کی موت کفر پر واقع ہوجائے، اس پر لعنت کرنا جائز ہے، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے، کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا، اور وہ ایمان لائے۔

تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ یہ بات گزر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے والدین کے کفر کو ثابت قرار دیا ہے، اور لعنت کی ممانعت مذکورہ حدیث کی مشابہت کی وجہ سے ہے، اگرچہ نقلاً اور شرعاً یہ صحیح نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عقلاً جائز ہے، لیکن اس بات میں شک نہیں کہ دین دار انسان کے لیے زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ وہ کسی پر لعنت نہ بھیجے، اور اس کے بجائے اللہ کے ذکر میں ہر حالت میں مشغول رہنا بہتر ہے۔ [1]

پھر لعنت کے ممنوع ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم زندوں کو مُردوں کی وجہ سے ایذاء نہ پہنچاؤ، پس اس بناء پر نہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے والدین پر لعنت جائز ہے، اور نہ صحابۂ کرام کے آباء واجداد پر، اور نہ ہی دیگر مسلمانوں کے آباء واجداد پر، کیونکہ لعنت میں کوئی فائدہ نہیں، اور اس لعنت پر طعن وتشنیع متفرع ہوتی ہے، جو بندوں کے درمیان فساد پیدا کرنے (اور جذبات بھڑکانے اور اشتعال انگیزی) کا سبب ہے، خاص طور سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امت کے باپ کی جگہ ہیں، اور آپ کی تعظیم انتہائی درجہ کی ضروری ہے، اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور ان کے مثل دیگر افراد کے لیے قرآن مجید کی آیت میں استغفار کی ممانعت شامل نہ ہوتی، تو ہم یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے لیے مغفرت کی دعاء کرتے، پس ہمارے لیے یہ بات مناسب نہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر لعنت کریں، اور ان کو رحمت سے دور کریں، بلکہ ممکن ہے کہ ہمارے لیے یہ جائز ہو کہ ہم ان کے عذاب میں تخفیف کی دعاء کریں (جس

---

[1] اسی وجہ سے لعنت کرنے والوں کو حدیث میں ''شفیع'' ہونے کی نعمت سے محروم بتلایا گیا ہے۔

عن أم الدرداء، عن أبي الدرداء، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: إن اللعانين لا يكونون شهداء، ولا شفعاء يوم القيامة(مسلم، رقم الحديث ٢٥٩٨ "٨٦")

طرح ابوطالب کے لیے عذاب کی تخفیف کا ذکر آیا ہے) اور ہم معاملہ اللہ، خالق کی طرف سپرد کریں، جس نے ان کے بارے میں جو فیصلہ فرمایا ہے (اور نصوصِ معتبرہ سے ہمارے سامنے آیا ہے، اس پر عقیدہ رکھیں) جیسا کہ ارشاد ہے:

"وکان أمر اللّٰه قدرا مقدورا"

(یعنی اللہ کا فیصلہ لامحالہ پورا ہونے والا ہے)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"کان ذٰلک فی الکتاب مسطورا"

(یعنی یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے)

اور یہ ایسا مسئلہ ہے کہ جس میں عقلیں حیران ہوگئی ہیں، اور نقلیں مضطرب ہوگئی ہیں، اور کسی کے لیے اس کے نتیجہ کی حقیقت تک پہنچنا ممکن نہیں، سوائے اس کے کہ وہ یہ کہے، جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"لا یسأل عما یفعل وهم یسألون"

(یعنی اللہ سے اس کے کاموں کے متعلق سوال نہیں کیا جاسکتا، اور انسانوں سے سوال کیا جائے گا) (ملا علی قاری کا کلام ختم ہوا) [1]

---

[1] ثم قال ابن الکمال. لا خفاء فی أن إثبات الشرک فی أبویه إضلال ظاهر بشرف نسبه الطهر.
قلت هذا القول لیس له دخل فی نسبه الطاهر بل إثبات لما أثبته علیه الصلاة والسلام بنفسه الطاهر.
نعم من قذف أم النبی صلی الله علیه وسلم قتل مسلما کان أو کافرا کما قاله الإمام موفق الدین بن قدامه الحنبلی فی المقنع ونقله عنه السیوطی.
وإنما خصت الأم بالذکر لثبوت أحادیث دلت علی أنه صلی الله علیه وسلم ولد عن أمه نکاحا غیر سفاح فإنکار ما یثبت عنه صلی الله علیه وسلم کفر فلا یرد أن حکم القاذف الحد المعروف.
ثم قوله کافرا فیه بحث من جهة إطلاقه لأن الحربی لا کلام فیه والمستأمن لا یجوز قتله والذمی ظاهرة القتل لأن له ما لنا وعلیه ما علینا إلا ما خص بدلیل.
وأما ما ذکره الکردری فی المناقب من أنه من مات علی الکفر أبیح لعنه إلا والدی رسول الله صلی الله علیه وسلم لثبوت أن الله تعالی أحیاهما له حتی آمنا به.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملا علی قاری کی مذکورہ عبارت میں جو باتیں مذکور ہیں، وہ نہایت معتدل ومعقول ہیں، اور اہلِ علم واہلِ فکر کے لیے کئی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ عبرت وبصیرت آمیز بھی ہیں۔

## ملا علی قاری کا پانچواں حوالہ

ملا علی قاری اپنے مذکورہ رسالہ میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

**وأما ما ذكره ابن الكمال تبعا للسيوطى من أنه سئل القاضى أبو بكر بن العربى أحد المالكية عن رجل قال إن أبا النبى صلى الله عليه وسلم فى النار.**

**فأجاب بأنه ملعون لأن الله تعالى يقول (إن الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله فى الدنيا والآخرة) قال ولا أذى أعظم من أن يقال عن أبيه إنه فى النار.**

**محمول على من قصد أذى النبى عليه الصلاة والسلام بإطلاق**

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ففيه ما سبق من التنبيه أنه أثبت كفر والديه ومنع لعنهما بشبهة الحديث المذكور ولو لم يصح نقلا ولا شرعا غايته أنه يجوز عقلا فلا شك أن الأحوط لصاحب الدين أن لا يلعن أحدا فإن الاشتغال بذكر المولى فى كل حال هو الأولى.

ثم ظهر لى وجه آخر فى منع اللعن وهو ما قاله صلى الله عليه وسلم لا تؤذوا الأحياء بسب الأموات. فعلى هذا لا يجوز لعن والدى عمر رضى الله عنه ولا آباء الصحابة ولا آباء بقية المسلمين إذ لا فائدة فى اللعن وقد تتفرع عليه الطعن وينجر إلى الفساد فيما بين العباد على الخصوص بالنسبة إلى والديه صلى الله عليه وسلم فإنه أب للأمة وله كمال فى الحرمة ولولا النفى المتضمن لمنعنا من الاستغفار لهما ولأمثالهما فى الآية لكنا دعونا لهما بالمغفرة فلا يناسب أن ندعو عليهما باللعن والطرد من الرحمة بل ربما يجوز لنا أن ندعو لهما بتخفيف العذاب عنهما ونسلم الأمر إلى خالقهما فيما قضى عليهما (وكان أمر الله قدرا مقدورا) و (كان ذلك فى الكتاب مسطورا)

وهذه مسألة تحيرت فيها العقول واضطربت فيها النقول وليس لاحد الوصول إلى حقيقة هذا المحصول إلا أن يقول كما قال تعالى (لا يسأل عما يفعل وهم يسألون)(أدلة معتقد أبى حنيفة فى أبوى الرسول عليه الصلاة والسلام، للملا على القارى، ص١٤٣ الىٰ ١٤٥، حكم من طعن فى نسب النبى صلى الله عليه وسلم)

هذا الكلام فإنه ملعون بل كافر مطعون.

وأما من أخبره لما ثبت عنه عليه الصلاة والسلام واعتقده كأبى حنيفة وغيره من علماء الأعلام فحاشاهم من نسبة الطعن إليهم ويحرم اللعن عليهم.

ثم نقله تبعا له عن السهيلى ليس لنا أن نقول ذلك فى أبويه صلى الله عليه وسلم لقوله عليه السلام لا تؤذوا الأحياء بسب الأموات كما رواه الطبرانى .

فدفعه ظاهر على من عنده علم باهر وعقل قاهر.

ثم قال ابن الكمال .وبالجملة هذه المسألة ليست من الاعتقاديات فلا حظ للقلب منها وأما اللسان فحقه أن يصان عما يتبادر على دفعه وتداركه.

قلت ما ثبت بالكتاب والسنة يجب اعتقاده مجملا ومفصلا.

نعم لو لم يخطر ببال مؤمن هذا المبحث لا نفيا ولا إثباتا لا يضره ككثير من المسائل المذكورة فى كتب العقائد المسطورة.

ثم هذه المسألة لو لم تكن فى الجملة من المسائل الإعتقادية لما ذكرها الإمام المعظم المعتبر فى ختم فقه الأكبر وكان هذا من علامة ولايته رضى الله عنه حيث كوشف له هذا المعنى أن يقع الاختلاف فى هذا المبنى.

ثم لا عبرة بالعوام فهم كالأنعام فى عقائدهم الفاسدة وتأويلاتهم الكاسدة (أدلة معتقد أبى حنيفة فى أبوى الرسول عليه الصلاة والسلام، للملا على القارى،ص ۱۴۰،و ۱۴۱،الرد على رسالة لابن كمال الباشا فى أبوى النبى صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: اور ابنِ کمال نے جلال الدین سیوطی کی اتباع میں یہ بات ذکر کی ہے کہ قاضی ابوبکر ابنِ عربی مالکی سے اُس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا، جو یہ کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد جہنم میں ہیں؟

تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ ملعون ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"إِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ "

"یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں، اُن پر لعنت فرماتا ہے اللہ، دنیا اور آخرت میں"

اور اس سے بڑی کوئی ایذاء نہیں کہ یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد جہنم میں ہیں (ابنِ عربی کے حوالہ سے بات ختم ہوئی)

تو یہ اس شخص پر محمول ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے کا قصد کرے، اس کلام کے اطلاق کی وجہ سے، کیونکہ وہ ملعون بلکہ کافر، مطعون ہے۔ [1]

اور جو شخص اس بات کی خبر دے، جو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور اس کا اعتقاد رکھے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور اُن کے علاوہ دوسرے امت کے اہم علماء، تو حاشاوکلا کہ اُن کی طرف طعن کی نسبت کی جائے، ان پر تو لعنت کرنا حرام ہے۔ [2]

---

[1] اور اگر ابنِ عربی کے کلام کو مطلق لیا جائے، تو پھر یہ صحیح احادیث اور اجماعِ امت یا کم از کم جمہور کی تصریح کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے، جس طرح ابنِ عربی کی بعض دوسری آراء کو بھی مردود قرار دیا گیا ہے، جن میں سے ایک رائے، فرعون کو مومن قرار دینے کی ہے، جیسا کہ پہلے علامہ شامی کے حوالے سے گزرا۔ محمد رضوان خان۔

[2] اور کسی مسلمان پر لعنت کرنا بہت بڑا گناہ ہے، جس پر لعنت کی جائے، اگر وہ لعنت کا مستحق نہ ہو، تو لعنت کرنے والے پر یہ لوٹ کر آتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔

عن أم الدرداء، قالت: سمعت أبا الدرداء يقول: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: " أن العبد إذا لعن شيئا صعدت اللعنة إلى السماء، فتغلق أبواب السماء دونها، ثم تهبط إلى الأرض، فتغلق أبوابها دونها، ثم تأخذ يمينا وشمالا، فإذا لم تجد مساغا رجعت إلى الذى لعن، فإن كان لذلك أهلا، وإلا رجعت إلى قائلها" (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ٤٩٠٥)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده محتمل للتحسين (حاشية سنن ابی داؤد)

پھر ابنِ کمال نے سُہیلی کی اتباع میں یہ بات نقل کی ہے کہ ہمارے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ کفر کی حالت میں فوت ہوئے، کیونکہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ تم زندوں کو ایذاء نہ پہنچاؤ، مُردوں کو بُرا کہہ کر، جیسا کہ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔

تو اس کا جواب اُس شخص پر ظاہر ہے، جس کو مُعتَدبہٖ علم اور مضبوط عقل حاصل ہو۔ [1]

پھر اس کے بعد ابنِ کمال نے فرمایا کہ بہر حال یہ مسئلہ اعتقادیات میں سے نہیں ہے، لہٰذا دل کے لئے اس کا حصہ نہیں ہے، جہاں تک زبان کا تعلق ہے، تو اس کا حق یہ ہے کہ زبان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع اور تدارُک کے خلاف چیزوں سے محفوظ رکھا جائے۔

میں کہتا ہوں کہ جو چیز کتابُ اللہ اور سنتِ رسولُ اللہ سے ثابت ہو، تو اس پر مجملاً اور مفصَّلاً اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ [2]

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اگر کسی مؤمن کے دل میں یہ بحث نفیاً یا اثباتاً نہ کھٹکے، تو اس میں کوئی ضرَر نہیں، جیسا کہ عقائد کی کتب میں ایسے بہت سے مسائل مذکور ہیں۔

---

[1] کیونکہ احادیث کے مطابق اور جمہور متقدمین کے قول کے مطابق کوئی بات کہنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانا ہرگز نہیں، بھلا جس بات کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم امت کو خبر دیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات ہی کو نقل کیا جائے، تو یہ ایذا پہنچانے میں کیونکر داخل ہوگا، ورنہ قرآن مجید کی آیات میں بار بار حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کے بت پرست ہونے، ان کے لیے استغفار کے ممنوع ہونے، اور احادیث میں ان کے کافر ومشرک اور مستحقِ عذاب ہونے کا ذکر نہ آتا، اور نہ ہی حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے بیٹے کے کافر ہونے کا ذکر آتا، جبکہ یہ باتیں حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہما الصلاۃ والسلام کے لیے باعثِ غم ثابت ہوئیں، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جن واقعات سے تکالیف اور غم پہنچا، اور ان کا نصوص میں ذکر آیا، ان کو نقل وبیان کرنا بھی جائز نہ ہوتا، جیسا کہ آگے ضمیمہ میں آتا ہے۔ محمد رضوان خان۔

[2] اور جو بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ اخبارِ آحاد کا عقائد کے باب میں اعتبار نہیں ہوتا، تو اولاً تو یہ قول مرجوح ہے، دوسرے اس سے مراد، وہ عقائد ہیں، جو قطعی الثبوت ہوں، اور ان کا انکار فسق کے بجائے کفر ہو، جیسا کہ پہلے ’’القول الفیصل شرح الفقہ الاکبر‘‘ کی عبارت کے ذیل میں گزرا۔ محمد رضوان خان

پھر یہ مسئلہ اگر فی الجملہ اعتقادی مسائل میں سے نہ ہوتا، تو معتبر و معظّم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فقہِ اکبر کے اختتام پر اس کا ذکر نہ کرتے، اور یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ولی ہونے کی علامت میں سے ہے، کہ ان پر یہ چیز ظاہر ہوگئی تھی کہ اس مسئلہ میں (آگے چل کر) اختلاف واقع ہوگا۔

پھر عوام کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ وہ اپنے فاسد عقائد اور بے کار تاویلات میں اَنعام کی طرح ہیں (ادلة معتقد ابی حنیفة)

ملا علی قاری کی مذکورہ عبارت کو بغور ملاحظہ کر کے زیرِ بحث مسئلہ میں پائے جانے والے غلو کی اصلاح کرنی چاہئے۔

## ملا علی قاری کا چھٹا حوالہ

ملا علی قاری رحمہ اللہ، اپنے رسالہ کے آخر میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے کفر کی حالت میں فوت ہونے کی حکمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے کفر کی حالت میں فوت ہونے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق اور ان کے امور پر پوری قدرت حاصل ہے، اور نبوت کے مبنی ہونے کا معاملہ وہبی ہے، کسبی نہیں ہے، اور نہ ہی کسی مخلوق کے جذبات پر مبنی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت میں خود مختار ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

"یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی"

"یعنی اللہ، نکالتا ہے، زندہ کو مردہ سے، اور نکالتا ہے، مردہ کو زندہ سے"

پس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ، مومن کو کافر سے پیدا فرماتا ہے، اور کافر کو مومن سے، جیسا کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا کہ وہ ائمہ اسلام کے اجماع کی رُو سے کافر ہے، اور جیسا کہ آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا، جو کہ اہلِ علم

کے اتفاق کی رو سے کافر ہے، اور جب نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے عکرمہ بن ابی جہل کو، اسلام لانے کے بعد دیکھا، تو اس آیت کی قرائت فرمائی کہ:

"یخرج الحی من المیت"

"یعنی نکالتا ہے، اللہ زندہ کو مردہ سے"

(ملا علی قاری کا کلام ختم ہوا) [1]

بعض احادیث میں کافر سے مومن کے پیدا ہونے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دلیل میں "یخرج الحی من المیت" فرمانا ثابت ہے، جس سے ملا علی قاری کے مذکورہ استدلال کی تائید ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] الحكمة من موت أبوى الرسول صلى الله عليه وسلم على الكفر.

هـذا وفيـه بيان لكمال قدرته فى خلقه وأمره وتبيان لسر قضائه وقدره ورد على الحكماء والفلاسفة والـطبيـعية فـى بـنـاء أمـر الـنبـوة والمعرفة على الأمور النسبية والأحوال الكسبية لا على المواهب الإلهية السبحانية والجذبات الربانية الصمدانية كما أشار الله سبحانه إلى هذا المعنى فى رد ذلك المبنى بقوله (يخرج الحى من الميت ويخرج الميت من الحى)

فـأخرج الله سبحانه المؤمن من الكافر والكافر من المؤمن كابن نوح عليه السلام فإنه كافر بإجماع ائمة الإسلام وكقابيل قاتل هابيل من بنى آدم عليه السلام فإنه كافر باتفاق علماء الأعلام

ولما رأى عليه السلام عكرمة بن أبى جهل بعد الإسلام قرأ (يخرج الحى من الميت)

وفـى هـذا بيـان عـظيـم إلى أن الإيمان إنعام جسيم لا يصل إليه إلا نبى أو ولى كريم ممن سبقت لهم الحسنى بالوصول إلى المقام الأسنى.

فـنسـأل الـلـه تـعـالى حسن الخاتمة الدالة على سبق العناية بتعلق الإرادة لتحقق السعادة داعين ربنا توفنا مسلمين وألحقنا بالصالحين وأدخلنا الجنة آمين غير خزايا ولا مفتونين آمين

وسـلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين.تمت(أدلة معتقد أبى حنيفة فى أبوى الرسول عليه الـصـلاة والسـلام، لـلملا على القارى،ص ١٤٦ و١٤٧ ،الحكمة من موت أبوى الرسول صلى الله عليه وسلم على الكفر)

[2] عـن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة، قال :دخـل النبى صلى الله عليه وسلم على أم خالد فقال :من هذه؟ فقالوا :بعض خالاتك، فقال :إن خالاتى فى هذه الأرض لغرائب من هذه، قالوا :أم خـالـد بنت الأسود بن عبد يغوث، فقال :سبـحان الذى يخرج الحى من الميت(المعجم الكبير للطبرانى ،رقم الحديث ٢٤٨)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی سے اُن لوگوں کے شبہ کا جواب بھی ہوگیا، جو یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ''فضلات'' کا پاک ہونا اور ''فضلات'' کے استعمال کرنے والے کے لیے جہنم سے نجات ہونے کی فضیلت، بعض روایات سے ثابت ہے، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ''فضلات'' کا جہنم سے نجات پانا ثابت ہوگیا، تو جس نے آپ کے خون اور گوشت کی تربیت کی ہو، اور جس پیٹ میں آپ کی تربیت ہوئی ہو، اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقتِ شریفہ کی اصل ہو، یعنی آپ کے والدین، تو وہ کیوں کر جہنم میں داخل ہوں گے؟

لیکن مذکورہ احادیث سے معلوم ہوگیا کہ اللہ ''مُردہ'' سے ''زندہ'' کو نکالتا ہے، جس میں کافر سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الهيثمي:

عن أم خالد بنت الأسود بن عبد يغوث أنها دخلت على النبى -صلى الله عليه وسلم - فقال " :من هذه؟ ."فقالوا :بنت الأسود بن عبد يغوث، فقال " :الحمد لله الذى يخرج الحى من الميت - ."يعنى المؤمن من الكافر -.

وفى رواية :دخل النبى -صلى الله عليه وسلم -فقال " :من هذه؟ ."فقالوا :بعض خالاتک، فقال " :إن خالاتى فى هذه الأرض لغرائب، من هذه؟ ."قالوا :أم خالد بنت الأسود بن عبد يغوث، فقال " :سبحان الذى يخرج الحى من الميت.

رواه كله الطبرانى بإسنادين، وإسناد الثانى حسن(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، تحت رقم الحديث ١٥٤٣٦،ورقم الحديث ١٥٤٣٧ ،باب فى أم خالد بنت الأسود -رضى الله عنها )

وقال ابن سعد:

أخبرنا محمد بن عمر .حدثنى معمر عن الزهرى فى قوله :يخرج الحى من الميت ويخرج الميت من الحى (قال :دخل رسول الله على بعض نسائه فإذا هو بامرأة حسنة الهيئة فقال :من هذه؟ قالت :إحدى خالاتک .فقال:إن خالاتى بهذه الأرض لغرائب . وأى خالاتى هذه؟ قالوا :خالدة بنت الأسود بن عبد يغوث .فقال :سبحان الله الذى يخرج الحى من الميت .وكانت امرأة صالحة ومات أبوها كافرا).

أخبرنا محمد بن عمر .حدثنى موسى بن محمد بن إبراهيم عن أبيه عن أبى سلمة بن عبد الرحمن عن عائشة عن النبى -صلى الله عليه وسلم -مثله.

قال محمد بن عمر :فدخل هذا فى التفسير فى قوله :يخرج الحى من الميت .يعنى المؤمن من الكافر(الطبقات الكبرى،لابن سعد، ج٨،ص١٩٦، تسمية النساء المبايعات من قريش وحلفائهم ومواليهم وغرائب نساء العرب،تحت ترجمة "خالدة بنت الأسود")

مومن کا پیدا ہونا بھی داخل ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی عجائبِ قدرت میں سے ایک اہم نشانی ہے۔ علاوہ ازیں ''فضلات النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کی طہارت کے سلسلہ میں واردِ احادیث وروایات کی اسناد پر بھی کلام ہے۔ [1]

---

[1] امدادُ الفتاویٰ میں اس کے متعلق ایک سوال و جواب درجِ ذیل ہے:

سوال: ایک واعظ صاحب یہاں تشریف لائے تھے، انہوں نے حسبِ ذیل روایات بیان کیں، جن کے متعلق یہاں اکثر اصحاب اختلاف کرتے ہیں۔ حضور براہِ کرم برائے اطمینانِ اہلِ اسلام، ان روایات کے متعلق تحریر فرماویں کہ وہ صحیح ہیں، یا غلط، اور اگر تکلیف نہ ہو، تو کسی کتاب کا حوالہ بھی تحریر فرماویں۔

روایات

نمبر (1): انبیاء علیہم السلام کا بول و براز پاک ہوتا ہے اور خصوصاً ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات بالکل پاک تھے، کیونکہ آپ سراپا نور تھے۔

نمبر (2): انبیاء علیہم السلام کے بول و براز کو زمین فوراً ہضم کر جاتی ہے۔

جواب: خواہ مخواہ، انہوں نے ایسی باتیں بیان کر کے مسلمانوں کو پریشان کیا، جو نہ عقائدِ ضروریہ میں سے ہیں، نہ احکام میں سے۔

بیان کرنے کی چیز عقائد واحکام ہیں، نہ کہ ایسی روایات جن پر دوسری اقوام بھی ہنسیں، ایسی روایات بعض غیر معتبر کتابوں میں آئی ہیں، جن کی نہ تصدیق واجب ہے، کیونکہ سند صحیح نہیں، اور نہ تکذیب واجب ہے، اس لئے کہ فی نفسہٖ ممکن ہیں؛ اس لئے ایسے اُمور میں مشغول ہی نہ ہونا چاہئے، نہ تصدیقاً نہ تکذیباً، اور ایسے واعظوں کا وعظ ہی کیوں سنا جاتا ہے، اور اُن سے مطالبہ سند کا کیوں نہ کیا گیا؟ اسی جلسہ میں حقیقت کھل جاتی۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ (النور رمضان ۱۳۵۰ھ صفحہ ۱۰)

اس کے بعد اس کے متعلق دوسرا خط آیا، جو ذیل میں منقول ہے:

السوال: جناب ماسٹر محمد شریف خان صاحب نے حال میں ایک استفتاء، خدمتِ عالی میں پیش کیا تھا، جو ہمرشتۂ عریضہ ھٰذا (اس عریضہ کے ساتھ نتھی) ہے، جواب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ روایاتِ مذکورہ ضعیف ہیں، اور ان کی کوئی سند نہیں، حسبِ اتفاق ایک صاحب کو (آپ کی تالیف) نشرُ الطیب میں انہیں روایات کو دیکھنے کا اتفاق پیش آ گیا، انہوں نے نشرُ الطیب کے صفحات 135 و 136 مجھ کو دِکھلائے۔

اب وہ فتویٰ اور یہ تحریر متضاد معلوم ہوتی ہیں۔ نشرُ الطیب میں روایت بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کی گئی ہے، جواب جلد عنایت فرمایئے، تاکہ تسکین ہو۔ ۲۲ اگست، ۱۹۳۱ عیسوی۔

الجواب: ضعیف بلا سند نہیں ہوتی، بلکہ بسندِ ضعیف ہوتی ہے، جو عقائد میں حجت نہیں، فضائل میں کھپ جاتی ہے۔

میں نے تحریرِ سابق میں یہی لکھا ہے کہ سند صحیح نہیں۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ''فضلاتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے پاک ہونے نہ ہونے کا مسئلہ بھی خود اجتہادی واختلافی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تو دونوں تحریروں میں تضاد نہیں، کیونکہ ضعیف کی نفی نہیں کی، اور اس ضُعفِ سند ہی سے ایسی کتابوں کو غیر معتبر بتلایا تھا، کیونکہ معتبر ''صحیح'' کو کہتے ہیں، ''ضعیف'' کو نہیں کہتے، باقی یہ کہ پھر کتاب میں کیوں لکھا؟ سو، کتاب تو فضائل میں ہے، عقائد و احکام میں نہیں۔

اگر شاذ و نادر ایسی بھی کوئی روایت لکھی جائے، کھپت ہو جاتی ہے، بخلاف وعظ کے کہ وہ عقائد و احکام کی تعلیم کے لئے ہوتا ہے، اس میں ایسے مضامین نہیں کھپتے۔ دوسرے وعظ سننے والے اکثر کم فہم ہوتے ہیں، اور کتاب پڑھنے والے اکثر فہیم۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ

اضافہ: بعد تحریرِ جواب ھذا ''شرح الشفا لملا علی القاری'' میں یہ بحث نظر سے گزری۔ انہوں نے فصل، نظافتِ جسمِ نبوی میں اس پر بہت مبسوط لکھا ہے۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ بعض روایات کا تو ثبوت مقدوح ہے، اور بعض کی دلالت، اور بعض روایات میں شارحین کا یہ قول مذکور ہے۔

''شربته وانالااعلم'' یا ''لااشعر''

اور ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے متعلق نہی فرمانا مذکور ہے، اور وہ یہ ہے:

**روی ابن عبدالبر ان سالم بن ابی الحجاج حجمه صلی الله علیه وسلم ثم ازدردای ابتلع فقال اماعلمت ان الدم کله حرام وفی روایة لاتعد فان الدم کله حرام.**

پس مسئلہ بالکل منقح ہو گیا کہ طہارت کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ (النور ۱۳۵۰ھ، ص ۷)

(امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۱۳۵ تا ۱۳۷، کتاب الطہارات، نجاست کے احکام اور پاکی کا طریقہ، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم، کراچی، طبع جدید: شعبان 1431ھ، جولائی 2010 عیسوی)

[1] **ثم مسألة طهارة فضلات الأنبياء توجد فی کتب المذاهب الأربعة، ولکن لا نقل فیها عندی عن الأئمة إلا ما فی المواهب عن أبی حنیفة رحمه الله تعالی نقلا عن العینی، ولکنی ما وجدته فی العینی(فیض الباری علی صحیح البخاری، ج ۱، ص ۳۴۲، کتاب الوضوء، باب لا تستقبل القبلة بغائط أو بول، إلا عند البناء جدار أو نحوه)**

**وقد مر معنا أن طهارة فضلات النبی صلی الله علیه وسلم توجد فی کتب المذاهب الأربعة، ثم لا أدری أنها منقولة عن الأئمة أم لا؟ إلا أن القسطلانی نقل طهارتها عن أبی حنیفة رحمه الله تعالی بحوالة العینی ولم أجدها فیه، ولخفاء تلک المسألة لم یفصح بها البخاری فی کتابه، ومشی فی**

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کفایت المفتی میں فضلاتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ میں ہے:

''طہارت کے بہت سے علمائے شافعیہ وحنفیہ قائل ہیں، یہ مسئلہ قیاس کی حدود سے باہر ہے، اوراس میں کلام کرنا مفید نہیں، جولوگ کہ طہارتِ فضلات کے قائل نہیں، وہ عموماتِ شرعیہ سے استدلال کرتے ہیں، اور جو قائل ہیں، وہ تخصیص کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ ولکل وجهة هو موليها (کفایت المفتی، ج۱ص۱۱۴،

کتاب العقائد، دوسراباب، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، سنِ طباعت: جولائی 2001ء)

لہٰذا ''فضلاتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' سے متعلق اس قسم کی روایات سے کوئی قیاسی مسئلہ اخذ کر کے صحیح وکثیر اور صریح احادیث کی تردید کرنا درست نہیں۔

(''فضلاتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے متعلق مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ہماری دوسری تالیف ''متبرک مقامات وآثار کے فضائل واحکام'' مشمولہ: علمی وتحقیقی رسائل، جلد 7، مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی)

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كتابه على التسوية بينها وبين فضلات سائر الناس فى أمر الطهارة والنجاسة، وهكذا فعل فى الماء المستعمل(فيض البارى على صحيح البخارى، ج ١ ،ص ٣٤٣، كتاب الوضوء ،باب البزاق والمخاط ونحوه فى الثوب)

(وقال قوم من أهل العلم بطهارة هذين الحدثين) ؛ أى :البول والغائط (منه صلى الله عليه وسلّم) . وعبّر عن الخارج ب الحدثين !!استهجانا للتصريح باسمهما، بل اختار جمع متقدّمون ومتأخّرون من الشافعية طهارة جميع فضلاته صلى الله عليه وسلّم؛ منهم القاضى حسين، والبغوى، والسبكى، والبارزى، والزركشى، وابن الرّفعة، والبلقينى، والقاياتى ...وأطالوا فيه.

وقال السبكى :إنه الذى أدين الله به .واعتمده الجمال الرملى فى النهاية ، والخطيب الشربينى فى المغنى ؛ وفاقا للشهاب الرملى .بل قال الزركشى :وشاهد هذا أنّه صلّى الله عليه وسلّم لم يكن منه شىء يكره، ولا غير طيّب .ومن هذا حديث علىّ رضى الله (تعالى) عنه :غسّلت النّبىّ صلّى الله عليه وسلّم فذهبت أنظر ما يكون من الميت، ...

وينبغى طرد الطهارة فى فضلات سائر الأنبياء .انتهى .

لكن الشيخان :الرافعى والنووى على خلافه، وإنّ حكمها منه كغيره .أى :أنّ حكم فضلاته صلى الله عليه وسلّم كفضلات غيره فى النجاسة، وجرى عليه ابن حجر الهيتمى فى التحفة(منتهى السؤل على وسائل الوصول إلى شمائل الرسول صلى الله عليه وآله وسلم،لعبد الله بن سعيد الحضرمىّ ، ج٣،ص ١٣٢ ،١٣٣ ، الباب السابع، الفصل الأوّل فى أخبار شتّى من أحواله ﷺ)

## ملا علی قاری کا ساتواں حوالہ

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ''شرحُ الشفا'' میں بھی اس مسئلہ پر متعدد جگہ کلام کیا ہے، اور بالآخر اس میں بھی اسی موقف کو ترجیح دی ہے، جوانہوں نے اپنے مذکورہ رسالہ میں اختیار کیا ہے، اوراس کے برخلاف قول کی تردید کی ہے۔

چنانچہ ملا علی قاری ''شرح الشفا'' میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

**وذكر السهيلي أن الله عز وجل أحيى للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم أبويه فأمنا به ثم أماتهما وكذلك نقله السيوطي في خصائص النبي صلى الله تعالى عليه وسلم .**

**لكنه حديث موضوع كما صرح به ابن دحية وقد بينت هذه المسألة في رسالة مستقلة** (شرح الشفا للملا علي القاري، ج ۱ ص ۱۷۳، القسم الاول، الباب الثاني،فصل :وأما نظافة جسمه وطيب ريحه وعرقه عليه الصلاة والسلام)

ترجمہ: اور سہیلی نے یہ بات ذکر کی ہے کہ اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کو زندہ کیا، جس کے بعد وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، پھر اللہ نے ان کو وفات دے دی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں اسی طرح سیوطی نے اس کو نقل کیا ہے۔

لیکن یہ حدیث ''موضوع'' اور خودساختہ ہے، جیسا کہ ابنِ دحیہ نے اس کی تصریح کی ہے، اور میں نے اس مسئلہ کی وضاحت ایک مستقل رسالے میں کردی ہے

(شرح الشفا)

## ملا علی قاری کا آٹھواں حوالہ

ملا علی قاری ''شرحُ الشفا'' ہی میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

(أو شـرف نسبـه) إلى آبائه وأجداده الجلية من العيوب العرفية لا مـن الـذنـوب الشرعية فأن عبد المطلب من أجداده مات فى زمن الـجهـالة بـالإجـمـا ع وكذا جزم أبو حنيفة بأن والدى رسول الله صـلى الله تعالى عليه وسلم ماتا فى زمن الجهالة وكذا أبو إبراهيم عـليـه السـلام من أهل الكفر إجماعا خلافا للشيعة وشرذمة قليلة مـن أهـل السـنة وقـد كتبت فى هذه المسألة رسالة مستقلة (شرح الشفا للملا على القارى، ج٢ص ٤٢٦، القسم الرابع، الباب الاول، فصل :قال القاضى تقدم الكلام فى قتل القاصد لسبه)

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کی شرافت، اپنے اعلیٰ درجے کے آباء اور اجداد پر، عرفی عیوب سے ہے، نہ کہ شرعی ذنوب سے، کیونکہ عبدالمطلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے تھے، جو کہ بالاجماع زمانۂ جاہلیت میں فوت ہوئے، اوراسی طریقہ سے امام ابوحنیفہ نے اس پر یقین ظاہر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین زمانۂ جاہلیت میں فوت ہوئے، اوراسی طریقہ سے ابراہیم علیہ السلام کے باپ بالاجماع اہلِ کفر میں سے تھے، لیکن اہلِ تشیع کا اوراہلِ سنت کی ایک چھوٹی سے جماعت کا اس میں اختلاف ہے، اور میں نے اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ تحریر کیا ہے (شرح الشفا)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مذکورہ عبارت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد اور والدین اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کے کفر پر فوت ہونے کے قول کو اجماعی قرار دیا ہے۔ اوراس میں شیعہ اوراہل السنۃ والجماعۃ کی ایک چھوٹی سی جماعت کے اختلاف ہونے کا ذکر کیا ہے، اہلُ السنۃ کی ایک چھوٹی سی جماعت سے ان کی مراد، غالبًا علامہ سیوطی اوران کے متبعین ہیں، لیکن موجودہ دور مین معاملہ الٹ ہوگیا کہ اہلِ تشیع اور شرذمۂ قلیلۃ کے قول کو

جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا قول سمجھا جانے لگا، بلکہ بعض نے اس پر اہل السنۃ والجماعۃ کے اجماع کو سمجھ لیا اور اس سے اختلاف کرنے والوں کو شرذمۂ قلیلۃ کا نام دینا شروع کر دیا۔

## ملا علی قاری کا نواں حوالہ

ملا علی قاری ''شرحُ الشفا'' میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

**وهـذا يـوافـق مـا قـال إمامنا فی الفقه الأكبر أن والدی رسول الله صـلـى الـلـه تـعالى عليه وسلم ماتا على الكفر وقد كتبت فی هذه الـمسـألة رسالة مستقلة ودفعت فيها ما ذكره السيوطی من الأدلة عـلـى خلاف ذلک فی رسائله الثلاث** (شرح الشفا للملا علی القاری، ج۲ص۴۴۷، القسم الرابع، الباب الاول، فصل :أن لا يقصد نقصا ولا يذكر عيبا ولا سبا لكنه ينزع إلى آخره)

ترجمہ: اور یہ (حضرت عمر بن عبدالعزیز کا واقعہ) ہمارے امام ابوحنیفہ کے اس قول کے موافق ہے، جو انہوں نے ''الفقهُ الاکبر'' میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کفر پر فوت ہوئے، اور میں نے اس مسئلہ کے متعلق ایک مستقل رسالہ تحریر کیا ہے، جس میں میں نے سیوطی کے ان دلائل کا جواب دیا ہے، جو انہوں نے اپنے تین رسالوں میں اس کے خلاف (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مومن وموحد وغیرہ ہونے کے متعلق) ذکر کیے ہیں (شرحُ الشفا)

ملا علی قاری نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے جس واقعہ کا حوالہ دیا ہے، وہ پہلے پانچویں فصل میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

ملا علی قاری کی اس عبارت سے بھی اسی موقف کا اعادہ وثبوت ہوتا ہے، جو انہوں نے اپنے

رسالہ میں ذکر کیا اور اس کا مذکورہ عبارت میں حوالہ بھی دیا۔

ملا علی قاری نے ''شرح الشفا'' میں ایک مقام پر ''دلجی'' کا قول نقل کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے اسلام لانے کے قول کا ''اصح'' ہونا ذکر کیا ہے۔

جس سے بعض حضرات نے یہ سمجھ لیا کہ ملا علی قاری نے شاید اپنی دیگر تالیفات اور مقامات میں مذکور موقف سے رجوع کر لیا۔

حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ یہ ملا علی قاری کا اپنا موقف نہیں، بلکہ ''دلجی'' کا نقل کردہ موقف ہے۔

اور اس سلسلہ میں ملا علی قاری کا اصل موقف وہی ہے، جو ''شرحُ الشفا'' کی پہلی جلد اور دوسری جلد کے حوالہ سے پہلے ذکر کیا گیا۔ [1]

اسی موقف کا ملا علی قاری نے اپنی دوسری تالیفات مثلاً مشکاۃ کی شرح ''مرقاۃ'' اور ''مسند ابی حنیفۃ'' کی شرح میں بھی ذکر کیا ہے، جس کو پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔ [2]

---

[1] قال الدلجی الظاهر أن هذا كان قبل البعثة يعنى فيكون من الارهاصات ولا يبعد أن يكون بعد النبوة فهو من المعجزات ولعل فيه إيماء إلى أنه سيظهر نتيجة هذه الكرامات من بركة قدم سيد الكائنات فى أواخر الزمان قريب الألف من السنوات عين فى عرفات تصل إلى مكة وحواليها من آثار تلك البركات هذا وأبو طالب لم يصح اسلامه وأما اسلام أبويه ففيه أقوال والأصح اسلامهما على ما انفق عليه الأجلة من الأمة كما بينه السيوطى فى رسائله الثلاث المؤلفة(شرح الشفا للملا على القارى، ج ١ ص ٦٠٥، القسم الاول ، الباب الرابع،فصل :ومما يشبه هذا من معجزاته تفجير الماء ببركته وانبعاثه)

[2] وقد أفردت فى هذه المسألة رسالة مستقلة(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج ١، ص ١٨٦، كتاب الإيمان،باب الإيمان بالقدر)

(فقال :استأذنت ربى فى أن أستغفر فلم يؤذن لى) قال ابن الملك :لأنها كافرة، والاستغفار للكافرين لا يجوز، لأن الله لن يغفر لهم أبدا......

وأغرب ابن حجر حيث قال: ولعل حكمة عدم الإذن فى الاستغفار لها إتمام النعمة عليه بإحيائها له بعد ذلك حتى تصير من أكابر المؤمنين، أو الإمهال إلى إحيائها لتؤمن به فتستحق الاستغفار الكامل حينئذ اهـ.

وفيه أن قبل الإيمان لا تستحق الاستغفار مطلقا.ثم الجمهور على أن والديه – صلى الله عليه وسلم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

صاحبِ روح المعانی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو کفر کے زمانے میں توحید پر فوت ہونے کا حکم لگایا ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کلام کو اسی پر محمول کیا ہے، یعنی کہ وہ کفر کے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

– ماتا كافرين، وهذا الحديث أصح ما ورد فى حقهما، وأما قول ابن حجر: وحديث إحيائهما حتى آمنا به ثم توفيا حديث صحيح، وممن صححه الإمام القرطبى، والحافظ ابن ناصر الدين، فعلى تقدير صحته لا يصلح أن يكون معارضا لحديث مسلم مع أن الحفاظ طعنوا فيه، ومنعوا جوازه أيضا بأن إيمان اليأس غير مقبول إجماعا كما يدل عليه الكتاب والسنة، وبأن الإيمان المطلوب من المكلف إنما هو الإيمان الغيبى، وقد قال تعالى(ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه)وهذا الحديث الصحيح صريح أيضا فى رد ما تشبث به بعضهم بأنهما كانا من أهل الفترة، ولا عذاب عليهما مع اختلاف فى المسألة(مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۲۵۶ ، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور)

وبه (عن علقمة عن ابن بريدة، عن أبيه قال :خرجنا مع النبى صلى الله عليه وسلم فى جنازة) أى معها ولأجلها (فأتى قبر أمه فجاء ) أى فرجع (وهو يبكى أشد البكاء حتى كادت نفسه تخرج من بين جنبيه) أى من جميع أجزاء جسده، والمعنى أنه قرب أن يموت من شدة حزنه، (قال) :أى بريدة، (قلنا :(أى نحن معشر الصحابة الحاضرين (يا رسول الله ما يبكيك) أى، أى شىء سبب بكائك؟(قال" :استأذنت ربى فى زيارة قبر أم محمد") .فيه وضع الظاهر موضع المضمر، أى قبر أمى (فأذن لى)، ولعل الحكمة فى إذنه ليكون سببا فى تخفيف عذاب أمه (واستأذنته فى الشفاعة) أى لرفع عذاب عنها من أجله (فأبى على) أى لم يأذن ولم يقبل منى لقوله سبحانه :(إن الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء ) وهذا دليل صريح فى أن أمه ماتت كافرة أنها فى النار داخلة مخلدة، وهو الذى اعتقده أبو حنيفة، وذكره فى فقهه الأكبر من أن والدى رسول الله صلى الله عليه وسلم ماتا على الكفر.

وعارضه السيوطى فى رسائل، وأتى ببعض الدلائل مما ليس تحتها شىء من الطائل، وقد جعلت رسالة مستقلة فى تحقيق هذه المسألة، وتدقيق ما يتعلق بها من الأدلة.

(وفى رواية لأبى حنيفة عن بريدة قال :استأذن النبى صلى الله عليه وسلم ربه) فى زيارة قبر أمه، (فأذن له، فانطلق، وانطلق) معه (المسلمون حتى انتهوا إلى قريب من القبر، فمكث المسلمون) بضم الكاف وفتحه أى فلبثوا (ومضى النبى صلى الله عليه وسلم) إلى زيارة قبر أمه، فمكث طويلا أى زمانا أو مكثا، (ثم اشتد بكاؤه حتى ظننا أنه لا يسكن) أى من البكاء ، (فأقبل وهو يبكى فقال له عمر :ما أبكاك يا نبى الله بأبى أنت وأمى) أى أفديك بهما (قال" :استأذنت ربى فى زيارة قبر أمى فأذن لى فاستأذنته فى الشفاعة فأبى فبكيت رحمة لها) أى بمقتضى الطبيعة، (وبكى المسلمون رحمة للنبى صلى الله عليه وسلم) أى بموجب الشريعة وهذا الحديث يبطل قول القائل :إنها من أهل الفترة وإنهم لا يعذبون فى النار(شرح مسند أبى حنيفة، ۱،ص ۳۳۴،۳۳۵،ذكر إسناده عن علقمة بن مرثد)

زمانے میں توحید پر فوت ہوئے۔ [1]

لیکن گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ بہت سے محققین کے نزدیک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کلام میں مذکورہ تاویل راجح نہیں۔

## ملا علی قاری کے موقف پر صاحبُ ''النبراس'' کا کلام

علامہ محمد عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ (المتوفیٰ:1209ہجری) نے ''شرح العقائد'' کی شرح ''النبراس'' میں فرمایا کہ:

وروی بأسانید ضعیفة أن النبی صلی اللہ علیه وسلم دعا ربهٗ فأحیاه وآمنته أم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فآمنا به.

واختار الامام الرازی أنهما ماتا علی ملة ابراهیم علیه السلام.

والجمع: أن الاحیاء کرامة لهما لیضاعف ثوابهما.

وقد ألف الحافظ المحقق جلال الدین السیوطی رسائل ستاً فی اثبات ایمانهما وایمان جمیع آباء النبی صلی اللہ علیه وسلم الی آدم علیه السلام، وتبعه محققو المتاخرین.

وعارضه علی بن سلطان القاری برسالته فی اثبات کفرهما.

فرأی أستاذهٗ ابن حجر مکی فی منامه أن القاری سقط من سقف فانکسرت رجله فقیل: هذا جزاء اهانته والدی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، فوقع کما رأی، ومن أراد کشف مشکلات هذه

---

[1] والذی أدین اللہ تعالی به أنا أنهما ماتا موحدین فی زمن الکفر، وعلیه یحمل کلام الإمام أبی حنیفة رضی اللہ تعالی عنه إن صح بل أکاد أقول: إنهما أفضل من علی القارء وأضرابه (تفسیر روح المعانی، ج ا ص ۳۶۹، سورة البقرة)

**المسألة فلينظر فی "رسائل السیوطی"** (النبراس شرح "شرح العقائد" ص ۵۲۶،، الکلام فی والدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، بعد ذکر المهدی، مطبوعة: مکتبة رشیدیة، کوئٹه)

ترجمہ: اور ضعیف اسناد سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے دعا کی، جس کے نتیجے میں اللہ نے آپ کے والد اور آپ کی والدہ "آمنة بنتِ وهب" کو زندہ فرما دیا، پھر وہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔

اور امام رازی نے اس کو اختیار کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین، دراصل ابراہیم علیہ السلام کے مذہب پر فوت ہوئے۔

اور دونوں باتوں میں جمع وتطبیق اس طرح ممکن ہے کہ والدین کو زندہ کرنا ان کی کرامت کے طور پر تھا، تاکہ ان کے ثواب میں اضافہ کیا جائے۔

اور حافظ محقق جلال الدین سیوطی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور حضرت آدم علیہ السلام تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کے ایمان کے اثبات میں چھ رسائل تالیف کیے ہیں، جن کی متاخرین محققین نے اتباع کی ہے۔

اور اس کے مقابلہ میں ملا علی قاری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر کو ثابت کرنے پر ایک رسالہ تالیف کیا ہے۔

جس کے بعد ملا علی قاری کے استاذ ابنِ حجر مکی نے اپنے خواب میں یہ دیکھا کہ ملا علی قاری چھت سے گر پڑے، اور ان کا پاؤں ٹوٹ گیا، جس پر کہا گیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی اہانت کا بدلہ ہے، پھر جس طرح ابنِ حجر نے دیکھا تھا، ایسا ہی ہوا، اور جو شخص اس مسئلہ کی مشکلات کو دور کرنا چاہے، تو اسے سیوطی کے رسائل کو دیکھنا چاہیے (النبراس)

مذکورہ عبارت میں صاحبُ "النبراس" نے خود اعتراف فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

والدین کو زندہ کیے جا کر ایمان سے مشرف کیے جانے کی حدیث، سند کے اعتبار سے ''ضعیف'' ہے، اور ہم پیچھے تفصیل کے ساتھ ذکر کر آئے ہیں کہ اولاً تو اس حدیث کا ''شدید ضعیف'' یا ''موضوع'' ہونا راجح ہے، لیکن اگر کوئی ''ضعیف'' ہونے پر اصرار کرے، تو پھر اس میں اُن صحیح احادیث اور نصوص کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں پائی جاتی، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ''غیر ناجی'' ہونے اور فوت ہونے کے بعد دوبارہ توبہ وایمان کا موقع نہ دیے جانے کا حکم مذکور ہے۔

رہا بعض حضرات کا یہ کہنا کہ ''ضعیف'' حدیث فضائل میں معتبر ہوتی ہے، اور یہاں اس کو فضائل کی حیثیت سے ہی معتبر مانا جا رہا ہے، تو اس سے اتفاق مشکل ہے، کیونکہ جو حدیث محققین کے نزدیک ''شدید ضعیف'' یا ''موضوع'' ہو، وہ فضائل کے باب میں بھی معتبر نہیں ہوتی، اور ''ضعیف'' حدیث، فضائل کے باب میں اس وقت معتبر ہوتی ہے، جب اس کا صحیح حدیث سے تقابل نہ ہو، اور یہاں اس کا صحیح احادیث سے تقابل ہے۔

نیز اگر اس کو فضیلت کے باب سے متعلق مانا جائے، تو اصل فضیلت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، جو مستند دلائل سے ثابت ہے، اور اس کا ثبوت اس جیسے کمزور دلائل پر موقوف نہیں۔

اور آخری درجے میں عرض ہے کہ کسی کے متعلق آخرت کے اعتبار سے ''ناجی'' یا ''غیر ناجی'' یا ''جنتی'' یا ''جہنمی'' ہونے کا حکم لگانا، اس کا تعلق عقائد سے ہے، نہ کہ محض فضائل سے، اور عقائد کے باب میں ''ضعیف'' حدیث بھی معتبر نہیں۔

لہٰذا اس سے مذکورہ مدعا کو ثابت کرنے کی کوشش کرنا ''**بناءُ الفاسد علی الفاسد**'' کے قبیل سے ہے۔

اور رہا صاحبُ ''**النبراس**'' کا امام رازی کی طرف یہ بات منسوب کرنا کہ ''انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو ابراہیم علیہ السلام کے مذہب پر فوت ہونے کو اختیار کیا ہے'' تو ہم امام رازی کی تصریحات اس کے برخلاف، باحوالہ ذکر کر چکے ہیں، اور جو امام رازی کی

طرف اس کے برعکس قول کو منسوب کرے، اس کے ذمے ہے کہ وہ امام رازی سے باحوالہ اس کا ثبوت پیش کرے۔

اور جہاں تک علامہ ابنِ حجر مکی کے ملا علی قاری سے متعلق خواب کا تعلق ہے، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ علامہ ابنِ حجر ہیتمی مکی کی وفات 974 ہجری میں ہوئی۔

جبکہ ملا علی قاری کی وفات 1014 ہجری میں ہوئی، یعنی ملا علی قاری کی وفات ابنِ حجر مکی کی وفات کے 39 سال بعد ہوئی۔

اور ملا علی قاری نے ''مرقاۃُ المفاتیح'' کی تالیف سے فراغت 1008 ہجری میں پائی۔ [1]

اور ''شرح الشفا'' کی تالیف سے فراغت 1011 ہجری میں پائی۔ [2]

اور مذکورہ بالا دونوں کتابوں میں ملا علی قاری نے اپنے رسالے کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ پہلے باحوالہ گزرا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا علی قاری نے یہ رسالہ، مذکورہ کتب کی تالیف سے بھی پہلے تالیف کر دیا تھا، اور ملا علی قاری نے یہ دونوں کتابیں، علامہ ابنِ حجر مکی کی وفات کے کئی سال بعد تالیف کیے، اور ملا علی قاری، تا دمِ حیات اپنے اس موقف پر قائم رہے، اور ان سے اس موقف کا رجوع ثابت نہیں، جیسا کہ پہلے تفصیل کے ساتھ گزرا۔

---

[1] وأتم كتابة هذا الكتاب فى ثمان من شهر محرم الحرام وختم قرائته على إسناده المعظم المزين جميع الصفات الحميدة المبرأ من الصفات الردية وهو الذى ذكرته آنفا فى سنة ثمانية وألف (1008هـ) فى شهر المحرم بعون الله وحسن توفيقه .اللهم وفق العمل .بما فى هذا الكتاب وارزق العلم النافع يوم الحساب .اللهم اغفر لى ولوالدى ولأستاذى ولجميع المؤمنين والمؤمنات ولجميع الأحباب ولمن نظر فى هذا الكتاب .آمين وصل وسلم على نبيك محمد وآله وأصحابه أجمعين (مرقاة المفاتيح، ج٩، ص ٤٠٥٤، كتاب المناقب، باب ثواب هذه الأمة، الفصل الاول)

[2] فرغ مولفه رحم هو وسلفه أواسط رمضان المبارك عام أحد عشر بعد الألف من الهجرة النبوية إلى المدينة السكينة ( 1011هـ) وذلك بمكة المكرمة الأمينة وأنا الفقير إلى ربه البارى على ابن سلطان محمد القارى الحنفى عاملهما الله بلطفه الخفى وكرمه الوفى ومن أحسن ما نظم فى تحسين هذا الكتاب ما قاله بعض أولى الألباب من الأصحاب (شرح الشفا، للملا على القارى، ج٢، ص ٥٥٨، القسم الرابع، الباب الثالث، فصل من سب آل بيته وأزواجه وأصحابه عليه الصلاة والسلام وتنقصهم حرام ملعون فاعله)

تو مذکورہ صورتِ حال میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحبُ ''النبراس'' (المتوفیٰ: 1209 ہجری) کو ابنِ حجر مکی (المتوفیٰ: 974 ہجری) کا جو خواب تقریباً دو صدیوں بعد پہنچا، اور اس کی کوئی سند بھی صاحبُ ''النبراس'' نے ذکر نہیں کی، اس خواب کا علم علامہ ابنِ حجر مکی کے شاگرد ملا علی قاری کو تو ضرور ہو گیا ہوگا، لیکن اس کے باوجود انہوں اس خواب سے اثر نہیں لیا، اور نہ ہی اپنے موقف سے رجوع کیا۔

اور یہ تمام کلام اس وقت ہے، جبکہ خواب کو کچھ دیر کے لیے حجت مانا جائے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کو ذکر کرے، اور ان کے مطابق کوئی حکم بیان کرے، تو اس کی کسی کے خواب سے تردید نہیں کی جاسکتی، بالخصوص جبکہ وہ خواب بھی غیر نبی کا ہو، اور اس کی کوئی سند بھی مذکور نہ ہو، ورنہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری کئی صحیح احادیث، اور ان کے مطابق حکم بیان کرنے والوں کو بھی مجرم قرار دینا چاہیے، اور ملا علی قاری کے ساتھ ساتھ امام ابوحنیفہ اور دیگر جلیل القدر محدثین، مفسرین واہلِ علم حضرات کو بھی مجرم قرار دینا چاہیے، جنہوں نے ملا علی قاری رحمہ اللہ کا بیان کردہ حکم ہی بیان کیا، بلکہ خود ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اُن حضرات کے بیان کردہ حکم کو نقل کیا۔

مگر ہمارے علم میں نہیں کہ مذکورہ بالا حضرات میں سے کسی اور کے متعلق بھی، کسی نے اس طرح کا خواب دیکھا ہو ''ومن ادعیٰ، فعلیه البیان''

اور اگر کسی شخص نے شریعت کا کوئی صحیح حکم بیان کیا ہو، پھر اس کو بعد میں اس کو کوئی جسمانی ایذا پہنچی ہو، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس ایذا کا سبب، شریعت کا صحیح حکم بیان کرنے کا جرم ہے، ایسا عقیدہ رکھنا، دراصل شریعت کے ساتھ ایک قسم کا معارضہ ہے۔

اور سچی بات یہ ہے کہ کسی ایسے عقیدے کی بنیاد، خواب پر رکھنا، جس کے برخلاف قرآن وسنت میں تصریح کردی گئی ہو، اس کا شرعی دلائل سے دور کا بھی تعلق نہیں، اگرچہ بعض حضرات اپنی کم علمی، یا اپنے جذبات کے موافق ہونے کی وجہ سے، اس طرح کے خوابوں کو

بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ [1]

## مولانا رشید احمد گنگوہی کا حوالہ

آخر میں مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا وہ فتویٰ بھی ملاحظہ ہو، جس کا سوال میں ذکر ہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان میں اختلاف ہے، حضرت امام صاحب (یعنی امام ابو حنیفہ) کا مذہب یہ ہے کہ ان کا انتقال حالتِ کفر میں ہوا ہے۔ فقط (فتاویٰ رشیدیہ مبوب بطرزِ جدید، ص ۲۴۵، کتاب العقائد، مطبوعہ: عالمی مجلس تحفظِ اسلام، کراچی)

اس فتوے کی تفصیل وتشریح ماقبل میں گزر چکی ہے۔

## علامہ انور شاہ کشمیری کا حوالہ

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی شرح ''فیض الباری'' میں فرمایا کہ یہ بات ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد کے لئے اس طرح کی شفاعت کریں، جس طرح کی ابو طالب کے لئے شفاعت کریں گے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی برکت سے اُن کے عذاب میں تخفیف ہو جائے، اگرچہ ابو طالب کی طرح کفر کی وجہ سے دائمی عذاب سے بالکلیہ نجات حاصل نہ ہو۔ [2]

---

[1] بلکہ ہم نے سنا ہے کہ بعض علاقوں میں اس خواب کو ہی، بطور دلیل اور حجت کے پیش کیا جاتا ہے، اور اس کا برملا منبر ومحراب میں ذکر کیا جاتا ہے''فیا للعجب'' محمد رضوان خان۔

[2] قیل :إن إبراهيم عليه الصلاة والسلام كيف تقدم إلى الشفاعة، مع علمه أن لا شفاعة فى الكافر؟ قلت :وقد ثبت عندى أن الشفاعة تنفع فى الكفار أيضا، غير أنها لا تفيد النجاة وإن أفادت تخفيفا فى العذاب .وحينئذ جاز له أن يشفع لأبيه، كما أن أبا طالب يخفف له فى العذاب ببركة النبى صلى الله عليه وسلم فيجعل فى ضحضاح من النار(فيض البارى على صحيح البخارى، ج۵،ص ۳۵۲،سورة الشعراء،قوله :وأنذر عشيرتك الأقربين)

علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے قول کی تائید اِن روایات سے بھی ہوتی ہے، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قرابت داری کو دنیا وآخرت، دونوں میں مفید ہونے کا حکم لگایا ہے، اور یہ روایات پہلے ذکر کی جا چکی ہیں، اور اس کی تائید ملا علی قاری کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بسا اوقات ہمارے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے عذاب میں تخفیف کی دعا کرنا جائز ہے۔ [1]

اسی لیے اہلِ علم حضرات نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ''شفاعتِ کبریٰ'' کے علاوہ شفاعت کی ایک قسم اس کو قرار دیا ہے، جس میں ابوطالب وغیرہ کے لیے عذاب کی تخفیف ہوگی، جو اگرچہ جہنم کے دائمی عذاب سے نجات کی شکل میں تو حاصل نہ ہوگی، البتہ عذاب میں کچھ تخفیف

---

[1] وفی الحدیث دلالة علی أن الکافر قد ینفعه العمل الصالح فی الآخرة لکنه مخالف لظاهر القرآن قال الله تعالی وقدمنا إلی ما عملوا من عمل فجعلناه هباء منثورا وأجیب أولا بأن الخبر مرسل أرسله عروة ولم یذکر من حدثه به وعلی تقدیر أن یکون موصولا فالذی فی الخبر رؤیا منام فلا حجة فیه ولعل الذی رآها لم یکن إذ ذاک أسلم بعد فلا یحتج به وثانیا علی تقدیر القبول فیحتمل أن یکون ما یتعلق بالنبی صلی الله علیه وسلم مخصوصا من ذلک بدلیل قصة أبی طالب کما تقدم أنه خفف عنه فنقل من الغمرات إلی الضحضاح وقال البیهقی ما ورد من بطلان الخیر للکفار فمعناه أنهم لا یکون لهم التخلص من النار ولا دخول الجنة ویجوز أن یخفف عنهم من العذاب الذی یستوجبونه علی ما ارتکبوه من الجرائم سوی الکفر بما عملوه من الخیرات .وأما عیاض فقال انعقد الإجماع علی أن الکفار لا تنفعهم أعمالهم ولا یثابون علیها بنعیم ولا تخفیف عذاب وإن کان بعضهم أشد عذابا من بعض قلت وهذا لا یرد الاحتمال الذی ذکره البیهقی فإن جمیع ما ورد من ذلک فیما یتعلق بذنب الکفر وأما ذنب غیر الکفر فما المانع من تخفیفه وقال القرطبی هذا التخفیف خاص بهذا وبمن ورد النص فیه وقال بن المنیر فی الحاشیة هنا قضیتان إحداهما محال وهی اعتبار طاعة الکافر مع کفره لأن شرط الطاعة أن تقع بقصد صحیح وهذا مفقود من الکافر الثانیة إثابة الکافر علی بعض الأعمال تفضلا من الله تعالی وهذا لا یحیله العقل فإذا تقرر ذلک لم یکن عتق أبی لهب لثویبة قربة معتبرة ویجوز أن یتفضل الله علیه بما شاء کما تفضل علی أبی طالب والمتبع فی ذلک التوقیف نفیا وإثباتا قلت وتتمة هذا أن یقع التفضل المذکور إکراما لمن وقع من الکافر البر له ونحو ذلک والله أعلم(فتح الباری،لابن حجر العسقلانی،ج۹،ص۱۴۶،کتاب النکاح،قوله باب وامهاتکم اللاتی ارضعنکم)

کردی جائے گی۔ ؎

؎ ومن الإيمان باليوم الآخر الإيمان بالشفاعات التي وردت في الكتاب والسنة، منها الشفاعة العظمى الخاصة بنبينا صلى الله عليه وسلم في تخليص أهل الموقف مما هم فيه، وهي المقام المحمود الذي يحمده عليه الأولون والآخرون، من لدن آدم عليه السلام إلى الذين قامت عليهم الساعة، وقد مرت الإشارة إليها قريبا في كلام الإمام ابن كثير رحمه الله.
ومنها الشفاعة فيمن استحق النار ألا يدخلها، ويدل لذلك قول النبي صلى الله عليه وسلم وغيره من الأنبياء على الصراط: " اللهم سلم سلم"، وقد مر الحديثان في ذلك قريبا عند المرور على الصراط.
ومنها الشفاعة في رفع درجات من يدخل الجنة فيها فوق ما كان يقتضيه ثواب أعمالهم، ويدل لذلك قوله تعالى: } والذين آمنوا واتبعتهم ذريتهم بإيمان ألحقنا بهم ذريتهم وما ألتناهم من عملهم من شيء {، ومنه رفع درجات زوجاته صلى الله عليه وسلم إلى درجته.
ومنها الشفاعة لدخول الجنة بغير حساب، ويدل له دعاؤه صلى الله عليه وسلم لعكاشة بن محصن ليكون من السبعين ألفا الذين يدخلون الجنة بغير حساب، رواه البخاري (5811)ومسلم (216).
ومنها شفاعته صلى الله عليه وسلم في تخفيف العذاب عن عمه أبي طالب حتى جعل في ضحضاح من نار يغلي منه دماغه، أخرجه البخاري (3883)ومسلم (209)، وهذا التخفيف مخصص لقول الله عز وجل:(والذين كفروا لهم نار جهنم لا يقضى عليهم فيموتوا ولا يخفف عنهم من عذابها).
ومنها شفاعته صلى الله عليه وسلم في دخول الجنة، ويدل له قوله صلى الله عليه وسلم: " أنا أول الناس يشفع في الجنة، وأنا أكثر الأنبياء تبعا "رواه مسلم (196)، وفي لفظ له: " أنا أكثر الأنبياء تبعا يوم القيامة، وأنا أول من يقرع باب الجنة "، وقوله صلى الله عليه وسلم: " آتي باب الجنة يوم القيامة فأستفتح، فيقول الخازن: من أنت؟ فأقول: محمد، فيقول: بك أمرت لا أفتح لأحد قبلك "رواه مسلم (197).
ومنها الشفاعة في إخراج أهل الكبائر من النار، وقد تواترت بذلك الأحاديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، كما ذكره شارح الطحاوية (ص 290:) ، ومنها حديث أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لكل نبي دعوة مستجابة، فتعجل كل نبي دعوته، وإني اختبأت دعوتي شفاعة لأمتي يوم القيامة، فهي نائلة إن شاء الله من مات من أمتي لا يشرك بالله شيئا "رواه البخاري (6304)ومسلم (199)، واللفظ لمسلم .
وهذه الشفاعة تحصل من الملائكة والنبيين والمؤمنين؛ لقوله صلى الله عليه وسلم في حديث أبي سعيد في صحيح مسلم " : (183)فيقول الله عز وجل: شفعت الملائكة، وشفع النبيون، وشفع المؤمنون، ولم يبق إلا أرحم الراحمين " ...الحديث .(شرح حديث جبريل في تعليم الدين،لعبد المحسن العباد البدر،ص ۵۵،الناشر: مطبعة سفير، الرياض، المملكة العربية السعودية،الطبعة الأولى، 1424هـ 2003ء )
وقوله: (مالم ييبسا) يعني: ما دامت الرطوبة موجودة، وهذا يعني أنه يخفف العذاب بسبب الرطوبة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# اس خاتمہ کا خلاصہ

اس خاتمہ کا خلاصہ یہ نکلا کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے تمام آبا واجداد، بشمول حضرت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التی فی الجریدتین، ومعنی هذا: أن التخفیف مؤقت ولیس بدائم، وهذا یبین أن التخفیف إنما هو فی حق المسلمین ولیس فی حق الکفار؛ لأن الکفار لا یخفف عنهم العذاب، کما قال الله عز وجل: (والذین کفروا لهم نار جهنم لا یقضی علیهم فیموتوا ولا یخفف عنهم من عذابها کذلک نجزی کل کفور)والذی خفف عنه عذاب النار هو أبو طالب عم رسول الله صلی الله علیه وسلم؛ بسبب شفاعته له، وهی شفاعة فی التخفیف، والذی حصل له مستثنی مما جاء فی هذه الآیة، وهذا التخفیف الذی حصل له قد جاء بیانه فی الصحیح عن رسول الله صلی الله علیه وسلم أنه قال: (إنه فی ضحضاح من نار، علیه نعلان من نار یغلی منهما دماغه) وهو أخف الناس .(شرح سنن ابی داوٗد للعباد، ج۷ص۱۸، کتاب الطهارة ، باب الاستبراء من البول)

وأیضاً من شفاعاته صلی الله علیه وسلم التی اختص بها :شفاعته فی عمه أبی طالب فی أن یخفف عنه العذاب، فصار أخف أهل النار عذاباً، وهو یری أنه لیس هناک أحد أشد منه، وذلک أنه خفف عنه العذاب فکان فی ضحضاح من نار، أو له نعلان من نار یغلی منهما دماغه.

فالنبی صلی الله علیه وسلم شفع له فخفف عنه العذاب فصار فی ضحضاح من نار، ولولا شفاعة النبی صلی الله علیه وسلم لکان فی الدرک الأسفل من النار مع الکفار الذین هم أمثاله.

وقد قال الله عز وجل :(فما تنفعهم شفاعة الشافعین) أی :الکفار، وهذا الحدیث یدل علی حصول النفع لـ أبی طالب، ولکن هذه شفاعة خاصة تستثنی من هذا النفی فی قوله :(فما تنفعهم شفاعة الشافعین).

ثم إن النفع الذی استثنی من هذه الآیة إنما هو فی التخفیف، وأما الإخراج فإنها باقیة علی عمومها فلا یخرج کافر من النار ویدخل الجنة، بل الکفار باقون فی النار أبد الآباد، ولکنها نفعت فی التخفیف.

فإذاً یکون الجمع بین ما ورد فی القرآن من قوله :(فما تنفعهم شفاعة الشافعین) وبین ما جاء من شفاعته لـ أبی طالب أن هذه شفاعة خاصة أخرجت من ذلک العام، ولکن بالنسبة للتخفیف ولیس للإخراج.

والأوضح أن شفاعة النبی صلی الله علیه وسلم لـ أبی طالب تکون مخصصة لقول الله عز وجل: (والذین کفروا لهم نار جهنم لا یقضی علیهم فیموتوا ولا یخفف عنهم من عذابها) فإن هذه دالة علی أن الکفار لا یخفف عنهم من عذابها، وقد جاء ت شفاعة النبی صلی الله علیه وسلم فی أبی طالب ودلت علی حصول التخفیف، وتکون تلک الآیة عامة وهذا الحدیث مخصصاً(شرح سنن ابی داوٗد للعباد، الدرس الصوتی ۵۳۷ص۳،شرح حدیث شفاعتی لأهل الکبائر من أمتی)

ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد آزر، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مومن وموحد ہونے کا قول بنیادی طور پر اہل السنۃ والجماعۃ کی بجائے اہلِ روافض کا ہے، جمہور علماء بالخصوص متقدمین کا قول اس کے برخلاف ہے، اور ان کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کی طرح بعض انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے آباواجداد مومن وموحد نہیں ہوئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق بھی جمہور اہلِ علم حضرات کا قول یہی ہے کہ ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور قول بھی یہی ہے، جو ان سے معتبر طریقے پر ثابت ہے، جس کا انکار کرنا اور اس قول کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف غلط منسوب قرار دینا، راجح معلوم نہیں ہوا، اور یہی قول صحیح احادیث وروایات کے مطابق ہونے کی وجہ سے راجح ہے، خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے بھی اس طرح کی حدیث مروی ہے، اور کئی محققینِ حنفیہ سے اسی قول کا راجح وصواب ہونا مروی ہے، اور اس سلسلہ میں بعض حنفیہ کے متعدد رسائل بھی ہیں، بعض حضرات نے اس قول پر متقدمین، اہل السنۃ والجماعۃ کے اجماع ہونے کا بھی حکم لگایا ہے، جبکہ بعض نے اس کو جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا قول قرار دیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا فوت ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے ایمان لانا معتبر سند سے ثابت نہیں، جس پر علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہ نے زور دیا ہے، اور یہ دعویٰ، قرآن وسنت کی نصوص کے بظاہر خلاف بھی معلوم ہوتا ہے۔

لہٰذا قرآن وسنت کی نصوص کو نظر انداز کر کے، دوبارہ زندہ کیے جانے کے بعد ایمان لانے پر عقیدہ رکھنا درست وراجح ثابت نہیں ہوسکا، اسی طرح جاہلیت میں فوت شدہ جن افراد واشخاص کے جہنمی یا کفر وشرک پر فوت ہونے کی نصوص میں صراحت ہے، ان کو زمانۂ فترۃ میں فوت ہونے اور دعوت نہ پہنچنے کی وجہ سے غیر معذب یا ناجی قرار دینا درست نہیں، اور جن اہلِ علم حضرات نے اس کے برخلاف موقف کو اختیار کیا، ہم ان کو اجتہادی خطاء پر سمجھتے ہیں، لیکن ساتھ ہی ان کی شان میں بے جالَب کشائی سے اجتناب کرتے ہیں۔

البتہ آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے آپ کے والدین کے لیے عذاب کی تخفیف کا امکان پایا جاتا ہے، مگر وہ تخفیف دائمی عذاب سے نجات کی شکل میں حاصل نہ ہوگی، جیسا کہ ابوطالب کے متعلق بھی صحیح احادیث میں اس طرح کی تخفیف کی تصریح پائی جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں علامہ جلال الدین سیوطی کی بعض عبارات کونقل کرنے، یا سمجھنے اور ان کے مختلف مستدلات میں عظیم خطا واقع ہوئی، جس کو بعد کے حضرات کی طرف سے، نقل واختیار کیا جاتا رہا، اور اصل کی طرف مراجعت نہ ہونے و متقدمین کے موقف سے واقفیت نہ ہونے کی بناء پر تحریری و تقریری طور پر اہم غلط فہمیوں کا سلسلہ قائم رہا، جو آج تک جاری ہے۔ [1]

جن میں ایک اہم غلطی یہ ہے کہ اہلِ تشیع کے موقف کو اہلُ السنۃ کا موقف سمجھا جاتا ہے، اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے اصل موقف کو غلط سمجھا جاتا ہے، اور اس پر نکیر بھی کی جاتی ہے۔

اور مزید براں یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی حالت پر، انتہائی رنج وغم ہوا تھا، اور آج اس کے برعکس، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی حالت پر غمگین ہونے کے بجائے، خوشی کا اظہار اور نعرے بازی کی جاتی ہے، اور صحیح و مستند احادیث کو نظر انداز کرکے، برسرِ منبر بے سند اور جھوٹی حدیثوں کی تبلیغ و تشہیر کی جاتی ہے، اور ان کے مطابق لوگوں کے پختہ عقیدہ بنوایا جاتا ہے، اور صحیح و مستند احادیث کو بیان و نقل کرنے، اور ان کے مطابق، عقیدہ رکھنے والے کو، گستاخ وغیرہ قرار دیا جاتا ہے۔

**واللّٰہ تعالیٰ اعلم .**

---

[1] صاحبِ تفسیرِ مظہری، وغیرہ نے بھی علامہ سیوطی کے موقف کو اختیار کیا ہے، بلکہ صاحبِ مظہری نے علامہ سیوطی کے رسائل کی تلخیص بھی کی ہے۔

**وقد صنف الشيخ الاجل جلال الدين السيوطى رضى الله عنه رسائل فى اثبات ايمان أبوى رسول الله صلى الله عليه وسلم وجميع ابائه وأمهاته الى آدم عليه السلام وخلصت منها رسالة سميتها بتقديس اباء النبى صلى الله عليه وسلم فمن شاء فليرجع اليه وهذا المقام لا يسع زيادة التطويل فى الكلام (تفسير المظهرى، ج۴، ص ۳۰۷ و ۳۰۸، سورة التوبة، تحت رقم الآية ۱۱۳)**

(ضمیمہ)

# کیا ”أبوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ پر شرک کا حکم لگانا گستاخی ہے؟

آخر میں یہ ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ آج کل صورتِ حال یہ ہے کہ جو شخص قرآن وسنت کی اتباع میں اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ صحیح احادیث کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے شرک کی حالت میں فوت ہونے، اور ان کے ”غیر ناجی“ ہونے کا حکم لگائے، تو موجودہ دور میں اس کو بعض جذباتی لوگ فوراً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ یا آپ کو ایذاء پہنچانے والا ہونے کی وجہ سے ملعون قرار دے دیتے ہیں، اور اس کے خلاف طرح طرح کے منفی پروپیگنڈے شروع کر دیتے ہیں۔

قرآن وسنت کی رُو سے ان لوگوں کا مذکورہ طرزِ عمل درست نہیں، بلکہ غلو پر مبنی ہے، جس کی قرآن وسنت میں سخت ممانعت آئی ہے، اس لیے ان لوگوں کو اپنے اس طرزِ عمل کی اصلاح کرنی چاہیے، جس کی تفصیل پیچھے متفرق مقامات پر ذکر کی جا چکی ہے۔

بعض اہلِ علم حضرات کی خواہش ہوئی کہ آخر میں اس پہلو پر الگ سے کچھ کلام کر دیا جائے۔

تو جاننا چاہیے کہ جو مومن، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے معتبر طریقے پر پہنچی ہوئی بات کی تصدیق کرے، خواہ وہ اس کی عقل، طبیعت اور جذبات کے خلاف کیوں نہ ہو، اور اس کے برخلاف اللہ اور اس کے رسول کی جو بات اس تک معتبر طریقے سے نہیں پہنچی، اس کی تصدیق نہ کرے، خواہ وہ بات اس کی عقل، طبیعت اور جذبات کے موافق کیوں نہ ہو، اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک یہی صحیح طریقہ ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی صحیح اتباع یہی ہے، اور یہ طریقہ ہرگز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی، بے ادبی اور آپ کو ایذا پہنچانے میں داخل نہیں، اور اس موقف کے حامل پر لعنت کرنا بھی جائز نہیں۔

اور جب کسی کے پاس مضبوط ومستند دلائلِ شرعیہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا شرک کی حالت میں فوت ہونا ہی پہنچا، اوران کا ایمان کی حالت میں فوت ہونا یا کفر پر فوت ہونے کے بعدان کودوبارہ زندہ کر کے ایمان لانا اس کے نزدیک معتبر سند سے ثابت نہیں ہوا۔

اس لیے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان سے محروم ہونے پر رنجیدہ وغمزدہ ہونے کے باوجود اس پر بسر وچشم ایمان لاتا ہے، اور اپنے جذبات وخیالات کے خلاف ہونے کی بنیاد پر اس کی تکذیب نہیں کرتا، تو اس کو گستاخ وبے ادب یا ملعون وغیرہ قرار دینا سخت خطرناک طرزِ عمل ہے۔

کیونکہ صحیح احادیث وروایات کے مطابق أبوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بحالتِ شرک فوت ہونے کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی طبعی ایذا پہنچی تھی، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو، آپ کے والدین کا بوجہ شرک کے غیر ناجی ہونا بتلایا گیا تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدین کے شرک کی حالت میں فوت ہونے پر سخت طبعی رنج وغم کی وجہ سے شدید رونا آیا تھا، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھی اس کا علم ہونے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے رونا آیا تھا، لیکن نہ تو اللہ کے رسول نے، اور نہ ہی صحابۂ کرام نے اس کا انکار کیا تھا، اور نہ ہی اللہ کے فیصلے پر کوئی اعتراض کیا تھا، اور نہ ہی اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی وگستاخی وغیرہ سمجھا تھا، بلکہ اس غیبی حقیقت کو بسر وچشم قبول کر لیا تھا، جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی طبعی محبت اپنے والدین ہونے کی حیثیت سے ان کے ساتھ تھی، اور جتنا قریبی رشتہ آپ کا ان کے ساتھ تھا، وہ ان کے ساتھ کسی دوسرے امتی کو حاصل نہیں۔

پس جس مومن بندہ کا طرزِ عمل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مطابق ہوگا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق اس غیبی حقیقت کو بصد افسوس تسلیم کرے گا، جو بطور وحی کے اللہ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

بتلائی گئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بتلائی گئی، اور انہوں نے پھر تابعین کو اور پھر انہوں نے اتباعِ تابعین کو بتلائی اور محدثینِ عظام نے اس کو احادیث کی کتابوں میں روایت ونقل کیا، اور اس کے مطابق جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ نے عقیدہ بنایا، اور اس مومن بندہ تک یہ تمام باتیں معتبر ومستند ذریعہ سے پہنچیں، جس کی وجہ سے اس نے اس کے مطابق موقف اختیار کیا، تو یہ بندہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ یا ایذا پہنچانے والا ہونے کے بجائے ایسا مطیع وباادب اور سچی محبت کرنے والا شمار ہوگا کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے سامنے اپنی عقل، طبیعت اور جذبات کو بھی قربان کردیا، اور ''یؤمنون بالغیب'' کا سچا مصداق شمار ہوا۔

اور اس کے برعکس طرزِ عمل اختیار کرنے والا اس درجے کا مطیع وفرمانبردار اور باادب شمار نہیں ہوگا، تاہم اگر وہ اجتہادی طور پر نیک نیتی کے ساتھ اپنے طرزِ عمل کو صواب سمجھ کر اختیار کرے، تو وہ عنداللہ گناہ گار نہیں ہوگا۔

لیکن جس کے سامنے مضبوط شرعی دلائل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا مشرک وغیر ناجی ہونا پہنچ گیا، اور اس کے برخلاف معتبر سند سے نہ پہنچا، اس کے باوجود وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر مذکورہ معتبر احادیث سے ثابت شدہ حکم لگانے والے کو گستاخ یا ملعون وغیرہ قرار دے، تو وہ خود ہی سخت گناہ گار شمار ہوگا، اور اندیشہ ہے کہ وہ دوسرے پر کی ہوئی لعنت کا خود ہی نہ مستحق ہوجائے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن وسنت کے مطابق کوئی ایسا موقف اختیار کرنا، جو اہلُ السنۃ والجماعۃ کے موقف کے بھی مطابق ہو، یہ ہرگز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے میں داخل نہیں، بھلا جس بات کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم امت کو خبر دیں، اور کوئی مومن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات ہی کو نقل واختیار کرے، تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے میں کیونکر داخل ہوگا، ورنہ تو قرآن مجید کی آیات میں بار

بار حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کے بت پرست ہونے، ان کے لیے استغفار کے ممنوع ہونے، اور احادیث میں ان کے کافر ومشرک اور مستحقِ عذاب ہونے کا ذکر نہ آتا، اور نہ ہی قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے بیٹے کے کافر ہونے کا ذکر آتا، جبکہ یہ باتیں حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہما الصلاۃ والسلام کے لیے باعثِ غم ثابت ہوئیں، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جن بے شمار واقعات سے تکلیف اور غم پہنچا، اور ان کا نصوص میں ذکر آیا، ان کو نقل وبیان کرنا بھی جائز نہ ہوتا۔

چنانچہ قرآن مجید کی کئی آیات میں اللہ اور اس کے رسول کی بات کو سننے کے بعد اس کی اطاعت کرنے کا ''سمعنا و أطعنا'' جیسے الفاظ کے ساتھ حکم آیا ہے، اور اطاعت کرنے کے بجائے نافرمانی کرنے کی ممانعت کا بھی ذکر آیا ہے۔

اسی کے ساتھ نبی کی ہر بات کو ماننے اور قبول کرنے کا حکم بھی قرآن مجید میں موجود ہے، اور قرآن مجید ہی میں اللہ کے رسول کی اطاعت واتباع کو اللہ کے ساتھ محبت کی دلیل اور اس کے نتیجہ میں بندوں سے اللہ کے محبت کرنے اور گناہوں کی معافی کا ذریعہ بتلایا گیا ہے۔

آگے اس طرح کی چند آیات ملاحظہ فرمائیے۔

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا مومنوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ:

وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (سورة البقرة، رقم الآية ٢٨٥)

ترجمہ: اور کہا انہوں نے کہ سن لیا ہم نے اور اطاعت کر لی ہم نے (سورہ بقرہ)

یعنی ایمان والوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی بات کو سن کر اس کو مانتے اور قبول کرتے ہیں، خواہ وہ بات ان کو اچھی لگے یا بری لگے، اور وہ بات ان کے خیالات و جذبات اور طبیعت وچاہت کے موافق ہو یا مخالف ہو۔

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا یہودیوں کے متعلق ارشاد ہے کہ:

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (سورة البقرة، رقم الآية ٩٣)

ترجمہ: کہا انہوں نے کہ سن لیا ہم نے، اور نافرمانی کی ہم نے (سورہ بقرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی بات سن کر اس کو تسلیم وقبول نہ کرنا مومنوں کا طریقہ نہیں، اور مومنون کا طریقہ ''سمعنا و عصینا '' کے بجائے ''سمعنا و أطعنا '' کا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، اور آگے بھی آتا ہے۔

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَقْوَمَ

(سورة النسآء، رقم الآية ٤٦)

ترجمہ: اگر وہ لوگ یہ کہتے کہ سن لیا ہم نے اور اطاعت کرلی ہم نے، اور سن لیجیے آپ اور نظر کیجیے آپ ہماری طرف، تو ہوتا یہ بہتر ان کے لیے اور زیادہ درست (سورہ نساء)

مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی بات کو سن کر اس کی اطاعت کرنا یعنی ''سمعنا و أطعنا '' پر عمل پیرا ہونا، یہ بہتر اور درست طریقہ ہے، اور اس کے مقابلے میں رسول کی بات سن کر، اس کو قبول نہ کرنا، بہتر اور درست طریقہ نہیں۔

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِىْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (سورة المائدة، رقم الآية ٧)

ترجمہ: اور یاد کرو، اللہ کی نعمت کو تمہارے اوپر، اور اس کے اس عہد کو، جس کا اس نے تم سے معاہدہ کیا ہے، جب کہا تم نے کہ سن لیا ہم نے اور اطاعت کرلی ہم نے، اور ڈرو تم اللہ سے، بے شک اللہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے (سورہ مائدہ)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے اپنے بندوں سے ''سمعنا و اطعنا '' کا پختہ عہد لیا ہے، جس کو

پورا کرنا اللہ کے بندوں کے ذمے ضروری ہے، اور اس کے لیے تقویٰ کی ضرورت ہے۔ [1]

پس اللہ اور اس کے رسول کی ہر بات پر ''سمعنا و اطعنا'' کہنا، تقوے کے مطابق ہوا، اور ایسا شخص متقی ہوا، اور جو اس کے خلاف طرزِ عمل اختیار کرے، وہ اس نعمت سے محروم ہوا۔

سورہ نور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**وَإِذَا دُعُوْا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيْقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُوْنَ. وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوْا إِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ .أَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ أَمِ ارْتَابُوْا أَمْ يَخَافُوْنَ أَنْ يَحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ بَلْ أُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ .إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذَا دُعُوْا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ**(سورة النور، رقم الآية ۴۸ الیٰ ۵۲)

ترجمہ: اور جب دعوت دی جاتی ہے، ان کو اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف، تاکہ فیصلہ کرے وہ (یعنی اللہ کا رسول) ان کے درمیان، تو اچانک ایک فریق ان میں سے اعراض کرنے لگتا ہے، اور اگر ہو، ان کے لیے حق (یعنی ان کا کوئی فائدہ وابستہ ہو) تو آ جاتے ہیں، اُس (رسول) کی طرف مطیع ہو کر۔ کیا ان کے دلوں میں مرض ہے، یا وہ شک میں مبتلا ہیں، یا خوف رکھتے ہیں اس کا کہ ظلم کرے گا اللہ ان پر، اور اس کا رسول، بلکہ یہ لوگ ہی ظالم ہیں۔ بس ہے مومنوں کا قول، جب بلایا جائے انہیں، اللہ اور اس کے رسول کی طرف، تاکہ فیصلہ کرے وہ ان کے درمیان، یہ کہ وہ کہیں کہ سن لیا ہم نے، اور اطاعت کر لی ہم نے، اور

---

[1] (واذكروا نعمة الله عليكم) بالإسلام (وميثاقه) عهده (الذى واثقكم به) عاهدكم عليه (إذ قلتم) للنبى صلى الله عليه وسلم حين بايعتموه (سمعنا وأطعنا) فى كل ما تأمر به وتنهى مما نحب ونكره (واتقوا الله) فى ميثاقه أن تنقضوه (إن الله عليم بذات الصدور) بما فى القلوب فبغيره أولى(تفسير الجلالين،سورة المائدة)

یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔اور جو اطاعت کرے گا اللہ کی ، اور اس کے رسول کی، اور خشیت اختیار کرے گا اللہ سے، اور ڈرے گا، تو یہی لوگ ہیں، جو کامیابی پانے والے ہیں (سورہ نور)

اس سے معلوم ہوا کہ جب باہمی اختلاف والی چیز کے درمیان ، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی فیصلہ کر دیا جائے، تو اس سے اعراض نہیں کرنا چاہیے، اگرچہ وہ فیصلہ اپنی مرضی ومنشا کے مطابق نہ ہو، کیونکہ اس فیصلے سے اعراض کرنا دلوں میں مرض، یا اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر شک، یا نعوذ باللہ، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ظلم ہونے کے ڈر کی علامت ہے، اور ایسا کرنے والا اللہ کی نظر میں ظالم شمار ہوتا ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے سامنے مومنوں کا طرزِ عمل ''سمعنا واطعنا '' والا ہونا چاہیے، خواہ اللہ اور اس کے رسول کا وہ فیصلہ کسی کی عقل وطبیعت اور اس کے جذبات کے موافق ہو یا خلاف ہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے خواہ کسی چیز کا حکم دیا گیا ہو یا کسی چیز سے منع کیا گیا ہو، اس کو حق اور سچ سمجھنا چاہیے، اور اس کے مطابق عمل کرنے والے لوگ ہی دراصل کامیابی پانے والے ہیں۔ [1]

اور جب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدین کے استغفار وشفاعت سے منع فرما دیا، اور ان کے مشرک ہونے کا حکم لگا دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات صحابۂ کرام کو بتلا دی، اور انہوں نے اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے آگے بیان کر دی، اور وہ بات کسی بندۂ مومن تک معتبر اسناد سے پہنچ گئی، تو اس کو سن کر ماننے والا بھی ''سمعنا و اطعنا '' کا مصداق شمار ہوگا، اور وہ اس کے نتیجہ میں ''سمعنا و اطعنا '' کا اجر وثواب پانے والوں میں داخل ہوگا، اور وہ نہ تو ''سمعنا و عصینا'' میں داخل ہوگا، اور نہ ہی اس کی وعید کا مستحق ہوگا۔

---

[1] وقالوا عطف على آمن والجمع باعتبار المعنى وهو حكاية لامتثالهم الأوامر والنواهى إثر حكاية إيمانهم سمعنا أى أجبنا وهو المعنى العرفى للسمع وأطعنا وقبلنا عن طوع ما دعوتنا إليه فى الأمر والنواهى، وقيل :سمعنا ما جاء نا من الحق وتيقنا بصحته، وأطعنا ما فيه من الأمر والنهى(روح المعانى،ج ۲،ص ٦٦،سورة البقرة)

سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ (سورة آلِ عمران ، رقم الآيات ۳۱،۳۲)

ترجمہ: کہہ دیجیے آپ (اے محمد، لوگوں سے) کہ اگر ہو تم محبت رکھنے والے اللہ سے، تو اتباع کرو تم میری، محبت فرمائے گا تم سے اللہ، اور مغفرت فرمائے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کی، اور اللہ غفور الرحیم ہے۔

کہہ دیجیے آپ کہ اطاعت کرو تم اللہ کی اور رسول کی، پھر اگر پیٹھ پھراؤ گے تم، تو بے شک اللہ نہیں محبت کرتا کافروں سے (سورہ آلِ عمران)

ان آیات میں اللہ کی محبت کے سچا ہونے کا معیار بیان کرتے ہوئے پہلے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اللہ سے محبت کی اصل پہچان، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع ہے۔

اور جب خود اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کسی متعین شخص کے متعلق غیر ناجی ہونے اور اس کے لیے شفاعت واستغفار نہ کرنے کا حکم کسی مومن بندہ نے سن لیا، تو اس کی اتباع کرنا اللہ کی محبت کی دلیل، اور اللہ کے اس سے محبت کرنے کی بھی دلیل ہوگا، ساتھ ہی اس بندۂ مومن کے گناہوں کی مغفرت کا بھی ذریعہ ہوگا۔

پھر اس مومن کو گناہ قرار دینا، یا اللہ کے رسول سے محبت کے بجائے عداوت وشقاوت اختیار کرنے سے تعبیر کرنا اور اس سے بڑھ کر اس پر لعنت کرنا کیسے درست اور جائز ہوسکتا ہے۔

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (سورة النساء، رقم الآية ۶۵)

ترجمہ: پس ہرگز نہیں، آپ کے رب کی قسم! یہ مومن نہیں ہوں گے، جب تک کہ حاکم نہ بنالیں یہ لوگ آپ کو، ان چیزوں میں، جن میں اختلاف ہوا، ان کے درمیان، پھر نہ پائیں وہ اپنے اندر کوئی تنگی اس کی طرف سے، جو فیصلہ کیا آپ نے، اور تسلیم کرلیں وہ پوری طرح سے تسلیم (سورہ نساء)

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ جس مسئلہ میں مسلمانوں کے مابین کوئی اختلاف وانتشار اور تنازع ہو، اس کے لیے بہترین اور ہر فریق کے لیے واجب الاتباع فیصلہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے، پس جب اس زیرِ بحث مسئلہ میں اختلاف وانتشار ونزاع ہوگا، تو اس میں بھی بہترین اور واجب الاتباع فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہوگا، اور اس کو خوش دلی سے تسلیم وقبول کرلینا ہی عافیت کا ذریعہ ہوگا، اور تسلیم وقبول بھی پوری طرح سے کرنا ہوگا، جس پر دل میں کوئی تنگی نہ ہو، اگرچہ وہ فیصلہ کسی کی منشاء وچاہت کے خلاف ہو۔

پس جو مومن خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے والدین کے متعلق بیان کردہ فیصلہ کو قبول کرے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کیونکر گستاخ ونافرمان ہوسکتا ہے، اور اس کو ملعون قرار دینا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ [1]

---

[1] (فلا وربک) لا زائدة (لا يؤمنون حتى يحكموک فيما شجر) اختلط (بينهم ثم لا يجدوا فى أنفسهم حرجا) ضيقا أو شكا (مما قضيت) به (ويسلموا) ينقادوا لحكمک (تسليما) من غير معارضة(تفسير الجلالين، تحت آية ٦٥ من سورة النساء)

حتى يحكموک أى يجعلوک حكما أو حاكما، وقال شيخ الإسلام: يتحاكموا إليک ويترافعوا، وإنما جيء بصيغة التحكيم مع أنه صلى الله عليه وسلم حاكم بأمر الله إيذانا بأن اللائق بهم أن يجعلوه عليه الصلاة والسلام حكما فيما بينهم ويرضوا بحكمه وإن قطع النظر عن كونه حاكما على الإطلاق فيما شجر بينهم أى فيما اختلف بينهم من الأمور واختلط، ومنه الشجر لتداخل أغصانه، وقيل: للمنازعة تشاجر لأن المتنازعين تختلف أقوالهم وتتعارض دعاويهم ويختلط بعضهم ببعض ثم لا يجدوا عطف على مقدر ينساق إليه الكلام أى فتحكم بينهم ثم لا يجدوا فى أنفسهم وقلوبهم حرجا أى شكا– كما قاله مجاهد– أو ضيقا– كما قاله الجبائى– أو إثما– كما روى عن الضحاک– واختار بعض المحققين تفسيره بضيق الصدر لشائبة الكراهة والإباء(تفسير روح المعانى للآلوسى، ج٣ص ٦٩، سورة النساء)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ إِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ أَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوْا الْهَوٰى أَنْ تَعْدِلُوْا وَإِنْ تَلْوُوْا أَوْ تُعْرِضُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (سورة النساء، رقم الآية ۱۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! ہو جاؤ تم قائم کرنے والے انصاف کو، گواہ بنو اللہ کے لیے، اگرچہ تمہارے خلاف ہو، یا والدین کے، اور اقربا کے، اگر ہے، وہ غنی یا فقیر، تو اللہ ان دونوں کے مقابلہ میں اولیٰ (ومقدم) ہے، پس خواہش کی اتباع نہ کرو تم، عدل وانصاف کرنے میں، اور اگر تم زبان لپیٹو گے (یعنی غلط بیانی کر کے ناانصافی کرو گے) یا (عدل وانصاف سے) اعراض کرو گے، تو اللہ تمہارے اعمال سے خوب خبردار ہے (جس کا تم کو حساب دینا پڑے گا) (سورہ نساء)

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کے اپنا قریبی وتعلق دار ہونے کی بنیاد پر اس کی بے جا طرف داری اور حمایت کرنا جائز نہیں، بلکہ یہ عدل وانصاف کے بجائے، خواہش کی پیروی میں داخل ہے، جو عنداللہ قابلِ مؤاخذہ ہے، اور تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اس جرم سے پاک ہیں۔

اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کے متعلق غیبی حقیقت کو ظاہر کرنے میں کسی قسم کی خیانت وکوتاہی نہیں فرمائی، اور کسی طرح کی ناانصافی سے کام نہیں لیا۔

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والمعنى وربك لا يؤمنون، حتى يحكموك فيما شجر بينهم اى اختلف بينهم واختلط عليهم الأمر ومنه الشجر لالتفات أغصانه ثم لا يجدوا عطف على يحكموك فى أنفسهم حرجا مما قضيت ضيقا مما حكمت به وقال مجاهد شكا فان الشاك فى ضيق امره ويسلموا اى ينقادوا لك تسليما انقيادا طوعا بلا كره منهم .(التفسير المظهرى، ج۲ ص۱۵۸، سورة النساء)

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا .يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ .فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيْلًا (سورة النساء ،رقم الآية ۵۸، ۵۹)

ترجمہ: اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، بیشک اللہ تمہیں نہایت اچھی نصیحت کرتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا دیکھنے والا ہے۔

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر (یعنی حاکم) ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں تنازعہ ہو جائے تو اسے (تصفیہ وفیصلہ کے لئے) اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہی سب سے زیادہ خیر والا اور تاویل (وانجام) کے اعتبار سے سب سے اچھا طریقہ ہے (سورہ نساء)

اس سے معلوم ہوا کہ اصل حکم تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا ہے، اور اس کے تابع ہو کر ''اولی الامر'' کی اطاعت کا بھی ہے، لیکن جہاں باہم اختلاف ہو جائے، وہاں اللہ اور اس کے رسول یعنی قرآن وسنت کے دلائل کی طرف رجوع کر کے باہمی اختلاف کو ختم کرنا چاہیے، اختلاف کو ختم کرنے کا یہ سب سے بہترین طریقہ ہے۔

اور زیرِ بحث مسئلہ میں اختلاف کے وقت، جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو تسلیم وقبول کر لے گا، وہ مذکورہ آیت کے مطابق عمل کرنے والا شمار ہوگا، اور اس کو گستاخ و بے ادب وغیرہ قرار دینا درست نہ ہوگا۔

سورہ محمد میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ (سورة محمد، رقم الآية ۳)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے، انہوں نے اتباع کی حق کی، اپنے رب کی طرف سے (سورہ محمد)

مطلب یہ ہے کہ مومنوں کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف سے جو بھی بات ہوتی ہے، اس کو حق سمجھ کر اس کی اتباع کرتے ہیں، وہ نہ تو اس کے حق ہونے کا انکار کرتے، اور نہ اس کی اتباع سے اعراض کرتے۔

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے والدین کے متعلق جو حق و سچ بتلا دیا، اس پر ایمان لانا بھی حق کی اتباع کرنے میں داخل ہے۔

سورہ نجم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى. مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى. وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى** (سورة النجم، رقم الآيات ا الىٰ ۴)

ترجمہ: ستارے کی قسم ہے جب وہ ڈوبنے لگے۔ تمہارا رفیق (وساتھی) نہ گمراہ ہوا ہے اور نہ بہکا ہے۔ اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے (سورہ نجم)

مذکورہ آیت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان ہوا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے، بلکہ ان کی بات وحی پر مبنی ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے اللہ کے رسول کی ہر بات کو ماننے کا حکم ہے، خواہ وہ کسی چیز کا امر ہو یا نہی ہو۔

سورہ حشر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ** (سورة الحشر، رقم الآية ۷)

ترجمہ: اور جو چیز رسول تمہیں دے، تو تم اُس کو لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو

روکے، تو تم اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرو (سورہ حشر)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ احکام پر عمل کا حکم ہے، خواہ وہ کوئی امر ہو یا نہی ہو، اور اس کی خلاف ورزی پر اللہ سے ڈرنے کا حکم ہے۔

پس جو بندۂ مومن احادیثِ صحیحہ کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مشرک ہونے کا عقیدہ رکھے گا، وہ مذکورہ آیت پر عمل کرنے والا شمار ہوگا، اور اس کو گستاخ و بے ادب قرار دینا درست نہ ہوگا۔

جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے والوں کا تعلق ہے، جن کے بارے میں قرآن مجید میں وعیدوں کا ذکر ہے۔ [1]

تو ایذا پہنچانے والوں میں وہ لوگ داخل نہیں ہیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کوئی قول و فعل اختیار کریں، بلکہ وہ لوگ داخل ہیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جھوٹی حدیث گھڑیں، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہ بات کہیں، جو آپ کی شان کے خلاف ہو، یا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبت کریں۔ [2]

اور مبحوث فیہ مسئلہ میں احادیثِ صحیحہ کے مطابق موقف اختیار کرنا، اس طرح کی آیات کا مصداق نہیں، بلکہ اس سلسلے میں جھوٹی احادیث گھڑنے والے ہی خود اس کا مصداق ہیں، جنہوں نے اس سلسلہ میں جھوٹی احادیث کو گھڑا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کے متعلق قرآن مجید

---

[1] وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (سورة التوبة، رقم الآية ٦١)

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا. وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا (سورة الاحزاب، رقم الآية ٥٧، ٥٨)

[2] ومنهم الذين يؤذون النبي اى يغتابونه ويتقولون حديثه ويقولون فيه ما لا ينبغي (التفسير المظهرى، ج۴، ص ۲۵۳، سورة التوبة)

میں کئی جگہ مشرک و کافر ہونے کا ذکر فرمایا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد کے متعلق آخرت میں کافر و معذّب ہونے کا ذکر فرمایا ہے، اور جمہور متقدمین ومفسرین کے نزدیک آزر سے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے حقیقی والد مراد ہیں۔

اگر نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے والد پر کفر و شرک میں مبتلا ہونے اور اس کی وجہ سے معذب ہونے کا حکم لگانے کا مسئلہ ناجائز غیبت یا ایذائے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام میں داخل ہوتا، تو اللہ تعالیٰ بار بار قرآن مجید میں اس کا ذکر نہ فرماتا، اور نہ ہی احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ذکر فرماتے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے بیٹے کے کفر کا ذکر فرمایا ہے، اگر یہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی ناجائز غیبت یا حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی ایذاء رسانی میں داخل ہوتا، تو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اس کا ذکر نہ فرماتا، اور نہ ہی قیامت تک ان آیات کو دنیا بھر میں نماز وغیر نماز کے اندر تلاوت کا حکم ہوتا۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے والد کے کفر سے اور اسی طرح سے حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے بیٹے کے کفر سے سخت تکلیف پہنچی تھی جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے، جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے والدین کے کفر سے سخت تکلیف پہنچی تھی، اور سخت رونا آیا تھا، جس کا معتبر احادیث و روایات میں ذکر ہے۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کے سامنے مختلف مواقع پر اپنے والد، والدہ کے مشرک ومعذّب وغیرہ ہونے کا ذکر فرمایا، جس کو صحابۂ کرام نے سنا اور آگے نقل کیا۔

اگر یہ ناجائز غیبت میں داخل ہوتا، تو نہ تو اس فعل کا ارتکاب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کرتے، جبکہ یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے والدین کے متعلق ہے، اور نہ ہی اس کا ذکر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کرتے، نیز اگر یہ ذکر کرنا ایذائے رسول میں داخل ہوتا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے جان نثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس موقع پر یہ بات سن کر چپ لگا کر بیٹھ جاتے، اور کسی کے سامنے تذکرہ نہ فرماتے، اور اس طرح یہ باتیں آج ہم تک نہ پہنچتیں۔

کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ ادب واحترام اور آپ سے پکی عقیدت رکھنے اور سچی محبت کرنے والے تھے۔

جیسا کہ سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

**فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** (سورة الاعراف، رقم الآية ١٥٧)

ترجمہ: پس جو لوگ ایمان لائے اس (نبی) پر اور تعظیم کی اس (نبی) کی، اور مدد کی اس (نبی) کی، اور اتباع کی اس نور کی، جو نازل کیا گیا ہے اس (نبی) پر یہ لوگ فلاح پانے والے ہیں (سورہ اعراف)

لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار اور انتہائی عقیدت واحترام کرنے والے حضرات نے اس عمل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے احترامی وگستاخی میں داخل نہ سمجھا، تو کسی دوسرے کو اس پر گستاخی وبے ادبی کا حکم لگانا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

ملا علی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ عبارت اپنے مقام پر ذکر کی جاچکی ہے کہ:

**وأما ما ذكره ابن الكمال تبعا للسيوطي من أنه سئل القاضي أبو بكر بن العربي أحد المالكية عن رجل قال إن أبا النبي صلى الله عليه وسلم في النار.**

**فأجاب بأنه ملعون لأن الله تعالى يقول (إن الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله في الدنيا والآخرة) قال ولا أذى أعظم من أن يقال عن أبيه إنه في النار.**

محمول على من قصد أذى النبى عليه الصلاة والسلام بإطلاق هذا الكلام فإنه ملعون بل كافر مطعون.

وأما من أخبره لما ثبت عنه عليه الصلاة والسلام واعتقده كأبى حنيفة وغيره من علماء الأعلام فحاشاهم من نسبة الطعن إليهم ويحرم اللعن عليهم.

ثم نقله تبعا له عن السهيلى ليس لنا أن نقول ذلك فى أبويه صلى الله عليه وسلم لقوله عليه السلام لا تؤذوا الأحياء بسب الأموات كما رواه الطبرانى .

فدفعه ظاهر على من عنده علم باهر وعقل قاهر.

ثم قال ابن الكمال. وبالجملة هذه المسألة ليست من الاعتقاديات فلا حظ للقلب منها وأما اللسان فحقه أن يصان عما يتبادر على دفعه وتداركه.

قلت ما ثبت بالكتاب والسنة يجب اعتقاده مجملا ومفصلا (أدلة معتقد أبى حنيفة فى أبوى الرسول عليه الصلاة والسلام، للملا على القارى، ص ۱۴۰، و ۱۴۱، الرد على رسالة لابن كمال الباشا فى أبوى النبى صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: اور ابنِ کمال نے جلال الدین سیوطی کی اتباع میں یہ بات ذکر کی ہے کہ قاضی ابوبکر ابنِ عربی مالکی سے اُس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا، جو یہ کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد جہنم میں ہیں؟

تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ ملعون ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”إن الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله فى الدنيا والآخرة“

”یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں، اُن پر لعنت فرماتا ہے

اللہ، دنیا اور آخرت میں‘‘

اور اس سے بڑی کوئی ایذاء نہیں کہ یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد جہنم میں ہیں (ابنِ عربی کے حوالہ سے بات ختم ہوئی)

تو یہ اس شخص پر محمول ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے کا قصد کرے، اس کلام کے اطلاق کی وجہ سے، کیونکہ وہ ملعون بلکہ کافر، مطعون ہے۔

اور جو شخص اس بات کی خبر دے، جو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور اس کا اعتقاد رکھے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور اُن کے علاوہ دوسرے امت کے اہم علماء (نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفروشرک کا اعتقاد رکھا) تو حاشا وکلا کہ اُن کی طرف طعن وتشنیع کرنے کی نسبت کی جائے، ان (عظیم ہستیوں) پر تو لعنت کرنا حرام ہے۔

پھر ابنِ کمال نے سُہیلی کی اتباع میں یہ بات نقل کی ہے کہ ہمارے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ کفر کی حالت میں فوت ہوئے، کیونکہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ تم زندوں کو ایذاء نہ پہنچاؤ، مُردوں کو بُرا کہہ کر، جیسا کہ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔

تو اس کا جواب اُس شخص پر ظاہر ہے، جس کو مُعتَدبِہٖ علم اور مضبوط عقل حاصل ہو۔

پھر اس کے بعد ابنِ کمال نے فرمایا کہ بہر حال یہ مسئلہ اعتقادیات میں سے نہیں ہے، لہٰذا دل کے لئے اس کا حصہ نہیں ہے، جہاں تک زبان کا تعلق ہے، تو اس کا حق یہ ہے کہ زبان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع اور تدارُک کے خلاف چیزوں سے محفوظ رکھا جائے۔

میں کہتا ہوں کہ جو چیز کتابُ اللہ اور سنتِ رسولُ اللہ سے ثابت ہو، تو اس پر مجملاً اور مفصَّلاً اعتقاد رکھنا واجب ہے (أدلة معتقد أبی حنیفة)

اس عبارت کی توضیح وتفصیل پہلے گزر چکی ہے، اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ اگر ابنِ عربی رحمہ اللہ سے مذکورہ حکم ثابت ہو اور اس صورت کے ساتھ خاص ہو، جبکہ کسی کا مقصد شرعی حکم بیان کرنے کے بجائے ،نعوذ باللہ تعالیٰ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر وغیرہ ہو تو الگ بات ہے۔

لیکن اگر ابنِ عربی رحمہ اللہ سے یہ کلام اس طرح ثابت نہ ہو، بلکہ علی الاطلاق ثابت ہو، تو ان کی اس بات کو قرآن وسنت کے دلائل کے مقابلہ میں راجح قرار نہیں دیا جائے گا، بلکہ مرجوح قرار دیا جائے گا، جس طرح ان کے اور بھی کئی اقوال کو اہلِ علم حضرات مرجوح قرار دے چکے ہیں۔

اور شیخ ناصر الدین البانی صاحب کے حوالے سے یہ عبارت بھی پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ:

**واعلم أيها الأخ المسلم أن بعض الناس اليوم وقبل اليوم لا استعداد عندهم لقبول هذه الأحاديث الصحيحة، وتبني ما فيها من الحكم بالكفر على والدى الرسول صلى الله عليه وسلم، بل إن فيهم من يظن أنه من الدعاة إلى الإسلام ليستنكر أشد الاستنكار التعرض لذكر هذه الأحاديث ودلالتها الصريحة !وفي اعتقادى أن هذا الاستنكار إنما ينصب منهم على النبى صلى الله عليه وسلم الذى قالها إن صدقوا بها .وهذا -كما هو ظاهر -كفر بواح، أو على الأقل :على الأئمة الذين رووها وصححوها، وهذا فسق أو كفر صراح، لأنه يلزم منه تشكيك المسلمين بدينهم، لأنه لا طريق لهم إلى معرفته والإيمان به، إلا من طريق نبيهم صلى الله عليه وسلم كما لا يخفى على كل مسلم بصير بدينه** (سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٢٥٩٢)

ترجمہ: اے مسلمان بھائی! یہ بات جان لینی چاہیے کہ آج کے زمانے میں اور

آج سے پہلے بعض لوگ ایسے ہیں کہ جن میں ان صحیح احادیث کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں، اور نہ ہی ان کی طرف سے اس بات کو ماننے پر آمادگی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر کفر کا حکم لگائیں، بلکہ اسلام کے مدعی بعض لوگ ان صحیح اور صریح احادیث اور ان کے واضح معنیٰ ہی کے ذکر کرنے پر شدید نکیر کرتے ہیں (یہاں تک کہ نعوذ باللہ تعالیٰ اس کو ملعون اور گستاخ تک قرار دیتے ہیں) جبکہ ہمارے گمان کے مطابق، ان لوگوں کا اس پر نکیر کرنا، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا انکار ہے، جنہوں نے خود اپنے والدین کے متعلق یہ حکم بیان فرمایا ہے (جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدین سے محبت یقیناً ان لوگوں سے زیادہ تھی) اور اگر وہ لوگ ان احادیث کا علم ہوتے ہوئے انکار کریں، تو کفر ہوگا، ورنہ کم از کم ان جلیلُ القدر محدثین پر بہتان ہوگا، جنہوں نے ان احادیث کو روایت کیا، اور ان احادیث کو صحیح قرار دیا، یہ طرزِ عمل اگر کفر نہ ہو تو فسق اور گناہ ہونے میں تو شبہ نہیں، کیونکہ یہ مسلمانوں کے دین میں شکوک وشبہات پیدا ہونے کا سبب ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس بات کا علم حاصل کرنے اور ایمان لانے کا راستہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے، جیسا کہ اپنے دین کی بصیرت رکھنے والے مسلمانوں پر مخفی نہیں (کیونکہ کسی کے باطنی ایمان یا کفر پر مطلع ہونے اور اس کے عذاب میں مبتلا ہونے کا تعلق غیب سے ہے) (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ احادیثِ صحیحہ کی بناء پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر کفر و شرک کا حکم لگانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی، گستاخی یا لعنت کا سبب نہیں ہے۔

اور اگر پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بحالتِ کفر وشرک فوت ہونے کا موقف رکھنے والے کو کوئی گستاخ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے کا الزام دینے پر اصرار کرے، تو اسے یہ الزام، صرف آج کے دور کے کسی عالم کو دینے کے بجائے، اس سے پہلے کے بے

شمار جلیل القدر فقہاء ومحدثین کو بھی دینا چاہیے، جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مشرک اور غیر ناجی ہونے کی احادیث کو اپنی کتبِ حدیث میں درج کیا، اور ان پر ابواب قائم کئے، اور محدثین نے ان کی تشریح کی، اوران کے مطابق فقہائے کرام نے حکم بیان کیا، جن میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی داخل ہیں۔

کیونکہ بعد کے اہلِ علم حضرات نے اس سلسلہ میں جو موقف اختیار کیا، وہ دراصل ایک طرح سے اپنے سے پہلے کے محققین کی اتباع ہے۔ [1]

---

[1] الشبهة السادسة: القول بأن أبوى النبى – صلى الله عليه وآله وسلم – فى النار إيذاء له – صلى الله عليه وآله وسلم –.

الجواب: هذا القول تصديق لقوله – صلى الله عليه وآله وسلم –، وليس إيذاء له – صلى الله عليه وآله وسلم –.

وهل هؤلاء العلماء كانوا يقصدون إيذاء النبى – صلى الله عليه وآله وسلم –:

1– الإمام مسلم: حيث روى فى صحيحه حديث إن أبى وأباك فى النار.

2– الإمام أبو داود صاحب السنن: حيث روى نفس الحديث مع أحاديث أخرى وعنون عليها: باب فى ذرارى ـ أى أبناء ـ المشركين.

3– الإمام النسائى: حيث روى حديث أبى هريرة – رضى الله عنه – قال: زار النبى – صلى الله عليه وآله وسلم – قبر أمه فبكى وأبكى من حوله، فقال: استأذنت ربى فى أن أستغفر لها فلم يؤذن لى، واستأذنته فى أن أزور قبرها فأذن لى، فزوروا القبور فإنها تذكر الموت وعنون عليه الإمام النسائى: باب زيارة قبر المشرك.

4– الإمام ابن ماجة: حيث روى هو أيضا نفس الحديث وعنون عليه: باب ما جاء فى زيارة قبور المشركين.

5– الإمام النووى – رحمه الله –:وقد بوب فى شرحه لصحيح مسلم عند حديث إن أبى وأباك فى النار بقوله: باب: بيان أن من مات على الكفر فهو فى النار، ولا تناله شفاعته، ولا تنفعه قرابة المقربين.وقال فى شرحه ما نقلناه قبل قليل.

وقال – رحمه الله – عند شرحه لحديث: استأذنت ربى أن أستنغفر لأمى فلم يأذن لى، واستأذنته أن أزور قبرها فأذن لى:قال: فيه جواز زيارة المشركين فى الحياة وقبورهم بعد الوفاة؛ لأنه إذا جازت زيارتهم بعد الوفاة ففى الحياة أولى، وقد قال الله تعالى (وصاحبهما فى الدنيا معروفا )، وفيه النهى عن الاستغفار للكفار، قال القاضى عياض – رحمه الله –: سبب زيارته قبرها أنه قصد قوة الموعظة والذكرى بمشاهدة قبرها؛ ويؤيده قوله – صلى الله عليه وآله وسلم – فى آخر الحديث: فزوروا القبور؛ فإنها تذكركم بالآخرة انتهى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق صحیح احادیث میں بیان کردہ حکم کو اختیار کرنے والا نہ تو گستاخِ رسول شمار ہوتا، اور نہ ہی بے ادب شمار ہوتا، بلکہ اس کے بجائے وہ مطیع وفرمانبردار، باادب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا شمار ہوتا ہے، جب تک اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے غیر ناجی ہونے پر رنج ہو، اور وہ اس سلسلے میں شرعی حدود وقیود کا پابند رہے، تو ایسی صورت میں اس پر لعنت کرنا بھی ہرگز جائز نہ ہوگا، بلکہ ایسی صورت میں لعنت کرنے والا خود ہی صحیح احادیث کی رو سے گناہ گار شمار ہوگا، اور اس کی بھیجی ہوئی لعنت کے اسی کی طرف لوٹنے کا ڈر ہوگا۔

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾وقال الإمام النووی أیضا: قوله: فبکی وأبکی من حوله، قال القاضی: بکاؤه – صلی الله علیه وآله وسلم – علی ما فاتها من إدراک أیامه والإیمان به انتهی.

6– الإمام البیهقی: قال فی کتابه دلائل النبوة (192 /1، 193) بعد تخریجه لحدیث إن أبی وأباک فی النار: وکیف لا یکون أبواه وجده بهذه الصفة فی الآخرة، وکانوا یعبدون الوثن حتی ماتوا، ولم یدینوا دین عیسی ابن مریم – علیه السلام – انتهی.

وقال أیضا فی (سننه :(190 :7وأبواه کانا مشرکین بدلیل ما أخبرنا ...ثم ساق حدیث إن أبی وأباک فی النار.وقال فی (الدلائل 193 192 /1): وکفرهم لا یقدح فی نسب رسول الله – صلی الله علیه وآله وسلم –؛ لأن أنکحة الکفار صحیحة، ألا تراهم یسلمون مع زوجاتهم، فلا یلزمهم تجدید العقد، ولا مفارقتهن؛ إذ کان مثله یجوز فی الإسلام وبالله التوفیق انتهی .

7– الحافظ ابن کثیر: قال فی (سیرة الرسول): وإخباره – صلی الله علیه وآله وسلم – عن أبویه وجده عبد المطلب بأنهم من أهل النار لا ینافی الحدیث الوارد من طرق متعددة أن أهل الفترة والأطفال والمجانین والصم یمتحنون فی العرصات یوم القیامة .لأنه سیکون منهم من یجیب، ومنهم من لا یجیب، فیکون هؤلاء ـ أی الذین أخبر عنهم النبی ـ من جملة من لا یجیب، فلا منافاة، ولله الحمد والمنة انتهی .وقدرد – رحمه الله – علی حدیث أن الله أحیاهم ثم آمنوا بأنه حدیث منکر.وللاستزادة انظر (تفسیره وکتابه البدایة والنهایة).

8– الإمام ابن الجوزی: وقد ذکرنا کلامه قبل قلیل.

9– الإمام القرافی: قال فی (شرح تنقیح الفصول ص 297): إن قواعد العقائد کان الناس فی الجاهلیة مکلفین بها إجماعا .ولذلک انعقد الإجماع علی أن موتاهم فی النار یعذبون علی کفرهم، ولولا التکلیف لما عذبوا.

10– وقد بسط الکلام فی عدم نجاة والدی النبی – صلی الله علیه وآله وسلم – العلامة الحنفی الملا علی بن سلطان القارء فی (شرح الفقه الأکبر)، وفی رسالة مستقلة أسماها: (أدلة معتقد أبی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : لَا تَلَاعَنُوْا بِلَعْنَةِ اللّٰہِ، وَلَا بِغَضَبِہٖ، وَلَا بِالنَّارِ** (سنن الترمذی، رقم الحديث ۱۹۷۶، ابواب البر والصلة، باب ما جاء فی اللعنة) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ کی لعنت اور اللہ کے غضب اور جہنم کی لعنت نہ کرو (ترمذی)

اس حدیث سے لعنت کا گناہ ہونا معلوم ہوا۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا یَنْبَغِیْ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ یَّکُوْنَ لَعَّانًا** (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۱۴۵، کتاب الايمان) [2]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ حنيفة الأعظم فی أبوی الرسول عليه الصلاة والسلام) .وقد أثبت بذلک الکتاب تواتر الأدلة والأحاديث علی صحة معنی هذا الحديث وعدم نجاة والدی الرسول – صلی الله عليه وآله وسلم – وقد نقل الإجماع علی تلک القضية فقال فی (ص 84): وأما الإجماع فقد اتفق السلف والخلف من الصحابة والتابعين والأئمة الأربعة وسائر المجتهدين علی ذلک، من غير إظهار خلاف لما هنالک .والخلاف من اللاحق لا يقدح فی الإجماع السابق، سواء يکون من جنس المخالف أو صنف الموافق.

وأخيرا لا بد أن يعلم أن المقصود من الموضوع هو بيان أن اتهام الصوفية لمن يقول بموت أبوی الرسول – صلی الله عليه وآله وسلم – علی الکفر بأن بينهم وبين رسول الله – صلی الله عليه وآله وسلم – شیء أو أنهم يريدون نزع محبة محمد – صلی الله عليه وآله وسلم – من قلوب العامة۔ ما هو إلا تدليس وتلبيس علی العامة، وأن هذا الاتهام فی الحقيقة متوجه لمن ذکرنا من العلماء لو التزم بذلک الصوفية (کشف شبهات الصوفية،لشحاتة محمد صقر،ص ۱۸۶ الیٰ ۱۸۸،رابع عشر :أبوا النبی -صلی الله عليه وآله وسلم)

[1] قال الترمذی:وفی الباب عن ابن عباس، وأبی هريرة، وابن عمر، وعمران بن حصين :هذا حديث حسن صحيح.

[2] قال الحاکم:هذا حديث أسنده جماعة من الأئمة، عن کثير بن زيد، ثم أوقفه عنه حماد بن زيد وحده، فأما الشيخان فإنهما لم يخرجا عن کثير بن زيد وهو شيخ من أهل المدينة من أسلم کنيته أبو محمد لا أعرفه يجرح فی الرواية، وإنما ترکاه لقلة حديثه والله أعلم .ولهذا الحديث شواهد بألفاظ مختلفة، عن أبی هريرة وأبی الدرداء وسمرة بن جندب يصح بمثلها الحديث علی شرط الشيخين.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کے لئے یہ بات زیبا نہیں کہ وہ لعنت کرنے والا ہو (حاکم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لعان ہونا، مومن کی شان نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : لَا یَجْتَمِعُ أَنْ تَکُوْنُوْا لَعَّانِیْنَ صِدِّیْقِیْنَ (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۱۴۷، ورقم الحدیث ۱۴۸، کتاب الایمان، فأما حدیث أبی ھریرۃ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہوتیں کہ آپ لعنت کرنے کے عادی ہوں، اور صدیق ہوں (حاکم)

اس حدیث سے بھی لعنت کے عمل کا ناپسندیدہ ہونا اور لعنت کے عادی کا ''صدیق'' نہ ہونا معلوم ہوا۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

کُنَّا إِذَا رَأَیْنَا الرَّجُلَ یَلْعَنُ أَخَاہُ، رَأَیْنَا أَنَّہُ قَدْ أَتٰی بَابًا مِّنَ الْکَبَائِرِ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۶۶۷۴) [1]

ترجمہ: ہم جب کسی آدمی کو دیکھتے تھے کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی پر لعنت کر رہا ہے، تو ہم یہ سمجھتے تھے کہ وہ کبیرہ گناہوں کے دروازہ پر پہنچ گیا ہے (طبرانی)

مذکورہ حدیث سے مومن پر لعنت کرنے کا کبیرہ گناہ ہونا معلوم ہوا، اور جس لعنت کی نسبت بڑے بڑے صحابۂ کرام اور فقہائے کرام واولیائے عظام کی طرف لازم آئے، وہ کیونکر کبیرہ

---

[1] قال المنذری: رواہ الطبرانی بإسناد جید (الترغیب والترھیب، تحت رقم الحدیث ۴۲۱۸، الترھیب من السباب واللعن لا سیما لمعین آدمیا)

وقال الھیثمی: رواہ الطبرانی فی الأوسط والکبیر بنحوہ، وإسناد الأوسط جید، وفی إسناد الکبیر ابن لھیعۃ، وھو لین (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۱۳۰۰۹، باب فیمن لعن مسلما أو رماہ بکفر)

گناہ نہ ہوگی۔

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ** (مسند احمد، رقم الحديث ١٦٣٨٥) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی طرح ہے (مسند احمد، بخاری)

یعنی جس طرح مومن کو قتل کرنا حرام ہے، اسی طرح اس پر لعنت کرنا بھی حرام ہے، یا جس طرح کا عذاب مومن کو قتل کرنے پر ہے، اسی طرح کا عذاب مومن پر لعنت کرنے پر بھی ہے۔

پھر جس مومن اور اللہ والے کو قتل کرنا جائز نہیں، اس پر لعنت کرنا کیسے جائز ہوگا۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

**قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا لَعَنَ شَيْئًا صَعِدَتِ اللَّعْنَةُ إِلَى السَّمَاءِ فَتُغْلَقُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ دُوْنَهَا، ثُمَّ تَهْبِطُ إِلَى الْأَرْضِ فَتُغْلَقُ أَبْوَابُهَا دُوْنَهَا، ثُمَّ تَأْخُذُ يَمِيْنًا وَشِمَالًا، فَإِذَا لَمْ تَجِدْ مَسَاغًا رَجَعَتْ إِلَى الَّذِىْ لُعِنَ، فَإِنْ كَانَ لِذٰلِكَ أَهْلًا وَإِلَّا رَجَعَتْ إِلٰى قَائِلِهَا** (سنن ابى داؤد، رقم الحديث ٤٩٠٥، كتاب الادب، باب فى اللعن) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب کسی چیز پر لعنت کرتا ہے، تو لعنت آسمان کی طرف چڑھتی ہے، پھر اس کے سامنے آسمان کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، پھر وہ زمین کی طرف اترتی ہے، تو اس کے سامنے زمین

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الأرنؤوط : اسناده محتمل للتحسين ( حاشية سنن أبى داود )

کے دروازے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں، پھر وہ لعنت دائیں اور بائیں چلتی ہے، پھر جب اس کو کوئی جگہ نہیں ملتی، تو وہ اس کی طرف جاتی ہے، جس پر لعنت کی گئی ہے، اگر وہ اس کا اہل ہے، تو ٹھیک، ورنہ وہ لعنت کرنے والے کی طرف واپس لوٹ کر آ جاتی ہے (ابوداود)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ إِنَّ اللَّعْنَةَ إِذَا وُجِّهَتْ إِلٰى مَنْ وُجِّهَتْ إِلَيْهِ، فَإِنْ أَصَابَتْ عَلَيْهِ سَبِيْلًا، أَوْ وَجَدَتْ فِيْهِ مَسْلَكًا، وَإِلَّا قَالَتْ: يَا رَبِّ، وُجِّهْتُ إِلٰى فُلَانٍ، فَلَمْ أَجِدْ عَلَيْهِ سَبِيْلًا، وَلَمْ أَجِدْ فِيْهِ مَسْلَكًا، فَيُقَالُ لَهَا: اِرْجِعِيْ مِنْ حَيْثُ جِئْتِ (مسند احمد، رقم الحديث ٣٨٧٦) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ ارشاد سنا کہ لعنت جب بھیجی جاتی ہے، جس کی طرف بھی بھیجی جاتی ہے، تو اگر اس کا راستہ درست ہوتا ہے، یا وہ راستہ پاتی ہے، تو فبہا، ورنہ وہ لعنت یہ کہتی ہے کہ اے میرے رب! مجھے فلاں کی طرف بھیجا گیا ہے، اور میں اس کی طرف راستہ اور چلنے کی جگہ نہیں پاتی (یعنی وہ اس لعنت کا مستحق نہیں ہے) تو اس لعنت کو کہا جاتا ہے کہ تو اسی کی طرف لوٹ جا، جہاں سے آئی ہے (یعنی جس نے لعنت کی ہے) (مسند احمد)

معلوم ہوا کہ لعنت انتہائی خطرناک عمل ہے، اور جب تک اس کا کوئی صحیح مستحق نہیں ہوتا، وہ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده محتمل للتحسين (حاشية مسند احمد)

وقال المنذري: رواه أحمد وفيه قصة وإسناده جيد إن شاء الله تعالى (الترغيب والترهيب، ج٣ص٣١٣، تحت رقم الحديث ٤٢٢١)

وقال الهيثمي: رواه أحمد، وأبو عمير لم أعرفه، وبقية رجاله ثقات، ولكن الظاهر أن صديق ابن مسعود الذى يزوره هو ثقة، والله أعلم (مجمع الزوائد، ج٨ص٧٤، تحت رقم الحديث ١٣٠١٩، باب فيمن لعن ما ليس بأهل اللعنة)

اس کو جا کر نہیں لگتی، بلکہ کہنے والے پر لوٹ کر آ جاتی ہے۔

مذکورہ دلائل سے واضح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے مشرک وغیر ناجی ہونے کا حکم لگانے والے کو گستاخ، بے ادب یا ملعون وغیرہ قرار دینا جائز نہیں۔

اور یہ بات دلائل کے ساتھ پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ قرآن وسنت میں دین کے اندر غلو ومبالغہ کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ (سورۃ النسآء، رقم الآیۃ ۱۷۱)

ترجمہ: نہ غلو کرو تم اپنے دین میں اور نہ کہو تم اللہ کے متعلق، سوائے سچ کے (سورہ نساء)

کئی احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق بھی غلو ومبالغہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعقیدت کے جذبات میں آ کر اُن غیبی حقائق کا انکار کرنا درست نہیں، جو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی وحی کی روشنی میں بیان فرمائے، اوران میں عقل وقیاس کا بھی دخل نہیں، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا مسئلہ بھی داخل ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی اوراپنے رسول کی سچی و پکی اتباع ومحبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

واللہ تعالیٰ أعلم.

# اس مکمل مضمون کا خلاصہ

انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے آباء واجداد، اور بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے ناجی ہونے نہ ہونے اوران کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت حاصل ہونے نہ ہونے اورزمانۂ جاہلیت میں فوت شدہ افراد کے متعلق، شروع سے اب تک جو بحث کی گئی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہلُ السنۃ والجماعۃ بالخصوص متقدمین کے نزدیک انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے آباء واجداد کا مومن وموحّد ہونا ضروری نہیں، اور تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے آباءواجداد کے مومن وموحّد ہونے کا قول بنیادی طور پر رافضی اہلِ تشیّع کا ہے، اور نبی ﷺ کے والدین کے متعلق اہلِ علم حضرات کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔

جمہوراہلِ علم حضرات بالخصوص متقدمین کا فرمانا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا کفر وشرک کی حالت میں انتقال ہوا، اوران سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا بعد میں ایمان لانا اوران کے لیے استغفار وشفاعت کا جائز ہونا منقول نہیں۔

اسی طرح زمانۂ جاہلیت میں فوت ہونے والے جن افرادواشخاص کے بت پرستی وشرک یا کفر پر فوت ہونے یا ان کے اہلِ نار میں سے ہونے کی معتبر نصوص میں تصریح آئی ہے، ان کو دعوت نہ پہنچنے کی وجہ سے ایمان وتوحید کا مکلّف نہ ہونے کا حکم لگانا بھی درست نہیں۔

جمہور متقدمین کا یہی قول ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور قول بھی یہی ہے، بلکہ بعض نے تو اس قول پر متقدمین کے اجماع ہونے کا بھی حکم لگایا ہے۔

اوراسی قول کی صحیح احادیث وروایات سے تائید ہوتی ہے، اوراس قول کے دلائل نہایت مستحکم و مضبوط ہیں۔

اورہم ''فیما بیننا وبین اللہ ''اسی قول کو حق وصواب سمجھتے ہیں، اوراس کے برخلاف اقوال کواجتہادی طور پر مرجوح اورخطاء پر مبنی خیال کرتے ہیں۔

کیونکہ حضرت ابراہیم علیہم الصلاۃ والسلام کے والد کا غیر مومن وغیر موحّد ہونا، قرآن وسنت کی نصوص سے ثابت ہے، اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے والدین کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت واستغفار کی اجازت نہ ملنے اور ان کے اور کئی دوسرے جاہلیت کے زمانہ میں فوت شدہ افراد کے کفر وشرک کی حالت میں فوت ہونے اور اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہونے کا صحیح اور معتبر ومستند احادیث وروایات میں ذکر ملتا ہے، اور اس سلسلہ میں بعض احادیث وروایات اگرچہ سند کے اعتبار سے کمزور ہیں، لیکن اولاً تو صحیح اسناد سے مروی احادیث وروایات بھی اس مسئلہ کے لیے کافی وافی ہیں، دوسرے بعض ضعیف احادیث وروایات باہم اور دوسری صحیح احادیث کے ساتھ مل کر ''صحیح لغیرہٖ'' یا کم از کم ''حسن لغیرہٖ'' کا درجہ اختیار کرلیتی ہیں، اور اس طرح وہ بھی مسئلہ ہٰذا میں قابلِ استدلال شمار ہوجاتی ہیں۔

اور اس کے برعکس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو آخرت میں جہنم کے دائمی عذاب سے نجات کے لیے ''شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے حاصل ہونے کی روایات اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ یا بعض حضرات کے بقول والدین کے فوت ہونے کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوچکی، دوبارہ زندہ کیے جاکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور پھر واپس فوت کردیئے جانے کی روایت سند کے اعتبار سے انتہائی ضعیف، بلکہ متعدد محققین ومحدثین کی تصریح کے مطابق ''موضوع وباطل'' ہے، جس پر عقیدہ رکھنا تو درکنار فضائل کے باب میں بھی اس کا اعتبار کیا جانا درست معلوم نہیں ہوسکا۔

البتہ جن حضرات کو اس روایت کی اسنادی تحقیق نہ ہوسکی، یا ان کو اس روایت کے صحیح ومعتبر ہونے کی غلط فہمی ہوئی، انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا، اور اس کی دوسری احادیث وروایات اور نصوص سے موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی، اور بعض دوسرے قیاسات کو بھی استعمال کیا، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت ومحبت کا جذبہ بھی فطری وطبعی طور پر کار

فرمارہا، جن میں علامہ سیوطی کا شمار سرِ فہرست حضرات میں ہوتا ہے، ان کے بعد پھر ''قرناً بعد قرنٍ'' اور ''روایت درروایت'' یہ سلسلہ چلتا رہا، اوراس پر متاخرین کی طرف سے مستقل رسائل بھی تالیف وتحریر کیے جاتے رہے، جن میں اکثر وبیشتر علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے بیان کردہ مستدلات کا اعادہ کیا جاتا رہا، ساتھ ہی مزید مستدلات بھی شامل کیے جاتے رہے۔

ان اہلِ علم حضرات کے خلوص اور نیک نیتی پر ہم کو شبہ کرنے کا حق نہیں، بلکہ ہم جیسوں کو ان کے اخلاص اور نیک نیتی کو اپنے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہی سمجھنا حسنِ ظن کا تقاضا ہے، لیکن دوسری طرف یہ بھی شریعت کا ایک اہم اصول ہے کہ مسئلہ شرعیہ میں کسی کی رائے کے صواب اور راجح ہونے کا مدار صرف اخلاص اور نیک نیتی پر نہیں، بلکہ اس کے لیے دلائل کا مضبوط وراجح ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ تو مختلف مجتہدین وفقہائے کرام اپنی جگہ نہایت مخلص ومتقی تھے، لیکن اس کے باوجود ان کے اقوال کو دلائل کے تناظر میں دیکھا جاتا اور جائزہ لیا جاتا ہے۔

پس متعدد محققین کے نزدیک دلائل کی رُو سے تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے آباء واجداد اور بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ''موحد وناجی'' ہونے کے سلسلہ میں مذکورہ حضرات کا قول ''صواب وراجح'' معلوم نہ ہوا، بلکہ ''خطاء ومرجوح'' ہونا معلوم ہوا، جس پر وہ اگرچہ عنداللہ تو مؤاخذہ کے مستحق نہ ہوں گے، بلکہ کیا بعید ہے کہ حق کو نیک نیتی کے ساتھ پانے کی جدوجہد کرنے کی وجہ سے ایک اجر کو پانے کے مستحق ہوں، لیکن بہرحال اس قول کے کسی صحیح ومعتبر حدیث سے ثابت نہ ہونے کے ساتھ ساتھ چونکہ اس کا قرآن وسنت کی نصوصِ کثیرہ وصریحہ سے بھی ایک قسم کا معارضہ لازم آتا ہے، اس لیے اس کو ترجیح دینے کی کوئی معقول وجہ سامنے نہ آسکی۔

اور یہ بات واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جان بوجھ کر کوئی جھوٹی بات منسوب کرنا، سخت وعید کا باعث ہے اور بلا تحقیق کوئی بات بیان کرنا بھی شرعاً ممنوع ہے۔

چنانچہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ: إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَدِيْثِ عَنِّيْ، فَمَنْ قَالَ عَنِّيْ فَلَا يَقُوْلُ إِلَّا حَقًّا، وَمَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۳۷۹، کتاب العلم) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منبر پر تشریف فرما ہونے کی حالت میں سنا، آپ فرمارہے تھے کہ تم میری طرف سے زیادہ حدیث بیان کرنے سے بچو، پس جو شخص میری طرف سے کوئی بات کہے، تو حق اور سچ ہی کہے، اور جس نے میرے بارے میں وہ بات کہی، جو میں نے نہیں کہی تھی، تو اُسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے (حاکم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (صحيح مسلم، مقدمة، باب النهى عن الحديث بكل ما سمع؛ ابو داوٗد، رقم الحديث ۴۹۹۲، باب فى التشديد فى الكذب)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے جھوٹ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سُنی ہوئی بات کو بیان کردے (مسلم، ابوداؤد)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَفٰى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُّحَدِّثَ

---

[1] قال الحاكم:
وفي حديث محمد بن عبيد، حدثني ابن كعب وغيره، عن أبي قتادة .هذا حديث على شرط مسلم، وفيه ألفاظ صعبة شديدة، ولم يخرجاه .وله شاهد بإسناد آخر عن أبي قتادة .
وقال الذهبي في التلخيص: على شرط مسلم.

**بِكُلِّ مَا سَمِعَ** (صحيح ابنِ حبان ،رقم الحديث ۳۰،المقدمة،باب الاعتصام بالسنة وما يتعلق بها نقلا وأمرا وزجرا بيان لزوم الاتباع بالسنة وما يتعلق بها) [1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے مبتلائے گناہ ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سُنی ہوئی بات کو بیان کردے (ابن حبان)

رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام اور محبت وعقیدت کا معاملہ، تو وہ بہرحال اپنی جگہ مسلّم ہے، لیکن چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والدین کے کفر پر فوت ہونے کی وجہ سے استغفار کی اجازت نہ ملنے اوران کے مبتلائے عذاب ہونے پر نہایت رنج وغم ہوا، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مومن کو بھی اس پر رنج وغم ہو، لیکن اس کے باوجود، اللہ کے فیصلے پر راضی رہے۔

اور کئی حضرات کی تصریح کے مطابق چونکہ یہ قول جمہور اہلِ علم حضرات کا ہے، بلکہ متعدد حضرات کے بقول، اس پر متقدمین اہلُ السنۃ والجماعۃ کا اجماع بھی ہے، اور یہی قول نصوصِ صحیحہ وکثیرہ اور صریحہ سے مؤید ہے، لہٰذا اس کے مطابق عقیدہ رکھنے اور حکم بیان کرنے والے پر نکیر کرنا، اس کو مطعون کرنا، اور اس سے بڑھ کر اس کو ملعون وغیرہ قرار دینا درست نہیں، کیونکہ اس کی زد میں بہت سے جلیلُ القدر فقہاء ومحدثین بالخصوص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی آجاتے ہیں۔

تاہم اس مسئلہ کو بیان کرتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کا لحاظ رکھنا، اور بے ادبی کے عنصر سے بچنا ضروری ہے، لیکن فی نفسہٖ بوقتِ ضرورت ومصلحتِ شرعیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر بحالتِ کفر وشرک فوت ہونے کا حکم لگانا بے ادبی میں داخل نہیں، اور اس کو مذکورہ صورت میں بے ادبی سمجھنا غلط فہمی پر مبنی ہے۔

البتہ اس چیز کا امکان پایا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ہونے کی حیثیت سے،

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح على شرط الصحيح، وأخرجه مسلم فى مقدمة صحيحه(حاشية ابنِ حبان)

ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے، جس طرح آپ کے چچا ابو طالب کے حق میں عذاب کی تخفیف، صحیح احادیث سے ثابت ہے، لیکن مبتلائے کفر کے لیے جو دائمی عذاب کا فیصلہ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر اور اٹل ہے، اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

آخر میں یہ امر ملحوظ رکھنا بھی انتہائی ضروری ہے کہ مذکورہ بالا مضمون میں جو تحقیق ذکر کی گئی، اور جس قول کی طرف اپنا رجحان ومیلان ظاہر کیا گیا، وہ ایک علمی تحقیق ہے، جس کو تفصیل کے ساتھ اس لیے ذکر کیا گیا ہے، تاکہ اس سلسلہ میں مروی احادیث وروایات کی اسنادی حیثیت اور ان کے معانی ومطالب کی توضیح ہوسکے، اور اس سلسلہ میں پائی جانے والی مختلف افراط وتفریط پر مشتمل صورتوں اور غلط فہمیوں کی نشاندہی اور اہل السنۃ والجماعۃ، نیز جمہور اہلِ علم حضرات اور اس کے مقابلہ میں بعض اہلِ تشیع کے قول کی تحقیق ہوسکے۔

لیکن اس مسئلہ کو بلاضرورت بحث ومباحثہ، بلکہ اپنی تحریر وتقریر کا مشغلہ بنا کر عوام میں تشویش کی لہر پیدا کرنا درست نہیں، لہٰذا جب تک ضرورت نہ ہو، اس وقت تک اس مسئلہ میں عوامی سطح پر نفیاً واثباتاً تعرض کے بجائے، سکوت احوط واسلم اور عوامُ الناس کو تشویش سے بچانے کا سبب ہے۔

اسی طرح دوسرے قول کو ترجیح دینے والے پر بے جا نکیر کرنا یا اس پر ضلالت وگمراہی کا حکم لگانا یا اس پر طعن وتشنیع کرنا بھی مناسب طرزِ عمل نہیں، البتہ دوسرے کی طرف سے سامنے آنے والے غلو یا افراط وتفریط کی معقول دلائل اور مہذب وسنجیدہ انداز میں بغرضِ اصلاح تردید وتوضیح کرنے میں حرج نہیں، لیکن بایں ہمہ اپنے آپ کو تضییعِ اوقات سے اور دوسرے مسلمانوں کو بے جا تشویشات سے بچانے کا اہتمام بھی اپنی جگہ ضروری ہے۔

ہم اس سلسلہ میں افراط یا تفریط کا طرزِ عمل اختیار کرنے والوں کو اعتدال کے راستہ پر گامزن نہیں سمجھتے، اور ہم اس طرح کی افراط وتفریط کرنے والوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے اعتدال کو اختیار کرنے اور اس کی توفیق مرحمت فرمانے کی دعاء کرتے ہیں۔

بطورِ خاص دینی مسائل اور تحقیق میں بے جا تشدد و تعصب اختیار کرنے اور اس قسم کے مسائل میں عوام میں اشتعال پیدا کر کے، امتِ مسلمہ کے شیرازہ کو منتشر کرنے والے لوگوں کی اصلاح کے لیے دعا گو ہیں، جو جب بھی اور جس کی طرف سے بھی اپنے مخصوص جذبات وخیالات کے خلاف طرزِ عمل کو محسوس کرتے ہیں، بلا تحقیق، اس کے خلاف چڑھائی کرتے ہیں، اور طرح طرح سے بدگمانی و بدزبانی، بلکہ جھوٹ و بہتان تک کا ارتکاب کر کے اور عوام میں اشتعال پیدا کر کے اپنی دنیا وآخرت کے خسارہ کا سامان کرتے ہیں۔

اور اس کے باوجود، ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ:

"وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا"

یعنی وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ کوئی بہت بڑا کارِ خیر انجام دے رہے ہیں۔

اور یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ قرآن وسنت کی نصوص اور مستند و معتبر احادیث کو نظر انداز کر کے بے سند اور جھوٹی حدیثوں کی تبلیغ و تشہیر کر کے اور غمگین ہونے والی چیز پر خوشیوں کے شادیانے بجوانا، اور نعرے بازی کرانا، اور عقل ونقل کے بجائے، محض طبعی جذبات پر کسی عقیدے کی بنیاد رکھنا، کس قدر خطرناک طرزِ عمل ہے۔

اور اس دعاء پر ہم اپنے مذکورہ مضمون کا اختتام کرتے ہیں کہ:

اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهٗ.

وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا، وَارْزُقْنَا اِجْتِنَابَهٗ.

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

محمد رضوان خان

22/ ربیع الاول/1440ھ 01/ دسمبر/2018ء بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

مذکورہ دلائل کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں
رہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر ایمان
لانے کو ''عقیدۂ ختمِ نبوت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو ایمان کا لازمی
جزو ہے، اور اس کی نفی کرنا ایمان کو زائل کر دیتا ہے۔ اسی لیے اس
بات پر امت کا اجماع ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تمام نبیوں میں آخری
نبی ہیں۔ اور اس بات پر بھی امت کا اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد جو شخص بھی اپنے لیے، یا کسی اور کے لیے نبوت کا دعویٰ
کرے گا، تو وہ قطعاً جھوٹا اور دائرہ اسلام سے خارج شمار ہوگا،
اور جو شخص اس کی تصدیق کرے گا، وہ بھی دائرہ اسلام
سے خارج شمار ہوگا۔
(صفحہ نمبر 116)